هٰذا بصائر للناس وهدى ورحمة لقوم يوقنون (الجاثیہ)

بصائر حکیم الامت

حقیقت تصوف و سلوک
ازالہ اوہام و شکوک

عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نور اللہ مرقدہ

خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

سلمان عثمان اینڈ کمپنی دیوبند سہارنپور

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (الجاثیہ)

حقیقت تصوّف وسلوک
و
ازالۂ اوہام وشکوک

حکیم الامت، مجدد ملت، محی السنت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی تصانیف وتالیفات میں سے ایسے مجددانہ ومصلحانہ مضامین جن کا تعلق خصوصیت کے ساتھ تصوف وسلوک سے ہے اور جن کی تشریح ووضاحت کتاب وسنت کے قوی دلائل کے ساتھ کی گئی ہے اور جن میں تجدیدی واصلاحی انفرادیت کی شان نمایاں ہے منتخب وجمع کرکے اس کتاب میں خاص ربط وعنوانات کیساتھ مرتب ومدوّن کیا گیا ہے

مؤلف

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی نور اللہ مرقدہٗ

خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولینا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

ناشر سلمان عثمانی اینڈ کمپنی دیوبند

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اشارۂ مضامین

بصائرِ حکیم الامت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فہرست مضامین

"بصائر حکیم الامت"

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبد الحی صاحب مدظلہ العالی خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز نے کئی قابل قدر کتابیں تصنیف و تالیف فرمائی ہیں جن میں "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم"، "مآثر حکیم الامت رح" اور زیر نظر کتاب "بصائر حکیم الامت" خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کو بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے۔

"بصائر حکیم الامت رح" فن تصوف پر ایک معرکہ آرا کتاب ہے جو نہ صرف شائقین تصوف کے لئے بلکہ ہر مسلمان کے لئے بے حد مفید اور کارآمد ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ نے حکیم الامت رح کے مجددانہ و مصلحانہ مضامین تصوف و سلوک کا انتخاب مختصر مگر جامع طریق پر اس کتاب میں نہایت حسن ترتیب سے پیش کر کے ایک عظیم خدمت انجام دی ہے جس کا اعتراف وقت کے متعدد علماء نے بھی کیا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح (دیوبندی) نے اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:۔

سیدی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے جو علمی و عملی کمالات عطا فرمائے اور تقویٰ کے مقام بلند پر فائز فرمایا۔ وہ تو طالب علمی کے زمانے ہی سے معروف و مشہور اور آپ کے اساتذۂ کرام کی نظروں میں تھا۔ اسی کی برکت سے حق تعالیٰ نے اپنی معرفت کاملہ اور مامور دین کی خاص فہم و فراست سے نوازا اور اصلاح امت کے ساتھ جو بیغمبرانہ شغف اور اصلاح کی آسان اور موثر تدبیریں منجانب اللہ آپ کو عطا ہوئیں وہ ایسی چیز ہے جو امت میں خاص خاص ہی حضرات کو نصیب ہوتی ہیں۔

آپ کی تصانیف، مواعظ، ملفوظات پڑھنے والے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں ان سے خاص دینی انقلاب کا پیدا ہوا، ہر جگہ ہر طبقہ میں مشاہدے میں آیا جس کو دیکھتے ہوئے آپ کو اس صدی کا مجدد اور مامور من اللہ سمجھا جاتے تو کوئی مبالغہ نہیں ـــــ مگر حضرت کی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات جو شائع ہو کر منظر عام پر آ گئے ہیں ان کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ ان سب کو خرید کر جمع کرنا پھر ان کو پڑھنا ہر کسی کے لئے آسان نہیں۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت رح کی مجددانہ تعلیمات و ارشادات میں سے زیادہ اہم چیزوں کو منتخب کر کے عوام کی آسان زبان میں شائع کیا ہے۔ اس سلسلہ کی بہت سی کتابیں حضرت رح کی حیات سے لیکر اب تک بڑی تعداد میں شائع ہو چکی ہیں (بصائر حکیم الامت رح، اسی قسم کا ایک مجموعہ ہے جو تصوف و سلوک کے ہمہ گیر مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہے)

کراچی میں حضرت رح کے نقش قدم پر کام کرنے والے محترم اخی فی اللہ حاجی ڈاکٹر عبد الحی صاحب بحمد للہ افادۂ خلق میں متواتر کام کر رہے تھے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

محترم مولانا محمد احمد صاحب پھول پوری (الہ آبادی) مدظلہ، جو حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے ایک برگزیدہ بزرگ ہیں اور علوم ظاہری وباطنی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بدرجہ کمال متصف فرمایا ہے اپنے ایک مکتوب میں حضرت ڈاکٹر صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

حضرت کا ہدیہ مبارک بصائر حکیم الامت ملا کر دلی مسرت کا باعث ہوا ـــ حضرت کی محبت اور صحبت میرے لئے اللہ پاک کی عظیم نعمت ہے، اللہ پاک حضرت کے درجات بلند فرماتے رہیں اور صحت اور قوت کے ساتھ مدت دراز تک حضرت کا فیض جاری رہے۔ کتاب اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بصائر حکیم الامت، امت کے لئے عجیب وغریب چیز ہے۔ حضرت کی دونوں کتابیں بصد شوق پڑھتا ہوں مجلس میں بھی سناتا ہوں۔ بصائر بھی مجلس میں سنائی خود بھی الحمد للہ بہت متاثر ہوا اور اہل مجلس بھی بہت متاثر ہوئے۔ عجیب نادر چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم خاص سے حضرت سے ایسا مبارک کام لیا جو امت کے لئے، طالبین وسالکین کے لئے عجیب چیز ہے۔ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائیں ـــــ"

بصائر حکیم الامتؒ کا پہلا ایڈیشن ہندوستان میں پہلی بار بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ یہ کتاب فن تصوف وسلوک میں موجودہ ترتیب کے ساتھ ایک منفرد درجہ رکھتی ہے۔ مندرجہ بالا علماءِ محترم کی آراء کے پیشِ نظر اس کتاب کی افادیت کے بارے میں ہمارا کچھ مزید لکھنا لاحاصل ہے بہرحال اس کتاب کی طباعت اور اس کی ظاہری خوبیوں کو اس کی باطنی خوبیوں کے شایانِ شان کرنے کیلئے ہم نے ہر امکانی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک کتاب سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ ـــــ طباعت کا مرحلہ جاری تھا اور کاپیاں پریس جاچکی تھیں ـــــ کہ اچانک پاکستان سے خبر آئی کہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحبؒ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم کی زندگی کے بعد کتاب کی اہمیت وافادیت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے یہ کتاب حضرت کی آخری کتابوں میں سے ایک ہے جو امت کیلئے یقیناً ایک تحفہ اور نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ دعا ہے کہ ربُّ العالمین حضرتؒ مرحوم کی بال بال مغفرت فرماکر بلند درجات سے نوازے۔ اور کتاب کو امتِ مسلمہ کیلئے زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔ آمین۔

ـــــ ناشر ـــــ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تعارفِ عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ

حضرت ڈاکٹر شاہ محمد عبد الحیؒ صاحب عارفی مدظلہ العالی محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عارف کے ساتھ متعارف بھی بنایا ہے۔ خصوصاً موصوف کی تالیفات "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" اور "مآثر حکیم الامت" کو جو خواص و عوام میں مقبولیت نصیب ہوئی اس سے انہیں مصنفین کی صف میں ایک ممتاز مقام ملا اور ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ تاہم کسی بزرگ اور عظیم شخصیت کی سیرت و تعلیم پر روشنی ڈالنے والے کے متعلق یہ سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس شخصیت عظیمہ سے کس نوعیت کا تھا اور وہ جو کچھ لکھ رہا ہے اس میں اس کے ذاتی مشاہدات اور معلومات و تاثرات کا کتنا حصہ ہے، خصوصاً شعبۂ تصوف و سلوک کے بارے میں یہ سوال زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ ایک نازک اور اہم طریق ہے، اور اس کے متعلق ایک شیخ و مصلح کی خصوصیات اور اس کے اصول تعلیم و تربیت سمجھنے کے لئے تذکرہ نگار کو اس کے ساتھ مناسبت و ہم ذوقی ہونا لازم ہے اگرچہ قلتِ مصاحبت، قلتِ مناسبت کی دلیل نہیں، مگر طولِ مصاحبت، قوتِ مناسبت کی ایک علامت یقیناً ہے، اس لئے کسی شیخ کامل خصوصاً حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کے جیسے مجدد وقت کے اصول تعلیم و تربیت کے متعلق اگر ایسا شخص روشنی ڈالے جو مدت دراز تک اپنے قلب کو اس کے فیضانِ نور سے منور کرتا رہا ہو تو اس کے بیان کا وزن یقیناً اہلِ نظر کی نگاہ میں زیادہ ہوگا۔

عرفان کی جو موجیں ذہن و دماغ سے براہ قلب باہر آتی ہیں وہ دوسروں کے قلب و ذہن کے لئے انقلاب انگیز ہوتی ہیں۔ صرف دماغی موجیں آب عرفان کے طالبوں کی پیاس نہیں بجھا سکتیں۔ اس لئے اس موقع پر یہ بتانا بلکہ صحیح تر الفاظ میں جتانا نامناسب

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

معلوم ہوا کہ حضرت عارفی کا تعلق حضرت حکیم الامت سے کتنا قوی اور مدید رہا ہے، اور
حضرت مؤلف کتاب ہذا میں جو کچھ لکھتے ہیں وہ دیدہ ہوتا ہے نہ کہ شنیدہ ۔

حضرت عارفی مدظلہ کے آباؤ اجداد کا وطن مالوف ضلع اٹاوہ (یوپی۔ انڈیا) تھا۔
اور ان کا تعلق ایک معزز اور شاہی زمانے کے صاحب منصب خاندان سے ہے۔ حضرت
عارفی مدظلہ بمقام کدورہ ریاست باؤنی (ضلع جھانسی۔ یوپی) محرم ۱۳۱۶ھ مطابق جون ۱۸۹۸ء
میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدِ امجد مولوی کاظم حسین صاحب صدیقی اپنے زمانے کے علوم عربی
و فارسی کے بڑے مستند عالم تھے اور موصوف کو سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا
شاہ ابوالخیر صاحب مجددی دہلوی سے شرف بیعت حاصل تھا اور اپنے پیر و مرشد کے
مخصوص وابستگان میں سے تھے۔ حضرت عارفی نے اپنی ابتدائی عربی کی معمولی تعلیم اور
ادب فارسی میں سیر حاصل تعلیم اپنے جدِ امجد سے حاصل کی اور ان کے فیوض باطنی سے
بہرہ اندوز ہوئے۔ پھر انگریزی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی تو ابتدائی تعلیم کانپور میں پائی۔ پھر
علی گڈھ کالج سے بی۔اے پاس کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی سند حاصل
کرکے دس سال تک ضلع ہردوئی میں وکالت کرتے رہے۔ یہ پیشہ موصوف کے مزاج فطری
سے مناسبت نہ رکھتا تھا۔ اس لئے افتادِ طبع کے تقاضے سے وکالت ترک کردی اور اپنے
ذریعۂ معاش کے لئے ۱۹۳۶ء سے ہومیو پیتھی طریقۂ علاج کو اختیار کیا اور ۱۹۳۶ء تا
۱۹۵۰ء جونپور میں مطب کرتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۰ء میں کراچی آکر مطب
کرنے لگے اور یہی سلسلہ اب تک جاری ہے۔

۱۹۲۷ء میں حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
سے شرف بیعت حاصل ہوا اور ۱۹۳۶ء میں خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت
حکیم الامتؒ کی آخر حیات تک تقریباً ۱۷ سال تعلیم و تربیت اور اخذ فیوض کا روحانی
سلسلہ جاری رہا۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اس مدّت دراز میں مجموعی طور پر برسوں مکاتبت، مجالست و مصاحبت کی نعمت سے بہرہ اندوز ہوتے۔ اس طویل مصاحبت کا اثر واضح کرنے کے لئے جناب مسعود حسن صاحب مرحوم کا ایک تاثر بطور مثال کتاب "مآثر حکیم الامت" سے نقل کر رہا ہوں مرحوم جنہوں نے مدّت دراز تک حضرت عارفی مدظلّہ سے استفادہ کیا تھا اپنا مشاہدہ و تجربہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلّہ کو حضرت مجدّدِ وقت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ملفوظات و مواعظ کے ان حصّوں کو بھی جو ایک حد تک عالمانہ ہوتے ہیں، عام فہم اور سادے الفاظ میں بیان فرما کر عقدہ کشائی فرمانے میں یدِ طولیٰ حاصل ہے جو صرف سننے ہی سے اور تجربے ہی سے سمجھ میں آ سکتا ہے اس کا الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔"

بلا شبہ حضرت عارفی مدظلّہ صحیح معنیٰ میں اس کے حقدار ہیں کہ میخانۂ اشرفی کی بادۂ عرفان کی سبیل لگائیں جس کا ماشاء اللہ سلسلہ جاری ہے۔ مناسب ہے کہ اس موقع پر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ایک ممتاز خلیفہ حضرت علامہ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ نقل کر دوں جو موصوف نے حضرت عارفی مدظلّہ کی مشہور تصنیف مآثر حکیم الامت پر تحریر فرمائی تھی۔

"خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کہئے یا ایک دُکان معرفت، اس کے دورِ اوّل کا تذکرہ ہی بزرگوں سے سُنا۔ البتہ دوسرے دَور میں سیّدی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی مجلس کو بحمد للہ آنکھوں سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

ع ناز م بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است

اس مجلس کے جرعہ نوش ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور بحمد للہ اب تک بھی بہت سے موجود ہیں۔ کراچی میں ہمارے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالحیّ صاحب دامت برکاتہم

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کو حق تعالیٰ نے حضرتؒ سے بچند وجوہ خصوصی تعلق عطا فرمایا تھا۔ خلیفۂ مجاز تو بحمد اللہ اور بھی ہیں مگر شیخ کا رنگ جن میں جھلکتا ہو وہ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے محترم خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے فرمایا تھا ؎

مجھے دیکھ آئینۂ یار ہوں میں　　جلا کردۂ دستِ دلدار ہوں میں

اللہ تعالیٰ مبالغہ اور تزکیہ عن غیر حق سے محفوظ رکھیں۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر مجھے مجذوب صاحبؒ کا یہ شعر یاد آیا کرتا ہے اور جب ان کو دیکھتا ہوں تو عموماً اصغر گونڈوی کا مصرع بھی زبان پر آجاتا ہے،

ع　ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

اب اس زمانے میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ العزیز کے فیوض و برکات کو مسلمانوں میں عام کرنے کے لئے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو چُن لیا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو آپ کے فیوض و برکات سے نفع عطا فرمائیں۔ فقط۔

راقم

یکے از خدام حکیم الامت قدس سرہ العزیز

احقر العباد

محمد اسحٰق صدیقی (سندیلوی) ثم لکھنوی عفی عنہ

سابق شیخ الحدیث دار العلوم ندوہ۔ لکھنؤ

حال مشرف

شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد

مدرسۂ اسلامیہ۔ بنوری ٹاؤن

کراچی نمبر ۵

یکم ذیقعدۃ الحرام سنہ ۱۳۹۷ھ

م

۱۵ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۷ء

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

غایتِ تالیف

پیشِ نظر کتاب "بصائرِ حکیم الامت" تصوف و سلوک کے موضوع پر حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے محققانہ و مجددانہ منتخب مضامین پر مشتمل ہے۔

مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح مسائل تصوف و سلوک کو اپنی مصلحانہ جد و جہد و توجہات خصوصی کا مرکز بنا لیا تھا اور اپنی متعدد تصانیف اور اکثر و بیشتر مواعظ و ملفوظات کے ذریعے سے کس طرح اس کی حقیقت و غایت اور اہمیت و ضرورت کو واضح کیا ہے اور کس طرح طریقت کو دین مبین کا ایک اہم شعبہ ثابت کرتے ہوئے اس طریق کے اختیار کرنے والوں کے لئے جن شرائط کا لازم ہونا اور حصول مقاصد کے لئے جن ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے اس کی وضاحت فرمائی ہے اصطلاحات طریق کی کس طرح عام فہم تشریح کی ہے، اور باطنی احوال و کیفیات، رموز و اسرار و معارف و حقائق کی کس بصیرت افروز انداز سے عقدہ کشائی کی ہے۔ اخلاق حمیدہ و رذیلہ کے محرکات پر کیسی حکیمانہ و عارفانہ نظر ڈالی ہے اور ان کے اکتساب و اجتناب کے لئے کیسے سہل الحصول و سہل العمل مجربات و معالجات پیش کئے ہیں۔

اس کے علاوہ طالبین السالکین طریق کی تعلیم و تربیت اور ان کی تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس کے لئے کیسا معیاری نصاب و مسلک مقرر و متعین فرمایا ہے جو خالصۃً کتاب و سنت کے اصول کے مطابق منضبط کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا امور پر نظر ڈالنے سے بعض اکابر اہل نظر کا خیال ہے کہ ایسے اصول و ضوابط کے ساتھ علوم باطنی یعنی تصوف و سلوک کی تدوین و اشاعتِ عام کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس حقیقتِ مذکورہ کو خاص طور پر نمایاں اور متعارف کرانے کے لئے اور نفع خواص و

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

عوام کے خیال سے اس کتاب میں چند اہم ومناسب عنوانات کے تحت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف تصانیف مواعظ وملفوظات سے خاص مضامین تصوف وسلوک کو منتخب وجمع کرکے باقاعدہ فن کی حیثیت سے مرتب کیا گیا ہے۔

مگر یہ کام بہت اہم اور مجھ ایسے بے مایۂ علم وعمل کے لئے بہت دشوار تھا۔ عمر طبعی کا ضعف اور مشاغلِ زندگی سے عدیم الفرصتی خود ہمت شکن تھی۔ مگر میں نے اپنے طالبعلمانہ اور والہانہ ذوق کے تقاضے سے جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا وہ جمع کر لیا۔ بایں ہمہ نہ تو خاطر خواہ مضامین کا انتخاب ہو سکا اور نہ صحیح عنوانات اور حسن ترتیب کا اہتمام بن پڑا۔ یہ جو کچھ ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہی فضل ہے

وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ

اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر ناظرین کے لئے نافعیت اور ہدایت اور اس ناکارہ کے لئے سرمایۂ آخرت بنائیں۔ آمین۔

یہ تالیف شاید حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تمنا وخواہش ہی کا ثمرہ ہے جو ذیل میں درج ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آخر ایام علالت میں جب جناب علامہ سید سلیمان ندوی حضرتؒ کے خلیفہ ارشد بغرض عیادت تھانہ بھون تشریف لے گئے، اس وقت کے حالات کے سلسلہ میں حضرت سید صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں "خانقاہ تھانہ بھون میں میرے جائے قیام پر حضرت والا کی طرف سے حضرت کی اخیر تصنیف "بوادر النوادر" کا ایک نسخہ مولوی جمیل احمد صاحب نے ہدیۃً لاکر عنایت فرمایا اور یہ ارشاد سامی پہنچایا کہ میرے مضامین سے اقتباسات جمع کرکے شائع کرو۔ اس حکم کو اپنی ہدایت ورہنمائی سمجھ کر اپنی سعادت کا اظہار کیا۔ دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرتؒ نے اپنی زبان مبارک سے خود یہ ارشاد فرمانا چاہا تو خاکسار نے حضرتؒ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کے زحمت تکلّم کے خیال سے عرض کیا کہ مجھ کو یہ ارشادِ مبارک مولوی جمیل احمد صاحب کے ذریعہ پہنچ چکا ہے، مگر وہاں سے اٹھنے کے بعد مولوی جمیل احمد صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرتؒ کا مقصود کیا ہے، یعنی اس کتاب بوادر النوادر سے اقتباس یا عام کتابوں سے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کو میں نے خود اچھی طرح نہیں سمجھا۔ بعد کی حاضری میں موقع پاکر میں نے تفصیل چاہی تو ارشاد ہوا، نہیں عام کتابوں میں جو مضمون نظر آئیں ان کو یکجا کر لیا کرو۔ (رسالہ معارف اعظم گڈھ ۲، جلد ۵۲)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش اور فرمائش خصوصاً آخر لمحاتِ زندگی میں پھر سید صاحب ایسے علّامہ سے اپنی جگہ بہت اہم اور معنی خیز ہے۔ اس کے بعد حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مسلسل تغیّرات اور وقتی تفکرات زندگی اور خرابیٔ صحت کے باعث اس سعادت کے حاصل کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرتؒ کی مختلف تصانیف سے اکثر مضامین منتخب کئے گئے اور کتابی صورت میں حضرتؒ کی حیات ہی میں شائع ہوئے ہیں مثلاً "الرفیق سواء الطریق۔ اشرف المسائل۔ انفاس عیسیٰ۔ کمالات اشرفیہ وغیرہ، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بطور خود اپنے خاص خاص اہم مضامین کو یکجا کرکے 'البوادر النوادر' کے نام سے شائع فرمایا، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں بالکل آخر ایام میں شائع ہوا تھا اور اس کا دوسرا حصہ بعد میں 'البدائع' کے نام سے شائع ہوا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مولینا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ العزیز) نے ایسے انتخاب کے چار مجموعے، تجدید تصوف و سلوک، تجدید دین کامل، تجدید تعلیم و تبلیغ اور تجدید معاشیات، کے نام سے شائع کئے ہیں جو نہایت مفید ہیں اور جن سے حضرتؒ کی مجددانہ تعلیم و تربیت پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ ناکارہ بھی اسی نوعیت کا ایک گلدستہ ہدیۂ ناظرین کر رہا ہے۔ مگر میں اپنی صلاحیتِ فہم اور استعدادِ علمی کی کمی کے احساس و اعتراف کے ساتھ مستدعی ہوں کہ مضامین کی نافعیت

اور اہمیت کے پیش نظر ان کے بے ربط اور بے ترتیب ہونے کے سقم سے چشم پوشی کی جائے اور
اس عاجز و ناتواں کی مغفرت کے لئے دعا کی جائے

فدایت دیدۂ دل رسم آرائش مپرس از من
خراب ذوق گل چینی چہ داند باغبانیہا

مگر میرا یہ اقدام ع
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

اس کتاب کے تمامتر مضامین حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل کتب
سے منتخب کئے گئے ہیں :۔
نشر الطیب ۔ التکشف ۔ بوادر النوادر ۔ البدائع ۔ اشرف السوانح ۔
افادات یومیہ ۔ کمالات اشرفیہ اور مطبوعہ تربیت السالک ۔ کتاب شریعت و
طریقت (مولفہ مولوی محمد دین صاحب) (اشرف المسائل) مسائل سلوک، انفاس عیسیٰ)
اس کتاب میں ایک مضمون مولوی عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تجدید
دین کامل" سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ مضمون بطور دیباچہ سید سلیمان ندوی کا تحریر کردہ ہے
اس سے کتاب ہذا کے موضوع پر باحسن الوجوہ روشنی پڑتی ہے ۔

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ ایک عالمگیر
شہرت کے مستند و معتبر و یگانۂ عصر سیرت نگار اور مقبول خاص و عام تالیف
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤلف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری و باطنی علوم
میں بہت سے فضائل و کمالات سے متصف فرمایا تھا۔ وہ حضرت حکیم الامت مولٰینا
تھانوی قدس سرہ العزیز کے خلفا میں ایک مخصوص و ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ان کو اپنے
شیخ سے بڑی والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ اس دیباچہ میں انہوں نے اپنے علم و عرفان
سے اپنے پیر و مرشد کے تبحر علمی اور ترفع مقام روحانی کا اعتراف بھی کیا ہے، اور
تعارف بھی کرایا ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ تصوّف کا مکتشفِ اعظم

اور

فنِ حصولِ احسان وتقوٰی کا مجدّدِ کامل

(از علامہ سیّد سلیمان ندوی رح)

پیشِ نظر اوراق میں ایک ایسی ہستی کا مرقع پیش کیا جارہا ہے جو اپنے وقت میں مجموعۂ کمالات اور جامع انواع فضائل تھی۔ عالم۔ حافظ۔ قاری۔ مدرس۔ مفسر۔ محدث فقیہ۔ واعظ۔ صوفی۔ متکلم۔ مناظر۔ ناظم۔ ناشر۔ ادیب اور خانقاہ نشین شیخ سب کچھ تھی۔ لیکن اس نے سب سے بڑھ کر اپنے تمام فضائل وکمالات کو فن تصوف کی اصلاح وتکمیل میں صرف فرمادیا، اور دوسرے علوم وفنون میں سے ہر ایک پر عالمانہ اطلاع اور محققانہ عبور کے باوجود ان میں سے کسی کو اپنا تنہا اور مخصوص شغل نہیں بنایا۔ بلکہ اپنے تمام علوم وفنون اور کمالات کو صرف اسی ایک فن شریف کی خدمت میں لگادیا۔ اس لئے یہ کہنا گویا صحیح ہے کہ اس کو تمام دوسرے علمی اور عملی کمالات صرف اسی لئے دیئے گئے تھے کہ اس فن کی تجدید ہو جو دنیا میں کس مپرسی کی حالت میں اور ہندوستان میں بہ حالت غربت تھا جس کی حقیقت پر تہہ بہ تہہ پردے پڑ گئے تھے اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی، اور جو خود دکاندار صوفیوں کے ہاتھوں دنیاداری اور کسبِ معاش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آگیا تھا۔ اور جہاں اس کا وجود تھا بھی وہ یا محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہو کر رہ گیا تھا، یا اَوراد و وظائف کے نصاب کا، سلفِ صالحین نے اس فن
کے جوابواب و مسائل منقح کر کے لکھے تھے وہ بالکل فراموش ہو گئے تھے اور خصوصیت
کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل ہی چھپ گئی تھی اور جہاں کسی قدر اس کا
نام و نشان تھا وہاں علم میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود کی ناقابل افہام و تفہیم بلکہ ناقص
تعبیر پر اور اعمال میں صرف ذکر و فکر و مراقبہ کے چند اصول پر پوری پوری قناعت تھی۔
بدعات نے دین کا نام اور رسوم نے سلوک و تصوف کی جگہ حاصل کر لی تھی۔ طریقت و
شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں ایک کو دوسرے سے گرانے کی کوشش کی جا رہی تھی
عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ نعرے اور چند مبتدعانہ اصول و اعمال رہ گئے تھے جن کو
طریقت کا نام بخشا گیا۔

صوفیانہ خانوادوں کی جہالت اور موروثی گدی نشینی کی متواتر رسم نے اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطایا
اور مقبولیت کو بھی ایک صنعت گری کا کارخانہ بنا رکھا تھا۔ خانقاہوں کا کام صرف اعراس و فاتحہ کا اہتمام
اور سماع و رقص و قوالی کا انصرام رہ گیا تھا۔ مقررہ دنوں اور مہینوں میں کچھ لوگ جمع ہو کر فاتحہ خوانی
کر لیں، مٹھائی کھا لیں اور ایک جگہ بیٹھ کر کسی سازندے کے ترانے پر ہُو حق کر لیں اور زیادہ بڑھیں تو
وحدۃ الوجود کی آڑ لے کر شوخی اور بے باکی اور رندی کے اشعار و مضامین پڑھ لیں اور سر دُھن لیں۔
چند سینہ بہ سینہ راز تھے جن کو بے سمجھے بوجھے بار بار دہرایا جا رہا تھا۔ تصحیح عقائد، تحسین عبادت۔ اثباتِ
سنت۔ اصلاحِ اعمال اور ادائے حقوق العباد جو اصل دین اور صحیح سلوک تھا وہ ہر جگہ سے
مٹ چکا تھا۔ علمائے ظاہر چونکہ باطن کے منکر تھے یا باطن سے ناآشنا تھے۔ اس لیے ان کے پند و
نصائح کی حیثیت صوفیوں میں تفنیع ناشناس سے زیادہ نہ تھی اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ چونکہ طریقت
کے اصل راز سے واقف نہیں اس لئے ان کی بات سننے کے قابل نہ تھی اور علمائے ظاہر چونکہ باطن
سے منکر یا ناآشنا تھے وہ ان دکاندار صوفیوں کو دیکھ کر اصل فن سلوک کو ضلالت اور گمراہی قرار دینے
لگے تھے اور اس کے اصول و مسائل کو خلافِ شریعت اور مخالف کتاب و سنت سمجھتے تھے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا مطلق وجود ہی نہ تھا۔ بے شبہ جابجا صحیح و صالح بزرگوں کے سلسلے قائم تھے۔ کہیں کہیں ان کے فیوض و برکات بھی جاری اور ان کی تعلیم و تربیت کی برکت بھی عیاں تھی۔ لیکن یہ جو کچھ تھا خواص کے لئے تھا اور محدود حلقوں میں تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اشخاص کی تلقین و ہدایت تو ہو رہی تھی مگر تدوین فن، تربیت اصول تحقیق مسائل، تالیف رسائل اور اصل سلوک کے مضامین کو کتاب و سنت کی اور سلف صالحین اور اولیائے کاملین کی تشریح و توضیح سے ملا کر دیکھنے کے کام کہیں نہیں ہو رہے تھے اور نہ خطب و مواعظ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام کے خیالات کی اصلاح کی کوشش کی جارہی تھی اور نہ رَدِّ شبہات و دفع شکوک اور رفع اوہام کے لئے کوئی سلسلہ تھا اور نہ سالکین کی ظاہری و باطنی تربیت کی کوئی ایسی درس گاہ تھی جس میں راہ کی مشکلات کو علمی و فنی طریق سے بتایا اور سکھایا جاتا ہو اور نہ کہیں کوئی ایسی مسند بچھی تھی جہاں شریعت و طریقت کے مسائل پہلو بہ پہلو بیان ہوتے ہوں، جہاں تفسیر و فقہ و حدیث کے ساتھ امراض قلب کے علاج کے نسخے بھی بتائے جاتے ہوں جو کتاب و سنت میں موجود ہیں جہاں ایک طرف قال اللہ و قال الرسول کا ترانہ بلند ہو اور دوسری طرف عبودیت و بندگی کے اسرار اور اتباع سنت کے رموز بھی سکھائے جاتے ہوں۔ جہاں جس قلم سے احکام فقہی کے فتاوے نکل رہے ہوں، اسی قلم سے سلوک و طریق کے مسائل بھی شائع ہو رہے ہوں۔ جس منبر سے نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے فقہی مسائل واشگاف بیان کئے جا رہے ہوں، اسی منبر سے روحانی حقیقت اور ان کی قلبی اداکاری کے طریق بتائے جا رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اس کام کے لئے حضرت حکیم الامت مجددِ ملت (مرشدی و مولائی مولانا شاہ اشرف علی) علیہ الرحمۃ کا انتخاب فرمایا اور وہ کام ان سے لیا گیا جو چند صدیوں سے معطل پڑا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ زمانہ کا تقاضا تھا کہ اس کے مقتضیات نے جو نئی ضرورتیں پیدا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کر رکھی ہیں دین کی حفاظت کے لئے ان کا بندوبست کر دیا جاتے چنانچہ ایک طرف کلام پاک کی تفسیر کی جلدیں تیار ہو گئیں۔ دوسری طرف احادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نئے مجموعے ترتیب پائے۔ تیسری طرف فقہ و فتاویٰ کا سرمایہ جمع ہوا۔ چوتھی طرف علم اسرار و حقائق کی تدوین ہوئی۔ پانچویں گوشہ میں تصوف کے اصول جمع کئے گئے جو اب تک جمع نہیں ہوئے تھے۔ ان میں ان کے اُن احوال و کیفیات پر گفتگو کی گئی جن کے نہ سمجھنے سے بیسوں قسم کی گمراہیاں راہ پاتی ہیں ایک اور سمت میں مولانا روم (رحمۃ اللہ علیہ) کی مثنوی کے دفتر کھولے گئے جن کے بیسروں صدیوں سے حقائق و دقائق کے خزانے ہیں۔ عوام کی طرف توجہ کی گئی تو زندگی کی روح کا سراغ لگایا گیا تو ان کی شادی و بیاہ کے مراسم کی اصلاح کی گئی۔ نیک و صالح بیبیوں کے لئے بہشتی زیور کا سامان کیا گیا۔ بچوں کے لئے ان کی تعلیم و تربیت کے آداب و اصول مرتب فرمائے، مدرسین کے قواعد و ضوابط کے نقشے بنائے گئے، داد و ستد اور خرید و فروخت اور معاملات کے دینی اصول سمجھائے گئے اور دین کی تعلیم میں شریعت کی وسعت دکھائی گئی جس سے مسلمان کی پوری زندگی ولادت سے موت تک سما گئی۔ عوام مسلمانوں کی رہبری کے لئے مواعظ کی سیکڑوں مشعلیں جابجا روشن کی گئیں اور بیسوں شہروں میں پھر پھر کر ان کو غفلت کی نیند سے جگایا گیا۔ علماء اور فقہاء اور محققین کے لئے بوادر و نوادر اور بدائع کے سلسلے قائم کئے، ترقی کی مسدود راہ جو ائمہ، مجتہدین کی خطاؤں کے استدراک کے لئے رجوع عن الخطاء کا اعلان تھی۔ وہ ترجیح الراجح کے نام سے کھولی گئی اور اپنی ہر غلطی و خطاء کا علیٰ رؤس الاشہاد اعلان کیا گیا تاکہ آئندہ مسلمانوں کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنے نو تعلیم یافتہ مسلمانوں کے شکوک و شبہات کا جواب دیا گیا۔ باطل فرقوں کی تردید میں رسائل لکھے گئے۔ اخلاق و اعمال اور حقوق العباد کی اہمیت ظاہر کی گئی، اور ہزاروں مسلمانوں کو ان کی وہ تعلیم دی گئی جس کو مسلمان عوام کیا خواص بھی بھلا بیٹھے تھے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اصول وضوابط اور آداب کی وہ تربیت فرمائی گئی جو دین سے تقریباً صدیوں سے خارج کی جا چکی تھی۔ اور پھر اپنے بعد اپنی روش پر تعلیم و تربیت کے لئے ڈیڑھ سو کے قریب مجازین کو چھوڑا، جو ان کے بعد بھی ان کاموں میں مصروف ہیں۔ اس حلقہ فیض میں علماء بھی داخل ہوئے، تعلیم یافتہ بھی، عوام بھی، غرباء بھی۔ اُمراء بھی بہت بڑے بڑے عہدہ دار بھی۔ زمیندار بھی۔ تاجر اور سوداگر بھی اور مفلس و قلاش بھی۔ اس سے اس دائرہ کی وسعت کا اندازہ اب بھی کیا جا سکتا ہے۔ مدارس پر غور کیجئے۔ دارالعلوم دیوبند بھی مظاہر العلوم سہارنپور بھی، دارالعلوم ندوہ بھی۔ یہاں تک کہ پہلا علی گڈھ کالج اور موجودہ مسلم یونیورسٹی بھی اور وہ سیکڑوں مدارس جو ہندوستان میں جگہ جگہ پھیلے ہیں۔ جغرافیائی حیثیت سے غور کیجئے تو سرحد سے لیکر بنگال مدراس اور گجرات بلکہ حجاز افریقہ اور ان تمام ملکوں تک جہاں جہاں ہندوستانی مسلمان پھیلے ان کے اثرات بھی ساتھ ساتھ پھیلے ہیں۔ راقم کو ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا مگر جہاں گیا یہ معلوم ہوا کہ وہ روشنی وہاں پہلے سے پہنچی ہوئی ہے اور کوئی نہ کوئی اس روشنی سے بحمد اللہ ضرور منور ہے۔

اس تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف، مواعظ و ملفوظات کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی۔ مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی دینی تعلیم کا بندوبست ہوا۔ رسوم و بدعات کا قلع قمع ہوا سنن نبوی کا احیاء ہوا۔ غافل چونکے، سوتے جاگے۔ بھولوں کو یاد آئی۔ بے تعلقوں کو اللہ تعالےٰ سے تعلق پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سینے گرمائے۔ اور اللہ کی یاد سے دل روشناس ہوئے اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا پھر شبلیؒ، جنیدؒ اور بسطامیؒ و جیلانیؒ اور سہروردیؒ و سرہندیؒ بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یہ وہ شان تجدید تھی جو اس صدی میں مجدد وقت کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے سانحۂ ارتحال پر سید سلیمان ندوی رحؒ
نے اپنے جن تاثرات کا اظہار فرمایا وہ حسب ذیل ہیں: -

مَوتُ العَالِم مَوتُ العالَم

محفل دوشین کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر
سنبھل جاتا تھا بالآخر ۸۲ سال ۳ ماہ ۱۰ روز جل کر ۱۵ ررجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کے
لئے بجھ گیا۔

داغ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی حکیم الامت مجدد الملت و طریقت شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
نے مرض ضعف و اسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹ر اور ۲۰ر جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی
شب کو ۱۰ بجے نماز عشا کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا۔ اور اپنے لاکھوں معتقدوں
اور مریدوں اور مستفیدوں کو غمگین و مہجور چھوڑا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب اس
دَور کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، مولانا محمد یعقوب
صاحبؒ نانوتوی، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد صاحبؒ تھانوی کی یادگار
تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت سید احمد
صاحب بریلوی کی نسبتیں یکجا تھیں۔ جس کا سینہ چشتی ذوق و عشق اور مجددی سکون و محبت
کا مجمع البحرین تھا جس کی زبان شریعت و طریقت کی وحدت کی ترجمان تھی جس کے قلم
نے فقہ و تصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا۔ اور
جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اپنی تعلیم و
تربیت اور تزکیہ و ہدایت سے ایک عالم کو مستفید رکھا تھا اور جس نے اپنی تحریر و تقریر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سے حقائق ایمانی و دقائق فہمی، اسرارِ احسانی اور رموز حکمت ربانی کو برملا فاش کیا تھا اور اسی لئے دنیا نے اس کو حکیم الامت کہکر پکارا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرف زمانہ کے لئے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔

تصانیف

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور رسائل کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے اور کُل کی کُل تحقیقات علمیہ، حقائق دینیہ اور نکاتِ احسانیہ سے لبریز ہیں، ان میں تفسیر البیان القرآن شرح مثنوی، فتاوٰی امدادیہ، التشرف الی التصوف اور بہشتی زیور وغیرہ کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ ملفوظات اور مواعظ وخطبات کی تعداد سیکڑوں کی حد تک ہے، ان تصانیف میں قرآن پاک کی مشکل آیات کریمہ کی تفسیر، احادیث شریف کی شرح، فقہ کے مشکل مسائل کا جواب، سلوک وطریقت کے نکتے، اخلاق فضائل و رذائل کی حکیمانہ تحقیق اور ان کے حصول اور ازالہ کی تدابیر اور زمانۂ حال کے شکوک وشبہات کے جوابات سب کچھ ہیں۔ تصانیف میں متفرق علوم ومسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سے کسی ایک موضوع کے مباحث کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو ایک ایک مستقل کتاب بن جائے۔ چنانچہ حضرت کے تربیت یافتوں نے اس قسم کے بیسیوں مجموعے تیار کئے ہیں۔ سب سے اخیر میں اس قسم کا مجموعہ بوادر النوادر کے نام سے ایک ہزار صفحوں میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ خطوط کے جوابات کا جن کے متعلق وفات کے دن تک اہتمام یہ رہا کہ آج کے خط کا جواب کل کے لئے اٹھا نہ رکھا جائے عظیم الشان دفتر الگ ہے۔ تصنیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہل نظر کو یہ معلوم ہوگا کہ گویا مصنف کے سارے مسائل ومواد یکجا ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اس کو اس میں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے۔ حضرت ؒ کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے کہ قلم ہر ایک احتیاط اور رعایت کر کے اور غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے۔ حضرت کا ترجمہ قرآن پاک سہولت بیان اور وضوح مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے۔ بہشتی زیور کہنے کو تو عورتوں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کی کتاب ہے مگر فقہ حنفی کی ضروریات کے لئے انتہائی احتیاط وکاوش کا نتیجہ ہے۔ تفسیر بیان القرآن کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ روح المعانی اور تفاسیر ماسبق کی اردو میں صحیح و محتاطانہ ترجمان ہے۔ سلوک وطریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ ہندوستان ہیں بلکہ تمام دنیا میں عامیانہ تصوف کی حقیقت جوگ سے مل گئی تھی اس کو زوائد وحواشی سے صاف کر کے قدماء اور سلف صالحین کے رنگ پر لے آئے۔

اللہ تعالے کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد و ورع، کمال اتباع شرع، کمال اتباع سنت کے ساتھ تھی، اس زمانے میں نمونے کے لئے پیدا کیا۔ وہ آئی اور ساٹھ برس کے مجاہدہ کا نمونہ دکھا کر واپس ہو گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وادخلہ اعلیٰ علیین وصلی اللہ تعالے علی النبی الامین وآلہ وصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ہیچمیرز ہیچمدان

سلیمان

۸ رشعبان ۱۳۶۲ھ

دار المصنفین اعظم گڑھ (رسالہ معارف نمبر ۲ جلد ۵۲۔ اگست ۱۹۴۳ء)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ما اعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث فی امتی علی راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے (شخص) کو پیدا فرمائے گا جو اس (امت) کے لئے اس کے دین کو نیا کرے گا۔

مختصر سوانح حیات

و

آداب سلوک

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

حالات و مصروفیاتِ زندگی

حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن مالوف و مقام پیدائش تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی ہندوستان تھا۔ آپ کا یوم ولادتِ باسعادت چہارشنبہ ۵ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ ہے۔ قصبہ میں آپ کے آبا و اجداد کا خاندان نہایت معزز و ممتاز تھا۔ آپ کے والد ماجد منشی عبد الحق صاحبؒ بڑے صاحب وجاہت، صاحب منصب اور صاحب جائداد رئیس تھے اور بڑے اہل دل بزرگ تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نسباً فاروقی مذہباً حنفی تھے اور مسلکاً سلسلہ امدادیہ صابریہ چشتیہ سے وابستہ ہو کر منصب خلافت و رشد و ہدایت پر فائز ہوئے۔ حضرتؒ کا بچپن وطن ہی میں گذرا اور وہیں ناظرہ و حفظ قرآن اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر علوم دینیہ کی تکمیل کے لئے ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور جید علماء اور مدرسین سے فیضانِ علوم حاصل کر کے ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے گویا ادھر چودھویں صدی کا آغاز ہو رہا تھا اور ادھر احیاء و تجدید دین مبین کے لئے یہ مجددِ عصر تیار ہو رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فضلِ عظیم تھا کہ حضرتؒ کو مدرسہ دار العلوم دیوبند ایسی شہرۂ آفاق اور مستند درسگاہ میں تحصیل علوم اور تکمیل درسیات کا موقع نصیب ہوا جہاں خوبیٔ قسمت سے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اس وقت بڑے منتخب اور یگانۂ عصر و جامع کمالات و صفات اہل اللہ اور اساتذہ کا مجمع تھا جن کے فیوض و برکاتِ علمی و ایمانی کا آج بھی عالم اسلام معترف ہے۔ ان میں اکثر حضرات جناب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کے سلسلہ سے وابستہ اور بعض ان کے خلفائے راشدین میں تھے، ایسے نورانی ماحول میں اور ان حضرات کے فیضان صحبت سے بعونہٖ تعالیٰ حضرت رح کی باطنی صلاحیت و استعداد بھی تربیت پذیر ہوتی رہی۔

یوں تو تمام بزرگوں اور اساتذہ کی توجہات خصوصی کی سعادت حضرت رح کو حاصل تھی۔ مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز کو خاص طور پر حضرتؒ کے ساتھ محبت و شفقت کا تعلق تھا اور حضرت رح کو بھی ان بزرگوں کے ساتھ نہایت والہانہ عقیدت و محبت تھی چنانچہ اکثر و بیشتر ان حضرات کا ذکر بڑے کیف و سرور کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت رح کو مدرسہ دیوبند میں داخل ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز سے حصول سعادت کا زیادہ موقع نہیں ملا کیونکہ سال بھر کے بعد ہی حضرت ممدوح کا وصال ہو گیا تھا۔ البتہ اول الذکر دونوں بزرگوں سے رابطہ قلبی بہت بڑھتا رہا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "مجھکو حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز سے اس درجہ عقیدت تھی کہ سوائے حضرت حاجی صاحبؒ کے اور کسی سے ایسی نہ تھی۔ میں نے ایسا جامع ظاہر و باطن بزرگ کوئی اور نہیں دیکھا، اور لوگوں کے ساتھ تو میری عقیدت استدلالی تھی مگر مولانا رح کے ساتھ غیر استدلالی تھی۔ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں اول مولانا رح ہی سے مدرسہ دیوبند میں بیعت کی درخواست کی تھی لیکن مولانا نے طالب علمی کے زمانے میں بیعت کرنے کو خلاف مصلحت اور حارج تحصیل علوم دینیہ خیال فرما کر عذر کر دیا لیکن میں نے ہمیشہ ان کو اپنا شیخ ہی سمجھا اور ہمیشہ اہم

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

امور میں ان سے مشورہ لے کر عمل کرتا تھا۔ حضرت مولانا کی مجھ پر خاص عنایت تھی اور میرا بڑا ہی لحاظ فرماتے تھے۔ میں جب حاضر خدمت ہوتا تھا تو فرماتے تھے ۔ بھائی جب تم آجاتے ہو تو زندہ ہو جاتا ہوں ، حضرت حاجی صاحبؒ کا تذکرہ بہت ذوق و شوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے ، فرماتے تھے کہ ۔ بھائی تم نے تو حضرت حاجی صاحبؒ کے پکے پھل کھائے ہیں اور ہم نے کچے پھل کھائے ہیں (یعنی حضرت حاجی صاحبؒ کے آخیر زمانے کے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں) ایک بار حضرتؒ کا گنگوہ میں وعظ ہو رہا تھا تو کوئی حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس سے فرماتے کہ ایک عالم حقانی کا وعظ ہو رہا ہے وہاں جاؤ ، سنو ۔ میرے پاس کیا بیٹھے ہو ۔ حضرت مولانا اکثر اپنے بعض طالبین و سالکین کو بھی بغرض تربیت حضرتؒ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز مدرسہ عالیہ دیوبند میں مدرس اول تھے ۔ فن درس و تدریس اور علوم ظاہرہ میں یگانہ روزگار تھے اور بڑے صاحب کشف و کرامات اولیائے کاملین میں سے تھے حضرتؒ کو ان سے بڑی عقیدت و محبت دگر دیدگی تھی ۔ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اس ہونہار طالب علم کے ساتھ بڑی مربیانہ شفقت اور توجہ فرماتے تھے انہوں نے اپنی روحانی فراست سے سمجھ لیا تھا کہ اس طالب علم کے طالع بیدار سے اس کے مستقبل کے روشن آثار نمایاں ہیں۔

بالائے سرش ز ہوش مندی

می تافت ستارۂ بلندی

چنانچہ ان کی موجودگی میں خصوصیت کے ساتھ خاص خاص حقائق و معارف و نکات و دقائق علمیہ بیان فرمایا کرتے ۔ حضرتؒ اپنی مجلس میں حضرت مولانا کے ایسے ملفوظات کا بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ذکر فرمایا کرتے اور فرماتے تھے کہ ۔ ان کا حلقہ درس کیا ہوتا تھا ایک حلقہ توجہ الی اللہ ہوتا تھا ۔ قرآن مجید کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں ا

آنکھوں سے آنسو جاری ہیں :

حضرتؒ کی دستار بندی ۱۳۰۱ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز کے متبرک و مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ اس سال مدرسہ دیوبند میں بڑا شاندار جلسہ منعقد ہوا اس موقع پر حضرتؒ اپنے چند رفقاء کے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم میں ایسی استعداد نہیں کہ ہمیں دستار فضیلت عطا کی جائے اس سے مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی۔ یہ سنکر مولانا رح کو جوش آگیا اور فرمایا۔ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے، یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ خدا کی قسم جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہوگے باقی سارا میدان صاف ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت رح کے باطنی علوم و اعمال کی تکمیل و تہذیب کے لئے بھی ایک یگانۂ عصر شیخ المشائخ حضرت حاجی شاہ محمد امداد اللہ صاحب تھانوی ثم مہاجر مکی قدس سرہ العزیز سے شرف تعلق عطا فرمایا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے فضائل و خصوصیات سے متصف فرمایا تھا۔ اس زمانے میں عرب و عجم کے کثیر التعداد علمائے عظام اور صوفیائے کرام ان کے حلقہ بگوش عقیدت تھے اور ان کے فیوض و برکات سے شرقاً و غرباً ہر طبقہ کے طالبان طریقت فیضیاب و سیراب ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیگر اوصاف کمالات کے ساتھ خاص طور پر فن تصوف و سلوک میں ایک مجددانہ و مجتہدانہ ذوق و مسلک سے بہرہ اندوز فرمایا تھا۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت حکیم الامت سے مستقبل میں اہم خدمات دین خصوصاً تصوف و سلوک میں ایک اصلاحی و انقلابی کام لینا منظور تھا اس لئے اس کام کی استعداد و قابلیت پیدا کرنے کے لئے بھی۔ ایک ایسے ہی جامع شریعت و طریقت اور صاحب فراست شیخ کی ضرورت تھی۔ واقعات پر نظر کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ منجانب اللہ حضرت حاجی صاحبؒ کی توجہ خود بخود ابتدا ہی سے غائبانہ طور پر حضرتؒ کی طرف مبذول ہونے لگی تھی چنانچہ ایک بار بغیر کسی خاص ذکر و مذکور کے حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے ہم وطن منشی عبدالحق صاحب حضرتؒ کے والد ماجد سے از خود کہلا بھیجا کہ آپ جب حج کو آئیں تو اپنے ساتھ اپنے لڑکے کو ضرور لیتے آئیں۔ حالانکہ حضرتؒ کی ولادت حضرت حاجی صاحبؒ کی ہجرت کے بعد ہوئی تھی اور انہوں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔

۱۲۹۹ھ میں جب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ہاتھ ایک عریضہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں روانہ کیا جس میں استدعا کی کہ حضرت مولانا سے بیعت فرما لینے کے لئے سفارش فرما دیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا سے اس کا تذکرہ فرمایا اور پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ "اچھا میں خود ہی ان کو بیعت کئے لیتا ہوں اور حضرتؒ کو بھی تحریر فرمایا کہ "میں نے خود آپ کو بیعت کر لیا ہے مطمئن رہیں"

۱۳۰۱ھ میں جب حضرتؒ علوم درسیہ سے فارغ ہوئے تھے اسی زمانے میں کانپور کے مدرسہ "فیض عام" میں ایک مدرس کی ضرورت تھی۔ حضرتؒ کو وہاں تدریس کے لئے بلایا گیا۔ حضرتؒ کئی سال تک اس مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ کے نظم و نسق سے غیر مطمئن ہو کر تعلق منقطع کر لیا پھر کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ کانپور کی جامع مسجد میں درس دینے لگے اور وہاں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ایک مدرسہ قائم ہوگیا۔ اس مدرسہ کا نام حضرت نے مسجد کی مناسبت سے "مدرسہ جامع العلوم" موسوم فرمایا یہ مدرسہ یوماً فیوماً ترقی کرتا رہا اور کچھ مدت کے بعد بہت مشہور و معروف ہوگیا۔ (اور اب تک بفضلہ تعالیٰ قائم ہے)

دوران قیام کانپور شوال ۱۳۰۱ھ میں ایسے اسباب و وسائل رونما ہوئے کہ حضرتؒ اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی اور دست بدست بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کو کچھ دنوں کے لئے اپنے پاس رہنے کے لئے روکنا چاہا مگر حضرت کے والد صاحب نے اس وقت حضرتؒ کی مفارقت کو گوارا نہ فرمایا اور اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت والا سے فرمایا کہ اب کی بار حج کو آؤ تو کم از کم چھ ماہ کے قیام کے ارادے سے آنا۔ حضرتؒ ۱۳۱۰ھ میں دوسری بار حج کے لئے تشریف لے گئے اور اپنی طلب صادق اور حضرت شیخ کے منشاء اور ان کی خواہش کے مطابق وہاں چھ ماہ تک قیام کا ارادہ کرلیا۔

حضرتؒ کو اپنے پیر و مرشد کی صحبت بابرکت میں فراغت قلب کے ساتھ رہنے اور باطنی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لئے یہ بہت مغتنم موقع نصیب ہوا اس کی قدر کرتے ہوئے حضرتؒ اپنا سارا وقت حضرت شیخ ہی کی خدمت اور معیت میں گزارنے لگے اور ہمہ وقت ان کے علوم عارفانہ اور مقالات حکمت سے بہرہ اندوز ہونے لگے۔ اس کے علاوہ عبادات نافلہ اور حسب ہدایت شیخ ریاضات و اوراد معمولہ حضرات صوفیائے کرام میں بھی مشغول رہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ اسی موقع کے منتظر تھے چنانچہ نہایت شفقت و محبت کے ساتھ اپنے مرید صادق کی تربیت باطنی کی طرف متوجہ ہوگئے اور اپنے نوخیز طالب و سالک طریق کی فطری صلاحیت و استعداد اور جوہر قابل کا اندازہ کرتے رہے اور وہ تمام علوم باطنی اور اسرار و رموز روحانی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب مبارک پر وارد اور القا فرمائے تھے حضرت کے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

قلب مصفیٰ میں منتقل فرماتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس قلیل عرصہ میں حضرت شیخ کی توجہات خاص سے حضرتؒ کا سینہ مبارک دولت معارف وحقائق باطنی کا خزینہ اور انوار وتجلیات روحانی کا آئینہ بن گیا اور محبت حق سبحانہ تعالیٰ اور محبت نبی الرحمۃ صلے اللہ علیہ وسلم کا سوز وگداز رگ وپے میں سرایت کر گیا۔ حضرت حاجی صاحب اپنے مرید سعید کی ترقی باطنی کا اندازہ فرما کر بہت مطمئن ومسرور تھے۔ بعض وقت جوش محبت میں آکر فرماتے کہ "اللہ تعالیٰ نے جو الہامی علوم مجھ کو عطا فرمائے ہیں وہ ان کی زبان پر جاری فرما دیئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ ہونہار رہروِ طریق ایک دن رہبر طریق بنے گا اور امت مسلمہ کے لئے رشد وہدایت کا علمبردار ہوگا۔"

بالآخر ہر صورت سے مطمئن ہو کر اور اپنے ذوق ومسلک سے تمام تر ہم آہنگی کے آثار نمایاں دیکھ کر اپنا جانشین بنا لیا اور باذن اللہ تعالیٰ خلعتِ خلافت اور منصب ارشاد وہدایت سے سرفراز فرمایا اور خلق اللہ کی رہنمائی کے لئے تعلیم وتلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب حضرتؒ کا وہاں سے واپسی کا وقت آیا تو بکمالِ محبت وشفقت گلے لگا کر فرمایا: میاں اشرف علی میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام معاصرین پر خاص فضیلت عطا فرمائی ہے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ پھر ان دو وصیتوں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

• دیکھو وطن پہنچکر تم کو باطنی کیفیات میں ایک حالت شدید پیش آنے گی گھبرانا نہیں مجھکو مطلع کرتے رہنا۔ دوسرے یہ کہ جب مدرسہ کی ملازمت سے دل برداشتہ ہو تو پھر وطن پہنچکر ہماری خانقاہ اور مدرسہ میں توکلاً علی اللہ مقیم ہو جانا تم سے انشاء اللہ تعالیٰ خلق کثیر کو نفع پہنچے گا۔

۱۳۱۱ھ میں حج سے واپسی پر کانپور پہنچکر حضرتؒ پھر درس وتدریس کے کام میں لگ گئے اس طرح ایک طرف تو درس وتدریس کی مداومت اور تبحر وتفکر سے علوم

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

میں پختگی اور ترقی ہوتی رہی۔ دوسری طرف عبادات و ریاضات میں مشغولی سے باطنی کیفیات وحالات میں عروج وارتقا ہوتا رہا۔ اسی زمانے میں اکثر و بیشتر مواقع پر حضرت رحؒ کے تبلیغی و اصلاحی وعظ بھی ہوتے رہے جو قلم بند ہو کر شائع بھی ہوتے رہے، اور اسی زمانے میں حضرتؒ کی مجالست میں ایک حلقہ ذکر اللہ بھی قائم ہو گیا جس میں طالبین حق و سالکین طریق جمع ہو کر حضرتؒ کی تعلیم و تربیتِ باطنی سے مستفیض ہوتے لگے، اہل ذوق حضرت رحؒ کے ارشادات و مقالاتِ حکمت کو قلم بند کرتے اور شائع کرتے رہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ حضرت رحؒ کے عالمانہ و عارفانہ کمالات کا شہرہ اطراف میں ہونے لگا اور خواص و عوام میں حضرت رحؒ کی ذات کو ایک ہر دلعزیزی کی شان حاصل ہو گئی۔

مگر حضرت شیخ کی خدمت سے واپسی پر مزاج اور انداز زندگی میں ایک گونہ ربودگی اور وارفتگی سی طاری رہنے لگی۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ "انقباض باطنی و کیفیات روحانی کی شدت سے میں اس قدر بے قابو ہو گیا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ اپنی جان دیدوں۔ (شاید یہ وہی حالت رفیعہ تھی جس کا اشارہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ معظمہ سے واپسی کے وقت فرمایا تھا) حضرتؒ نے اپنی اس مضطربانہ حالت کی اطلاع اپنے شیخ مربی باطن کو کی کہ حضرت "آپ تو اتنی دور ہیں اور میری یہاں یہ حالت ہو رہی ہے۔ کیا کروں، حضرت حاجی صاحبؒ اس اطلاع سے بہت متاثر ہوئے اور جواب تحریر فرمایا کہ "جب تک فقیر زندہ ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں برابر تمہاری طرف متوجہ ہوں تم اطمینان رکھو"۔ ان محبت بھرے الفاظ میں ایسی جاں نواز تاثیر تھی کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ "خط پڑھتے ہی معاً سکون محسوس ہونے لگا اور تمام معمولات و مشاغل رفتہ رفتہ بحال ہو گئے"۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اشرف السوانح حصہ اول)

حضرتؒ نے دوران قیام کانپور درس و تدریس کے سلسلہ میں چودہ سال بسر کئے یہی زمانہ منجانب اللہ ان کے ذہنی و روحانی صلاحیت و استعداد کے نشو و نما کا اور علوم ظاہری

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

زمانے میں تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر عام مسلمانوں کے اصلاح عقائد و اعمال کے لئے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کا ایک بے اختیار جذبہ اور داعیہ ... سے حضرت ہمہ وقت متاثر رہنے لگے اور موجودہ شدید تقاضا دل میں پیدا ہو رہا تھا جس سے ... طبیعت گھبرانے لگی مستقبل میں پیش نظر مقاصد کے حصول کے لئے فراغت قلب و یکسوئی درکار تھی چنانچہ مدرسہ کی ملازمت ترک کرنے کا ارادہ کر لیا اور چند وجوہات و معذورات پیش کر کے بالآخر کار ۱۳۱۵ھ میں سبکدوشی حاصل کر لی اور اپنے وطن تھانہ بھون تشریف لے گئے اور اس کی اطلاع اپنے پیر و مرشد کو کر دی وہاں سے جواب آیا۔

"بہتر ہوا آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ اور خانقاہ کو از سر نو آباد کریں میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور آپ کا مجھے خیال رہتا ہے۔"

قصبہ تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) بڑے شہروں (دہلی سہارنپور) سے دور اور ذرائع آمد و رفت کے اعتبار سے اس زمانے میں بالکل الگ تھلگ پرانے زمانے کے رئیسوں کی ایک بستی تھی اس بستی سے بالکل باہر خانقاہ امدادیہ واقع تھی، یہ وہی خانقاہ تھی جہاں کچھ زمانہ پہلے اللہ تعالیٰ کے تین برگزیدہ خلوت گزین بندے درویشانہ زندگی بسر کر رہے تھے، یعنی حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ۔ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ۔

یہ حضرات میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کے خلفائے راشدین تھے، اور اپنے علوم ظاہری و باطنی کے فیوض و برکات سے خواص و عوام کو فیض رسانی میں مشغول تھے۔ پھر جب انقلاب آیا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ شہید ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد مولانا شیخ محمد صاحبؒ کا انتقال ہو گیا اور حضرت حاجی صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما کر چلے گئے۔ کچھ مدت کے لئے یہ خانقاہ ضرور غیر آباد ہو گئی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان مقبول بندوں کی یادگار کو قائم رکھنا اور مستقبل میں اس خانقاہ کو ایک عالمگیر رشد و ہدایت و علوم ظاہری و باطنی کی نشر و اشاعت کا جلیل القدر مرکز بنانا منظور تھا اور اس اہم و عظیم کام کو سرانجام دینے کے لئے حضرت حکیم الامت مجدد ملت محی السنت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ارشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو ازل ہی سے منتخب فرما لیا تھا۔ حضرتؒ نے وطن پہنچکر اپنے پیر و مرشد کی تمنا اور ہدایت کے مطابق خانقاہ امدادیہ میں سکونت اختیار کرنے کا انتظام کیا اور توکل علی اللہ بظاہر ایک گونہ عارضی بے سر و سامانی مگر حقیقتاً مستقبل کے غیر فانی ساز و سامان کے ساتھ اپنے بزرگوں کی مقدس مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہو گئے اس طرح پیر و مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کی تمنا اور پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

حضرت نے خانقاہ میں مقیم ہو کر شروع ہی سے اپنی آئندہ زندگی کے انضباط اور اہم خدمات دین کے انصرام کے لئے اپنے مذاق فطری اور نصب العین کے موافق ایک لائحہ عمل مقرر فرمایا اور اسی کے مطابق اپنے پیش نظر کام کے سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے اس وقت حضرتؒ کی عمر تخمیناً ۲۳ سال تھی

حضرتؒ کو فطرتاً حسن انتظام اور نظم الاوقات کا بڑا اہتمام تھا چنانچہ اپنی نجی ضروریات کے لئے، تصنیف و تالیف کے لئے اور مجلس احباب میں تعلیم و تربیت کے لئے ایسے فراغت کے اوقات مقرر فرمائے کہ ہر کام آسانی و اطمینان سے سرانجام ہوتا رہے۔ اس نظم الاوقات میں اس قدر انضباط و جامعیت تھی کہ آخر ایام تک اس میں سر مو فرق نہیں آیا۔

یومیہ نظم الاوقات

حضرتؒ کا رہائشی مکان خانقاہ سے کچھ تھوڑے فاصلے پر واقع تھا۔ خانقاہ ہی کے اندر قدیم زمانے کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ حضرتؒ پنج گانہ نماز اسی مسجد میں ادا فرماتے،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور خود امامت فرماتے تھے۔ آخر عمر میں ضعف اور چند معذورات کی وجہ سے ایک قاری صاحب
کو امامت کے لئے مقرر فرما دیا تھا۔ جنوب کی طرف مسجد سے ملی ہوئی ایک سہ دری تھی جس میں
حضرت حاجی صاحبؒ کے زمانے کے دو حجرے ہیں۔ حضرتؒ کی نشست گاہ یہی سہ دری تھی
اور یہیں مجلس منعقد ہوتی تھی۔ خانقاہ میں ایک طرف کچھ حجرے بھی تھے جس میں مہمان اور ذاکرین
وسالکین آکر مقیم ہوا کرتے تھے۔

صبح فجر کی اذان کے بعد ہی حضرتؒ مکان سے خانقاہ تشریف لے آتے تھے نماز کے بعد
کچھ معمولی ضروریات سے فارغ ہو کر مشی (چہل قدمی) کے لئے باہر میدان میں کچھ دور تک
چلے جاتے تھے اور اسی دوران اپنے چند اوراد وغیرہ پورے کر لیتے۔ واپسی پر خانقاہ کی سہ دری
میں نماز اشراق ادا کرتے اور پھر تھوڑی دیر کے لئے مکان تشریف لے جاتے۔ واپس آکر عموماً
گیارہ بجے تک یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ عام طور پر اس وقت
کسی کو آنے اور ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر کوئی خاص مہمان جو مختصر مدت کے لئے آئے ہوں
ان کے لئے تصنیفات سے فارغ ہو کر تھوڑا وقت مجلس خاص کا دے دیتے ورنہ مکان تشریف
لے جاتے۔ کھانا تناول فرما کر اور کچھ دیر آرام فرما کر پھر خانقاہ آجاتے اور قیلولہ فرماتے۔ ظہر
کی اذان پر نماز کے لئے تیاری فرماتے۔ نماز ظہر کے بعد عصر کی اذان تک خانقاہ کی سہ دری
میں مجلس عام منعقد ہوتی اس میں قصبہ والے اور باہر سے آئے ہوئے لوگ شریک ہوتے
شرکاء میں علماء۔ ذاکرین۔ شاغلین امیر وغریب، پڑھے لکھے اور بغیر پڑھے لکھے، سب ہی طرح
کے لوگ ہوتے جن کی تعداد روزانہ کم وبیش بیس پچیس ہوا کرتی تھی۔ اس وقت جو لوگ
کہیں باہر سے آتے ان سے مصافحہ کے بعد مختصر سی مزاج پرسی اور دریافت حال کر لیتے
اور مناسب جگہ پر بیٹھنے کے لئے فرما دیتے۔ زیادہ گفتگو نہ فرماتے تاکہ دیر تک ایک طرف
متوجہ رہنا دوسرے لوگوں پر بار نہ ہو۔

اہل مجلس خاموش بیٹھے ہوئے حضرتؒ کی باتیں سنا کرتے کبھی کسی نے کوئی مناسب

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سوال کیا تو اس کا جواب فرما دیتے۔ کوئی تعویذ طلب کرتا تو لکھ کر دیدیتے کوئی دعا کے لئے عرض کرتا تو دعا فرما دیتے اس وقت حضرتؒ مختلف قسم کی متفرق باتیں کیا کرتے، کبھی حالات حاضرہ کے وقتی ضروریات اور تقاضوں کے متعلق کبھی بزرگوں کے حالات وحکایات کبھی عام پند و نصائح کبھی تصوف و سلوک کی وضاحت وغیرہ۔ اکثر و بیشتر حضرتؒ کے یہ ارشادات و مقالاتِ حکمت قلم بند ہوتے رہتے اور شائع ہوتے رہتے۔ اس صورت سے "الافادات الیومیہ" کے نام سے کئی جلدیں مرتب ہو کر شائع ہوئیں جو شریعت و سنت وطریق کے مختلف التنوع مضامین وحقائق و معارف کا بڑا مفید و سبق آموز ذخیرہ ہیں۔

اسی عرصہ میں خطوط کے جواب بھی تحریر فرمایا کرتے جن کی تعداد کم از کم تقریباً پچیس تیس تک روزانہ ہوا کرتی تھی۔ خطوط کے جواب التزاماً روز کے روز تحریر کر کے واپس کر دیئے جاتے تاکہ مکتوب الیہ کو زحمت انتظار نہ ہو۔ زیادہ تر یہ خطوط اصلاحی تعلق رکھنے والوں کے ہوتے جو اپنی باطنی حالات وکیفیات، خطرات و وساوس یا دینی امور میں ذہنی کشمکش اور اندیشوں کا حل دریافت کرتے یا تصوف و سلوک کے متعلق معلومات حاصل کرتے۔ حضرتؒ ان سب کے جواب خطوط کے حاشیہ ہی پر معاً قلم برداشتہ لکھدیا کرتے، وہ خطوط جن میں کوئی خاص اہم مضامین ہوتے (وہ مع جوابات) منتخب کر لئے جاتے اور بغیر اظہار نام شائع کر دیئے جاتے جو "تربیت السالک" کی ضخیم جلدوں میں مدون ہو کر شائع ہوتے رہے۔ اسی طرح بعض خطوں میں لوگ فقہی مسائل اور حالات حاضرہ کی ضروریات اور تقاضوں میں شریعت کی ہدایات یا مسائل دریافت کرتے، ان میں سے بھی خاص مضامین کے خط مع جواب منتخب کر لئے جاتے اور شائع کر دیئے جاتے جو "امداد الفتاویٰ" کی کئی ضخیم جلدوں میں جمع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ روزانہ انہیں معمولات کے ساتھ اذان عصر کے وقت یہ مجلس ختم ہو جاتی۔ نماز عصر کے بعد حضرتؒ اپنے دونوں مکانوں میں تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ مغرب کی اذان سے پہلے واپس آجاتے پھر نماز

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مغرب سے فارغ ہو کر کچھ دیر اسی نشست گاہ سہ دری میں تشریف رکھتے اور کچھ مستغرق
کاموں میں کچھ دیر مشغول رہتے۔
حضرت کا بیعت کرنے کا معمول بھی عموماً بعد مغرب ہی تھا۔ پھر فارغ ہو کر مکان
تشریف لے جاتے اور عشاء کی نماز مسجد میں آکر ادا فرماتے، اس کے بعد پھر آرام کے لئے
مکان تشریف لے جاتے۔

چوبیس گھنٹوں میں یہ ایسے سیدھے سادے بے تکلف معمولات تھے کہ برسوں تک
گردشِ ایام سے ان میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور یہی کمال استقامت فوق الکرامت ہے جس
وقت بھی جس حال میں حضرتؒ ہوتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بالکل اطمینان کی حالت
میں فراغتِ قلب کے ساتھ ہیں لیکن جب ان کے مختلف مشاغل زندگی اور ہمہ گیر مختلف النوع
تصانیف و تالیفات پر نظر کی جاتی ہے اس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ صرف اپنی ذات سے
تن تنہا حضرتؒ نے جو علمی و تحقیقی اور اصلاحی و تبلیغی خدمات انجام دی ہیں وہ بڑے بڑے
اداروں سے بھی ممکن نہ تھا۔ یہ سب ایک مضبوط و مستقل نظم الاوقات ہی کی برکت تھی کہ تجدید
دین اور تبلیغ دین کا عظیم الشان اور عدیم المثال تحریری و تقریری ذخیرہ امتِ مسلمہ کے لئے
حضرتؒ نے اپنی حیات ہی میں فراہم کر کے صدیوں تک کے لئے شائع فرما دیا۔ تصانیف و
تالیفات کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وقت گذرتا گیا اور حضرتؒ کے نصب العین کے مطابق اس خانقاہ کی اہمیت
اور خصوصیات میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب یہ خانقاہ
ایک ایسا شہرۂ آفاق ہمہ گیر ادارہ بن گئی جو ایک ہی وقت میں علوم و فنون دینیہ کی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ایک معیاری جامعہ بھی تھی جہاں سے دین متین کے اہم اور دقیق مسائل کی تنقیح و تحقیق کا زبردست کام ہوا۔ یہی خانقاہ ایک مثالی دینی مدرسہ بھی تھی جہاں علوم قرآن و حدیث کا درس بھی دیا جاتا تھا اور تہذیب اخلاق کی عملی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہ خانقاہ برصغیر کی ایک مستند و معتبر دارالافتاء بھی تھی۔ جہاں سے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فقہی مسائل میں رہنمائی بھی ہوتی اور یہی خانقاہ تعلیم و تربیت روحانی اور تزکیۂ نفس و تہذیب اخلاق باطنی کی ایک ممتاز و منفرد تربیت گاہ تھی جہاں بڑے بڑے جیّد علماء سے لے کر عوام کے ہر طبقہ کے لوگ ایک قلیل عرصہ میں تربیت باطن و تہذیب اخلاق سے آراستہ ہو کر اور حقیقت تصوف و سلوک کا عرفان حاصل کر کے مشائخ طریق بنے اور منصبِ رُشد و ہدایت پر فائز ہو کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔

اسی زمانے میں تقریباً چالیس سال تک حضرتؒ کا ملک کے طول و عرض میں بڑی کثرت سے تبلیغی دوروں کا سلسلہ جاری رہا۔ بڑے بڑے شہروں میں مشہور دینی درس گاہوں انگریزی تعلیم گاہوں اور اسلامی انجمنوں کے شاندار جلسوں میں بار بار حضرتؒ کے کثرت سے بڑے انقلاب انگیز اصلاحی وعظ ہوئے بعض وقت وعظ کا یہ سلسلہ چار چار گھنٹہ تک جاری رہتا تھا ہزاروں کی تعداد میں لوگ والہانہ انداز میں جمع ہوتے تھے۔ اور دینی و دُنیوی تقاضوں سے آگاہ ہو کر ایمانی تقویت حاصل کرتے۔

حضرتؒ کے مواعظ کا موضوع خاص طور پر عقاید کی اصلاح۔ اعمال کی درستی، معاملات کی اہمیت اور اخلاق کی پاکیزگی کے لئے ہوا کرتا تھا۔ حضرتؒ کی مساعی و جدّوجہد کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے مسلمانوں کے ضمیر میں اسلامی شعور و شعائر کا جذبہ بیدار ہونے لگا اور حق و باطل کا صحیح معیار واضح ہو گیا۔ اکثر و بیشتر مواعظ قلم بند ہوئے اور طبع ہو کر شائع ہوئے اور بہت سے وعظ صرف قلم بند ہو کر محفوظ رہے اور شائع نہ ہو سکے۔ تاہم شائع شدہ مواعظ کی تعداد تقریباً چار سو سے زاید ہے جو اب بھی وقتاً فوقتاً

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تجدید اشاعت ہو رہے ہیں اور ان سے مسلمان اب بھی مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

حضرت کی سوانح حیات پر نظر کرنے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو اس زمانے میں چونکہ احیائے سنت، اعلاء کلمۃ الحق اور اصلاح امت کا ایک عظیم الشان اور غیر فانی کام لینا منظور تھا اس لئے ابتدائے عمر ہی میں حضرتؒ کے دل میں تبلیغ و اشاعت دین کا ایک پُر از مصلحانہ ذوق اور تقاضا ودیعت فرما دیا تھا۔ ابھی درس و تدریس ہی کا زمانہ تھا کہ حضرتؒ نے اپنی خداداد فراست اور عام معلومات و تجربے کی بنا پر محسوس کیا کہ اس وقت عام طور پر مسلمان تعلیمات دین سے ناآشنا اور غافل ہوتے جا رہے ہیں اور اس وجہ سے طرح طرح کی گمراہیوں، غلط فہمیوں اور کوتاہیوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

اس زمانے میں مسلمانوں میں دو بڑے خطرناک رجحانات شدت پکڑ رہے تھے۔ ایک طرف تو انگریز کے برسر اقتدار ہونے کی وجہ سے مغربی فلسفہ اور تہذیب و معاشرے کا اثر پھیل رہا تھا جس سے عام طور پر تعلیم گاہیں، تجارتی ادارے اور سرکاری محکمے اور عوام متاثر ہو رہے تھے جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دینی تعلیمات کی کمی کی وجہ سے بلا قید و بند ایک آزادانہ زندگی کی رَو پیدا ہو گئی تھی۔ عام طور پر دین اسلام کی عظمت و وقعت دلوں سے کم ہونے لگی تھی اور دنیوی ترقی اور مغربی تہذیب و تمدن کی ظاہری دل کشی و جاذبیت سے عام مسلمان متاثر ہو کر اپنے مذہب سے بیگانہ اور ناآشنا ہونے لگا بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے اس کو شعائر اسلام سدِ راہ معلوم ہونے لگے، یہاں تک کہ مغرب زدہ آزاد دماغ میں یہ بات آنے لگی تھی کہ اس ترقی یافتہ زمانے میں احکامات شرعیہ پر عمل کرنا ممکن نہیں، خصوصاً معاملات معاشرت و اخلاقیات ایسے امور زندگی ہیں جن کو تقاضائے وقت کے لحاظ سے حسب ضرورت اپنے موافق بنایا جا سکتا ہے۔ مذہب سے ان کا کوئی واسطہ نہ ہونا چاہیئے۔ دین مبین کے ان تین اہم اور بنیادی ارکان سے اس قسم کا انحراف دراصل

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ایک درجہ میں ایمان ہی سے برگشتہ ہونے کے مترادف ہے۔ یہ فتنہ مسلمانوں کی عاقبت خراب کرنے کے لئے اس دور میں نہایت شدید و عبرت ناک تھا۔

حضرتؒ نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے بڑی شد و مد کے ساتھ تبلیغ شروع فرمائی۔ اس موضوع پر سیکڑوں وعظ مختلف عنوانات کے ساتھ بیان فرمائے اور متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جو کثرت سے طبع ہو کر شائع ہوئیں۔ مثلاً انتباہات مفیدہ۔ بہشتی زیور۔ فروع الایمان۔ اصلاح الخیال۔ حیوٰۃ المسلمین۔ آداب المعاشرت۔ اصلاح انقلاب امت (وعظ اسلام حقیقی۔ محاسن اسلام۔ دعوۃ الحق وغیرہ بعونہٖ تعالیٰ شرق سے غرب تک تمام ملک میں ہر طبقہ کے مسلمانوں کو ان سے خاطر خواہ نفع اور رہنمائی حاصل ہوئی۔ فلسفہ جدید کی ظلماتی اثرات سے اور دین کے متعلق مختلف اوہام و شکوک سے ذہن پاک و صاف ہو گئے۔ حضرتؒ نے کتاب و سنّت کی روشنی میں دین کے ہر شعبہ میں اسلام کی فطری تعلیمات کو بڑے دلکش اور دل نشین اور قابل قبول اور قابلِ عمل انداز میں صلائے عام کے ساتھ تمام اہلِ فکر و نظر کے سامنے پیش کیا اور ہر عنوان سے ثابت کر دیا کہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایسا واحد مذہب ہے جس کا تعلق انسان کی زندگی میں ہر ضرورت و ہر تقاضۂ بشری سے ہے اور ہر حالت اور ہر دور میں ہر فرد اور ہر جماعت کے لئے نہ صرف قابلِ عمل بلکہ شرافت نفس اور تہذیب و تمدن میں ترقی کے لئے ضروری اور لازمی ہے۔

اس ہمہ گیر مصلحانہ تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دینی شعور اور اسلامی شعائر کی طرف رجحان پیدا ہونے لگا۔ ہر طبقہ کے اکثر و بیشتر انگریزی تعلیم یافتہ لوگ خصوصاً سرکاری محکموں کے بڑے بڑے عہدہ دار وکیل۔ بیرسٹر۔ جج۔ منصف۔ مجسٹریٹ کثرت سے حضرتؒ کی تعلیمات سے متاثر ہوئے اور بعض تو حلقہ بگوش عقیدت ہو گئے اور بعض کی باطنی تعلیم و تربیت نے دینی حالت میں ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی کہ حضرتؒ نے ان کو اپنے خلفائے مجازین صحبت " میں شامل فرما لیا تھا۔ اس طرح حضرتؒ نے اس دورِ حاضر میں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ایک ایسی زندہ مثال قائم فرمادی کہ مسلمان خواہ کسی شعبۂ زندگی میں ہو اگر چاہے تو پکا دیندار بن سکتا ہے یہ حضرتؒ کی ایسی کرامت اور ایسا کارنامہ تبلیغ دین ہے جو ہر اعتبار سے انفرادیت کا درجہ رکھتا ہے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

ایسا کام نہ اس وقت اس طرح کہیں باضابطہ ہو رہا تھا اور نہ بعد میں کہیں اس کی مثال ملتی ہے دوسری اہم چیز جو حضرت رحؒ کے دل و دماغ میں کاوش و اضطراب پیدا کر رہی تھی وہ دور حاضر کی خانقاہی فقیری و درویشی کی ہیئت کذائی تھی جہاں کتاب و سنت سے بالکل بیگانہ اور بے نیاز ہو کر چند جوگیانہ رسم اور طریقہ نفس کشی ہی کو وصل حق ہونے کا ذریعہ اور چند ملحدانہ عقاید کو حاصل تصوف و سلوک سمجھ لیا گیا تھا یہ ایک عالمگیر فتنہ تھا جس میں اکثر دینی رجحان رکھنے والے نادان عوام مبتلا ہو رہے تھے۔ الا ماشاء اللہ حضرت رحؒ نے اپنی تمام مصلحانہ توجہ اور مجددانہ تبلیغ کی جدوجہد اسی طبقہ کے لئے بھی خاص طور پر مبذول فرمائی اور اس موضوع پر عقاید و اعمال کی اصلاح کے لئے متعدد کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں سیکڑوں وعظ و ملفوظات قلم بند کرا کے شائع فرمائے اور قرآن و حدیث کی غیر متزلزل سند کے ساتھ تمام باطل عقائد کا رد اور تمام غیر اسلامی رسم و روایات اور غیر معقول اور ملحدانہ رموز و اسرار باطنی اور گمراہ کن اصطلاحات کی تردید فرمائی اور نہایت نمایاں طور پر واضح کر دیا کہ طریقت یعنی تصوف و سلوک یا دوسرے الفاظ میں تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس دین مبین ہی کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے اور اس پر شریعت و سنت کے مطابق عمل کرنا ایک درجہ میں ہر مسلمان پر فرض و واجب ہے (چنانچہ کتاب ہذا تمامتر اسی موضوع کی تشریح و وضاحت پر مشتمل ہے)

اس کے علاوہ دین کے پانچوں شعبوں میں یعنی عقاید کے معاملہ میں فساد و الحاد کی سمیت عبادات میں رسومات و بدعات کی شمولیت، معاملات میں حق تلفیاں اور ظلم

معاشرے میں فواحشات و منکرات کی ترویج اور اخلاقیات میں نفسانیت و شہوانیت کا غلبہ اور آمیزش ان سب سے اس زمانے میں عام طور پر ذہن ماؤف ہو رہے تھے اور الاماشاءاللہ، خواص و عوام سب ہی اس میں مبتلا ہو رہے تھے۔

حضرت رح نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ان سب مفاسد و منکرات کی اصلاح فرمائی اور تصحیح عقائد و اعمال کے لئے تصانیف، مواعظ و ملفوظات کے ذریعہ ایک ہمہ گیر تبلیغ فرمائی اور اس سے بحمد للہ خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

اسی طرح علوم دینیہ سے متعلق۔ قرآن مجید کی تفاسیر میں۔ احادیث سے استنباط میں۔ فقہ کی توجیہات میں۔ تصوف کی غایات میں جہاں جہاں خواص و عوام غلط فہمیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہو گئے تھے وہاں اس مجدد عصر کی نظر اصلاح کارفرما نظر آتی ہے اور ان علوم کے ہر باب میں مفصل تصانیف موجود ہیں۔

یوں تو علوم دینیہ کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سب ہی تصانیف و تالیفات اپنے مضامین کی جامعیت و نافعیت و انفرادیت کے اعتبار سے بے نظیر و بے مثال ہیں۔ لیکن حضرت رح کے مطبوعہ مواعظ و ملفوظات اور تربیت السالک علوم ظاہری و باطنی کے ایک بحر بیکراں ہیں۔ ان مواعظ و ملفوظات میں اکثر و بیشتر آیات قرآنیہ۔ احادیث نبویہ۔ فقہ اور طریقت کے متعلق بہت ہی نادر اور نازک و لطیف تفاسیر۔ تشریحات۔ تنقید و تدقیق بیان کی گئی ہیں۔

ان کے علاوہ دنیا و آخرت کے متعلق مسلمانوں کے لئے ہزاروں قسم کے علوم اور معلومات کا بڑا گراں مایہ ذخیرہ ہیں۔ اسی طرح کتاب تربیت السالک بھی اہل باطن و اہل سلوک کے ہزاروں طرح کے احوال و کیفیات روحانی اور لذات و محرکات نفسانی اور اوہام و شکوک کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملہمانہ تحقیق و تدقیق کا عجیب و غریب مجموعہ اور علوم موہوبہ کا بے نظیر خزینہ ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رح کی مصلحانہ و مجددانہ انفرادیت اس حقیقت سے
واضح ہوتی ہے کہ حضرت رح کی تمام تصانیف و تالیفات. تمام مواعظ و ملفوظات
یعنی تمام تحریری و تقریری کارنامہ ملاحظہ کیا جائے تو یہ بات نمایاں اور آشکارا نظر
آئے گی کہ دین مبین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو اس حکیم الامت مصلح شریعت و طریقت
کے اصلاحی و تجدیدی جد و جہد کے احاطہ کے اندر نہ آگیا ہو۔
اللہ تعالےٰ کی کھلی ہوئی عطا کردہ توفیق و نصرت و اعانت سے کثیر التعداد
کثیر الاشاعت و کثیر المنفعت ایک بے نظیر و غیر فانی معتبر و مستند سرمایہ علوم دینیہ و حکم
ایمانیہ یہ مجدد عصر امت مسلمہ کی رشد و ہدایت کے لئے اپنی مختصر حیات کے بعد آئندہ
نسلوں کے واسطے چھوڑ گیا ہے جو مسلمانوں کے حق میں ایک عظیم انعام و احسان ہے
اللہ تعالےٰ اپنے اس مقبول بندے کو اپنے ابدی و سرمدی مقام قرب و رضا میں پیہم
ترقی درجات عطا فرما دیں آمین بحق سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔
بالآخر دین مبین کا یہ آفتاب عالمتاب نصف صدی سے زاید زمانے تک عالم اسلام
کی فضاؤں میں اپنی ایمان افروز و غیر فانی شعاعیں چھوڑ کر ۸۲ سال کی عمر میں ۱۶؍
رجب المرجب سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹؍ جولائی سنہ ۱۹۴۳ء کی سہ شنبہ کی شام میں غروب ہوگیا

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ

اب یہ پیکر صدق و صفا ابدی و سرمدی رحمتوں کے ساتھ اپنی ارض وطن مالوف کے آغوش
نازمیں آسودہ و خوابیدہ ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مدفن: قبرستان موسومہ بہ تکیہ جانب شمال خانقاہ تھانہ بھون۔ مؤلف

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

آدابِ سلوک

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مذاقِ سلوک

دَورِ حاضر میں تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کے لئے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مجددانہ و مصلحانہ اندازِ تعلیم و تربیت تھا۔ مقاصد تصوف و سلوک کے حاصل کرنے کے واسطے کتاب و سنت کی مطابقت میں سالکین و طالبین طریق کی تعلیم و تربیت کے ایسے ضوابط و دستور العمل مقرر فرمائے تھے کہ ہر درجہ و استعداد کا طالب حق ان کے مطابق عمل کرنے سے بغیر کسی کاوش و تردد کے اور بغیر کسی مشقت شدیدہ و مجاہدہ و تذبذب کے مقصود طریق سے واقف ہو کر بہت جلد کامیاب ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو مسائل سلوک میں جو خاص فہم و فراست ودیعت فرمائی تھی اس کے متعلق بطور تحدیث نعمت حضرت فرماتے ہیں: یہ جو خدا کی نعمت مجھ کو حاصل ہے اس کو بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ "تربیت باطن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بہت آسان طریقے عنایت فرمائے ہیں، نیز امراض باطن کی تشخیص میں اللہ تعالیٰ نے فہم عطا فرمائی ہے اس میں رائے بہت کم غلطی کرتی ہے اور اکثر جو تجویز کیا جاتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے اور نافع ہوتا ہے۔ یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کی دعاؤں اور توجہات کی برکت ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ فن تصوف کے امام تھے، مجدد تھے مجتہد تھے جو فن مدتوں سے مردہ ہو چکا تھا ان کے واسطہ سے پھر از سر نو زندہ ہوا۔" حضرتؒ فرماتے تھے کہ "کوئی بھی مقصود ہو جب تک اس کے حاصل کرنے کے لئے صحیح ذرائع اختیار نہ کئے جائیں مقصود کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس بھی دین کا ایک اہم اور بنیادی شعبہ ہے، اس کے حصول کے لئے بھی کتاب و سنت کے ضابطے اختیار کرنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے مقصود

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ میری نظر میں اس کی بڑی اہمیت ہے اور میری تعلیم و تربیت کا سارا دارومدار اسی پر ہے میں طریق میں تہذیب اخلاق کو سب سے زیادہ مقدم سمجھتا ہوں چنانچہ جب اخلاق درست ہو جاتے ہیں تو اعمال خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے طالب و سالک کو پہلے ہی سے اس بات کی فہم پیدا کرا دی جاتی ہے۔" حضرتؒ اکثر اس کی وضاحت فرماتے رہتے تھے کہ ذکر و اذکار بے شک نہایت ضروری اور مفید امور ہیں لیکن اخلاق و اعمال کی خرابی ایسا حجاب ہے جو ان کے اثرات و انوار کو روح میں سرایت کرنے سے روک دیتا ہے اس لئے جب تک اصلاح اخلاق و اعمال نہ ہو اس وقت تک ذکر و اذکار سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔ عام طور پر حقیقت ناشناس صوفیاء و مشائخ کے یہاں اذکار و اشغال ہی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور اصلاح اخلاق و اعمال کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک و طالب طریق حقیقت مقصود سے بے خبر رہ کر ہمیشہ احوال و کیفیات کے چکر میں سرگرداں اور رضائے حق سے محروم رہتا ہے۔ حضرتؒ نے اس دقیق اور اہم نکتہ سے اہل دل و اہل نظر کو آگاہ فرمایا اور اس کو اپنا اصول تربیت قرار دیکر ہمیشہ طالبین و سالکین کو سب سے پہلے اپنے اخلاق و اعمال درست کرنے کے لئے ہدایت و تلقین فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ "کوئی ذکر و شغل کرتا ہو تو مجھے اس وقت تک قدر نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اخلاق و اعمال درست نہ ہوں۔ ذکر و شغل میں تو مزہ آتا ہے نہ کرے تو چین نہ آئے۔ عمل تو وہ ہے جس میں نفس پر تنگی ہو پھر رضائے حق حاصل کرنے کے لئے اس عمل کو اختیار کرے، اس طرح چاہے خود اپنے اوپر تکلیف اٹھالے مگر دوسرے کے حقوق ضرور ادا کرتا رہے۔ (اشرف السوانح)

فرمایا کہ دو گھنٹہ ضربیں لگا لینا کیا مشکل ہے، تھوڑی دیر محنت کر لی پھر دن بھر رات بھر آزاد۔ میرے یہاں تو وہ آوے جس کو رات دن اپنے نفس پر آرے چلانے ہوں۔ قدم قدم پر یہ فکر ہو کہ کونسا کام جائز ہے اور کونسا ناجائز؟

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

طالبین کے اندر اہتمام دین اور فکرِ جائز و ناجائز پیدا کر دینا ہی تو شیخ کی حقیقی کرامت اور اس کے صاحب فیض و برکت ہونے کی بین علامت ہے اور اس کا اصلی فرض منصبی بھی یہی ہے۔ (اشرف السوانح)

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: "مجھ کو کسی اور بات کا اتنا اہتمام نہیں جس قدر تہذیب اخلاق و دیانت کا ہے کیونکہ درس و تدریس کا اہتمام تو ہر جگہ ہوتا ہے لیکن اخلاق کی طرف کسی کو خیال بھی نہیں ہے۔ مثلاً میں اس پر زیادہ نظر نہیں کرتا کہ کس نے جماعت سے نماز پڑھی اور کس نے نہیں پڑھی۔ کیونکہ اول تو عذر کا احتمال ہے دوسرے اس سے صرف فاعل کا حرج ہے کسی دوسرے کو اذیت نہیں۔ بخلاف اس کے کہ کسی سے کوئی حرکت خلاف تہذیب سرزد ہو جس سے دوسرے کو اذیت ہو اس لئے اس کا اہتمام کے ساتھ تدارک کیا جاتا ہے۔" (اشرف السوانح)

حقیقتِ تصوف علمِ باعمل ہے

(۱) ہمارے نزدیک حقیقتِ تصوّف کی صرف علمِ باعمل ہے اور عمل وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اور جو سالک کے اختیار میں ہے اس کے علاوہ سب چیزیں زائد ہیں اگر وہ عطا ہو جائیں اور شیخ ان کو بتلا دے تو نعمت ہے، اور قابل شکر اور عطا نہ ہوں یا عطا ہو کر زائل ہو جائیں تو ان کی تحصیل کی فکر یا ان کے زوال پر قلق طریق میں ناجائز اور باطن کے لئے سخت مضر ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔ شیخ کو اطلاع تو سب حالات کی ضروری ہے۔ اپنی رائے سے یا کسی خواب یا وارد کی بنا پر کوئی کام کرنا طریق میں جائز نہیں۔ پھر اس اطلاع کے بعد شیخ تدبیر اس کی کرے گا جس کا تعلق امر و نہی سے ہو بقیہ کی تدبیر اس کے ذمہ نہیں اس لئے طالب کو اس کا مطالبہ یا انتظار بھی طریق میں ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مرض یا کوئی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اثر واقعی یا خیالی تکلیف دہ یا کوئی آفت داخلی یا خارجی، عارضی یا لازم ہو جاوے اس کا تدارک بھی شیخ کے فرض منصبی کے حدود سے خارج ہے۔ (تربیت السالک)

(۳) ملفوظ ۔ فرمایا کہ طالب کے اندر اصلاح اعمال کا اہتمام پیدا کر دینے کے قبل اس کو اذکار و اشغال میں مشغول کر دینا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے کیونکہ پھر وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے۔ خاص کر اگر کہیں اتفاقاً اذکار و اشغال سے یکسوئی ہو کر اس پر کیفیات کا بھی ورود ہونے لگا تب تو گویا اس کے نزدیک بزرگی کی رجسٹری ہو گئی۔ حالانکہ اس قسم کی کیفیات کا بزرگی سے کیا تعلق۔ ایسی کیفیات تو بعض ریاضات اور مشق سے فساق و فجار بلکہ کفار تک کو حاصل ہو جاتی ہیں اور جب وہ ان کیفیات ہی کو بزرگی سمجھ لیتا ہے تو پھر اس کو اصلاح نفس اور اصلاح اعمال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ نہ کبھی ادھر توجہ ہوتی ہے اس لئے ہمیشہ جہل ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اصل مقصود یعنی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے جس کا طریق تحصیل نصوص نے صرف اصلاح اعمال ہی کو بتلایا ہے۔ (اشرف السوانح صـ۱۹۵)

حضرت والا اپنی اس ترتیب کے متعلق یہ فرمایا کرتے تھے کہ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سلف کے یہاں تو سلوک کی اصل ترتیب یہی ہے کہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ کی تکمیل کے بعد اذکار و اشغال شروع کراتے تھے لیکن اکابر متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ اس زمانے میں عمریں اور ہمتیں دونوں قاصر ہیں تو انہوں نے اس ترتیب کو قائم نہیں رکھا بلکہ اصلاح اعمال کے ساتھ ساتھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرنے لگے اور دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے لگے اور میں نے اپنے زمانے کے طالبین کی مصالح پر نظر کر کے اکابر سلف کے طریق اور اکابر متاخرین کے طریق کے بین بین طریق اختیار کیا ہے یعنی کچھ دن تک تو میں محض اصلاح اعمال ہی میں مشغول رکھتا ہوں اور جب یہ دیکھ لیتا ہوں کہ اصلاح اعمال کی اہمیت اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو گئی ہے اور اس کے اندر اس کا خاص اہتمام پیدا ہو گیا ہے۔ اس وقت اذکار و اشغال بھی بتلا دیتا ہوں اور پھر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلاتا رہتا ہوں غرض میں نے اکابر متاخرین کے طریق میں اپنے زمانے کے طالبین کی طبائع کا رنگ دیکھ کر بضرورت صرف اتنی ترمیم کرلی ہے کہ وہ حضرات تو دونوں چیزوں کو شروع ہی سے ساتھ ساتھ چلاتے تھے اور میں کچھ دن بعد ساتھ ساتھ چلاتا ہوں۔ (اشرف السوانح ص۱۹۲-۱۹۱ حصہ سوم)

شاہی سلوک

حضرت والا کا انداز تعلیم تربیت یہ تھا کہ نہ تو ریاضات کراتے نہ مجاہدات، نہ ترک تعلقات نہ ترک لذات و مباحات بلکہ یہ تاکید فرماتے کہ خوب راحت و آرام سے رہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور طبیعت میں نشاط رہے جو معین عبادت ہو البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو اور ہمت سے کام لو اور بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو۔ بس ان شاء اللہ تعالیٰ مقصود کا حصول یقینی ہے۔ نہ کم کھانے کی ضرورت نہ کم سونے کی، یہ دونوں مجاہدے آج کل متروک ہیں کیونکہ طبائع میں آج کل ضعف غالب ہے البتہ کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے مگر نہ اتنا کم کہ جس سے قلب میں انقباض پیدا ہو جائے، یہی شاہی سلوک ہے۔ (اشرف السوانح)

حضرتؒ اپنے متعلقین مریدوں اور عقیدت مندوں سے ہمیشہ بہت ہی بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ ملتے جلتے تھے۔ مجلس میں اکثر دلچسپ مزاحیہ باتیں بھی کیا کرتے تھے۔

امراض باطنی کا لاجواب علاج

تعلیم و تربیت باطنی کے سلسلہ میں اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ حضرتؒ نے اتنا واضح فرمایا ہے کہ صدیوں سے اس کا ایسا عام مفہوم بیان نہ ہوا تھا اور اس سے اتنا کام لیا ہے کہ ہزاروں مشکلات طریق اس کے ذریعہ سے حل فرما دیں۔ جب کوئی طالب اصلاح

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اپنے کسی رذیلہ کا علاج پوچھتا تو حضرتؒ سب سے پہلے یہی سوال فرماتے کہ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اگر وہ کہتا کہ اختیاری ہے تو فرماتے کہ جس بات کا فعل اختیاری ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے، ہمت کرکے اختیار کو عمل میں لاؤ اور چھوڑ دو۔ اگر وہ کہتا کہ غیر اختیاری ہے تو اگر وہ دراصل غیر اختیاری ہوا تو فرماتے کہ غیر اختیاری کا آدمی مکلف ہی نہیں۔ پھر اس میں دینی ضرر ہی کیا ہوا، جو اس کا علاج پوچھا جاتا ہے۔ اگر وہ کہتا کہ ہے تو غیر اختیاری مگر اس کی وجہ سے تکلیف و پریشانی تو ہے اور یہ تو قابل علاج ہے تو جواب ارشاد فرماتے کہ تکلیف و پریشانی کا علاج میرے ذمہ نہیں۔

حضرتؒ فرماتے کہ یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ گویا نصف سلوک ہے، بلکہ قریب قریب سارا سلوک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے ظاہری و باطنی اعمال جن کا تعلق اوامر و نواہی سے ہے سب اختیاری ہیں اور فرض و واجب ہیں ہر شخص اس کا مکلف ہے لیکن ان اعمال کے جتنے تاثرات و انفعالات ہیں، خواہ خطرات وساوس ہوں یا قبض و بسط یا وجدانیات و کیفیات سب غیر اختیاری ہیں اور غیر مکلف ہیں نہ وہ مضر ہیں اور نہ ان پر کوئی مواخذہ ہے۔

اس تفہیم و تعلیم سے حضرتؒ نے شریعت و طریقت کی تمام دشواریوں کو نہایت آسان و قابل عمل بنا دیا

غایتِ بیعت

بیعت کا معاملہ بھی محض ایک خانقاہی رسم ہو کر رہ گیا تھا۔ حضرتؒ نے اس کی حقیقت اور اس کی اہمیت و ضرورت خاص طور پر بڑی وضاحت کے ساتھ نمایاں فرمائی اور اس کے صحیح اصول پر تمام عمر عمل کرکے ہمیشہ کے لئے ایک مثالی معیار قائم فرمایا:

حضرتؒ کا ارشاد ہے کہ:-

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت نہ کیا جائے صرف زبانی معاہدے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کہا جائے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے اور ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے، تو اس پر کوئی راضی نہیں ہوتا اس لئے جو موقوف علیہ نہ ہو اس کو موقوف علیہ سمجھنا یہ غلوفی العقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی اصلاح ہونی چاہئے اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ اس طریقے کو اسی ہیئت سے جاری رکھا جائے اور زبان سے سمجھا دیا جائے کہ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ظاہری بیعت ہے۔ اصل بیعت کام کرنا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس ہیئت کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے حضرات پہلے طریقہ پر عمل کریں اور مجھے چونکہ اس ہیئتِ خاصہ سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے اس لئے میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں، اس طرح غلوفی العقیدہ کی بھی اصلاح ہو گئی اور ضرر کی بھی۔ (اشرف السوانح ۲)

عملی اصلاح

چونکہ آج کل بیعت کو عموماً لوازم طریق سے سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اصل چیز استفاضہ ہے اس لئے حضرتؒ اس غلوفی الاعتقاد کی اس طرح عملی اصلاح فرماتے تھے کہ اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو اول اس سے بیعت کی غایت دریافت فرماتے اور جب تک وہ صحیح غایت نہیں بتلاتا برابر استفسار فرماتے رہتے یہاں تک کہ استفسارات ہی سے سمجھکر وہ خود صحیح غایت بتا دیتا یا اپنے عجز کا اقرار کرکے خود حضرتؒ سے دریافت کرتا تو حضرتؒ خود اس کو صحیح غایت بتا دیتے۔ شروع میں اس لئے نہ بتلاتے کہ جو بات خود مخاطب کی قوت فکریہ پر بوجھ پڑنے کے بعد سمجھ میں آتی ہے یا بتائی جاتی ہے وہ اس قدر پختگی کے ساتھ ذہن نشین ہوتی ہے کہ پھر کبھی نہیں بھولتی۔

جب طالب کو غایت بیعت متعین ہو جاتی تو پھر فرماتے کہ یہ غایت تو بیعت پر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کے ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے اگر وہ کہتا کہ اس طرح
موقوف نہیں یہ تو تعلیم و تعلم کے ذریعہ اور عمل آسان ہو جائے تو پھر دریافت
شیخ سے مناسبت اور تعلق خاص پیدا ہو جائے
زماتے کہ آیا صرف مرید ہی کو شیخ سے مناسبت ہو جانا کافی ہے یا اس کے علاوہ شیخ
کو بھی مرید سے مناسبت ہونا ضروری ہے۔ جب اس سے یہ اقرار کرا لیتے کہ جانبین میں
مناسبت ہونا ضروری ہے تو فرماتے تو اس کے لئے تو صرف بیعت کافی نہیں بلکہ اور چند
چیزیں بھی ضروری ہیں مثلاً کچھ دن پاس رہنا، خصوصیات مزاج کا تتبع اور ان کی رعایت
کرنا کچھ عرصہ تک تعلیمی خط و کتابت جاری رکھنا وغیرہ۔ غرض جانبین کی مناسبت کے
لئے صرف بیعت کافی نہیں بلکہ شیخ کو تو طالب کے ساتھ زیادہ تر اس کے برتاؤ سے مناسبت
پیدا ہوتی ہے (اشرف السوانح ص۲)

بیعت میں مناسبت باہمی شرط ہے

فرمایا کہ بیعت کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ اور بیعت میں
عجلت ہرگز نہ کرنا چاہئے تاکہ جانبین کو ایک دوسرے کی جانچ کا اطمینان سے موقع مل سکے،
نیز اس میں طلب کا بھی امتحان ہو جاتا ہے۔ جب تک آپس میں مناسبت پیدا نہ ہو بیعت سے
کوئی فائدہ نہیں، اور مناسبت کثرت مجالست ورنہ کثرت مکاتبت سے بھی پیدا ہو سکتی ہے
اور یہ بھی جب ممکن ہے جب طالب کو غایت بیعت اور مقاصد کا اچھی طرح علم ہو جائے۔

(اشرف السوانح)

حضرت امر بیعت میں اپنے شرح صدر کو بھی دیکھتے تھے بلکہ در اصل قبول بیعت کا زیادہ تر
دار و مدار قبول قلب ہی پر ہوتا تھا، جن طالبین کی صلاحیت اور مناسبت پر قلب شہادت
نہیں دیتا اور جن کی طرف دل و دماغ رجوع نہیں ہوتا ان کو حضرتؒ بیعت نہیں فرماتے تھے بلکہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

چاروں سلسلوں میں بیعت

حضرت والا اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے طریق انیق اور معمول مقبول کے مطابق طالبین کو بیعت فرماتے وقت چاروں سلسلوں میں داخل فرماتے تھے تاکہ سب اکابر طریق سے انتساب ہو جائے اور سب کی برکات نصیب ہوں۔ نیز چاروں سلسلوں کے بزرگوں کے ساتھ یکساں اعتقاد رہے، اور ایک سلسلہ کے بزرگوں کو دوسرے سلسلوں کے بزرگوں پر فضیلت نہ دیں جو اس لئے ممنوع ہے کہ اکثر اس تفضیل سے دوسرے بزرگوں کی تنقیص لازم آجاتی ہے، جو ناجائز بھی ہے اور نہایت خطرناک بھی کیونکہ بزرگوں کے ساتھ سوء ظن بعض اوقات سوءِ خاتمہ کا سبب ہو جاتا ہے ورنہ برکات سے محرومی تو ضرور ہی ہو جاتی ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم ص۱۸۵)

حقیقت یہ ہے کہ تمام سلسلوں کے بزرگوں کا یہی نصب العین تھا کہ سالکین اور طالبین حق کی اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کے لئے حسب ضرورت مجاہدے کرائے جائیں تاکہ ان کے قلوب کی صلاحیتیں درست ہو جائیں اور کیفیت تقویٰ پیدا ہو جو ذریعہ ہے حصول رضائے حق اور تعلق مع اللہ کا۔ اس کے لئے وہ جو تدابیر اختیار فرماتے تھے وہ اصول شریعت اور سنّت کے مطابق ہوتی تھیں کیونکہ تزکیۂ نفس کی وہی حقیقت ہے، جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ مامور تھے جیسا کہ یُزَکِّیْ نُفُوْسَهُمْ آپ کی شان میں وارد ہے۔ وہ تعلیم تمام تر احادیث میں مدون اور محفوظ ہے۔

حضرتؒ نے جس طرح شریعت کی بدعات کو مٹایا اسی طرح طریقت کی بدعات کو بھی ختم کیا۔ تمام خانقاہی رسومات و روایات کو حذف کر دیا اور چاروں سلسلوں کی تعلیم کی تجدید کی۔ فرماتے تھے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کیفیات باطنہ اور مقامات و روحانیت ہمارے یہاں نہیں ہیں۔ الحمدللہ سب کچھ ہے، کشف و کرامات و تصرفات وغیرہ اپنے مقام پر سب برحق لیکن پھر بھی ان میں ثانویت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو اس سے بہتر

اور قوی و لطیف چیز عطا فرمائی ہے، وہ ہے روحانیت، اس کے بھی لطائف و
مدارج ہیں مگر روحانیت کی ترقی منحصر ہے تعمیل احکام شرع پر کیفیات و مکاشفات
کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ساری طریقت اور سلوک کا راز اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ
نَسۡتَعِیۡنُ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ
عَلَیۡھِمۡ کے اندر مضمر ہے۔ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات ہوئے
وہ ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ انہیں کا مسلک اختیار کرو۔ انہیں
کی تقلید سے تم پر بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات نازل ہوں گے اور تعلق مع اللہ قوی ہوگا
اور ترقی کرے گا۔ اس طرح امتداد زمانہ سے چاروں سلسلوں میں جو مغائرت
پیدا ہو گئی تھی اور آپس میں رقابت اور غلط احساس فضیلت پیدا ہو گیا تھا اس کو رفع
فرما دیا اور سب کا منبع اور مرجع شریعت غرا ہی کے واحد مرکز پر قائم فرما کر حقیقت
طریق و سلوک کو مستند و معتبر بنا دیا۔ فرمایا کہ نقشبندیہ و چشتیہ سب نام ہیں اور حقیقت
سب کی ایک ہے یعنی

اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝

نیز بعض نقشبندیوں کا مزاج چشتیہ ہوتا ہے اور بعض چشتیوں کا مزاج نقشبندیہ ہوتا ہے
یہ تقسیم ایسی ہے جیسے وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ۔ اسی طرح
دوسرے سلسلوں کا معاملہ ہے۔

بیعت لینے کا طریقہ

خطبہ: اما بعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط
یٰایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم
تفلحون ، یٰایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصٰدقین ، ان الذین
یبایعونک انما یبایعون اللہ ، ید اللہ فوق ایدیہم فمن نکث فانما ینکث علیٰ
نفسہ ، ومن اوفیٰ بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرًا عظیما ط اس کے بعد ہاتھ میں ہاتھ لیکر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فرماتے جو میں کہتا جاؤں تم بھی وہ کہتے جاؤ (عورتوں سے فرماتے اپنے دل میں کہتی جاؤ) یہ کہو توبہ کی میں نے شرک سے، کفر سے، بدعت سے، چھوٹے بڑے گناہوں سے اور ایمان لایا میں اللہ پاک پر اور اس کے سچے رسول پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ عہد کرتا ہوں میں کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھونگا، رمضان شریف کے روزے رکھونگا اگر مال ہوگا زکوٰۃ دونگا زیادہ گنجائش ہوگی تو حج کرونگا اللہ رسول کے احکام جہاں تک ہو سکیگا بجالاؤں گا اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان کو ہرگز نہ کرونگا اگر خطا ہو جائیگی تو فوراً توبہ کرونگا بیعت ہوتا ہوں میں چاروں سلسلوں میں چشتیہ نقشبندیہ قادریہ سہروردیہ اے اللہ ان سب خانوادوں کی برکت نصیب کر اور قیامت میں ان بزرگوں کے ساتھ حشر فرما آمین اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ چلائے خاتمہ ایمان پر ہو نیک عملوں کی توفیق ہو۔ پھر فرماتے مسائل کیلئے بہشتی زیور بہشتی گوہر کا مطالعہ کرتے رہیں قرآن شریف کی تلاوت نماز تہجد یا بعد عشا چار رکعت یا آٹھ رکعت، پانچوں نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ پڑھتے پھرتے استغفار کی کثرت۔

سالکینِ طریق کو اپنے حالات کا جائزہ لینے کی ھدایت

طالب طریق سے فرماتے تھے کہ اپنی تمام روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیتا رہے اور محرکات نفس پر نظر رکھے اور اس کا اندازہ کرتے کہ تعلق مع اللہ میں اس کے حسنات اور رذائل کس طرح کام کرتے ہیں۔ دین اور امور شریعت اور اتباع سنت میں کس طرح عملی دشواری محسوس ہوتی ہے اور کس طرح کے اوہام و شکوک پیدا ہوتے ہیں تاکہ ان کے تدارک کی فکر اور اصلاح کا تقاضہ ہو۔

فرماتے تھے کہ مسلمان کی روزمرہ کی زندگی میں تمامتر شریعت، تمامتر سنت اور تمامتر طریقت ہی سے معاملہ رہتا ہے جس کا مختصر حاصل یہ ہے کہ حقوق۔ حدود اور حفظ حدود۔

حقوق تمامتر احکامات شرعیہ

حدود تمامتر اتباع سنت

حفظ حدود تمامتر طریقت

بس انہیں تین باتوں کا حق ادا کرنا مسلمان کے لئے حصول مقام عبدیت کا ذریعہ ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حضرت رح کے ضابطہ تعلیم و تربیت میں چند ... ہم چند

ہو جانے سے طریق میں کوئی گنجلک پیچیدگی یا ابہام باقی نہ رہتا تھا۔ مثلاً

مطالبات دین کو مفاد دنیا پر غالب رکھنا۔

عقل کو شریعت کا متبع رکھنا

اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہونا۔

سالک کو اپنی تجویز ترک کرنا اور تفویض کو اختیار کرنا۔

مقصود شرعیہ کو پیش نظر رکھنا اور غیر مقصود کی طرف توجہ نہ کرنا۔

کیفیات باطنہ کو محمود سمجھنا اور مقصود نہ سمجھنا۔

طبعی امور سے مغلوب نہ ہونا بلکہ عقل کے فتویٰ پر عمل کرنا۔ اور

ہمیشہ عقل کو شریعت کا تابع رکھنا۔

تربیت باطن کے متعلق حضرت رح کے یہ چند مجددانہ اصول تھے چنانچہ سالکین و طالبین کو حضرت ہمیشہ ہدایت فرماتے رہتے تھے کہ اپنے تمام امور زندگی میں خصوصاً باطنی حالات و کیفیات میں وجدانیات و مکاشفات میں، جذبات و خیالات میں، وساوس و خطرات میں انہیں مذکورہ معتبر و مستند اصول کو پیش نظر رکھ کر کام کریں۔ پھر جو بھی حالات پیش آئیں اور جن میں تردد و تشویش خاطر ہو ان کو اپنے مصلح و مرشد کو تحریر کر کے مطلع کرتے رہیں اور ان کا جو بھی مشورہ یا ہدایت ہو اس پر خلوص کے ساتھ عمل کریں۔

مختلف ماحول و استعداد کے سالکین و طالبین نے اپنے تمام اوہام و شکوک اور اندیشہ ناک خطرات و وساوس کو اور ظاہری و باطنی احوال و اعمال کو حضرت رح کے سامنے پیش کیا اور ہدایت طلب کی ہے حضرت نے ان کے لئے بہت ہی مجرب و نافع اور صحت بخش اکسیری نسخے تجویز فرمائے ہیں جن کے مطابق عمل کرنے سے الحمدللہ سالکین و سالکین کو نفس مطمئنہ کی دولت نصیب ہوئی ہے اور انشاءاللہ نصیب ہوتی رہے گی۔

یہ سوالات و جوابات یکجائی صورت میں مدون ہو کر تربیت السالک میں شائع ہو گئے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہیں۔ یہ تربیت السالک گویا طب روحانی کی قرابادین اعظم ہے اس میں آپ ہر طرح کے لوگوں کے حالات مطالعہ کریں گے۔ اس میں علماء وصوفیا بھی ہیں، انگریزی تعلیم یافتہ اور کاروباری لوگ بھی ہیں۔ دفاتر میں کام کرنے والے بھی ہیں۔ سب ہی کے دل کی آواز اس میں مذکور ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس میں مطالعہ کرنے والے کے لئے بھی دارو ئے شفا ہو یہ انداز تعلیم وتربیت اس مجدد اعظم کا اس دور حاضر میں بہت عدیم المثال اور منفرد کارنامہ ہے جس نے عالم تصوف میں ایک زندہ جاوید انقلاب پیدا کر دیا اور شاہراہ طریقت صدیوں کے لئے ہموار وبے غبار وبے خطر ہو گئی اور نفس وشیطان کی شرارتوں اور فریب کاریوں سے مامون ومحفوظ ہو گئی۔

تربیت کے چند اصول

طالبین طریق جو سلسلہ میں داخل ہونا اور بیعت ہونا چاہتے تھے ان کے متعلق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصول وضوابط کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے۔

فرمایا کہ جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے اول تو میں اس کو دین کے ضروری مسائل کا علم حاصل کرنے کے لئے چند کتابیں پڑھنے کے لئے کہتا ہوں مثلاً قصد السبیل بہشتی زیور اور مواعظ وملفوظات کو تاکیداً مطالعہ کے لئے کہتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے اور اس سے طالب کو بیعت کی غایت معلوم ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص یہ لکھتا ہے کہ ہم نے کتابیں پڑھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ پڑھ کر اپنی حالت میں کیا تغیر پیدا کیا۔ اس طریقے ست وہ نفع ہوتا ہے جو برسوں کے مجاہدے سے بھی نہیں ہوتا۔ میں تو اول ہی روز سے کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے۔ اصل چیز فکر ہے جب آدمی فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے۔ بس میں اول ہی گفت گو یا خط وکتابت میں طالب کے سر پر بوجھ رکھ دیتا ہوں جس کی وجہ سے اسے فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔

فرمایا طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ درس وتدریس پر مغرور نہ ہوں۔ اس کا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کار آمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت صحبت، اور نظرِ عنایت پر اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

بعض تعلیمی ضابطے

بیعت کرنے کے بعد اور قبل تلقین اذکار طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت فرمالیتے اور ان میں مناسب کمی بیشی فرماکر اوراد تجویز فرمادیتے اور اس کی وجہ یہی بیان فرماتے کہ پرانے معمولات سے چونکہ دلچسپی و اُنس ہوجاتا ہے اس لئے ان کو چھوڑنے کو بھی دل گوارا نہیں کرتا اس لئے بلا ضرورت ان کو نہیں چھڑواتا۔ نیز قدیم معمولات میں مداومت کے بدولت ایک خاص برکت بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

تعلیم و تربیت کا طریقہ حضرتؒ کے یہاں یہ بھی تھا کہ طالب کو ہدایت ہوتی تھی کہ اس معاملہ میں زبانی کوئی گفت گو نہ کرے جو کچھ دریافت کرنا ہو یا جو اپنا باطنی حال اظہار کرتا ہو۔ وہ تحریر کے ذریعہ سے کرے چنانچہ ایسے خطوط کے جواب ہمیشہ سائل کی عبارت کے سامنے حاشیہ پر تحریر فرمادیتے تھے تاکہ سوال و جواب ایک ساتھ رہیں اور بعد میں کوئی مغالطہ پیدا نہ ہو۔ یہ بھی ہدایت تھی کہ ہمیشہ جوابی لفافہ بھیجا جائے۔ کارڈ پر حالات لکھنا پسند نہ فرماتے تھے۔ یہ بھی ہدایت تھی کہ خط ہفتہ میں ایکبار لکھا جائے اور ہر خط میں صرف ایک مضمون ہونا چاہیے۔ سالک کو اپنے احوال باطنی سوائے اپنے شیخ کے دوسروں پر ظاہر کرنے کی سخت ممانعت تھی۔

یہ بھی ہدایت تھی کہ ہر نئے خط کے ساتھ پچھلا خط بھی ملفوف کیا جائے اور خطوط کو محفوظ رکھنے کی ہدایت تھی تاکہ آئندہ ان کے مطالعہ سے یادداشت تازہ ہوتی رہے۔

حضرت کا یہ بھی انداز تعلیم و تربیت تھا کہ روزانہ کی مجلس میں خاص طور پر ایسے مضامین بیان فرماتے جس سے عام طور پر لوگوں کو سابقہ رہتا ہے مثلاً معاشرے کی خرابیاں۔ معاملات میں کوتاہیاں، اخلاق کی کمزوریاں۔ ان باتوں کو کچھ ایسے پیرائے سے حکایات و روایات کے طور پر بیان فرماتے کہ ان کے اسباب پر نظر پہنچتی پھر ان کے تدارک کے لئے تدابیر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تجویز فرماتے جاتے۔ یہ انداز بیان گو عام حالات کے متعلق ہوتا مگر مجلس میں ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ گویا حضرت کو اس کے حالات کا کشف ہو رہا ہے اور حضرت اس کے دل کی بات بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بات حضرت کے لئے عام طور پر مشہور تھی کہ حضرت رح کو کشف ہوتا ہے مگر حضرتؒ اکثر اس کی تردید یقین کے ساتھ فرماتے تھے کہ ہرگز یہ معاملہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ جس سے کام لیتے ہیں اس کی اعانت فرماتے ہیں اور لوگوں کے حسب حال جو بات ہونی ہے وہ بیان ہو جاتی ہے۔

اوراد و وظائف

سالکین و طالبین طریق کے لئے ان کی استعداد اور تحمل کے موافق کچھ اوراد و وظائف اور ذکر و اذکار بھی تعلیم فرما دیتے تھے اور ان پر التزام و دوام کے لئے تاکید بھی فرماتے تھے مگر ہمیشہ متنبہ فرماتے رہتے تھے کہ صرف انہیں باتوں کو مدار ترقی باطن نہ سمجھیں یہ باتیں صرف ممد و معاون ہیں اور اصل شے جس سے معرفت، تقویٰ، شرافت نفس حاصل ہوتی ہے اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے وہ صرف ظاہر و باطن کے اوامر و نواہی پر عمل اور اتباع سنت ہی پر منحصر ہے، جو ہر شخص پر فرض و واجب ہے اور یہی حاصل تصوف و سلوک ہے، جو لوگ اس کی اہمیت نہیں سمجھتے اور اس پر عمل نہیں کرتے وہ عمر بھر سرگرداں اور نامراد رہتے ہیں اس وقت اکثر علماء اور صوفیاء کا یہی حال ہے الا ماشاء اللہ۔

تربیت گاہِ باطن

حضرت رح کی تربیت گاہ باطن میں نہ کیفیات و ذوقیات تھیں نہ وجد و حال، نہ رسمی مجاہدے تھے نہ مراقبے، بس اہتمام تھا تو شریعت کے احکامات کی بجا آوری کا تھا۔ دھن تھی تو اپنے ہر انداز زندگی میں اپنے محبوب، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر انداز زندگی کی اتباع کی تھی۔ فکر تھی تو نفس و شیطان کے مکائد سے بچنے کی تھی اور تاکید تھی تو صرف یہ تھی کہ اپنے ظاہر کو بھی پاک و صاف رکھو اور اپنے باطن کو بھی طاہر و طیب رکھو۔ اگر ان باتوں کی توفیق نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ دونوں جہان کی دولت ہاتھ آ گئی۔

سالکین کو اس کی بھی تاکید کی جاتی تھی کہ منجملہ حقوق طریق کے یہ بھی لازم و واجب ہے کہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقوق العباد کا حدود شرع کے اندر خیال رکھا جائے ماں باپ کے حقوق۔ بیوی بچوں کے حقوق۔ عزیز و اقارب کے حقوق۔ دوست احباب کے حقوق۔ اہل تعلقات کے حقوق ادا کرنا محض نوافل و اوراد و وظائف کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ ان میں کوتاہی کرنے سے مقصود طریق کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کی مخلوق کو ناراض کر کے خالق کو راضی کرنا ع

این خیال است و محال است و جنوں

حقوق العباد کا ادا کرنا فرض و واجب ہے، ان کے ترک سے مواخذہ ہوگا۔ اور ترک وظائف پر کوئی مواخذہ نہیں، یہ تو مستحب ہے۔ تو جو کام ضروری ہے اس کو ترک کر کے غیر ضروری کام کو ضروری اور اس پر کامیابی کا دار و مدار سمجھنا محض خوش فہمی اور جہالت ہے اور انجام کار گمراہی اور نامرادی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں میں اعمال واجبہ کی وہ وقعت و عظمت نہیں جو غیر واجبہ کی ہے۔ نوافل و وظائف کی کثرت کو زیادہ موجب قرب سمجھتے ہیں اور دوسروں کی حق تلفی نہ کرنا اور کسی کو اذیت نہ پہنچانا اس کو موجب قرب نہیں سمجھتے۔ اعمال واجبہ کو حقیر سمجھنے کا سبب، ان اعمال کا عموم ہے کہ اس کو تو سب ہی کرتے ہیں۔ پھر ان میں خصوصیت ہی کیا ہے۔ کوئی خاص امتیازی بات تو ہے نہیں۔ ان میں حصول ولایت و قطبیت و غوثیت کی کون سی بات ہے۔ ان میں سوز و ساز ہے نہ کیفیات نہ وجد نہ حال۔ کس قدر افسوسناک یہ انداز خیال ہے اور محض باطل ہے۔

حضرتؒ اپنی مجالس میں بڑی اہمیت کے ساتھ آداب معاشرت بتایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ کوئی اپنی پسند کی چیز نہیں ہے کہ جو دل چاہا اپنی مرضی کے مطابق معاشرہ اختیار کر لیا۔ کتاب و سنت میں اس کے آداب و حدود بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ اس میں بھی جائز و ناجائز ہے حلال و حرام کا تعلق ہے، اس لئے جو عمل خلاف دین ہوگا ضرور قابل مواخذہ ہوگا۔

موجودہ تہذیب و تمدن میں مزاج ایسے بدل گئے ہیں کہ عوام تو کیا خواص کو بھی اس طرف التفات نہیں لیکن سالک کے لئے یہ بات بڑے خسران کی ہے کہ دین کے اس اہم

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

شعبہ کو نظر انداز کیا جائے۔ اس خلاف ورزی کا مرتکب ہوتے ہوئے رضائے حق، جو مقصود طریق ہے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت ؒ نے متعدد وعظ اس موضوع پر فرمائے ہیں اور چند کتابیں اس مضمون پر تالیف فرمائی ہیں۔ حضرت ؒ سالکین اور زیر تربیت اشخاص کو بڑی اہمیت کے ساتھ اس بات پر توجہ دلاتے کہ عالم تعلقات میں اپنا جو معاملہ یا برتاؤ دوسرے کے لئے باعث اذیت ہو یا اس کی ناگواری کا سبب ہو وہ طریق میں سخت قسم کا سدراہ ہے۔ کسی کو اپنی ذات سے ادنیٰ ناگواری بھی نہ ہو اس کا خیال رکھنا ہر شخص پر واجب ہے اور یہی حاصل سلوک ہے۔

حضرت ؒ سالکین کے لئے تمام کیفیات و انفعالات باطنی کو نظر انداز کر کے دو باتوں کی خاص طور پر تلقین فرماتے۔ ایک یہ کہ غایت طریق پر نظر رکھی جائے کہ وہ رضائے حق ہے، جس کا حصول محض ادائے حقوق واجبہ پر منحصر ہے۔ دوسرے معاملات و تعلقات میں اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے پائے یہی شرافت نفس اور صحیح احساس انسانیت کی علامت ہے اور غایت سلوک ہے۔

اصلاح نفس میں اصلاح بدن کو کافی دخل ہے اس لئے بقدر وسعت ضرورت غذا اور دوا کا اہتمام بھی عبادت اور سنّت ہے، ان لنفسك علیك حقًا وان لجسدك علیك حقًا حدیث ہے۔ (تربیت السالک)

سیاستِ تربیت

جن لوگوں سے اصلاحی تعلق تھا حضرت ؒ بڑی توجہ کے ساتھ ان کے خاص خاص

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حالات اور حرکات و سکنات پر نظر رکھتے تھے خواہ کتنا ہی خصوصی و قریبی تعلق کیوں نہ ہو اس معاملہ میں کبھی مروت اور چشم پوشی نہ فرماتے۔ معمولی معمولی غلطیوں پر سخت دار و گیر فرماتے تھے کیونکہ اپنے متعلقین کی غلطیوں پر چشم پوشی کرنا طریق میں خیانت ہے اور ان کے لئے خرابی کا باعث ہے۔ اس لئے کسی میں اگر بے پرواہی یا بے حیائی یا بےفکری کی عادت دیکھتے تو اس کو بڑی سختی سے متنبہ فرماتے اور صحیح بات اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے۔ کسی کو اپنی ذمہ داری کے کاموں میں غفلت برتنے پر سخت سرزنش و مواخذہ فرماتے کسی کو بدنظمی اور بے عقلی کے ساتھ کام کرتے دیکھتے تو سخت دار و گیر فرماتے اور جب تک وہ صحیح بات نہ سمجھ لیتا اس وقت تک اس کو معاف نہ فرماتے۔ بے ادبی اور بدتمیزی کی باتوں پر حضرت رح کو سخت غصہ آ جاتا تھا۔ اور لہجہ بدل کر سخت فہمائش فرماتے۔ جن لوگوں میں شرارتِ نفس اور بداخلاقی کا مادہ ہوتا جو دوسروں کے لئے وجہ اذیت ہوتا تو حضرت رح ان کی سختی کے ساتھ اصلاح فرماتے۔

سالکین کی اس طرح کی تقصیرات اور خامیوں کی اصلاح کے لئے بطور معالجہ ہر شخص کی حالت کے لحاظ سے تادیب و سرزنش کا انداز بھی جداگانہ تھا کسی کو مجلس سے اٹھا دیتے کسی کو ایک مدت تک کے لئے مکاتبت یا مخاطبت کی ممانعت فرما دیتے۔ کسی کو شدید غلطی پر قطع تعلق کی دھمکی دیتے۔ کسی کو بے پرواہی اور حرکات نازیبا پر سخت قسم کے جرمانے تجویز فرماتے مثلاً کسی کو کچھ دنوں کے لئے مسجد میں جھاڑو دینے اور نمازیوں کے جوتے سیدھے کرنے کے لئے فرماتے۔ کسی کو کچھ رقم بطور جرمانہ کسی خاص طریقے سے صرف کرنے کے لئے، کسی کو معمولات اوراد و وظائف کچھ عرصہ تک ترک کر دینے کے لئے یا کسی کو نوافل خاص تعداد میں ادا کرنے کے لئے جو نفس پر شاق ہو حکم فرماتے۔ کسی کو تہذیب نفس کے لئے کوئی مجاہدۂ شاقہ تجویز فرماتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غائیت ان سب مواخذوں سے سالک کی اصلاح ہی ہوتی تھی۔ کیونکہ باوجود اس سخت گیری کے ہر معاملہ میں شفقانہ اور مربیانہ انداز ہی ہوتا تھا۔ خود ہی فرماتے تھے کہ جب میں کسی سے خفا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہوتا ہوں تو برابر اس کی طرف متوجہ رہتا ہوں اور میں اس وقت اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے ہر مواخذے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور یہ بات میری عادت میں داخل ہو چکی ہے کبھی اس میں ذہول نہیں ہوتا۔

یہی سبب تھا کہ باوجود مورد عتاب ہونے اور ناراضگی کے ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ حضرتؒ کے غصہ سے دل روشن ہو جاتا ہے اور حضرت کے ساتھ عقیدت و محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرتؒ کی تعلیم و تربیت کی یہ بھی ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ سالک طالب طریق کی کیسی ہی ابتر اور اندیشہ ناک اور مایوس کن حالت ہو حضرتؒ ہمیشہ اس کو امید افزا اور حوصلہ افزا مداوا و شفائے باطن تلقین فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت بے پایاں کی طرف متوجہ فرماتے تھے جس سے بہت لوگ تسکین و طمانیت قلب حاصل کر کے باطنی و ظاہری ہلاکت و بربادی سے بچ گئے۔

حضرت والا کی جو بات بھی تھی، نہایت باضابطہ اور با اصول تھی۔ لیکن یہ بھی بارہا فرمایا کہ مجھے انتظامات کا خواہ مخواہ شوق نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو ان تصوروں سے وحشت ہوتی ہے کیونکہ میری طبیعت فطری طور پر بہت آزاد ہے، مگر جہاں ضرورت ہو اور بدون انتظام کام ہی نہ چلے وہاں منتظم ہونا ہی پڑتا ہے، اور وہاں منتظم ہونا ہی ضروری ہے۔ کیوں کہ جہاں ضرورت ہو وہاں تو انتظامات میں مجھے بجائے مشقت اور وحشت کے نہایت مسرت اور دلچسپی ہوتی ہے۔ (اشرف السوانح ۱۱۲)

حضرت اکثر فرماتے کہ میں فقط دوسروں ہی کو اصول صحیحہ کا پابند نہیں بناتا بلکہ اپنے آپ کو بھی تو پابند کرتا ہوں اور یہ تکلف یا تصنع سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اصول صحیحہ کی پابندی میرا مقتضائے طبعی ہو گیا ہے۔ گو اس میں کسی قدر مشقت بھی ہو اور گو اس کا تعلق میرے محکومین اور تابعین ہی سے ہو۔ کیونکہ اصول صحیحہ بہر حال قابل احترام

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہیں. یہاں تک کہ اکثر اہل معاملہ کو میری رعایت اصول کا علم بھی نہیں ہوتا. لیکن میرے قلب کو تو تسلی رہتی ہے کہ میں نے اصول صحیحہ کی رعایت کی کسی کو جتلانا تھوڑا ہی مقصود ہے. اور میں نے یہ قواعد سوچ سوچ کر بلا ضرورت پہلے سے تجویز نہیں کئے. بلکہ جیسے جیسے معاملات لوگ میرے ساتھ کرتے گئے اور ان کی بنا پر جیسی جیسی ضرورت پیش آتی گئی قواعد میں اضافہ ہوتا چلا گیا. باقی خدا نہ کرے مجھ کو کوئی شوق تھوڑا ہی ہے خواہ مخواہ قواعد بنانے کا. اور لوگوں کو تنگی میں ڈالنے کا. استغفر اللہ. بلکہ واللہ مجھے بعض ضابطے کے قواعد تجویز کرتے وقت نہایت شرم آئی کہ یہ کیا واہیات عدالتوں کے سے ضابطے ہیں. لیکن کیا کرتا ضرورتوں نے مجبور کر دیا. میرا مقصود ان قواعد سے صرف یہ ہے کہ نہ مجھے کوئی اذیت ہو نہ دوسروں کا کوئی کام اٹکے. ورنہ اگر یہ قواعد نہ ہوتے تو بڑی گڑبڑ رہتی. نہ مجھی کو راحت رہتی. نہ لوگوں کے کام بنتے. اب تو بفضلہ تعالیٰ دونوں کی مصلحتیں پوری ہو رہی ہیں. میرے قواعد اپنی ذات میں بالکل سہل ہیں البتہ میں بھی ان کی پابندی سختی سے کرتا ہوں اور دوسروں سے بھی ان کی پابندی سختی سے کراتا ہوں. بس اس پابندی ہی سے لوگ گھبراتے ہیں. حالانکہ بلا تشبیہ شرائع کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی ذات میں تو بالکل سہل ہیں. چنانچہ نصوص صریحہ سے ان کا سہل ہونا ثابت ہے. خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے.

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر اور

وما جعل عليكم في الدين من حرج

اور حدیث شریف میں ہے الدین یسرٌ

لیکن ان کی پابندی سختی سے کرائی جاتی ہے اور ان کے ترک پر سخت سخت وعیدیں ہیں. چنانچہ نماز اپنے ارکان و شرائط کے لحاظ سے بہت سہل عمل ہے اور معذوری کی حالت میں اس کے اندر اور بھی سہولتیں رکھ دی گئی ہیں. لیکن اس کی پابندی بڑی سختی کے ساتھ کرائی گئی ہے اور اس کے ترک پر دنیا و آخرت میں سخت سخت وعیدیں اور سزائیں ہیں. دنیا میں تو بعض ائمہ نے ترک نماز پر سزائے قتل تک کا فتویٰ دیا ہے اور بعض نے حبس دوام کا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور آخرت میں فرعون وہامان کے ساتھ دوزخ میں جانے کی وعید وارد ہے۔ غرض اس قانون کو ہرگز سخت نہیں کہہ سکتے جو اپنی ذات میں تو سہل ہو لیکن اس کی پابندی سختی سے کرائی جائے۔
(اشرف السوانح ۲)

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے میں نے اپنے معمولات میں راحت کی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں، یہی میرا اصل مذاق ہے کہ دنیا کی بھی راحت ہو اور آخرت کی بھی اور صرف اپنی ہی راحت مقصود نہیں دوسروں کی راحت کا بھی خیال رکھتا ہوں۔ (اشرف المعمولات)

حضرتؒ اپنے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میرے اندر حدت تو ہے مگر الحمدللہ شدت نہیں ہے، بلکہ دوسروں کے جذبات کی تو میں اتنی رعایت رکھتا ہوں کہ دوسروں کی نظر بھی ان دقائق کی رعایت تک نہ پہنچتی ہوگی۔ بفضلہ تعالیٰ دور دور تک کے احتمالات اذیت پر بھی فوراً میری نظر پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے احتراز کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں اور اسی لئے مجھے اور بھی غصہ آتا ہے کہ میں تو ان کی اتنی رعایت کروں اور یہ میرے ساتھ ایسی بے فکری برتیں۔ (اشرف السوانح)

اپنے طرز سیاست ہی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے کہ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے اور حضرات کا تو یہ طرز نہ تھا۔ میں نے کہا کہ یہ بات تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے کہ حدِ خمر نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تھی صرف تعزیر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بجائے تعزیر کے یہ حد کیوں جاری اور مقرر کر دی۔ بس جو وہاں جواب ہے وہی یہاں بھی ہے یعنی پہلے طبائع میں سلامتی تھی اس لئے واقعات میں قلت تھی لہذا صرف تعزیر کافی تھی حد مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بعد کو طبائع کا رنگ بدل گیا اور واقعات زیادہ ہونے لگے اس لئے حد مقرر کرنے کی ضرورت واقع ہوئی۔ تو جو فاروق نے کیا وہی ایک فاروقی نے کیا۔
(اشرف السوانح)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فرمایا کہ بقول حضرت شیخ اکبرؒ شیخ کامل کے اندر بادشاہوں کی سی سیاست ہونا ضروری ہے کیونکہ عام طبائع کے اعتبار سے عادت اکثریہ بھی ہے کہ بغیر سختی کے اصلاح نہیں ہوتی اسی لئے اس کی ضرورت سب عقلاء کے نزدیک مسلّم ہے اور ہر متمدن جماعت نے حسب ضرورت اپنے اپنے اصول سیاست مقرر کر رکھے ہیں بلکہ نظام عالم ہی اصول سیاست پر قائم ہے جب امن ظاہری کے لئے سیاست ضروری ہے تو امن باطنی کے لئے تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگی۔ کیونکہ فساد ظاہری کی اصلاح اتنی دشوار نہیں جتنی فساد باطنی کی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ رذائل نفس کے ازالہ کے لئے سیاست کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی اور اگر کوئی مصلح بزرگان سلف کے طریق کو زندہ کرے اور فطری اصول پر طالبین صلاح کی اصلاح کرے تو اس پر ہر کس و ناکس اعتراض کرنے کے لئے تیار ہے (اشرف السوانح حصہ دوم)

فرمایا کہ ابھی تو اس وجہ سے کہ المعاصر اصل للمنافرۃ لوگوں کو میرے اس طرز تربیت سے وحشت ہے اور اس پر اعتراض ہے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ میرے بعد لوگ اس کی قدر کریں گے اور سندیں پیش کریں گے میں نے اپنے اوپر بدنامی لیکر اوروں کے لئے راستہ صاف کر دیا ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

تنبیہ

حضرت والاؒ کے اس طریق اصلاح بطرز سیاست کے متعلق ایک ضروری تنبیہ بھی قابل عرض اور قابل غور ہے وہ یہ کہ اس طریق خاص کے اختیار کرنے کا ہر شخص ہرگز اہل نہیں لہٰذا عام مصلحین اس کے اختیار کرنے کی ہرگز جرأت نہ کریں ورنہ کورانہ تقلید کر کے اپنا اور طالبین اصلاح کا بھی ناس کریں گے۔ یہ تو ان خاص الخاص حضرات ہی کا منصب ہے جو نفسانیت سے نکل چکے ہوں اور جو حدود کی حفاظت پر پورے طور سے قادر ہوں محض تقلید سے اس منصب خاص کی اہلیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مجاز بیعت کے لئے شرائط استعداد

حضرت ؒ نے ایک مرشد و مصلح میں جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے ان کی اس طرح تشریح فرمائی ہے۔ ارشاد:۔

وصف اول یہ ہے کہ وہ متقی ہو،

دوسرے یہ کہ وہ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہو۔

تیسرے یہ کہ اس کو طریق سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو لیکن محض علمی مناسبت نہیں بلکہ حالی۔

چوتھے یہ کہ اس میں دوسروں کی بھی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو۔

پانچویں یہ کہ اوصاف مذکورہ میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ بھی حاصل ہو گیا ہو اور

چھٹی بات یہ کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گو فی الحال اس کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا صرف یہ درجہ ضروریہ حاصل ہے لیکن آئندہ وہ ترقی کر کے اس میں رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل کرلے گا۔ یہ سب چھ اوصاف ہوئے لیکن ان سب اوصاف کا تحقق صرف ظن غالب ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔ (اشرف السوانح ص۲)

حضرت رح اکثر اپنے طالبین بیعت کو اپنے خلفائے مجازین کے سپرد کر دیا کرتے تھے اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ حضرت رح اندازہ کرلیں کہ جن صلاحیتوں کی بنا پر ان کو اجازت دی گئی ہے ان کا مصرف یہ حضرات کس طریقے سے کرتے ہیں بعض کی باقاعدہ تعلیمات پر اظہار مسرت فرماتے اور اپنا اطمینان ظاہر فرماتے اسی طرح بعض کی بے پرواہی اور ضابطۂ تربیت سے انحراف کا حال معلوم ہوتا تو اس پر ان کو تنبیہ فرماتے اور صحیح طریقہ اختیار کرنے کی تاکید فرماتے، اور ان کو تاکید تھی کہ اپنے حالات اور اپنے متعلق طالبین کی تعلیم و تعلم کے طریقے سے حضرت کو مطلع کرتے رہا کریں تاکہ ان کو اپنے نفس کی نگہداشت اور طریقہ کار

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کی بھی اصلاح ہوتی رہے اور ہدایت ملتی رہے۔
فرمایا کہ گو بعد تکمیل کے شیخ کی تعلیم کی حاجت نہیں رہتی لیکن بقائے فیض کے لئے
اس کے ساتھ اعتقاد و امتنان کا تعلق عمر بھر رکھنا ضروری ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

مجازِ بیعت

سالکین تربیت یافتہ کو اکثر اس عنوان سے اجازت عطا فرماتے تھے۔ کہ بیساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیدی جائے لہٰذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرمادیں اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں۔ اس اجازت کی اپنے خاص احباب کو بھی اطلاع کر دیں۔

مجازِ صحبت

تعلیم و تلقین کے سلسلہ میں حضرتؒ نے اپنے مجددانہ ذوق سے ایسے لوگوں کی بھی ایک جماعت تجویز فرمائی تھی جن کو بیعت لینے کی تو اجازت نہ تھی مگر وہ اپنی صحبت و تعلیم سے لوگوں کو طریق کی اشاعت کر سکتے تھے اس میں علماء کے علاوہ دیگر مشاغل کے ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کی استعداد باطنی صحیح معیار پر آچکی تھی۔ ان کو اجازت اس طریقہ سے عطا فرماتے تھے۔

ایک روز قلب پر بیساختہ وارد ہوا کہ بعض ایسے احباب کو (جو تلقین کی کافی صلاحیت رکھتے ہیں مگر اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے) تلقین بلا بیعت کی اجازت دے دوں اور ایسے حضرات کا لقب مجاز صحبت تجویز کیا گیا یعنی مجاز بالصحبۃ یعنی جن کو صرف بواسطہ صحبت نفع پہنچانے کی اجازت دی گئی اور فرق کے لئے جماعت سابقہ کا لقب مجاز بیعت یعنی مجاز بالبیعۃ قرار دیا گیا۔ اگر ان مجازین صحبت میں حالات

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

منتظرہ رونما ہو گئے (جن کی تعیین اور فیصلہ میں صرف میں منفرد ہوں، خود اہل معاملہ کو اس کا منتظر رہنا منافی اخلاص ہے) اس حالت میں ان کو مجازین بیعت میں داخل کرکے شائع کردیا جائے گا۔

فرمایا کہ میں تو عملاً یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ نفع بیعت پر موقوف نہیں بلکہ تعلیم اور اس کی اتباع پر موقوف ہے اصل چیز یہی ہے۔ (اشرف السوانح)

حقیقت اجازت بیعت

ملفوظ :۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ اس اجازت کی نظیر بالکل ایسی ہے جیسے علوم درسیہ میں جو سندِ فراغ دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اس کو ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بلکہ محض اس ظن غالب پر سند دی جاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر وہ برابر درس و مطالعہ میں مصروف و مشغول رہے تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور نا قدردانی سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور استعداد کو ضائع کرے تو اس کا الزام سند دینے والوں پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے اسی طرح جو کسی کو بیعت کی اجازت دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اس کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا ہے بلکہ محض اس ظنِ غالب پر اجازت دی جاتی ہے کہ اس کو فی الحال تو ان اوصاف کا درجہ ضروریہ حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ برابر ان کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ (اشرف السوانح)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اپنے طریق پر اطمینان و تشکر

ارشاد۔ واقعی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے یہاں حقیقت سے کوئی ناواقف نہیں
اور یہ میرے کرّے پن کی بدولت ہے ورنہ یہاں بھی خلط مبحث ہو جاتا اب جتنے ہیں بفضلہ
تعالیٰ ان پر اطمینان تو ہے اور میرے نزدیک تو قریب قریب ہر شخص قابل اجازت ہے،
اور میں تو سب کو اجازت دے دیتا لیکن مصالح دینیہ کا مقتضا یہ ہے کہ صاحب اجازت
میں کسی نہ کسی قسم کی وجاہتِ دینی یا دُنیوی بھی ہو۔ مثلاً اہل علم یا کسی معزز طبقہ کا ہو تاکہ اس
کی طرف رجوع کرنے میں کسی کو عار نہ آئے اور طریق کی بے وقعتی نہ ہو۔ الحمد للہ میرے احباب
میں ایسے ایسے موجود ہیں جو اصل اصلاح کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور مشہور مشہور
مشائخ سے بھی اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور مشہور مشہور مشائخ سے بھی اچھی تربیت باطنی
کر سکتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آج کل لوگ بس شہرت کی بنا پر معتقد ہوتے ہیں۔ کمال کو کوئی
نہیں دیکھتا طریق سے بہت ہی بیگانگی ہو گئی ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

نوٹ

حضرت رحؒ کے خصوصیاتِ زندگانی اور اندازِ تربیت
کتاب مآثر حکیم الاُمّۃ میں ملاحظہ فرمائیے،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقۃ الطریقہ

اس عنوان کے تحت بطور مقدمہ کتاب "التکشف" میں حضرتؒ نے حسب ذیل مضمون تحریر فرمایا ہے:-

"بعد حمد و صلوٰۃ مدعائے ضروری یہ ہے کہ ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقاید و اصلاح اعمال ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمال باطنی کی اصلاح کرے۔ قرآن مجید میں بے شمار آیات اور حدیث میں بے انتہا روایات اس کی فرضیت پر صراحتہً دلیل ہیں گو اکثر اہل ظاہر بسبب پابندی ہوا و ہوس اس دلالت سے غافل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ قرآن و حدیث میں زہد و قناعت و تواضع۔ اخلاص و صبر و شکر و حب الٰہی اور رضا بالقضاء و توکل و تسلیم و رضا وغیرہ کی فضیلت اور ان کی تحصیل کی تاکید اور ان کے اضداد (خلاف) حبِ دنیا و حرص و تکبر و ریا و شہوت و غضب و حسد وغیرہ کی مذمت اور ان پر وعید وارد و مذکور ہے پھر ان کے مامور بہ اور ان کے منہی عنہ ہونے میں کیا شبہ رہا اور یہی معنی ہیں اصلاح اعمال باطنی کے، اور یہی طریقت کا مقصود اصلی ہے، جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ ثابت ہے اور اسی کے ساتھ تجربہ اس کا شاہد ہے کہ اس اصلاح کا مدار اعظم عادۃ اللہ میں صحبت و خدمت و اطاعت ان حضرات کی ہے جو اپنی اصلاح کر چکے ہیں اور جہاں صحبت ظاہری میسر نہ ہو تو صحبت معنوی یعنی ان حضرات کے حالات و حکایات کا مطالعہ قائم مقام صحبت ظاہری کے ہو کر کسی درجہ میں کفایت کر سکتا ہے اور یہی راز ہے کہ نصوص میں بکثرت صحبت نیک کی ترغیب اور صحبت بد سے ترہیب آئی ہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح آیات و احادیث میں مقبولان الٰہی کے قصص جابجا آتے ہیں، اور یہ بھی بشہادت تجربہ ثابت ہو چکا ہے کہ صلحاء کی صحبت ظاہری یا معنوی کی یہ تاثیر اس پر موقوف ہے کہ ان کے ساتھ عقیدت و محبت ہو ورنہ عمر بھر کچھ نفع نہیں ہوتا اور جس طرح کہ اہل صلاح کی صحبت نافع اور مفید ہے اسی طرح اہل فساد کا قرب اور تعلق مضر اور مہلک ہے اور اس زمانے میں بوجہ قلت علم و نیز بہ غلبہ ہوائے نفسانی اصلاح باطنی کی طرف اول تو اکثر کو التفات ہی نہیں، پھر اگر کسی کو خیال بھی ہوتا ہے اور اس ضرورت سے کسی (پیر و مرشد) کی صحبت کا متلاشی ہوتا ہے تو اکثر طالبین کی طبائع میں اعتدال علمی و عملی بہت کم ہونے کی وجہ سے یا تو تشدد و تعصب زیادہ ہوتا ہے یا مزاج میں مداہنت و ضعف دینی بڑھا ہوا ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں امر قوی مانع طریق اور سدّ راہ ہو جاتے ہیں۔ اوّل جن لوگوں میں تشدد اور تنگ نظری ہے، وہ تو کاملین اور اہل حق کے بعض اقوال یا افعال یا احوال کی کنہ اور علم نہ سمجھنے سے ان کو مخالف سنت قرار دیکر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ان کے برکات سے محروم رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات بے ادبی اور گستاخی کر کے اپنی عاقبت کو پُر خطر کر لیتے ہیں اور دوّم مداہنت کرنے والے اور ضعیف الاعتقاد لوگ اگر کسی کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ناقص الایمان اور باطل پرست لوگوں (پیروں) کے تمام اقوال و افعال و احوال کو شریعت پر منطبق کئے بغیر دل و جان سے قبول کر کے ان کی صحبت و خدمت اختیار کر کے اور ان کے معتقد اور گرویدہ بن کر اپنا دین ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

اس لئے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن و حدیث سے طریقت کی حقیقت دکھادی جائے تاکہ اس کے بعد لوگوں کو اہل کمال اور اہل حق پر انکار نہ ہو اور اہل باطل پر اعتقاد نہ ہو اور متعصب لوگوں کی یہ زیادتی کہ بعضے ان میں باوجود اہل علم

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہونے کے کاملین اہل حق کو ناقص اور ان کی حالت کو خلاف شریعت سمجھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ طریقت کی دین میں کچھ اصلیت نہیں ہے (یہ بات ان کے دماغ سے رفع کردی جائے) اور جو لوگ کمزور عقیدے کے ہیں اور جو ناقص اور اہل باطل کو کامل سمجھتے ہیں اور ان کی حالت کو باوجود اس کے کہ وہ تمامتر خلاف شریعت ہوتی ہے عین حقیقت سمجھتے ہیں اور قرب و وصل کا (حاصل ہونا جانتے ہیں) ان کے اس خیال کی بھی اصلاح کردی جائے تاکہ حق و باطل میں جو فرق ہے اس کا صحیح معیار قرآن و حدیث کے مطابق قائم ہو جائے۔ (واللہ المستعان) (التکشف)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مضمون مذکورہ بالا میں اجمالاً تصوف وسلوک کے متعلق یہ خاص اہمیت ظاہر فرمائی ہے کہ طریقت کا تمام دار و مدار قرآن و حدیث ہی پر ہے، سالکین اور مشائخ و پیران طریق کی جو خصوصیات ہیں وہ تمامتر اتباع شریعت و سنت ہی پر منحصر ہیں۔ اس جگہ صرف ان لوگوں کی اصلاح خیال کی ضرورت محسوس فرمائی جو آداب طریقت سے ناواقف ہیں اور پیری مریدی کے معاملہ میں حدود شرع و سنت سے متجاوز ہیں، اور غلو و مبالغہ اور افراط و تفریط میں مبتلا ہو کر اپنے دین کو برباد کر رہے ہیں۔ مگر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے عام طور پر بڑی خصوصیت و اہمیت کے ساتھ اصلاح اعمال باطنی کے لئے جو طریقت کا مقصود اصلی ہے اور تمام ارکان دین کے لئے بنیادی چیز ہے۔ اپنی تمام توجہ مبذول فرمائی ہے۔ دین کے تمام ارکان عقائد، عبادات، معاملات و معاشرت کی درستی و صحت اخلاق ہی پر موقوف ہے۔ ورنہ بغیر اس کے تمامتر فساد ہی فساد ہے۔

منجانب اللہ تعالیٰ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو رشد و ہدایت۔ تجدید دین و اعلائے کلمۃ الحق اور احیائے سنت کا منصب عطا ہونا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وجداناً ابتداء ہی سے آپ نے دین کے ہر شعبہ کا بڑی کاوش و نظر غائر کے ساتھ جائزہ لیا اور جہاں جہاں کوتاہیاں اور خامیاں نظر آئیں ان کی تشخیص فرمائی ان کے اسباب و علل پر نظر کی اور پھر ان کے لئے شریعت و سنت کے ضابطہ کے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مطابق اصلاح فرمائی۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف و سلوک یعنی طریقت کے متعلق علوم باطنی کے تمام معارف و حقائق پر گہری نظر ڈالی ہے اور خداداد فراست سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ نکتہ رس نظر باطن کے تمام نازک و لطیف احوال کیفیات و وجدانیات و مقامات پر پہنچی ہے اور ہر طرح کے وساوس و خطرات نفسانیہ اور تمام ملکات حسنہ و ملکات سیئہ کے تقاضوں اور محرکات کو اور مکائد نفسانی اور تلبیث شیطانی کی حقیقت کو سمجھا ہے، اور پھر بطور معالجہ جلب منفعت اور دفع مضرت کے اصول پر کاربند ہونے کے لئے اور مقصود اصلی یعنی تزکیہ نفس و تعلق مع اللہ حاصل کرنے کے لئے نہایت سہل. جامع و نافع معالجات و تدابیر کو قرآن و حدیث کی مطابقت کے ساتھ مرتب و مدون فرمایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کثیر التعداد مواعظ اور بے شمار ملفوظات میں یہی مصلحانہ اور مجددانہ جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف و سلوک کی حقیقت و اہمیت اور غایت و ضرورت واضح کرنے کے لئے بڑی بصیرت افروز اور گرانقدر مضامین پر مشتمل کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں. مثلاً مسائل السلوک التکشف التشرف. قصد السبیل. تعلیم الدین. کلید مثنوی۔ بوادر و نوادر و بدائع وغیرہ یہ سب علوم باطنی کی عدیم المثال تفاسیر ہیں جن میں شریعت و طریقت کی ہم آہنگی نمایاں اور ہدایت و ضلالت اور حق و باطل کا فرق روز روشن کی طرح واضح ہے اور قرآن و حدیث کی سند کے ساتھ طریقت کے ہر حسن و قبح کو اپنے اپنے مقام پر نمایاں فرمادیا ہے اور علوم باطنی کے تمام اصولی و جزوی مسائل کو شریعت کے ضابطہ کے مطابق مرتب و مدون فرمادیا ہے۔ اس طرح ان علوم باطنی یعنی تصوف و سلوک کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے ایک مخصوص و

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ممتاز مرتبہ حاصل ہوگیا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایک ایسا منفرد کارنامہ ہے کہ آج تک اس کی نظیر کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی اور بطور خود شاہد ناطق ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز عصر حاضر میں فن تصوف کے امام تھے۔ مجدد تھے۔ مجتہد تھے۔ اس حقیقت سے کون حق شناس، اہل دل اہل نظر انکار کرسکتا ہے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

حقیقت مذکورہ بالا کی وضاحت وصراحت کے لئے پیش نظر صفحات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف وملفوظات ومواعظ میں مسنونہ تصوف وسلوک کے موضوع پر جو خاص مضامین ہیں ان کے بعض مختصر انتخابات واقتباسات وخلاصے خاص ترتیب وعنوانات کے ساتھ جمع کردیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ (ان شاء اللہ تعالیٰ) یہ مقالہ سالکین طالب حق اور رہروان ورہبران طریق کے لئے بہت بصیرت افزا اور شمع رشد وہدایت ثابت ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم وتوفیق اعمال صالحہ عطا فرماکر شریعت وطریقت کی صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھیں۔ آمین

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

شریعت کی حقیقت اور اس کی ضرورت

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہیں:۔

۱۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

۱۔ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے یعنی شریعت پر کر دیا۔ سو آپ اس طریقے پر چلے جایئے اور ان جہلا کی خواہش پر نہ چلیئے۔

۲۔ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

(سورۃ الجاثیہ پارہ ۲۵)

۲۔ یہ شریعت عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ اور یقین کرنے والوں کے لئے رحمت ہے۔

'بصائر' بصیرت کی جمع ہے، اور بصیرت باطنی روشنی کو کہتے ہیں، جیسے بصر نگاہ (یعنی ظاہری روشنی) کو کہتے ہیں۔ تو شریعت، بصائر یعنی باطن کو روشن کرنیوالی ہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور سراپا ہدایت ہے کہ اس سے راستہ نظر آتا ہے اور مقصود تک پہنچا دیتی ہے اور رحمت ہے جو کہ مقصود ہے گویا شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ راہ رو (یعنی مسافر) کو ان ہی تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب آدمی کسی منزل تک جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک مقصود ہوتا ہے اور ایک طریق ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے مقصود تک پہنچ سکتا ہے، اور ایک بصر یعنی نگاہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے راستہ نظر آوے۔ حق تعالٰے کے قربان جائیے کہ بتلاتے ہیں کہ شریعت ایسا قانون ہے جو تینوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ هٰذَا بَصَائِرُ یہ آنکھیں بھی ہیں وَهُدًى راستہ بھی اسی کے ذریعے طے ہوتا ہے اور رَحْمَةٌ رحمت ہے کہ مقصود بھی اس سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ شریعت رحمت تو ہے مگر ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ یقین کرنیوالوں کے لئے ہے (لہذا یقین کا حاصل کرنا ضروری ہوا)۔

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ شریعت کا موجود ہونا اور اللہ تعالٰے کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طریقے پر چلنے کا حکم فرمانا اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے۔ کہ انسان کے لئے اللہ تعالٰے کے نزدیک صرف شریعت اسلامیہ ہی پسندیدہ نظام حیات ہے۔ اس کے خلاف معاشرت اور زندگی گزارنے کے جتنے بھی طریقے انسان نے اختیار کر رکھے ہیں وہ جہلاء اور بد دین لوگوں کے خود ساختہ ہیں جو محض نفسانی خواہشات کے مطابق مختلف عنوانات سے پیش کئے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالٰے نے ان سب کو مردود قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔

(آل عمران)

اور جو شخص اسلام کے سوا دوسرا دین طلب کریگا تو وہ اس سے مقبول نہ ہوگا۔ اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

(نجات کا طریقہ صف الشریعت صنہ۴)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

غور سے سُن لیجئے کہ دین (شریعت) کے پانچ اجزاء ہیں۔ ایک جزو تو عقاید کا ہے کہ دل سے اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی جس طور پر خبر دی ہے وہی حق ہے (اس کی تفصیل کتب عقائد سے معلوم ہوگی)

دوسرا جزو عبادات ہیں۔ یعنی نماز، روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج وغیرہ۔

تیسرا جزو معاملات ہیں۔ یعنی احکام نکاح و طلاق و حدود و کفارات و بیع وشراء (خرید و فروخت) و اجارہ و زراعت وغیرہ اور ان کے جزو دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت یہ سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں فلاں چیز کی کرو بلکہ ان میں شریعت یہ بتاتی ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، زیادتی نہ کرو، اور اس طرح معاملہ نہ کرو جس میں نزاع اور جھگڑے کا اندیشہ ہو۔ غرض جواز و عدم جواز کا بیان کیا جاتا ہے۔

چوتھا جزو معاشرت ہے یعنی اٹھنا۔ بیٹھنا۔ ملنا۔ جلنا، مہمان بننا۔ کسی کے گھر پر جانا کیوں کر چاہئے اور اس کے آداب کیا ہیں؟ بیوی بچوں۔ عزیزوں۔ اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کے ساتھ کیوں کر برتاؤ کرنا چاہئے۔

پانچواں جزو تصوف ہے، جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔ آج کل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کے لئے بیوی بچوں (اور دوسرے دنیاوی اور معاشرتی امور) کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ غرض دین کے یہ پانچ اجزاء ہیں۔ ان پانچوں کے مجموعے کا نام دین ہے اگر کسی میں ایک جزو بھی ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص دین ہے، جیسے کسی کے ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص الخلقت ہے۔ (وعظ تفصیل الدین ص۹)

چاہئے یہ کہ آدمی صرف خدا کا بندہ ہو اور اسی کے احکام کی اتباع کرے اس لئے کہ خدائے تعالےٰ کا کلام سب سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ حالات کا سب سے زیادہ علم اسی کو ہے، پھر وہ باختیار مالک ہے اور تمام اشیاء میں خود مؤثر ہے۔ کوئی کیفیت اس پر غالب نہیں۔ اس لئے جو حکم اس کی طرف سے صادر ہوگا، وہ کامل ہوگا۔ نہ اس کے احکام بہت سخت ہوسکتے ہیں کیونکہ اس پر صفت غضب غالب

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نہیں۔ نہ بہت نرم ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ صفتِ رحمت سے مغلوب نہیں۔ بلکہ وہ باختیار خود قہار ہے اور باختیار خود رحیم و کریم ہے۔ کسی صفت میں مجبور یا مغلوب نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جو کلام الٰہی ہے اس کے تمام احکام افراط و تفریط سے پاک ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کا پابند ہونا ہر بشر پر لازم ہے۔ کیونکہ وہ احکام سب کے مصالح کو جامع ہیں نیز ہماری یہ حالت مشاہد (نظر آتی) ہے۔ کہ جو کیفیت شدید ہوتی ہے وہ ہم کو مغلوب کر دیتی ہے اس لئے ہم کو شریعت الٰہی کی پابندی ضروری ہے تاکہ ہم اعتدال پر قائم رہ سکیں۔ واقعی شریعت کی تعلیم میں غایت تعدیل، (یعنی بہت میانہ روی) ہے۔ سو تعدیل ہر چیز میں وہی صحیح جس طرح اس میں شریعت کا حکم ہے مثلاً ہمدردی اچھی چیز ہے۔ مگر اس کا اس قدر افراط کہ اللہ تعالےٰ پر اعتراض کا وسوسہ پیدا ہونے لگے۔ مناسب نہیں۔ جیسے کوئی بچہ بیمار ہے سخت روتا اور چلاتا ہے۔ اس پر رحم کھا کر دعا کرے اور تاخیر صحت سے اللہ تعالےٰ پر اعتراض پیدا ہونے لگے کہ حق تعالیٰ میری دعا کو اس بچہ کے حق میں قبول کیوں نہیں فرماتے یا قبول میں دیر کیوں کرتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اس میں بھی حکمت ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ والدین تدبیر کو استعمال میں نہیں لاتے اور حق تعالےٰ کو غیظ آتا ہے کیونکہ انکی سنتِ عادیہ یہی ہے کہ اختیار اسباب سے مسبب کو مرتب فرماتے ہیں) اور ایسے وقت شریعت کا حکم یہی ہے کہ تدبیر کی جائے اور تدبیر کو مؤثر بنانے کے لئے دعا بھی کی جائے۔ (کمالات اشرفیہ ص۱۰۵)

حق تعالےٰ نے انسان کو عقل بھی دی ہے اور فطرت بھی اس لئے اگر دونوں کے مقتضاء میں تزاحم ہو تو اس وقت اس کو شریعت کی تعلیم پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ شریعت کی تعلیم میں دونوں کی رعایت ہے۔ مثلاً کسی چیز کے فوت ہونے سے رنج پہنچے تو عقل اس وقت رنج کرنے سے منع کرتی ہے کہ رنج کرنے سے وہ شئے واپس نہیں آ سکتی۔ اس لئے رنج

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فضول ہے اور طبیعت رنج کا تقاضہ کرتی ہے کہ یہ چیز ہم سے جدا کیوں ہوئی۔ مگر شریعت میں دونوں کی رعایت کی گئی ہے کہ رنج بھی ہو مگر اس کو غالب نہ کرو۔ شریعت نے عقل کی بھی رعایت کی، طبیعت کی بھی۔ اسی طرح فنائے دنیا سے غفلت، عقل کے نزدیک سخت غلطی ہے۔ مگر طبیعت غفلت کی مقتضی ہے کیونکہ فنائے دنیا کو بار بار دیکھتے دیکھتے مساوات سی ہو جاتی ہے۔ اور جس چیز کی مساوات سی ہو جائے اس سے طبیعت کو غفلت ہو جاتی ہے۔ شریعت نے یہاں بھی دونوں کی رعایت فرمائی کہ غفلت کا تو مضائقہ نہیں مگر نہ اتنی غفلت کہ احکام عقلیہ بالکل برباد ہو جائیں۔ (الغانی صہ)

الغرض شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال اخلاق کی فرع ہیں (یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں اور) اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں۔

ان کا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں۔ یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جن سے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ قوت عقلیہ۔ قوت شہویہ۔ قوت غضبیہ۔ حاصل یہ ہے کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کے دفع کے لئے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا اُخرویہ تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو وہ قوت کہ جس سے منفعت و مضرت کو سمجھے۔ وہ "قوت مدرک عقلیہ" ہے۔ اور ایک یہ کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے یہ "قوت شہویہ" کا کام ہے اور ایک یہ کہ مضرت کو سمجھ کر اس کو دفع کرے۔ یہ قوت دافعہ "قوت غضبیہ" ہے۔ پھر ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں۔ پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں۔ افراط۔ تفریط، اعتدال چنانچہ قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی بڑھے کہ وحی کو بھی نہ ماننے۔ جیسے یونانیوں نے کیا۔ تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل و سفہ (کمینہ پن) تک اُتر آئے۔ اسی طرح قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہے۔ بیوی اور اجنبیہ سب برابر ہو جائیں۔ اور ایک درجہ تفریط، یعنی ایسا پرہیزگار بنے کہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے۔ یا مال کے ایسے حریص ہوئے کہ اپنا پرایا سب ہضم کرنے لگے۔ یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں۔ اسی طرح قوت غضبیہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل بھیڑیا ہی بن جائے۔ اور تفریط یہ ہے کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مارلے۔ دین کو برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آئے۔ یہ تو افراط تفریط تھا۔ ایک ان تینوں قوتوں کا اعتدال ہے یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کو استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے۔ افراط۔ تفریط۔ اعتدال۔ ان سب درجوں کے نام الگ ہیں۔ جو قوت عقلیہ کے افراط کا درجہ ہے۔ اس کا نام "جربزہ" ہے جو تفریط کا درجہ ہے اس کو "سفاہت" کہتے ہیں۔ جو اعتدال کا درجہ ہے۔ اس کا لقب "حکمت" ہے۔

اسی طرح قوت شہویہ کے افراط کا درجہ "فجور" ہے۔ تفریط کا درجہ "جمود" ہے اعتدال کا درجہ "عفت" ہے۔

اور قوت غضبیہ کا درجہ افراط "تہور" ہے اور گھٹا ہوا درجہ جبن ہے۔ اعتدال کا درجہ "شجاعت" ہے۔

تو یہ نو چیزیں ہوئیں جو تمام اخلاق حسنہ وسیئہ کو حاوی ہیں، اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمتؔ۔ عفتؔ۔ شجاعتؔ۔ باقی سب رذائل ہیں۔ تو اصول اخلاق حسنہ کے یہ تین ہیں اور ان تینوں کے مجموعے کا نام "عدالت" ہے۔ اسی لئے اس امت کا لقب "امت وسط" یعنی امت عادلہ ہے۔

غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو۔ اب آپ دیکھیں کہ دنیا میں کہنے کو تو بزرگ بہت ہیں لیکن انسان بہت کم ہیں چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے ؎

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند　　　این جملہ شدی ولیکن انسان نشدی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

(یعنی تم زاہد، شیخ اور عقلمند اور سب کچھ تو بن گئے لیکن انسان نہ بنے) (کمالات اشرفیہ ص۲۴)

(حاصل کلام یہ کہ) شریعت نے ہم کو ایسی تعلیم دی ہے جس میں تمام مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت ہے۔ اس لئے ہمیں تجربہ کر کے ٹھوکریں کھا کے مصلحتیں اور مضرتیں معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف اس کی ضرورت ہے کہ شریعت کی تعلیم حاصل کرلیں۔ پھر ہمیں تہذیب و تمدن میں کسی قوم کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سب مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت فرما کر ایسی جامع اور مانع تعلیم ہم کو فرمائی ہے جس میں مضرت کا نام ونشان نہیں، بلکہ راحت ہی راحت ہے۔ بس مسلمان اگر شریعت کی تعلیم پر کماحقہ چلیں تو ہمہ تن راحت میں رہیں۔ روحانی راحت بھی (میسر ہو) اور جسمانی راحت بھی (حاصل ہو) (انفاس عیسیٰ صفحہ ۳۰۹-۳۱۰)

طریق کار

دین کے جتنے حصے ہیں عقیدے، عبادتیں، معاملات، خصلتیں اور رہنے سہنے کے طریقے سب کی اصلاح کریں اور جو معلوم نہ ہو پوچھتے رہیں۔ (وعظ علم کی طلب ص۱۵)

جو کام کریں پہلے شریعت سے تحقیق کرلیں۔ مگر تحقیق ایسوں سے کریں جو سچی بات بتلادیں اور جو خود ہی اپنی خواہش نفسانی کو شریعت کے اندر ٹھونسیں اور زبردستی غیر دین کو مصلحتوں اور پالیسی کی وجہ سے دین بنادیں۔ وہ واقع میں عالم نہیں وہ تو جاہل ہیں۔ ان سے مت پوچھیں۔ ورنہ وہ اپنے ساتھ تمہیں بھی گمراہ کریں گے۔ اگر یہ کہیں کہ اس زمانہ میں سچے عالم کہاں ملتے ہیں؟ تو یہ غلط ہے۔ بلکہ ڈھونڈنے سے مل جاتے ہیں۔

(وعظ الشریعت ص۴۳)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

طریقت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے :۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۤءَ اللّٰهِ لَا	آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے اولیا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ	پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ	یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ	کرتے ہیں۔ ان کے لئے زندگانی دنیا
الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ	میں اور آخرت میں بشارت ہے
لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ	اللہ تعالیٰ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہے
الْعَظِيْمُ ۚ (یونس)	یہ بڑی مراد ہے۔

اس آیت میں ولایت کا مدار دو چیزوں پر فرمایا ہے۔ ایمان اور تقویٰ سو جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ حاصل ہوگا۔ اسی مرتبہ کی ولایت حاصل ہوگی اگر ادنیٰ درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہے جو صحیح عقاید ضروریہ (گو تقلیداً ہی) اور ضروری اعمال سے حاصل ہوتا ہے، ادنیٰ درجے کی ولایت حاصل ہوگی۔ جو ہر مؤمن کو حاصل ہے۔ اس کو "ولایت عامہ" کہتے ہیں اور اگر اعلیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہے تو اعلیٰ درجہ کی ولایت حاصل ہوگی۔ اس کو "ولایت خاصہ" کہتے ہیں۔ اور اصطلاحاً "ولی" وہی شخص کہلاتا ہے جو اس ولایت خاصہ کے ساتھ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہمارا مقصود بھی اس کتاب میں اسی ولایت کے احکام کو بیان کرنا ہے۔ تو اب ولایتِ خاصّہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ٹھہری۔ ایمان کامل اور تقوی کامل۔ اور مثل نماز روزے کے یہ بھی فرض و واجب ہے اور یہ دونوں چیزیں بدون اصلاح باطن کے حاصل نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ایمان کا محل تو ظاہر ہے کہ قلب ہے۔ رہا تقویٰ، سو گو ظاہری جوارح سے متعلق ہے مگر حقیقی تقویٰ جو کامل تقویٰ ہے قلب ہی سے متعلق ھے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا وَاَشَارَ اِلَی الصَّدْرِ (مسلم)

حضور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔

سو جب ایمان کامل اور تقویٰ کامل کا حاصل کرنا فرض ٹھیرا۔ اور وہ اصلاح باطن پر موقوف ہے۔ سو اصلاح باطن بھی فرض ہوئی۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ اگر ادنیٰ درجے کا ایمان و تقویٰ معدوم ہوگا تو اعلیٰ درجہ کا بھی کسی طرح نہ ہوگا۔
(تعلیم الدین صفحہ ۹۶)

شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے۔ جیسے کلمہ پڑھنا نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ ماں باپ کی خدمت، ان کو "مامورات" کہتے ہیں۔ اور کلمات کفر کہنا۔ شرک کے افعال کرنا۔ زنا۔ چوری۔ سود خواری۔ رشوت وغیرہ ان کو مناہی کہتے ہیں۔

بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے۔ جیسے ایمان و تصدیق وعقاید حقّہ۔ صبر و شکر، توکل، رضا بالقضاء، تفویض و اخلاص، محبت خدا تعالےٰ و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وغیرہ۔ ان کو "مامورات" و "فضائل" کہتے ہیں اور عقائد باطلہ، بے صبری۔ ناشکری۔ ریا۔ تکبر۔ عُجب وغیرہ یہ "مناہی" و "رذائل" ہیں۔ جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو) موجود ہے، اسی طرح یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا (اے ایمان والو! صبر کرو) اور وَاشْكُرُوْا (اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ (تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے) اور وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ (لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہے) پاؤ گے تو دوسرے مقام میں یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں، اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں) بھی دیکھو گے جہاں اِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں مذکور) ہے، اس کے ساتھ ہی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ (لوگوں کو دکھلاتے ہیں) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر تارک نماز و زکوٰۃ کی مذمت ہے، تو دوسرے مقام میں تکبر و عُجب کی برائی بھی موجود ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح ان میں ابواب نماز و روزہ، بیع و شراء، نکاح و طلاق پاؤ گے۔ ابواب ریا و کبر وغیرہ بھی دیکھو گے۔

جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں۔ اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم خداوندی ہیں۔ کیا اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ امر کا صیغہ ہے اور اِصْبِرُوْا وَاشْكُرُوْا امر کا صیغہ نہیں؟ بلکہ اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سبھی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں، اور باطن کی صفائی مقصود اور موجب نجات اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس)	بیشک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب ہوا اور جس نے اس کو میلا کیا وہ ناکام رہا۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ	اُس دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے
اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ	مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت
(الشعرا)	قلب لے کر آیا۔

ایمان وعقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے۔ دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور اعضاء اس کے لشکر یا غلام ہیں۔ اگر بادشاہ درست ہو جائے تو توابع خود بخود اس کی مطابقت کرنے لگیں۔ (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔)

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً	بیشک آدمی کے بدن میں ایک گوشت
اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ	کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے
كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ	تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب
الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ	وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن تباہ ہو جاتا
(الحدیث)	ہے۔ سن لو وہ دل ہے۔

یہ امور رات دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں کہ جس کا دھیان دل میں سما جاتا ہے سارے اعضاء اس کی دُھن میں لگ جاتے ہیں آنکھ اس کو دیکھنے۔ کان اس کو سننے، ہاتھ اس کو پکڑنے اور پاؤں اس کی جانب چلنے کو چاہتا ہے۔ خواہ وہ شے بُری ہو یا بھلی۔ مگر دل کا خیال ان اعضاء کو اس کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔
(تصوف وسلوک ص۱۰-۱۱)

شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ یعنی شرع کے معنی کا بھی اعتبار ہے۔ اس معنوی فقہ کو تصوّف کہتے ہیں۔ تصوّف کو علیحدہ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جائے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

یہ علیحدگی ایسی ہے جیسے مشہور فقہ میں کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصلوٰۃ الگ الگ ہیں۔ اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے۔ اگر کوئی ہدایہ کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج ہو جاویں گے۔ اسی طرح توحید و اخلاص، یا کبر و تواضع و عجب وغیرہ اخلاقِ حمیدہ و رذیلہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں۔

اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام و قعود کے اور بھی کچھ ہے، اور وہ بھی ضروری ہے۔ مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لئے اور نماز ادا ہو گئی۔ حالانکہ قرآن مجید میں جہاں قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ ہے اس کے ساتھ ہی خَاشِعُوْنَ (خشوع کرنے والے) بھی لگا ہوا ہے، جب صَلٰوتِھِمْ سے نماز شرعی مطلوب سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خَاشِعُوْنَ سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے۔ حالانکہ دونوں حکم ضروری ہیں۔ (تصوف و سلوک ص۱۶)

قَالَ اللّٰہُ عزوجل فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمٰنَ ۚ (الانبیاء)	اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس ہم نے وہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔
وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ وَاِنْ یَّکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ (متفق علیہ)	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتحقیق تم سے پیشتر امتوں میں صاحب الہام گذرے ہیں پس اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور
وَقَالَ اللّٰہُ وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۚ (کہف)	اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے پاس سے ان کو علم سکھایا۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بعض عارفین کا قول ہے کہ جس کو علم باطن سے کچھ میسر نہ ہو، اس کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اور ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق اور تسلیم تو کرتا ہو منکر کی یہی کافی سزا ہے کہ وہ اس سے محروم ہے۔ شعر ؎

با مدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی
بگذار تا بمیرد در رنجِ خود پرستی

ترجمہ: (عشق اور مستی کے رموز اور بھید مدعی اور خود پرست سے مت کہو۔ چھوڑ دو۔ اسے خود پسندی میں مرنے دو۔)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّكَ تَرَاہُ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاكَ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (مزید تشریح ص۱۹۹ و ص۳۹۱ پر ملاحظہ فرمایئے)

اس (احسان) کو بعد ایمان اور اسلام کے ارشاد فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ عقائدِ ضروریہ و اعمالِ ظاہرہ کے کوئی اور چیز بھی ہے کہ اس کا نام حدیث میں احسان آیا ہے اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ یہی طریقِ باطن ہے۔ کیونکہ بدون اس طریق کے ایسی حضوری ہرگز میسر نہیں ہوتی اوّلاً کھول معتبر آدمیوں کی شہادت موجود ہے جس کے غلط ہونے کا عقل کو احتمال نہیں ہو سکتا کہ ہم کو اہلِ باطن کے پاس بیٹھنے سے ایک نئی حالت اپنے باطن میں عقائد و فقہ کے علاوہ محسوس ہوتی ہے۔ جو پہلے نہ تھی۔ اور اس حالت کا اثر یہ ہے کہ طاعت کی رغبت اور معاصی سے نفرت، عقائد کی پختگی روز افزوں ہو۔ یہ بھی نہایت قوی دلیل ہے کہ طریقِ باطن بھی کوئی چیز ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اس کے علاوہ بزرگوں کے کشف وکرامات اس درجہ منقول ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اگرچہ یہ کوئی قوی دلیل نہیں، مگر استقامت شرع کے ساتھ اگر خرقِ عادات ہوں تو صاحبِ خوارق کے کامل ہونے پر اطمینان بخش ضرور ہوتے ہیں۔
(تعلیم الدین ص۱۰۱)

اس بناء پر دو چیزیں طالب ولایت کے لئے فرض ٹھہریں۔ ایک تو ضروری عقائد واعمال کی تصحیح۔ دوسری اصلاح باطن۔ سو عقائد واعمال تو بقدرِ ضرورت مراجعت کتب وعلماء سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اب صرف اصلاح باطن کا بیان کرنا باقی ہے۔ (تعلیم الدین ص۶۵)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

شریعت ، طریقت ، حقیقت اور معرفت کی تعریف اور اُن کا باہمی تعلّق

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعے کا نام ہے۔ اس میں اعمال ظاہری اور باطنی سب آ گئے۔ اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس امر کا مرادف (یعنی ہم معنی) سمجھا جاتا ہے جیسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے:-

مَعْرِفَۃُ النَّفْسِ مَا لَہَا وَمَا عَلَیْہَا

(یعنی نفس کے نفع و نقصان کی چیزوں کو پہچاننا)

پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام "فقہ" ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام "تصوف" ہو گیا۔ اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو "طریقت" کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلاء اور صفاء پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ متعلقہ اعیان و اعراض (حقائق و لوازمات بالخصوص اعمال حسنہ و سیئہ و حقائق الٰہیہ ، صفاتیہ و فعلیہ بالخصوص معاملات بین اللہ اور بین العبد (یعنی جو معاملات اللہ اور بندے کے درمیان ہیں وہ) منکشف ہوتے ہیں۔ ان مکشوفات کو "حقیقت" کہتے ہیں۔ اور اس انکشاف کو "معرفت" کہتے ہیں ، اور اس صاحب انکشاف کو "محقق" اور "عارف" کہتے ہیں۔

پس یہ سب امور متعلق شریعت ہی کے ہیں ، اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف جزو متعلق با حکام ظاہرہ کو کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں۔ اور عوام کے اعتبار سے اس کا منشا بھی صحیح نہیں کہ دو اعتقاد تنافی ہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ظاہر و باطن میں (یعنی ظاہر اور باطن میں اختلاف کا قائل ہوتا ہے و اللہ اعلم
(التکشف صـ۱۱۱)

تصوف کے اصول صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں۔ اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے وہ بالکل غلط ہے۔ یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن و حدیث خالی ہیں۔ مگر دونوں غلط سمجھے، خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں۔ یہ سب واہیات ہے۔ بس نماز روزہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اسی کو کرنا چاہئے۔ یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا ان کے نزدیک قرآن و حدیث تصوف سے خالی ہیں اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں۔ تصوف علم باطن ہے۔ ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن و حدیث ہی کی ضرورت نہیں۔ غرض دونوں فرقے قرآن و حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا، اور ایک نے قرآن و حدیث کو۔

اے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو، خدا سے ڈرو۔ اس کے متعلق میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ایک تو "حقیقت الطریقت" جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے۔ ایک رسالہ مستقل (مسائل السلوک) جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن و حدیث تصوف سے لبریز ہیں اور واقعی وہ تصوف نہیں جو قرآن و حدیث میں نہ ہو۔ غرض جتنے صحیح اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ (وعظ طریق القلندر صـ۲۲)

میں نے تو قرآن و حدیث سے تصوف کے تقریباً دو ہزار مسئلے صاف صاف دلالت سے ثابت کر دیئے ہیں اور اگر غور کرتا تو اتنے ہی اور ثابت کر سکتا تھا۔
(اشرف السوانح)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تصوّف وسُلوک کی وضاحت

ایک طالب طریق کے دریافت کرنے پر حسب ذیل مضمون ارقام فرمایا :-

مخدومی مکرمی دام مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ الطاف نامہ نے دو حیثیت سے مسرور کیا۔ اولاً یاد آوری سے ثانیاً طلب مقصود حقیقی سے ۔ اوّل پر شکریہ ادا کرتا ہوں ثانی پر دعا وصولی کی کرتا ہوں۔ میں اس وقت تمام تکلفات وتواضع رسمی سے قطع نظر کر کے محض خلوص وخیر خواہی سے اس طریق کے متعلق چند ضروری امور کہ مثل اصول موضوعہ کے ہیں عرض کرتا ہوں۔ اگر تحقیقاً یا تقلیداً اُن کا اعتقاد اور اس پر عمل رکھا جاوے۔ تو ہمیشہ کی پریشانی اور غلط فہمی اور کج روی سے بچ جاوے وباللہ التوفیق۔

اوّل

ہر مطلوب میں کچھ مبادی ہوتے ہیں۔ کچھ مقاصد کچھ زوائد وتوابع اصل مقاصد ہوتے ہیں اور مبادی اس سے مقدم مگر مقصود بالعرض اور زوائد اس سے موخر، مگر غیر مقصود ہوتے ہیں۔ اس طرح اس طریق میں بعض مبادی ہیں اور وہ چند علوم ومسائل ہیں جو موقوف علیہ ہیں بصیرت فی المقصود کے اور بعض مقاصد ہیں کہ وہی مقصود بالتحصیل ہیں اور اُن ہی پر مدار ہے کامیابی و ناکامی کا، اور بعض زوائد ہیں کہ ان کا وجود نہ معیار کامیابی ہے اور نہ فقدان معیار ناکامی۔

ثانی

منجملہ مبادی کے اَمر اوّل مذکور بالا ہے جو غالباً اعظم المبادی واجمع المبادی ہے اور دوسرے مبادی پر اثنائے سلوک میں وقتاً فوقتاً تنبیہ و اطلاع کی جاتی رہتی ہے اور مقاصد اعمال خاصہ ہیں، جو کہ افعال اختیاریہ ہیں، جن میں ایک حصہ اعمال صالحہ متعلق بجوارح ہیں۔ جن کو سب جانتے ہیں۔ نماز و روزہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

و حج و زکوٰۃ و دیگر طاعات واجبہ و مندوبہ اور دوسرا حصہ اعمال صالحہ متعلق
بقلب و نفس ہیں مثل اخلاص و تواضع و حب حق و شکر و صبر و رضا و تفویض و توکل
و خوف و رجا و امثالہا اور ان کے اضداد کا ازالہ ہے، اور ان اعمال اختیاریہ کو
مقامات کہتے ہیں۔ اور یہی نصوص میں مامور بالتحصیل ہیں اور ان کے اضداد مامور
بالازالہ ـــــ بمعنی الکف والردع اور ان اعمال کی غایت تعلق بحق و
رضائے حق ہے۔ کہ روح اعظم سلوک کی یہی ہے اور زوائد احوال خاصہ ہیں مثل
ذوق و شوق و قبض و بسط و صحو و سکر و غیبت و وجد و استغراق و اشباہہا، اور یہ
امور غیر اختیاریہ ہیں اعمال مذکورہ پر اکثر ان کا ترتب ہوتا ہے اور گاہ نہیں ہوتا
یہ احوال نہ مامور بہا ہیں اور نہ ان کے اضداد مامور بالازالہ اگر ترتب ہو جاوے
محمود ہے اگر نہ ہو تو مقصود میں کچھ خلل نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے المقامات
مکاسب والاحوال مواہب، پس خلاصہ یہ ہوا کہ طریق میں تین امر مبحوث عنہ
ہیں علوم جس سے مقصود میں بصیرت ہوتی ہے اور اعمال جو کہ مقصود ہیں، اور
انہی کا اہتمام ضروری ہے، اور احوال جو کہ مقصود نہیں گو محمود ہیں ان کے درپے
ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔

ثالث

یہ قواعد کلیہ ہیں باقی جزئیات کا ان پر انطباق ہے۔ اس میں ابتداء میں شیخ کی ضرورت
ہے کہ اس کا درجہ طبیب کا سا ہے اور طالب کا درجہ مریض کا سا، طبیب سے اپنا حال کہا جاتا
ہے وہ نسخہ تجویز کرتا ہے اس کا استعمال کر کے اس کو اطلاع کی جاتی ہے، وہ پھر جو دوا
دیتا ہے اس پر عمل ہوتا ہے۔ اس طرح سلسلہ جاری رہتا ہے تا حصول صحت، اسی
طرح سلوک میں بھی دو امر ہیں اطلاع اور اتباع تا حصول مقصود یعنی رسوخ
نسبت بحق۔ (تربیت السالک ص ۲۰۳)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خلاصۂ سلوک

(۱) نہ اس میں کشف وکرامت ضروری ہے (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے (۳) نہ دنیا کی کاربرآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دعا سے فتح ہوجایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات بتلادی جایا کرے۔ (۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی ازخود اصلاح ہوجائے، اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں، مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے یا علم دین وقرآن میں ذہن وحافظہ بڑھ جائے (۵) نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے۔ عبادت میں خطرات ہی نہ آویں، خوب رونا آوے، ایسی محویت ہوجاوے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے (۶) نہ ذکر وشغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے (۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ــــــ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ، اور جیسے نکاح و طلاق، ادائے حقوق زوجین وقسم وکفارۂ قسم وغیرہ۔ اور جیسے لین دین وپیروی مقدمات وشہادت ووصیت وتقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام وکلام وطعام ومنام وقعود وقیام ومہمانی ومیزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا۔ خدا سے ڈرنا۔ خدا کو یاد رکھنا۔ دُنیا سے محبت کم ہونا۔ خدا کی مشیت پر راضی رہنا۔ حرص نہ کرنا۔ عبادت میں دل کا حاضر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

رکھنا دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا کسی کو حقیر نہ سمجھنا خود پسندی نہ ہونا غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ۔ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں۔ اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے۔ نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے۔ جیسے قلت محبت حق سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر و غلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا حقوق تلف ہوگئے۔ و مثل ذالک۔ اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جاوے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری۔ لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں، اور جو سمجھ میں آتی ہیں۔ ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے۔ اور ان کا علاج و تدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور آسانی، اور قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں، ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری و باطنی کی پابندی ہے، دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے۔ اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور قرب اور کثرت ذکر سے زیادت رضا و قرب حاصل ہوتا ہے، یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا۔ (التکشف ص۸)

مکتوب ملقب بہ روح الطریق

سوال:۔ ایک ذی علم طالب نے بہت حسرت کے ساتھ لکھا کہ شاید خدام حضور ﷺ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

میں ایک مَیں ہی ایسا ہوں گا جس کو وصول تو درکنار وصل کی حقیقت تک کا پتہ نہیں۔ الخ

جواب، تحریر فرمایا، مقصود تو بحمداللہ معلوم ہے یعنی رضائے حق اب دو چیزیں رہ گئیں طریق کا علم اور اس پر عمل۔ سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ و باطنہ کی پابندی، اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں۔ ایک ذکر جس قدر دوام ہو سکے۔ دوسرے صحبت اہل اللہ جس قدر زیادہ میسر ہو۔ (اشرف السوانح)

مکتوب ملقب بہ فتوح الطریق

سوال: ایک طالب نے لکھا کہ بزرگوں سے حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: تحریر فرمایا کہ کچھ اعمال مامور بہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ کچھ اعمال منہی عنہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ علمی و عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مشائخ طریق طالب کے حالات سُن کر اُن عوارض کو سمجھ کر ان کا علاج بتلا دیتے ہیں۔ عمل کرنا طالب کا کام ہے، اور اعانت طریق کے لئے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں معلوم ہو گئے۔

دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدور ہو۔

اور اگر کثرت کے لئے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات اور مقالات کا مطالعہ اس کا بدل ہے۔

اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں۔ معاصی اور فضول میں مشغولی اور ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے، یعنی شیخ کو اطلاع حالات کا التزام۔

اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے۔ حسب اختلاف استعداد مقصود میں دیر سویر ہوتی ہے۔ میں اس میں سب کچھ لکھ چکا۔ (اشرف السوانح)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سلوکِ مسنون

ملفوظ:۔ فرمایا کہ جس امر کو رضائے الٰہی میں دخل ہو، اور جس کا انحصار واجب و مستحب ماموراتِ میں ہو ان پر عمل رکھے اگر فوت ہو جائے قضا کر لے اس سے بڑھ کر دین کی کیا آسانی ہوگی۔ قال اللّٰہ تعالےٰ ماجعل علیکم فی الدین من حرج (دین میں کوئی تنگی و دشواری اللّٰہ نے نہیں رکھی ہے) اس طرح جس امر میں حق تعالےٰ کی ناراضی کو دخل ہو جس کا انحصار منہیات میں ہے ان سے اجتناب رکھے اگر صدور ہو جائے استغفار کرلے، نہ اپنے کو خواص میں سمجھے کہ عام آدمیوں کے احوال سے گھبرا دے نہ ثمرات کا عاجلہ میں اور نہ مراتب علیا کا آجلہ میں طالب رہے بس اس کی دعا کرتا رہے کہ اللّٰہ تعالےٰ دنیا میں اعمال کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا فرمائیں اور دوزخ سے نجات بخشیں بس ہو گیا سلوک مسنون۔ (اشرف السوانح)

حاصلِ تصوّف

وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہو گئی۔ اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہی بات تعلق مع اللّٰہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی اس کی محافظ ہے، اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے۔ (وعظ التقویٰ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مقاصدِ طریقت کے حصول کا دستور العمل

اَمّا بَعد۔ تصوف و طریقت جو درحقیقت شریعت ہی پر مکمل عمل کرنے کا دوسرا نام ہے اس میں ایک زمانہ دراز سے کچھ ایسا اختلاط و التباس پیش آ رہا تھا کہ بہت سے ناواقف لوگ کچھ بزرگوں کی رسوم وعادات کو اور بہت سے ان کی غیر اختیاری کیفیات اور وجدی حالات ہی کو تصوف سمجھ بیٹھے تھے، مقصود وغیر مقصود میں امتیاز نہ رہنے سے بعض لوگ خلافِ شرع امور کے ارتکاب اور غیر شرعی عادات واخلاق کے باوجود کچھ حالات اور اچھے خواب دیکھ کر نفس کی اصلاح واعمال کے اہتمام سے بے فکر ہونے لگے۔ ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے اس مختصر رسالہ میں طریقت وتصوف کی حقیقت اور اس کے اصل مقصود اور حصولِ مقصود کے طریقوں کے متعلق چند اہم اور ضروری مضامین بعنوان ہدایات لکھے جاتے ہیں۔

ہدایت اوّل۔ سلوک جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں، اس کی حقیقت ہے تعمیر الظاہر والباطن، یعنی اپنے ظاہر وباطن کو آراستہ و معمور کرنا۔ ظاہر کو اعمال جوارح ضروریہ سے اور باطن کو عقاید حقہ، اخلاق باطنہ مثل اخلاص وشکر وصبر وزہد اور تواضع وغیرہ سے۔ اس کا ایک مرتبہ تو یہ ہے، اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ مرتبہ اولیٰ کے ساتھ ظاہر کو طاعاتِ غیر ضروریہ میں اور باطن کو دوام ذکر میں بھی مشغول کرنا۔ مرتبہ اولیٰ کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس کے لئے دو چیزوں کی حاجت ہوگی اس کا اہتمام بھی ضروری ہوگا۔ ایک بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا، خواہ پڑھ کر خواہ علماء سے پوچھ پوچھ کر، اور پڑھنا بھی خواہ عربی میں ہو یا فارسی میں خواہ اردو میں احقر نے ایک رسالہ بہشتی زیور شائع کرایا ہے۔ وہ اور رسالہ صفائی معاملات، اور تیسرا باب مفتاح الجنۃ کا یہ ضروریات روزمرہ کے لئے کافی ہیں۔ دوسرے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

علم پر عمل کرنے کی ہمت توی رکھنا کہ تقاضائے نفس یا ملامت خلق سنگِ راہ نہ ہو، یہ
تو مرتبہ اولیٰ کا بیان ہوا اور دوسرا مرتبہ مندوب ہے اور اکثر عرف میں آج کل اسی
کو تصوف اور درویشی کہتے ہیں۔ لیکن اگر دوسرے مرتبہ میں مشغول ہونے سے کوئی ضروری
طاعت مرتبہ اولیٰ کی فوت یا خلل پذیر ہو جاوے تو پھر اس میں مشغول ہونا ممنوع وغیر
مشروع ہو جاوے گا۔ جیسا بعضے نادان کرتے ہیں کہ بیوی بچوں کو بھوکا ننگا چھوڑ کر
درویشی کا دم بھرتے ہیں۔

ھدایت ۲ دوم۔ صحیح ترتیب سلوک مرتبۂ دوم کی یہ ہے کہ اول گناہوں سے
توبہ خالصہ کرے اور اگر کچھ عبادت واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں تو ان کو
قضا پڑھنا شروع کردے اور اگر اس کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں تو ان کے ادا کرنے
کے بندوبست میں لگ جاوے یا اہل حقوق سے معاف کرائے، کیونکہ بدون اس کے
کہ ان سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے، اگر عمر بھر بھی ریاضت ومجاہدہ
کرے گا، ہرگز مقصود حقیقی تک رسائی نصیب نہ ہوگی اور توبہ کے ساتھ آئندہ کے لئے
بھی قوی عزم رکھے کہ اللہ ورسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گو نفس کو کتنی
ہی ناگواری ہو اور گو مال کا یا جان کا کتنا ہی بڑا ضرر ہو، اور گو کوئی نفسانی دنیوی
مصلحت کیسی ہی فوت ہوتی ہو، اور گو خلق کتنی ہی ملامت کرے برداشت کرینگے۔
اور اللہ ورسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ اگر
اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ طالب حق نہیں ہے کیونکہ طالب کی تو یہ شان ہوتی ہے

قطعہ ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی
بے زر وگنج بصد حشمت قاروں باشی

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

جب توبہ وعزم دونوں ٹھیک ہو گئے تو علم دین بقدر ضرورت حاصل کرے،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جیساکہ ہدایت اول میں اس کا طریقہ بیان کیا گیا۔ پھر شیخ کامل کی تلاش میں لگے جس کی پہچان آگے آتی ہے۔

ھدایت سوم: شیخ کامل وہ ہے جس میں یہ علامات ہوں (۱) بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو (۲) عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو (۳) دُنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبۂ دُنیا ہے (۴) کسی شیخ کامل کی صحبت میں چند دن رہا ہو (۵) اس زمانے کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں (۶) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم، دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں (۷) اس سے جو لوگ بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو (۸) وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات سُنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے (۹) اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو (۱۰) خود بھی وہ ذاکر شاغل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ جس شخص میں یہ علامات ہوں پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی صادر ہوتی ہے یا نہیں، یا اس کو کشف بھی ہوتا ہے یا نہیں یا یہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے یا نہیں، یا یہ صاحب تصرفات ہے یا نہیں، کیونکہ یہ امور لوازم مشیخت یا ولایت میں سے نہیں ہیں اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہیں، اصل میں یہ ایک نفسانی تصرف ہے، جو مشق سے بڑھ جاتا ہے۔ غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی کر سکتا ہے اور اس سے چنداں نفع بھی نہیں کیونکہ اس کے اثر کو بقا نہیں ہوتی صرف مرید غبی کے لئے جو ذکر سے اصلاً متاثر نہ ہوتا ہو، چند روز تک شیخ کے اس عمل کرنے سے اس میں ایک گونہ تاثر و انفعال قبول آثار ذکر کا پیدا ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خواہ مخواہ، لوٹ پوٹ ہی ہو جاوے۔

ھدایت سے چہارم جب شیخ کامل میسّر ہو جاوے اور اس سے بیعت کا ارادہ کرے تو اوّل یہ سمجھ لے کہ بیعت سے غرض کیا ہے کیونکہ اس میں مختلف غرضیں ہوتی ہیں بعضے تو صاحب کشف وکرامت بننا چاہتے ہیں، سو ہدایت سوم میں ابھی گذر چکا ہے کہ کشف وکرامات خود شیخ میں ہونا ضرور نہیں تو بے چارہ مرید تو اس کی کیا ہوس کرے۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے پیر بخشش کے ذمہ دار ہو جاویں گے۔ قیامت میں دوزخ سے نجات دیں گے۔ خواہ کیسے ہی عمل کرتے رہو یہ بھی محض غلط ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا ہے فاطمہ انقذی نفسك من النار بعضے یہ جانتے ہیں کہ پیر صاحب ایک نظر میں کامل کردیں گے، ہم کو نہ محنت پڑے گی نہ معاصی کے ترک کا قصد کرنا پڑے گا۔ اگر اس طریق سے کام بن جاتا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا، کہیں بطور خرق عادت ایسا بھی ہو گیا ہے۔ لیکن خوارق میں دوام اور لزوم نہیں ہوتا۔ اس بھروسے پر رہنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ بعضے یہ چاہتے ہیں کہ خوب جوش وخروش وشورش ومستی پیدا ہو، خوب نعرے لگایا کریں۔ گناہ آپ سے آپ چھوٹ جاویں۔ نیک کاموں میں ارادہ ہی نہ کرنا پڑے آپ سے آپ ہو جایا کریں وساوس وخطرات سب فنا ہو جاویں۔ بس ایک عالم محویت کا رہا کرے۔ یہ خیال پہلے سب خیالوں سے پاکیزہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن منشا اس کا بھی ناواقفی ہے۔ یہ امور منجملہ کیفیات واحوال کے ہیں جو اختیار سے خارج ہیں اور گو محمود ہیں مگر مقصود نہیں، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایسی خواہشوں میں نفس کا ایک کیدِ خفی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ نفس طالب ہے راحت اور لذت اور شہرت کا

ان کیفیات میں یہ سب امور حاصل ہیں۔ طالب رضا کو جس کا مقصود ہونا عنقریب آتا ہے ان خواہشوں سے کیا علاقہ، وہ تو بہ زبانِ حال یہ کہتا ہے ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

دیگر:۔ روزہا گر رفت گو رو باک نیست
تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

دیگر:۔ پس زبون وسوسہ باشی دلا
گر طرب را باز دانی از بلا

پھر یہ کہ ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ کیفیات یا حاصل ہوں گی یا نہ ہوں گی۔ اگر حاصل ہوں گی، تب تو بوجہ اس کے کہ یہ شخص اس کو غایت اور ثمرہ سمجھتا تھا اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگتا ہے اور انہیں کیفیات پر قناعت کر کے تقوٰی و طاعات سے بے فکر اور مستغنی ہو جاتا ہے یا کم از کم طاعات کو حقیر ضرور سمجھنے لگتا ہے، اور اگر حاصل نہ ہوئیں تو غم میں مرتے گھلنے لگتا ہے اور جو شخص غیر اختیاری امور کا طالب ہو گا ہمیشہ مبتلائے غم اور پریشان رہے گا۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کے عملیات بڑے مجرب ہیں، ضرورت کے وقت ان سے تعویذ گنڈے لیا کریں گے یا پیر صاحب بڑے مقبول الدعوات ہیں مقدمات وغیرہ میں ان سے دعا کرایا کریں گے، اور سب کام اپنی مرضی کے موافق ہو جایا کریں گے۔ گویا ساری خدائی پیر صاحب کے قبضہ میں ہے یا ہم خود ان سے ایسی چیز سیکھ لیں گے کہ ہم بھی بابرکت ہو جاویں گے کہ ہمارے دم کر دینے سے ہاتھ پھیر دینے سے مریض اچھے ہو جاویں گے، بلکہ ایسے لوگ تمامتر بزرگی کا خلاصہ ان ہی عملیات

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کو اوران کے آثار کو سمجھتے ہیں چونکہ اس کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں اور یہ
نیت محض دنیا کی طلب ہے اس لئے بالکل فاسد در فاسد ہے۔ بعضے یہ
سمجھتے ہیں کہ ذکر و شغل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ کچھ انوار نظر آیا کریں گے یا
کچھ آوازیں سنائی دیں گی یہ بھی محض ہوس اور ناسمجھی ہے کیونکہ اول تو ذکر و
شغل پر ان آثار کا مرتب ہونا ضروری نہیں اور نہ ذکر و شغل سے یہ مقصود ہے
دوسرے یہ انوار و الوان و اصوات بعض اوقات اس کے دماغ کا تصرف ہوتا
ہے۔ عالم غیب کی اشیاء میں سے نہیں ہوتیں تیسرے اگر بالفرض اس عالم
کی چیزیں منکشف ہوگئیں تو اس کو کیا فائدہ کسی عالم کے منکشف ہونے سے قرب
نہیں بڑھ جاتا۔ قرب کے لئے تو طاعات موضوع ہیں۔ بعض اوقات شیاطین کو ملائکہ
نظر آجاتے ہیں مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہیں۔ پھر مرنے کے بعد ظاہر ہے کہ
سب کفار کو اس عالم کے بہت سے حقائق کا انکشاف ہو جائے گا۔ تو جو امر کفار میں
بھی مشترک ہو اس میں کیا کمال ہوا چونکہ امور مذکورہ میں سے صحیح غرض کوئی نہیں اس لئے
ان سب کو دل سے نکال کر اصلی غرض اور مقصود سلوک کا رضائے حق کو سمجھے جس کا طریق
احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے۔ شیخ اسی کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور
مرید اس پر کاربند ہوتا ہے۔ اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں
حاصل ہو تب بھی آخرت میں اس کا ثمرہ کہ رضا ہے ظاہر ہوگا اور رضا سے دخول جنت و
لقائے حق اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی اور شیخ کی طرف سے اس کی تلقین کا وعدہ
اور مرید کی طرف سے اس کے اتباع کا عہد یہی حقیقت ہے پیری مریدی کی اور گو
یہ تعلیم و عمل بدون بیعت متعارفہ بھی ممکن ہے لیکن خاص طور پر بیعت کرنے میں طبعاً یہ
خاصہ ہے کہ شیخ کو توجہ زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پاس فرمانبرداری زیادہ ہو جاتا
ہے اور یہی حکمت ہے شیخ کی تعیین اور وحدت میں بھی کہ اس سے جانبین کو خصوصیت
بڑھ جاتی ہے اور باقی ہاتھ میں ہاتھ لینا یا کوئی کپڑا وغیرہ عورت کو پکڑا دینا جبکہ وہ پاس
ہو، یہ محض ایک عادت صالحہ مستحسنہ ہے۔ اس معاہدہ کے تاکد کے لئے اور

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

معاہدہ کا جزو نہیں۔ اسی وجہ سے غائب کے لئے اس کی رسم نہیں اور استحسان اس کا سنت میں بھی وارد ہے چنانچہ مردوں کے لئے ہاتھ میں ہاتھ پکڑنا منقول ہے اور کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دینا یہ ہاتھ پکڑنے کے قائم مقام ہے۔

ھدایت پنجم:۔ جب سلوک کا طریق کہ بجا آوری احکام ہے اور اس کا ثمرہ کہ حصول رضائے حق ہے معلوم ہو گیا، تو اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہ طریق مخالف شریعت کے نہیں۔ بعض جہال کا یہ کہنا کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے بایں معنی کہ ایک دوسرے کے مخالف ہے باطل محضہ و ضلالت خالصہ ہے اور اگر کسی مستند عبارت سے اس کا ایہام و شبہ ہوتا ہو تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تغائر یعنی اور ہونے کے دو معنی ہیں، ایک تعدد اور دوسرے تخالف و تنافی مثلاً اسلام اور کفر میں تغائر بمعنی تنافی ہے یعنی ایک چیز کو قانونِ اسلام حرام بتلاتا ہے تو قانون کفر اس کو حلال کہتا ہے اور بالعکس بھی بخلاف احکام متعددہ اسلامیہ کے جو باہم گو بایں معنی متغائر نہیں لیکن متعدد ہیں مثلاً کتاب الصلوٰۃ کے مسائل اور کتاب الزکوٰۃ کے اور ہیں لیکن یہ نہیں کہ ایک چیز کو کتاب الصلوٰۃ میں ناجائز لکھا ہو اور کتاب الزکوٰۃ میں جائز لکھا ہو یا اس کے برعکس ہو۔ پس شریعت اور طریقت میں تغائر یعنی تنافی کا دعویٰ اعتقاد تو الحاد و بیدینی ہے جیسے بعض جہلا سمجھتے ہیں کہ فلاں بات گو شریعت میں ناجائز ہے مگر فقیری میں جائز ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

البتہ تعدد کا قائل ہونا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب شریعت کو افعال جوارح کے ساتھ خاص کر لیا جاوے اور طریقت کو اعمال قلبیہ کے ساتھ مخصوص کیا جاوے تو ایک اصطلاح ہوئی اور اصطلاح میں کچھ مناقشہ نہیں اس وقت کنز و ہدایہ وغیرہ کتب فقہیہ کو مسائل شریعت اور احیاء العلوم و عوارف وغیرہ کتب اخلاق کو مسائل طریقت کہنا صحیح ہو گا اور ان میں باہم وہی نسبت ہو گی جو کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ میں ہے۔ سو اس طور سے تعدد کا کسی کو انکار نہیں اور اگر شریعت کو سب احکام کے لئے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جامع کہا جائے جیسا کہ فقہ کی تعریف میں معرفۃ النفس مالھا وما علیھا کہا گیا ہے اور طریقت کو مرادف تصوف کہا جائے جس کا عام ہونا تمام احکام ظاہر و باطن کے لئے ہدایت اوّل میں گذر چکا ہے تو تعدد کے قائل ہونے کی بھی گنجائش نہیں محض تفاوتِ عنوان کا ہوگا۔ اور جس شخص نے کہا ہے ؏

درکنز و ہدایہ نتواں یافت خدارا

وہ مبنی ہے اصطلاح اول پر یعنی احکام خدارا کہ متعلق بہ اصلاح باطن ہستند۔

ہدایت ششم:۔ جب حسب ہدایت چہارم و پنجم غرض اور نیت درست ہوگئی تو اب بعد بیعت کے اگر وقت اور مہلت میسر ہو تو چندے شیخ کی خدمت میں رہے اور اگر اس کی نوبت نہ آوے تو غائبانہ ہی اس کی تعلیم پر بذریعہ مکاتبت کاربند ہو بلکہ اگر بیعت کے لئے بھی حاضر نہ ہو سکے تو غائبانہ بذریعہ خط یا کسی معتبر آدمی کے بیعت ہو جاتی ہے طرز تعلیم ہر شخص کا جدا ہے اس کی تفصیل اس جگہ لکھنا ضرور نہیں (کذا قصد السبیل)

مزید ہدایات

آج کل اکثر درویشوں میں بعض رسوم متعارف ہیں۔ ان میں بعض تو محض خلاف شرع ہیں جیسے قبروں کا طواف اور اس کو بوسہ دینا اور اس پر غلاف ڈالنا یا ان کی نذر ماننا یا ان سے خود کچھ مانگنا اور بعض باتیں مفسدہ سے مل کر شریعت کے خلاف ہوگئی ہیں جیسے عرس کرنا۔ سماع کرنا یا قل۔ پنج آیت یا مجلس مولد کہ عوام ان امور کے منع یا ترک کو درویشی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان امور کے مفاسد کی تحقیق اور بحث مفصل احقر نے کتاب اصلاح الرسوم و حق السماع و تعلیم الدین کے حصہ پنجم و حفظ الایمان میں لکھدی ہے۔

اور بعض امور ایسے ہیں کہ اگر ان کو بزرگی میں داخل کیا جائے اور سمجھے کہ ان کو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

قرب الٰہی میں دخل ہے تو یہ بدعت قبیحہ ہے اور اگر اعتقاد میں کوئی فساد نہ ہو۔
تب بھی محض دنیا ہے جیسے عملیات یا ترک حیوانات ۔
اور بعضے امور فی نفسہٖ نیک ہیں اگر ان میں فساد عقیدہ نہ ہو مثلاً شجرہ پڑھنا
کہ حقیقت اس کی مقبولان الٰہی کے ساتھ توسل ہے دعا میں، جو سنت سے ثابت ہے۔
لیکن اگر اس میں یہ سمجھا جائے کہ ان حضرات کے نام پڑھنے سے وہ ہمارے حال پر متوجہ
رہیں گے تو محض بے سند غلط عقیدہ ہے جو حسب آیت

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

ممنوع ہے ۔ اور مثلاً مطالعہ کتب تصوف کا اگر کوئی عالم منقول و معقول اور عارفین
کا صحبت یافتہ ہو اس کے لئے مضائقہ نہیں ورنہ برہم زن دین و ایمان ہے —
— اس قسم کی کتابیں ہرگز نہ دیکھی جائیں جیسے مثنوی مولوی رومیؒ ۔ دیوان حافظؒ
یا دوسرے بزرگوں کے ملفوظات و مکتوبات جن میں تحقیقات اسرار یا ان کے مواجید
احوال ہیں ۔ یہ سب عام لوگوں کی فہم سے خارج ہیں ۔ (قصد السبیل)

وضاحت و تجدید سلوک

سوال ۔ ایک طالب نے ایک بڑے طویل اور مفصل خط میں اپنے تمام حالات باطنی
اور شکوک و اوہام لکھے تھے اس کا مفصل جواب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا
جس میں تمام تصوف و سلوک کی حقیقت واضح فرما دی ۔

الجواب ۔ بعد حمد و صلوٰۃ جواباً عرض ہے کہ مقصود اصلی طریق میں صرف رضا اور قرب
حق ہے اور جتنے امور کو ان میں دخل ہے وہ بقدر دخل کے مامور بہ ہیں اور درجہ دخل کا
بتلانا صرف درجہ شارع کا ہے ۔ خواہ صراحۃً بتلائیں یا دلالۃً جس کا ظہور قیاس صحیح سے
ہوتا ہے ۔ اور اسی جگہ سے کہا گیا ہے القیاس مُظہر لا مُثبت ۔ اسی طرح مجتنب عنہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور مذموم اصلی کا درجہ سخط و بعد عن الحق ہے۔ اور جتنے امور کو اس میں دخل ہے وہ بقدر دخل کے منہی عنہ ہیں خواہ صراحۃ یا دلالۃ جیسا اوپر مامور بہ میں مذکور ہوا ایک مقدمہ تو قابل استحضار کے یہ ہے اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جتنے امور کو قرب یا بُعد میں دخل ہے وہ سب امور اختیاریہ ہیں ان میں کوئی امر غیر اختیاری نہیں اور یہی معنی ہیں لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے۔ اور تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ امور اختیاریہ عام ہیں امور ظاہرہ قالبیہ و باطنیہ قلبیہ کو اور تتبع نصوص و رجوع الی الوجدان سے یقیناً ثابت ہے کہ امور ظاہرہ اعمال جوارح ہیں، حسنہ یا قبیحہ اور امور باطنہ دو قسم کے ہیں عقائد صحیحہ یا باطلہ اور اخلاق محمودہ یا مذمومہ پس جن امور کو قرب حق میں دخل ہوگا وہ یہ ہیں اعمال حسنہ اور عقائد صحیحہ اور اخلاق محمودہ اور یہی مامور بہا بھی ہوں گے اور جن امور کو بُعد عن الحق میں دخل ہوگا وہ یہ ہیں اعمال قبیحہ اور عقائد باطلہ اور اخلاق مذمومہ اور یہی منہی عنہا ہوں گے۔ چوتھا مقدمہ جو دوسرے مقدمہ سے لازم آیا اور بدلیل مستقل بھی ثابت ہے کہ جو امور اختیار سے خارج ہیں ان کو نہ قرب میں دخل ہے نہ بُعد میں، اس لئے نہ وہ مامور بہ ہوں گے اور نہ منہی عنہ ہوں گے اور پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ امور غیر اختیاریہ اقسام کثیرہ ہیں لیکن جن پر بعض کو اشتباہ موجب قرب و بعد ہونے کا ہو جاتا ہے وہ صرف چند قسم کے ہیں۔ ایک احوال محمودہ اور کمالات وہبیہ باب قُرب میں اسی طرح باب بُعد میں وساوس و خطرات یا اقسام قبض یا کسی معصیت کی طرف میلان ضعیف یا قوی درجہ کا تقاضا ہونا اور ان اقسام امور غیر اختیاریہ پر قرب و بعد کے مرتب ہونے کی نفی کرنے سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ بھی قرب و بُعد پر مرتب نہیں ہوتے یہ ممکن ہے کہ حق تعالےٰ نے کسی کو کسی عمل یا محض فضل سے مقرب بنایا ہو پھر اس کو بعض کمالات وہبیہ کے ساتھ موصوف کر دیا ہو۔ اسی طرح ممکن ہے کہ حق تعالےٰ نے کسی کو عمل مذموم سے (نہ کہ بلا عمل) مطرود بنایا ہو پھر اس کو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بعض بلیات غیر اختیاریہ میں مبتلا کر دیا ہو۔ مگر یہ بلیات سبب بُعد نہ ہوں گے گو مسبب عن البعد ہوں جن کا تدارک صرف اعمال مبعدہ کے تدارک سے ہو سکتا ہے ان مقدمات کے بعد جاننا چاہیئے کہ خلاصہ آپ کی سرگذشت کا چند مضامین ہیں :۔

۱۔ ادراک صحیح ہونا ۲۔ امور نافعہ سے انفعال ہونا ۳۔ حقائق اسرار کا منکشف ہونا مگر اس کو کمال نہ سمجھنا ۴۔ اس کے بعد اچھی باتوں میں برائی اور بری باتوں میں بھلائی نظر آنے لگنا گو اس سے مغلوبیت نہیں ہوتی ۵۔ اچھی باتوں سے اثر نہ ہونا اور بُری باتوں سے اثر ہونا اس طرح سے کہ ادھر انجذاب ہونے لگا آگے اس کی کچھ مثالیں ہیں ۶۔ مگر ساتھ ہی اس کو وسوسہ اور خطرناک سمجھنا اور اس کے دفعہ کی کوشش کرنا اور اس کے بعد طرق دفع کی کچھ تفصیل ہے، جس میں خیال کے پھیرنے میں مبالغہ سے کام لینا بھی ذکر کیا ہے اور اس مبالغہ کی کچھ جزئیات لکھی ہیں ۷۔ لیکن ذرا معالجہ سے غفلت ہو جاتی تو یہ سب محنت رائیگاں ہوتی ۸۔ باطل حق نظر آتا تھا ۹۔ یہ فکر کہ ترقی کا راستہ بند ہو گیا ۱۰۔ اس کے بعد کچھ آثار اختلاج وضعف قلب کے ذکر کئے ہیں ۱۱۔ اچھی بات کان میں پڑنے سے زیادہ نقصان ہوتا تھا ۱۲۔ بخل کا اپنے اندر معلوم ہونا ۱۳۔ اس کا علاج انفاق سے کرنا ۱۴۔ اس علاج کا بخل کے ساتھ دوسرے امراض عارضہ کے لئے شفا اور نافع ہونا ۱۵۔ اس نفع کے شکریہ میں اور زیادہ انفاق کی نیت کرنا اور باوجود منازعت نفس کے اس پر عمل کرنا ۱۶۔ بعض واقعات جن سے مرض بخل کا زوال معلوم ہوتا ہے ۱۷۔ ازالہ حرص سے بھی صحت باطن پر استدلال ۱۸۔ عُود حالات سابقہ ۱۹۔ ترقی در علم بہ علم باشر۔ ۲۰۔ بعض غایات اظہار سرگذشت مفصل ۲۱۔ استفسار حقیقت حال خود اور ساتھ ہی اس کا علاج خصوص حسد و عجب۔

میں نے ان سب مضامین کو نہایت دلچسپی اور بہت تعمق سے ایک ایک حرف کر کے بلکہ اکثر مقاموں کو مکرر پڑھا میں جو کچھ اس باب میں سمجھا ہوں وہی لکھنا بھی چاہتا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہوں۔ اس کی نسبت یہ دعوٰی نہیں کرسکتا اور نہ کرتا ہوں کہ بس صحیح وہی تشخیص اور وہی تجویز ہے لیکن انتہائی خیر خواہی اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی کہ جس قدر سمجھ میں آوے اس کے پیش کرنے میں دریغ نہ کرے اور جو اپنے لئے پسند کرے وہی اس کے لئے پسند کرے۔ پس جس طرح طب میں مسالک مختلف ہیں اور آپ مثلاً طبیب ہیں مرض کے لئے خصوص مریض محبوب کے لئے وہی طریقہ برتیں گے جو آپ کے نزدیک سب سے زیادہ راجح اور نافع ہو پس اسی اصل کے موافق میں بھی لکھنا چاہتا ہوں فاسمعوا وان رضیتم فاتبعوا۔ عارفین کا ارشاد ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق۔ اسی لئے ہر زمانے میں گو کلیات اصلیہ تو اس طریق وصول کے نہیں بدلے مگر باوجود حفاظت کلیات ان کلیات کے بہت سے جزئیات طرق معالجات میں حسب اختلاف مذاق و استعداد و اسباب عارضہ ہر زمانے میں اور ہر شخص کے لئے بیحد متبدل ہوتی رہیں۔ پس میں نے جو طریق اپنے مرشد علیہ الرحمۃ سے سمجھا اور اس کو صدہا مریضوں کے لئے بچشم خود نافع دیکھا جس سے اس کو مجرب المجرب کہنا میرے نزدیک بالکل صحیح اور یقینی ہے۔ اس کا حاصل صرف وہی ہے جو اجمالاً مقدمات خمسہ مذکورہ بالا سے آپ بفضلہ تعالیٰ سمجھ گئے ہوں گے مگر تتمیماً و تعمیماً و تسہیلاً تکمیلاً للفائدۃ کسی قدر تفصیل سے بھی گو مختصر ہی ہو عرض کئے دیتا ہوں۔

جو جو مضائق و مصائب و عقبات و بلیات آپ نے لکھے ہیں یہ تو سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی نہیں جو بعض سالکین کو پیش آتے ہیں (اس وقت مجھکو بعض کے احوال یاد آگئے اور سر سے پاؤں تک اس نے مجھکو ہلا دیا کہ مشکل سے اپنے کو سنبھال کر لکھنے کو موقوف نہیں کیا) مگر وہ ان سب پریشانیوں کو محبوب کی نعمت سمجھکر بزبان حال پڑھتے ہیں:۔

خوشا وقت شوریدگانِ غمش ... اگر ریش بینند وگر مرہمش

دما دم شراب الم درکشند ... اگر تلخ بینند دم درکشند

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور صبر کرکے بلکہ اللہ تعالٰے کا شکر کرکے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں اور اپنے کام کو خدائے تعالٰے کے سپرد کرتے ہیں اور کچھ تدبیر نہیں کرتے اور یہی بے تدبیری ہزاروں تدبیر سے بڑھ کر کام دیتی ہے اور انجام کار اس تفویض کی برکت سے وہ نصیب ہوتا ہے کہ مَالَاعَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اذنٌ سَمِعَت ولا خطر علیٰ قلب بَشَرٍ اے مِمَّن لا یفعل کن الّا ک مگر یہ جواب خاص اہلِ حال کے مذاق کا ہے اہلِ استدلال کو اس کے بعد بھی انتظار تحقیق کا رہے گا اس لئے اس کی شرح اصول علمیہ سے بھی کرتا ہوں، گو اس کا مرجع بھی اخیر میں ذوق و وجدان فطری ہی ہے اور ہر استدلال کا اخیر فطرت ہی ہوتی ہے جیسا کہ معلوم ہے وہ شرح یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے فطرۃً ہر بشر میں کم و بیش دو چیزیں ایسی پیدا کی ہیں کہ عمر بھر بھی زائل نہیں ہوتیں۔ ایک خیال علوم کے متعلق دوسرے میلان نفس اعمال کے متعلق، نہ ان کا حدوث اختیاری ہے نہ ان کا بقا۔ اور اس لئے ان کا انسداد یا ازالہ بھی اختیاری نہیں۔ حتیٰ وَرَدَ فی الحدیث قصہ قولہٗ علیہ السلام ان الذی معھا مثل الذی معھا وحتٰی کان علیہ السلام یھم ان یتردّٰی من الجبل فی زمان فترۃ الوحی۔ الحدیث اتنا فرق ہے کہ عوام کو بعض خیالات و وساوس کے ہجوم کی اور میلان داعیہ معاصی کے غلبہ اور تقاضے کی نوبت آجاتی ہے، خواہ عمل کرے یا نہ کرے اور خواص کو جو کہ مجاہدہ کرچکے ہوں یا مجاہدہ کے قائم مقام کوئی حال استغراق وغیرہ ان پر غالب کر دیا گیا ہو یا قوٰی طبعیہ ان کے ضعیف کر دیئے گئے ہوں۔ ان کو ہجوم اور تقاضے کی نوبت نہیں آتی یا شاذ و نادر آتی ہے مگر گذرتا ہوا یا تھوڑی دیر ٹھہرتا ہوا خطرہ اور خفیف اور ضعیف سا میلان معصیت کا پیدا ہوتا ہے مگر عمل سے بچنے کے لئے اس کو بھی ہمت اور قصد ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح صدور پر بھی قدرت رہتی ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

البتہ عامی غیر مجاہد کو مخالفت و دفع کے لئے زیادہ تعب و تکلف کی ضرورت ہوتی ہے اور مجاہد حقیقۃً یا حکماً کو آسانی سے اس دفع ومخالفت میں کامیابی ہو جاتی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو یہ بات بلامجاہدہ محض موہوبیت سے عطا ہو جاتی ہے باوجودیکہ کبھی وہ کسی حال سے مغلوب نہیں ہوتے نہ ان کے قویٰ طبعیہ میں کوئی ضعف ہوتا ہے اور مادہ منازعت نفس کا دستِ قدرت سے ان میں سے نکال دیا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح صدر کے قصہ میں جس جزو کا قلب مبارک سے خارج کیا جانا مذکور ہے وہ یہی معلوم ہوتا ہے اور انبیاء علیہ السلام میں ممکن ہے اس کا دوسرا طریق ہو اور حدیث نعم ولکن اسلم کی بناء یہی معلوم ہوتی ہے اور یہی حاصل ہے بسلسلہ عصمت کا اور یہ نہیں کہ بچنے کے لئے قصد کی ضرورت نہ ہو اور فعل پر قدرت نہ رہے جیسا کہ اوپر خواص مجاہدین کے حال میں بیان کیا گیا ہے۔ غرض عامی کے قلب میں وسوسہ زیادہ ٹھہرتا ہے اور میلان معصیت کا بدرجہ تقاضا ہوتا ہے اور خواص میں سے یہ دونوں درجے مجاہدہ حقیقۃً یا حکماً سے جاتے رہتے ہیں۔ یعنی غالب احوال میں ان کا تحقق نہیں ہوتا اور شاذ و نادر سے وہ بھی خالی نہیں و یبقیٰ ھذا الاحتمال فی کل حین الیٰ ان یموتوا اور انبیاء علیہ السلام میں سے بلا اکتساب ان کی نفی کردی جاتی ہے۔ اس کے بعد اب طرز سالکین و شیوخ تربیت کا مختلف ہے بعض تو ہر ہر وسوسے کے دفعیہ کے لئے اور ہر ہر خلق ذمیم کے (جس سے داعیہ معصیت ظاہری یا باطنی کا پیدا ہوتا ہے) قلع کے لئے تفصیلی معالجات کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں اور ہر وقت قلب اور نفس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں اور جب کبھی کوئی مرض دیکھتے ہیں پھر تجدید معالجہ کی کرتے ہیں اور احیاء العلوم کتب وغیرہ میں سلوک کا حاصل یہی ہے اور آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے، آپ نے بھی یہی طریقہ اختیار

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فرمایا ہے اس سے آپ کی پریشانی شدید اور ماجرا طویل ہو گیا۔ مگر الحمد للہ کامیابی ہوئی۔ اور اس کامیابی کا مقتضا یہ تھا کہ میں اس خط کے جواب میں طول نہ کرتا۔ کیونکہ جو شکایت جاتی رہی اس کی تحقیق امر زائد ہے۔ صرف دو اخیر کے مضمون کے، یعنی نمبر ۲۰ اور نمبر ۲۱ کے متعلق مختصر سا لکھکر ختم کرتا ہوں۔ لیکن چونکہ مجھکو آئندہ کے متعلق دستورِ عمل بتلانا ہے اس لئے اس تمام تر تطویل کی حاجت ہوئی غرض ایک طریق سلوک و تربیت کا یہ ہے، اور ظاہر ہے آپ نے تو مشاہدہ بھی فرمایا کہ اس میں کس قدر تعب ہے اور اس تمام تر تعب کے بعد بھی راحت نہیں ملتی۔ کیونکہ پھر اندیشہ عود امراض کا لگا ہوا بلکہ عود سے متجاوز ہو کر خود بعض امراض کے وجود کا بھی خلجان اور اس کے ساتھ ماضی پر حسرت الگ ہے غرض ہر وقت تین سو ہان روح تیار۔ ماضی کی حسرت، حال کے شبہات، مستقبل کا خوف جب محققین مجتہدین۔ مجددین فی الطریق نے ومنہم الملہم مرشدی والفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء دیکھا بلکہ حق تعالیٰ نے الہاماً ان کو دکھلا دیا کہ اس طریق میں تعب شدید اور حصول ثمرہ تربیت میں ضرورت زمان مدید کے ہونے سے بعض اوقات مصرع مشہور ہی کا مصداق ہو جاتا ہے۔

ع   تا تو بمن دمی رسی من بخدا برسم

پھر قویٰ اہل زمانہ کے ضعیف اور ہمم قاصر ان سب امور پر نظر کر کے بالہام حق ایک دوسرا طریق تربیت کا اختیار فرمایا۔ وہ یہ کہ یہ سب ماضی حجاب عن الحق ہے۔ حق تعالیٰ نے ہم کو اپنے مشاہدے کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ ماضی مستقبل کے مطالعہ کے لئے۔ ونعم ما قال الرومی ماضی و مستقبلت پردۂ خدا است۔ البتہ توبہ کی ضرورت سے ماضی پر اور عزم علی التقویٰ کی ضرورت سے مستقبل پر نظر ضروری تھی لیکن الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ کے قاعدے سے اس نظر میں ضرورت پر اکتفا کرے یعنی گذشتہ گناہوں سے خوب توبہ

بشر اُٹھا کر کے پھر بار بار اس کا سبق دل میں تکرار نہ کرے اور اجمالاً مستقبل کے لئے توکلاً علی اللہ قصد کرے کہ انشاء اللہ تعالےٰ پھر یہ گناہ نہ کروں گا بس اس کے بعد ہر وقت اسی قصہ میں نہ لگا رہے۔ اس سے زیادہ دوسرا کام ہے جس کو حدیث میں ان لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے راقب اللہ تجدہ تجاھک اس میں مشغول ہونا چاہیئے یعنی ذکر اور فکر اور اوقاتِ عمل میں عمل کہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے۔ خلاصہ یہ کہ قرب کو مقصود سمجھے اور جو اس کے لئے طریق موضوع ہے یعنی بعد تصحیح عقاید کے اعمال اختیاریہ جس وقت میں جو عمل ہو خواہ یہ ظاہری ہو مثل صلوٰۃ و زکوٰۃ خواہ باطنی ہو جیسے خوف و رجا و شکر و صبر وغیرہ اور ذکر و فکر کہ وہ بھی فرد عمل کی ہے اکثر اوقات میں بس اس میں مشغول رہے اور جو اسباب بُعد کے ہیں یعنی معصیت ظاہری یا باطنی اس سے مجتنب رہے نہ اس کی ضرورت کہ اسباب قرب پیدا کرنے کی فکر کرے اور نہ اس کی حاجت کہ اسباب بعد کے مادہ کو منقطع کرے امور اختیاریہ میں سے جس میں کوتاہی ہو جاوے اس کو مضر اور مہتم بالشان سمجھے اور اس کی اصلاح کرے اور امور غیر اختیاریہ کے وجود و عدم پر التفات ہی نہ کرے اور اس اصلاح میں بھی زیادہ کاوش نہ کرے مثلاً اگر کسی ضروری عمل میں خلل ہو گیا اس کی قضا کرے اگر کوئی امر منکر صادر ہو گیا اس سے استغفار کرے اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاوے۔ اسی ایک بات کے پیچھے نہ پڑ جاوے کہ ہائے یہ کام مجھ سے کیوں فوت ہوا۔ یا یہ کام مجھ سے کیوں صادر ہوا۔ اس کو غلو اور مبالغہ کہتے ہیں جس سے کتاب و سنت نے منع فرمایا ہے۔ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا مَنْ غَلَبَہُ النَّوْمُ فَلْیَرْقُدْ لَا تَفْرِیْطَ فِی النَّوْمِ اِنَّمَا التَّفْرِیْطُ فِی الْیَقْظَۃِ۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں۔ سخت میگرد جہاں بر مردمان سخت کوش

اور اس غلو اور مبالغہ کا اثر خصوصًا اس وقت کے قویٰ اور ہمم پر یہ ہوتا ہے کہ بہت جلد مایوسی اپنا رنگ لاتی ہے اور سالک کو معطل کر دیتی ہے اور کبھی جان پر اور کبھی ایمان پر اس کا اثر پہنچتا ہے۔ جان پر تو یہ کہ صحت خراب ہو جاتی ہے۔ کثرت تخیلات و افکار سے سودا بڑھ جاتا ہے۔ اور ایمان پر یہ کہ باوجود مبالغہ فی العمل والمعالجہ کے کامیابی مزعوم یعنی شفاء مطلق کے نہ ہونے یا دیر میں ہونے سے، یا ہو کر پھر زائل ہو جانے سے اور امراض کے بار بار عود کر آنے سے حق تعالیٰ سے تنگی اور شکایت پیدا ہو کر کیفیت کراہیت اور ناراضی کی پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم کو اتنے دن سر مارتے ہو گئے مگر اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا کے وعدے خدا جانے کہاں گئے ہزاروں آدمی جان یا ایمان سے اس طریق سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ اور ایک مرض ہر وقت اس کو یہ گلوگیر رہتا ہے کہ اپنے عمل کو بالغ اور اپنی سعی کو سابغ سمجھ کر ہر وقت ثمرات کا منتظر رہتا ہے۔ پس اپنے عمل کا پلہ عطائے حق سے بڑھا ہوا سمجھتا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ کبھی اپنے کو کامیاب نہیں سمجھتا۔ اس لئے ناشکری ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اگر بزعم خود کامیاب بھی ہو گیا، اور وہ کامیابی پھر زائل ہو گئی کیونکہ ایسے انقلاب عمر بھر رہتے ہیں۔ پھر وہی تنگی اور پریشانی شروع ہوئی تو اس کا سلسلہ عمر بھر بھی منقطع نہیں ہوتا۔ خود اس کا نفس یا اس کو دیکھ کر دوسرے کا نفس کہتا ہے کہ اس راہ خدا سے خدا کی پناہ، جس میں بجز مصیبت کے راحت کا نام ہی نہیں۔ تو دیکھ لیجئے کتنا بڑا خطرناک طرز ہے۔ اور یہ خطرہ لازمی بھی ہے اور متعدّی بھی۔ پس اس غلو کے یہ مضار و مفاسد دیکھ کر انہوں نے یہ تجویز کیا کہ ان تدقیقات و تعمقات کو اصلًا نظر انداز کر دے اگر کوئی وارد محمود آوے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نہ اس کو کمال سمجھے نہ اس کے بقا کی تمنا کرے نہ اس کے فوت پر حسرت کرے اگر کوئی داعیہ
پیدا ہو اس کے دفع میں تن دہی نہ کرے۔ ذکر کی طرف بہت مبالغہ سے نہیں بلکہ سرسری
طور پر متوجہ ہو جاوے خواہ وہ دفع ہو یا نہ ہو، اور اس سے دفع ہو ہی جاتا ہے مگر
اس شخص کو دلیر ہو کر اس پر بھی آمادہ رہنا چاہئے، گو دفع نہ ہو۔ یعنی ذکر بقصد قرب کرے
نہ بقصد دفع وسوسہ۔ اگر قبض پیش آوے اس کو مذموم نہ سمجھے اس کے دفع کی
فکر کرے نہ تمنا کرے۔ خلاصہ یہ کہ طالب رضائے حق و ہارب عن سخط الحق رہے،
جس امر کو رضا میں دخل ہو وھو منحصر فی المامور بہ وجوبًا
او ندبًا اس پر عمل رکھے اگر فوت ہو جاوے قضا کرے وھو یسیر
کل الیسر لا عسر فیہ قال تعالیٰ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ
فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اور جس امر کو سخط حق میں دخل ہو وھو
منحصر فی المنہی عنہ اس سے اجتناب رکھے وھو ایضًا
یَسِیْرٌ بالدلیل المذکور اگر اس کا صدور ہو جاوے تو استغفار کرے
نہ اپنے کو خواص میں سمجھے کہ احوال عالیہ سے گھیر دے نہ ثمرات کا عاجلہ میں اور نہ
مراتب علیا کا آجلہ میں طالب رہے بس اس کی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں
اعمال کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا فرما دے اور دوزخ سے نجات بخشے بس
ہو گیا مسنون سلوک، اور اگر اس پر یہ شبہ ہے کہ اگر وساوس یا میلان معاصی نہیں
محض عمل مضر ہے تو یہ بات تو بلا مجاہدہ بھی میسر ہو سکتی ہے، پھر مجاہدہ کیوں کرتے
ہیں تو جواب یہ ہے کہ واقعی اس کے لئے مجاہدہ فرض و واجب نہیں صرف اس میں یہ
نفع ہے کہ میل الی المعصیت کے مقابلہ میں زیادہ تعب نہیں ہوتا آسانی سے نفس
پر غالب آجاتا ہے اور غیر مجاہد دشواری سے آسکتا ہے، بس یہ فائدہ ہے مجاہدے
میں باقی یہ نہیں کہ میل ہی جاتا رہتا ہو میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ گھوڑا

شائستہ ہو کر بھی کبھی کبھی شرارت و شوخی کرتا ہے مگر بوجہ شائستگی کے جلدی رام ہو جاتا ہے۔ بخلاف غیر شائستہ کے کہ اس کے رام کرنے میں بہت مشکل لاحق ہوتی ہے ساب بعض منافع و مصالح وساوس و بعض اقسام قبض اور میل الی المعصیت کے سالک کے حق میں بیان کر کے اس عُجالہ کو ختم کرتا ہوں اس میں چند خفی الطاف رحمانیہ ہیں جن کو دیکھ کر مبتلائے بَلیّہ بیساختہ یہ کہکر پوری تسلی کرلے گا۔ شعر

الا لا یجارن اخو البلیہ

فللرحمان الطاف خفیّہ

۱۔ ایسے شخص کو کبھی عجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بدحال ہوں۔

۲۔ ہمیشہ ترساں رہتا ہے اپنے علم و عمل پر ناز نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میرا علم و عمل و حال کیا چیز ہے اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔

۳۔ اگر یہ عقبہ پیش آ چکتا ہے تو شیطان کے مقابلہ میں اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کرلے گا اور بدون اس کے گذرے ہوئے لطیف الطبع کو ہر مضر صحبت تک سے اندیشہ رہتا ہے۔ جس کو میں نے ایک بار بیان کیا تھا اور اس کی وجہ لطافت طبع معلوم ہوتی ہے۔

۴۔ مرتے وقت اگر دفعتاً یہ حالت پیش آتی تو پریشان ہو کر خدا جانے کس کس خیال میں مرتا اگر یہ عقبہ گذر جا دے تو اس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اس وقت بھی ایسا ہوا پریشانی اور حق تعالٰے پر بدگمانی نہ ہوگی اطمینان و محبت میں جان دیگا۔

۵۔ یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی دستگیری آسانی سے کرسکتا ہے۔

۶۔ ہر وقت اپنے اوپر حق تعالٰے کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

۷۔ اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت عبد کے عمل سے نہ ہوگی بلکہ رحمت حق سے ہوگی وغیر ذلک مما لا یُحصٰی وھا انا اختم الکلام

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

وافوضکم وافوض نفسی الی اللہ ذی الجلال والاکرام ونرجو انشاء اللہ لنا ولکم حسن الختام وھو المقال المنعام فی کل مقام کتبہ اشرف علی فی جلسۃٍ واحدۃ کانت قدر ثلث ساعات

(تربیت السالک جلد اول ص ۲۴-۲۶)

علامتِ مقربین

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) قرآن مجید میں جن لوگوں کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ (سورۂ مومنون)

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (باوجود دینے کے ان کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانیوالے ہیں (یعنی باوجود دینے کے ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں کہ دیکھئے وہاں جاکر ان صدقات کا کیا ثمرہ ظاہر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ موافق حکم کے نہ دیا گیا ہو۔ مثلاً مال حلال نہ ہو یا نیت خالص نہ ہو تو الٹا مواخذہ ہونے لگے) یہ لوگ (البتہ) بھلائیاں جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں) (یہ فضیلت کے موقع میں فرمایا گیا ہے) کیا ان سے ایسے لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں (شبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ ان اعمال کی تعیین صریح الفاظ سے نہیں فرمائی۔ اور دلوں کا خوفناک ہونا غالباً اعمال سیئہ سے ہوتا ہے سو یہ اعمال بد ہونے کا قرینہ ہے مگر موقع فضیلت میں اس کا فرمانا اس قرینہ کا کسی قدر مزاحم ہے پس یہ اشتباہ موجب سوال ہو گیا) آپ نے فرمایا کہ نہیں اے صدیق کی بیٹی بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور خائف رہتے ہیں کہ ان کا یہ عمل مقبول نہو یعنی اپنی مذلت اور حق تعالیٰ کی عظمت پر نظر کرنے سے اپنے اعمال قابل قبول نہیں دیکھتے) یہ وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں دوڑتے ہیں۔ (ترمذی)

ف۔ خوف و تواضع: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے۔
ف۔ علامت مقربین۔ حق تعالیٰ نے ان اوصاف کو عباد مقبولین کے خواص سے فرمایا۔ پس یہ علامات اولیاء سے ہے۔ تتبع احوال سے یہ صفت عارفین میں دوسری اکثر صفات پر غالب معلوم ہوتی ہے گویا ان کا شعار خاص ہے۔

(التکشف)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

لوازماتِ طریق

عقاید کی اصلاح بنیادی ضرورت ہے

ملفوظہ۔ فرمایا کہ دین صرف چند ظاہری اعمال مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج و زکوٰۃ وغیرہ کا نام نہیں ہے بلکہ سب سے بڑھ کر عقاید کا درجہ ہے جس پر نجات کا دارومدار ہے اور ایک درجہ اخلاق حمیدہ مثلاً اخلاص۔ صبر و شکر اور تواضع وغیرہ کا ہے۔ وہ بھی محققین کے نزدیک نماز۔ روزہ ہی کی طرح فرض ہے۔ اگر کوئی صرف چند اعمال ظاہری کو پورا کرلے مگر نہ عقائد ٹھیک ہوں نہ اخلاق درست ہوں تو ایسی صورت میں اس کو پورا مسلمان نہ کہا جائے گا۔ (انفاس عیسیٰ)

اتباعِ سنّت ہی مدارِ طریقت ہے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر)

جو کچھ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) تم کو دیں (یعنی کسی شے کا امر فرمائیں) اس کو لو اور جس شے سے منع کریں اس سے باز رہو۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ (آل عمران)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا ہی اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے (بیان القرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص آپ کی سی ہیئت بناتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کو محبت دپیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا ہمشکل ہے اور یہ وصول کا ایسا طریق ہے جو سب سے زیادہ نزدیک ہے جو بھی اختیار کرے گا وہ بہت جلد پہنچے گا اور بہت جلد کامیاب ہوگا ورنہ

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہِ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

(ترجمہ) جو شخص پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سوا راہ اختیار کرے گا وہ ہرگز منزل مقصود پر نہ پہنچ سکیگا اور پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کے نقشِ قدم کے سوا صحیح راستہ نہیں مل سکتا۔ (منقول از خیر المجالس، ج)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ نے اولیا اللہ کے ذکر میں فرمایا کہ متابعت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ضروری ہے۔ قولاً و فعلاً اور ارادۃً اس لئے کہ محبت خدا تعالیٰ بے متابعت حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتی۔

تمام حضرات اولیا اللہ نہایت متبع سنت اور پابند شریعت تھے اور کوئی بزرگ بھی ایسے نہیں ہوئے جنھوں نے اتباع سنت نہ کیا ہو حتیٰ کہ اگر غلبہ حال سے کبھی اتباع میں کچھ کمی بھی ہوگئی ہے تو اپنی ساری حالت کو ناقص سمجھا ہے اور کبھی اصرار نہیں کیا سب بزرگوں کا ایک ہی طریق رہا ہے اور وہ طریق شریعت ہے۔

قوت القلوب ابو طالب مکی وغیرہا میں یہ مضمون نہایت استحکام کے ساتھ مذکور و منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیری میں اول علم شریعت پھر عمل شریعت کی سخت ضرورت ہے اور بدون اس کے آگے راہ نہیں کھلتی اور کبھی کوئی شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اور طریق بدعت کو اختیار کر کے ولی نہیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہو سکتا۔ جب بدعت قاطع طریق ہے تو کفر و شرک کا تو کیا پوچھنا ؟ آج کل لوگوں نے علم عمل سے بے پرواہ ہونے کے لئے دو لفظ یاد کئے ہیں علم کی نسبت حجاب اکبر اور عمل کی نسبت دعوائے آزادی۔

صاحبو! حجاب اکبر کے اگر یہ معنی ہوں تو جتنے بزرگ گذرے ہیں یہ جھوٹے بلکہ مجوب ٹھہرتے ہیں۔ یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ حقائق کے قواعد سے اس کے بہت باریک معنی ہیں مگر موٹے سے معنی یہ سمجھو کہ حجاب اکبر اس پردے کو کہتے ہیں جو بادشاہ کے قریب پڑا رہتا ہے کہ وہاں پہنچکر بادشاہ کا بہت ہی قرب ہو جاتا ہے تو اس میں علم کی مدح ہے۔ یعنی جب علم حاصل کر لیا تو جتنے حجاب تھے سب اُٹھ گئے یہاں تک کہ حجاب اکبر تک پہنچ گیا۔ اب ایک تجلی حیرت کا غلبہ ہوا۔ اگر یہ حجاب بھی اُٹھ جاوے تو واصل ہو جائے اور جس نے سرے ہی سے علم حاصل نہیں کیا خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے وہ تو ابھی بہت پردوں کے پیچھے ہے اور بہت دور رہا۔

اور جو یہ شبہ ہے کہ علم حقیقت اگر علم شریعت کے خلاف نہیں ہے تو بزرگوں نے اسرار کو کیوں پوشیدہ کیا ہے۔ شریعت تو اظہار کے قابل ہے تو اس کا حال اچھی طرح سمجھو لو کہ ہمارا یہ دعوٰے نہیں کہ علم شریعت ہی کو علم حقیقت کہتے ہیں بلکہ دعوٰی یہ ہے کہ علم حقیقت علم شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ شریعت نے ایک چیز کو حرام یا کفر کہا ہے حقیقت میں وہ حلال اور ایمان ہو جاوے، مثلاً دیوانی کا قانون اور ہے، فوجداری کا اور۔ مگر یہ نہیں کہ جو چیز قانونِ اوّل میں جائز ہو وہ قانونِ دوم میں ناجائز یا بالعکس ہے ہاں البتہ ہر ایک کے مضامین جداگانہ ضرور ہیں۔ سو یوں تو شریعت میں بھی مضامین مختلفہ ہیں اور خود حقیقت میں بھی مگر یہ مضامین شریعت کے مضامین کی نفی نہیں کرتے، پوشیدہ کرنے سے جو شبہ پیدا ہوا تھا وہ تو رفع ہو گیا اب یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ پوشیدہ رکھنے کی کیا وجہ ہے ؟ تو سمجھنا چاہئے کہ قابل اخفاء کے تین امر ہوتے ہیں ایک اسرار، سو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اتوعاء العقائد میں اس کی کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مضامین خلاف

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

شرع تو نہیں ہوتے مگر دقیق زیادہ ہوتے ہیں جو عوام کی فہم میں نہیں آسکتے اور ان کو مضر ہوتے ہیں۔ پھر اس کے علاوہ تعلیم سلوک کے طریقے۔ ان میں اخفاء کی وجہ یہ ہے کہ اعلان میں ان کی بے قدری ہے اور اس کے علاوہ طالب کی ہوسنا کی کا احتمال ہے اور تیسرے ثمرات مجاہدہ و مکاشفات وغیرہ ان کا اخفاء بوجہ احتمال ریا و دعویٰ کے ہے۔

غرض کسی امر کا اخفاء اس وجہ سے نہیں ہے کہ مخالف شرع ہے اور اگر فرضاً ایسا ہو تو وہ قابل رَد اور انکار کے ہے خلاصہ کلام یہ کہ جس کو دولت وصول میسر ہو ہے علم شریعت اور اتباع سنت ہی سے ہوئی ہے اور اگر کسی بزرگ کا کوئی قول و فعل خلاف سنت منقول ہے تو وہ یا تو سکر اور غلبۂ حال میں صادر ہوا یا وہ حکایت غلط منقول ہے یا ان سے کسی باریک مسئلے میں جہاں دلیل شرعی خفی و دقیق تھی خطائے اجتہادی ہوگئی جس میں وہ شرعاً معذور ہیں اور خدا تعالیٰ سے ان کو بُعد نہیں ہوا یہاں تو کھلم کھلا مخالفت بلکہ اس کی نفی اور اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کیا جاتا ہے جس کے کفر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلاف شرع کوئی کام کرنا درست نہیں مثل طواف قبر و سجدۂ مشائخ وغیرہ۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کی اطاعت بھی جبھی تک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ کہے ورنہ اس شیخ ہی کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ (وعظ الاخلاص)

اتباع سنت کی برکت تکمیل سلوک میں

ملفوظ: فرمایا ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں بہت ہی جلد نفع شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بطریق بیعت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نفع پہنچتا ہے نہ کہ بطریق سلوک اور اس جذب کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اتباع سنّت کا بڑا اہتمام ہے۔ جب حق تعالیٰ کے محبوب کی اتباع کی جاتی ہے تو محبوب کی اتباع کرنے والا بھی محبوب ہو جاتا ہے اور محبّت کا خاصّہ ہے انجذاب پس حق تعالیٰ فوراً اس کو اپنی طرف منجذب فرما لیتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا ہی اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ (اشرف السوانح)

تصوّف کی ضرورت اور اس کا رواج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علم حدیث اور اصول فقہ وغیرہ جُدا جُدا متمیز نہ تھے (بلکہ) پچھلے زمانے میں قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے، اور ہر ایک کا جُداگانہ نام تجویز ہوا، اور ان کے واضعین (بنانیوالوں) کو سب نے امام مانا۔ حتیٰ کہ امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) جیسے حضرات کو امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے تفقہ فی الدین (دین کی سمجھ) کو دیکھ کر الناس فی الفقہ عیال ابی حنیفۃ (لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں) کہنا پڑا۔ امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) حدیث میں ایسے امام مانے گئے کہ آج تک ان کے تبحر فی الحدیث (حدیث میں کامل ہونے) کا شہرہ ہے۔ اسی طرح تزکیہ باطن کی تعلیم دینے والے ایسے ایسے بزرگانِ دین گذرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے جیسے پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور ان

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سے پیشتر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور جس طرح پچھلوں کو اگلوں کی تقلید پیروی سے چارہ نہیں، علم تصوف میں بھی بدون اتباع طریقۂ بزرگان چارہ نہیں گو ادنیٰ درجہ کا تزکیہ جو موجب نجات ہے بدون اتباع مشائخ طریق بھی میسر ہو سکتا ہے مگر جو امر کہ مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے اس کا حصول بدون صحبت کاملین کے ممکن نہیں۔

جس طرح دیگر علوم مستخرجہ ومستنبطہ کا خاص نام ہو گیا ہے جیسے علم فقہ اور علم حدیث، اسی طرح مشائخ کے اس خاص مستخرجہ طریقے کا نام تصوف ہو گیا۔ اگر کوئی شرح وقایہ وہدایہ پڑھتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فقہ پڑھتا ہے۔ حالانکہ فقہ میں (بقول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) بہت سے علوم مثلاً حدیث، تفسیر حتیٰ کہ علم کلام وغیرہ بھی داخل ہیں۔ اسی طرح جب کوئی مشائخ کے بتلائے ہوئے طریقے پر چلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے۔ یا صوفی ہے۔ صرف نماز روزہ ادا کرنے والے کو صوفی نہیں کہتے حالانکہ تصوف تزکیۂ باطن بالمعنی الاعم سب کو شامل ہے۔ (تصوف وسلوک ص۱۹)

خلاصہ یہ کہ تصوف کی حقیقت حق تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے (تفصیل الدین ص۲) اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

ہمت کا مقتضاء تو یہ ہے کہ صاحب ذوق بنو! اگر اتنی ہمت نہ ہو تو خدا کے لئے انکار تو نہ کرو۔ (تعلیم الدین ص۱)

اصلاح باطن اور اس کے لوازمات

باطن کے متعلق دو قسم کے اوصاف ہیں۔ ایک محمود، دوسرے مذموم۔ سو حقیقت اصلاح کی یہ ہے کہ اوصاف محمودہ کو پیدا کرے اور اوصاف مذمومہ کو دور کرے پہلے کو "تحلیہ" کہتے ہیں اور دوسرے کو "تخلیہ" اور "تجلیہ" کہتے ہیں۔ اسی طرح نہیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ولایت کے جاننے کا نام عرف میں تصوف ہو گیا۔ اب ان اوصاف حمیدہ اور اوصاف ذمیمہ کو معلوم کرنا چاہیئے۔ یوں تو بے شمار اوصاف ہیں مگر ان کے اصول محدود ہیں۔ کچھ اوصاف حمیدہ اور کچھ اوصاف ذمیمہ، جن کے حاصل یا زائل کرنے کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف صاف امر فرمایا ہے۔ ان اوصاف کو جب درست ہو جاویں اصطلاح صوفیاء میں مقامات کہتے ہیں۔ پس تقریر ہذا سے واضح ہو گیا کہ مقاصد اس فن کے یہی مقامات ہیں اور طالب کا اتنا ہی کام ہے کہ ان کو درست کرے۔ ان کے درست کرلینے کو "تفصیلی ریاضت" کہتے ہیں۔ ایک طریق ریاضت و مجاہدے کا اجمالی ہے۔ اس کے اصول ائمہ فن کے نزدیک چار امر ہیں۔
قلۃ الکلام، قلۃ الطعام، قلۃ المنام، قلۃ الاختلاط مع الانام۔
(ان چاروں مجاہدوں کے متعلق حضرتؒ کے مفصل مواعظ ہیں)۔

غرض ریاضت و مجاہدہ خواہ تفصیلاً ہو یا اجمالاً۔ اس سے قلب سالک میں استعداد قرب وصول الی اللہ کی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد محض فضل خداوندی سے اس کے قلب کو بالفعل ایک خاص تعلق جذبی مطلوب حقیقی کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کو "نسبت سکینہ" اور "نور" سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی نسبت کے پیدا ہو جانے کا نام "وصول" ہے۔ پچھلے زمانے میں بوجہ برکت قرب عہد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام پر بوجہ نسبت قوی پیدا ہو جانے کے وصول کامل ہو جاتا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں اکثر اس مقام پر نسبت ضعیف پیدا ہو جاتی ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے اور نسبت قویہ اور وصول کامل کے لئے "اذکار" "اشغال" و "مراقبات" کی حاجت پڑتی ہے جس کا حاصل کرنا مندوب ہے۔ سالکین کو خلافت و مشیخت کا ادنیٰ درجہ اس قوت نسبت کے حاصل ہو جانے پر میسر آ جاتا ہے۔ پھر بعد حصول نسبت قویہ کے چونکہ مبداء فیاض سے قلب کو تعلق ہو گیا ہے بوجہ صفائی قلب اس پر کچھ علوم و اسرار

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کبھی حالات و آثار نازل ہوتے ہیں۔ ان علوم کو حقائق و معارف اور ان آثار کو احوال کہتے ہیں اور بعض اوقات محض جذبۂ غیبی سے یا کسی بزرگ کی توجہ و ہمت سے اول نسبت حاصل ہو جاتی ہے اس کے بعد مقامات کی تصحیح ہوتی ہے اور یہ اقرب طریق ہے اور اکثر اس زمانے میں معمول مشائخ یہی ہے اور یہ طریق "طریق عشق" سے ملقب ہے، شعر ؎

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد
او ز حرص و عیب کلی پاک شد

طریق دو قسم پر منقسم ہے۔ طریق جذب و طریق سلوک۔ کبھی وصول الی اللہ پہلے ہو جاتا ہے، پھر شوق عبادت و ریاضت پیدا ہوتا ہے۔ اس کو طریق جذب کہتے ہیں اور کبھی اول ریاضت ہوتی ہے، پھر وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے اس کو طریق سلوک کہتے ہیں۔

ایسے شخص کو سالک مجذوب، مرید اور محب کہتے ہیں۔ اور پہلے کو مجذوب سالک مراد اور محبوب کہتے ہیں۔ اور تقدیم سلوک کو ہدایت اور تقدیم جذب کو اجتباء کہتے ہیں پس ترتیب سلوک اہل طریق کے نزدیک یوں ہوئی کہ اوّل قلب میں ارادہ پیدا ہوا اس وقت اپنے کو کسی شیخ کامل کے سپرد کرنا چاہیئے جس کا عنوان زمانہ میں ... تے ہے۔ پھر شیخ کامل اجمالی یا تفصیلی ریاضت کرا دے جس سے کچھ نسبت پیدا ہو جاوے یا پہلے القاء نسبت کرے پھر ریاضت کرا دے۔ جب قلب تعلقات سے خالی ہو جاوے پھر اگر چاہے اس کو خلافت دے۔ اگر چاہے تو منتظر نزول احوال و معارف کا رہے۔ اگر قسمت میں ہے تو یہ علوم و آثار قلب پر نزول کریں گے جن کے غلبہ کا نام عروج ہے۔ اور منتہی اس کا تجلی بے کیف ہے۔ پھر بعض تو اس میں مستغرق رہ جاتے ہیں اور بعض کو افاقہ ہوتا ہے۔ اس افاقے کو نزول کہتے ہیں۔ خلافت کاملہ اور مشیخت علیا اس مقام پر حاصل ہوتی ہے۔ (تعلیم الدین ص ۹۸، ضیاء القلوب)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بیعت

عن عوف بن مالك الاشجعي قال كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم تسعة او ثمانية او سبعة فقال الا تبايعون رسول الله صلى الله عليه وسلم فبسطنا ايدينا وقلنا على ما نبايعك يا رسول الله. قال على ان تَعْبُدُوا الله ولا تشركوا به شيئًا وتصلوا الصلوٰت الخمس وتسمعوا وتطيعوا
(مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو۔ اس کو مسلم۔ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

اثباتِ بیعت اور اس کی حقیقت

حضرات صوفیائے کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصل التزام احکام (یعنی احکام ظاہری و باطنی پر استقامت) اور اہتمام کا معاہدہ ہے جس کو ان کے عرف میں "بیعت طریقت" کہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر اس کو اس بنا پر بدعت کہتے ہیں کہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے۔ کہ یہ مخاطبین چونکہ صحابہ ہیں اس لئے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمون بیعت سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں۔ بلکہ بہ دلالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام و اہتمام اعمال کے لئے ہے۔ (التکشف ص۳۱۷)

پس اس کے سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بعدہ بوجہ اشتباہ بیعت خلافت کے سلف نے صحبت پر اکتفا فرمایا۔ پھر خرقہ کی رسم بجائے بیعت کے جاری ہوئی۔ جب وہ رسم (بیعت) خلفا میں نہ رہی تو صوفیاء نے اس مردہ سنت کو پھر زندہ کیا۔ (تعلیم الدین ص۳۳)

ملفوظ:۔ فرمایا کہ بیعت کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت، اس کی صورت مطلوب نہیں حقیقت مطلوب ہے۔ چنانچہ بیعت کی حقیقت ہے اعتقاد و اعتماد جازم (صادق) اپنے تعلیم کرنے والے پر یعنی اس کو یہ یقین ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے، اور جو مشورہ دے گا وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا۔ غرض اس پر پورا اطمینان ہو اور اپنی رائے کو اس کی تجویز و تشخیص میں مطلق دخل نہ دے، جیسا کہ طبیب حاذق و مشفق کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ بس ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ باقی رہی بیعت کی صورت وہ اول وہلہ میں خواص کے لئے نافع نہیں۔ عوام کے لئے البتہ اول وہلہ میں بیعت کی صورت بھی نافع ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کے قلب پر ایک عظمت اور شان اس شخص کی طاری ہو جاتی ہے۔ جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول کو باوقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ خواص کے لئے کچھ مدت بعد بیعت نافع ہوتی ہے کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ جانبین میں ایک تعلق خلوص پیدا ہو جاتا ہے، پیر سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہے اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ڈانواڈول حالت نہیں رہتی۔ مناسبت و محبت کا قوی تعلق ہو جاتا ہے۔
(اشرف السوانح ص۲)

شیخ ۔ مصلح ۔ رہبرِ طریق

حال :۔ ایک صاحب نے دریافت کیا، جب یہ بات معلوم ہے کہ مامورات وغیرہ سب کے سب اختیاری ہیں چونکہ مامورات اختیاریہ ہیں اس لئے جہاں رکنے کا امر ہے وہ بھی اختیاری ہوئے اس لئے سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رُکے۔ میں اپنے متعلق بھی ہمیشہ یہی تقریر جاری کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ مشائخ طریقت سے اس قاعدے کے معلوم ہونے کے بعد کیا سوال اور علاج کرانا چاہئے۔ میری سمجھ میں یہی نہیں آتا۔ بہت عرصے سے اس اَمر پر غور کر رہا ہوں امید کہ جناب والا مطلع فرمائیں گے تاکہ احقر اسی پر عمل کرے۔ آخر اس قاعدہ کلیہ کے علم کے بعد ازالۂ مرض میں معالج و مشائخ کی کیا حاجت باقی رہی امید کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مطلع فرما دیں گے۔

تحقیق ۔ مامورات منہیات سب اختیاری ہیں پس مامورات کا ارتکاب اور منہیات سے اجتناب بھی سب اختیاری ہے لیکن اس پر عمل کرنے میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں اور بعض وقت خود فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل بھی ہو گیا لیکن اس کے ساتھ وساوس اور خطرات کا بھی ہجوم ہوتا رہا۔ یہ شخص سمجھا کہ ایسی حالت میں خشوع باقی نہیں رہا۔ حالانکہ خشوع زائل نہیں ہوا تھا۔

یا یہ ہوا کہ عبادت کے شروع میں وساوس غیر اختیاری تھے مگر یہ شخص اپنے اختیار سے ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور یہ سمجھتا رہا کہ اس کا خشوع باقی ہے، حالانکہ وہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

زائل ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ کبھی اپنے حال کو راسخ سمجھ لیا اور وہ راسخ نہیں تھا مثلاً دو چار خفیف حادثوں میں رضا بالقضا کا احساس ہوا یہ سمجھا کہ یہ ملکہ راسخ ہو گیا ہے۔ پھر جب کوئی حادثہ شدید واقع ہوا اس میں رضا بالقضا جیسا کہ چاہیئے تھا وہ نہیں ہوئی مگر یہ اس خیال میں رہا کہ رضا میں رسوخ باقی ہے۔ ضعیف نہیں ہوئی یا زائل نہیں ہوئی حالانکہ وہ زائل ہو گئی۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ حاصل شدہ مقتضا بالقضا، کو غیر حاصل سمجھتا ہے اس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اعمال کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے۔ پھر وہ سچ مچ زائل ہو جاتی ہے یا یہ ہوتا ہے کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محروم رہتا ہے۔

اسی طرح غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں وہی خرابی ہوتی ہے کہ راسخ سمجھ کر اس کی تکمیل کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے یا یہ کہ راسخ شدہ چیز کو زائل شدہ سمجھ لیتا ہے مثلاً شہوت حرام کا داعیہ مجاہدہ سے مضمحل ہو گیا اور اس کی طرف التفات تک باقی نہ رہا۔ پھر ان آثار کا جوش وخروش کم ہونے سے طبعی التفات پھر ہونے لگا گو ضعیف ہی سہی مگر یہ شخص سمجھنے لگا کہ مجاہدہ بیکار گیا اور شہوت حرام کا داعیہ پھر عود کر آیا۔ اس لئے مایوس ہو کر سچ مچ بے عملی اور گمراہی میں مبتلا ہو گیا یہ چند مثالیں ایسی غلطیوں کی اور ان کے مضار کی ہیں۔ اگر کسی شیخ سے تعلق ہو اور اس پر اعتماد ہو تو اس کو اطلاع کرنے سے وہ اپنی بصیرت اور تجربے کے سبب ان کی حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ شخص مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت وسلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے، تو ناتجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا اور مشوش ہونا مقصود میں مخل ہوتا ہے ان امور پر مطلع کرنا یہ تو شیخ کا اصلی منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اس کے ذمہ نہیں۔ لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدمہ مقصود کے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تحصیل میں اور اسی طرح کسی ذمیمہ یا مقدمہ ذمیمہ کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدید پیش آتی ہے مگر اس کے کام میں لگے رہنے سے اور مجاہدۂ نفس سے مشقت آخر میں مبدل بہ آسانی ہو جاتی ہے لیکن شیخ تبرعاً کبھی ایسی تدابیر بتلا دیتا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی یہ ایک اجمالی تحقیق تقریب فہم کے لئے ہے۔ باقی ضرورت شیخ کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کر کے اپنے احوال جزئیہ کی اس کو بالالتزام اطلاع کرتا رہے، اور اس کے مشوروں کا اتباع کرتا رہے اور یہ اتباع کامل اس وقت ہو سکتا ہے جب اس پر اعتماد ہو اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو۔ اس وقت حِسّاً معلوم ہو گا کہ بدون شیخ کے مقصود کا حاصل ہونا عادۃً متعذر ہے الا نادراً والنادر کالمعدوم۔ پھر اس ضرورت میں تفاوت فہم و استعداد کے اعتبار سے تفاوت بھی ہوتا ہے۔ (النور محرم ۱۳۵۴ھ)

(ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم)

صحبتِ شیخ کا فیض

بیعت کی اصلی بڑی ضرورت رفاقت یا شیخ کی صحبت و تعلق ہے تاکہ راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے حفاظت ہو، علم چاہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی بلا صحبت کے بیکار ہے: صاحبِ صحبت بلا علم. کی اصلاح. صاحب علم بلا صحبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ صحابہ رضی سب کے سب عالم نہ تھے مگر ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین و فقہا اور بڑے سے بڑے اولیا و اقطاب پر مسلّم ہے۔ اس فضیلت کا مدار محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ بابرکت پر ہے۔ صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا اہتمام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔ (تصوف و سلوک)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی۔ اسی طرح بدبخت کی صحبت تم کو بدبخت بنا دے گی۔

جو شخص اللہ تعالٰی کی بخشش کا طالب ہو تو اس کو اولیائے کرام کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے۔

اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض وقت کوئی گھڑی ہاتھ آجاتا ہے یا کوئی کیفیت قلب میں ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتاح سعادت بن جاتی ہے۔ ہر وقت ہر ساعت مراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جس میں یہ حالت میسر ہو اور ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اس لئے ہر صحبت کا اہتمام چاہیئے اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے۔ پس مراد اس سے اعمال پر قدرت ہونا ہے۔ اس سے اس کے سب کام بن جائینگے اور اصل چیز یہی کام ہے جس سے یہ مفتاح صحبت میں نصیب ہو گئی۔ اگر وہ اعمال نہ کئے تو نری مفتاح کس کام کی۔ اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ بغیر اعمال نہ کچھ اعتبار اقوال کا ہے نہ احوال کا ہے نہ کیفیات کا ہے۔ اس لئے ان چیزوں میں کسی چیز میں بھی مزا نہ آنا چاہیئے۔ اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں اور اعمال بغیر توفیق حق مشکل ہے اور حق تعالٰی کی توفیق عادۃً صحبتِ مردِ کامل پر موقوف ہے (کمالاتِ اشرفیہ)

صحبتِ اہل اللہ

اہل اللہ کی صحبت کے موثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کان میں پڑیں گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ سُنتے سُنتے آخر اصلاح ہو ہی جائے گی اور ایک سبب باطنی بھی ہے، وہ یہ کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح کی اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالےٰ تم پر فضل فرمائیں گے۔ اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذنِ حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ حق تعالےٰ کے فضل ہونے کا وقت آگیا ہے۔ دوسری وجہ بہت خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔

اہل اللہ کے دل اللہ تعالےٰ کے نور سے روشن ہیں ان کے پاس رہنے سے دل میں نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے۔ پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بغیر پاس رہے صرف ان حضرات کو دیکھ لینا ہی کافی ہوتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ چند دنوں صحبت کی بھی ضرورت ہے۔ (تصوف وسلوک کمالاتِ اشرفیہ۔ انفاسِ عیسیٰ)

تصورِ شیخ

اس کو برزخ۔ رابطہ اور وسیلہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی تو آج تک کسی محقق نے نہیں فرمائے کہ خدائے تعالےٰ کو پیر کی شکل میں سمجھے یہ تو محض باطل ہے اگر اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ سے دھوکا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ صورت ناک اور منہ ہی کو نہیں کہتے مثلاً یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کی یہ صورت ہے حالانکہ اس مسئلہ کی ناک اور منہ نہیں ہے بلکہ صورت کے معنی صفت کے بھی آتے ہیں تو انسان کو جو سمع و بصر وغیرہ عنایت ہوا ہے اس لئے اس کو صورت حق کہا گیا۔ غرض یہ معنی تصور شیخ کے بالکل غلط ہیں۔ کتب فن میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور قوت نسبت سے طرح طرح کے برکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض محققین نے تصور شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے۔ خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔ اصل مقصود تصور حق تعالےٰ کا ہے مگر اللہ تعالےٰ چونکہ مرئی نہیں ہیں اس لئے جن لوگوں کی قوت فکریہ ضعیف ہوتی ہے ان کو یہ تصور جمتا نہیں اس لئے ان کے ذہن میں خیالات بہت آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یکسوئی حاصل کرنے کے لئے تصور شیخ تجویز کیا گیا کیونکہ علاج بضد ہوتا ہے یعنی خیال کے دفع کرنے کے لئے دوسرے خیال کو ذہن میں جمایا جائے گا خواہ وہ کوئی خیال ہو۔ پس ان خیالات مختلفہ کے دفع کرنے کے لئے ہر دیکھی ہوئی چیز کا تصور کافی ہے، جس پر بھی خیال جم سکے لیکن ان سب خیالات میں سے شیخ کا تصور زیادہ مفید ہے کہ وہ محبوب ہونے کی وجہ سے ذہن میں زیادہ جمے گا اس لئے دفع خیالات میں زیادہ موثر ہو گا۔

تصور شیخ کوئی بالذات مطلوب نہیں، صرف توجہ الی اللہ کے وقت جو وساوس مجرد کا ہجوم ہوتا ہے وہ قطع وساوس کے لئے ہے اس سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے پھر اس یکسوئی سے توجہ الی اللہ کی استعداد ہو جاتی ہے۔ پھر اس استعداد کو مقصود میں صرف کرنا اور جب مقصود حاصل ہو جائے تو پھر ان ہیئات وقیود کی ضرورت نہیں رہتی۔

غرض جب یہ بات حاصل ہو جائے تو شیخ کا تصور دل سے نکال دے۔ اور صرف ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے پھر احیاناً اگر خیالات آجائیں تو پھر شیخ کا تصور کرلے جب خیالات دفع ہو جائیں پھر ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ مقصود حقیقتاً یہی ہے اور خود حق تعالےٰ کا براہ راست تصور کرسکے تو بہتر ہے۔ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے اور عوام کو سخت مضر ہے کہ صورت پرستی کی نوبت آجاتی ہے اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچنا لازمی ہے، اور خواص بھی کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں۔ اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا معین و دستگیر نہ سمجھ لیں کیونکہ کثرت تصور سے کبھی صورت مثالیہ روبرو حاضر ہو جاتی ہے۔ کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کوئی لطیفۂ غیبی اس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے اور شیخ کو اکثر اوقات خبر بھی نہیں ہوتی اس مقام پر اکثر ناواقف کو لغزش ہو جاتی ہے لہٰذا مجھکو اس تصور شیخ سے سخت انقباض ہے۔ اس طرح انہماک کے ساتھ کسی مخلوق کی طرف توجہ کرنا توحید کے خلاف ہے اس سے غیرت آتی ہے کہ غیر کی صورت ایسے طریق پر ذہن میں جمائیں جو کہ حق تعالیٰ کے لئے زیبا تھا۔ (الکلام الحق۔ تعلیم الدین)

۳۔ حضرت والا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو نہایت تاکید اور اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا کرتے تھے کہ حب شیخ اور اتباع سنت کے ہوتے ہوئے اگر ظلمات بھی ہوں تو سب انوار ہیں اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی کم ہو تو پھر اگر انوار بھی ہوں تو وہ سب ظلمات ہیں۔ (اشرف السوانح حصہ دوم ص ۲۱۰)

مشائخ بھی اپنی اصلاح سے مستغنی نہیں

جو شیخ صاحب نظر صحیح ہو وہ اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کر لے کہ اپنے احوال خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کیا کرے۔ اپنی رائے سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنے خیالات و واقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے، اور دوسروں کی نظر ہر پہلو پر جاتی ہے۔ اور جس شخص کو دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے، اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا۔ جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنا دیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کریں تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے بس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے، ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہیے ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بیعت کرنے میں عورتوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ناجائز ہے

حدیث :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کا ہاتھ کبھی نہیں چھوا۔ البتہ صرف زبانی بیعت لے لیتے تھے۔ جب زبانی عہد لیتے پردہ عہد کرلیتی تو آپ فرماتے کہ جاؤ میں نے تم کو بیعت کرلیا۔ (بخاری ومسلم۔ ابوداؤد)

بعض ناواقف یا بے احتیاط درویش عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں یہ عمل بالکل ناجائز ہے بلاضرورت اجنبی عورت کے بدن پر ہاتھ لگانا گناہ ہے۔ اس حدیث میں اس عمل کا ابطال اور رد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون مربی اور عفیف ہوگا جب آپ نے اس میں احتیاط فرمائی تو دوسرے پیر کو باپ یا فرشتہ سمجھ کر ایسی بے تکلفی اور بے پردگی کو کیونکر گوارا کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت بیعت کی محض معاہدہ ہے سو زبانی کافی ہے مشائخ متاخرین نے تقویت اتصال کے لئے اور نیز تسکین قلب عوام کے لئے کپڑے کا ایک گوشہ خود لینا اور دوسرا گوشہ مریدہ کو دینا معمول کرلیا ہے اس کا مضائقہ نہیں بلکہ اگر مرد کے لئے بھی بہ ضرورت یا بلاضرورت زبانی بیعت پر اکتفا کیا جاوے مضائقہ نہیں لیکن چونکہ ہاتھ میں ہاتھ لینا بیعت کی ایک مسنون ہیئت ہے اور مرد میں اس سے کوئی امر مانع نہیں لہذا معنی اور صورت کا جمع کرلینا اولیٰ ہے۔ (التکشف ص ۳۱۶)

تقویٰ لازمہ طریق ہے

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (سورۂ توبہ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو (یعنی جو نیت اور بات میں سچے ہیں ان کی راہ چلو) تاکہ تم بھی صدق اختیار کرو۔

اس آیت میں عام مسلمانوں کو تقوٰی کے لئے ہدایت فرمائی گئی ہے اور کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ صفت تقوٰی حاصل ہونے کا طریقہ صالحین اور صادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہے۔ اس جگہ قرآن حکیم نے علماء و صلحاء کے بجائے صادقین کا لفظ اختیار فرما کر عالم و صالح کی پہچان بھی بتادی کہ صالح صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، نیت و ارادے کا بھی سچا ہو اور عمل کا بھی سچا ہو۔

(بیان القرآن)

دورِ حاضر میں اہل اللہ کی صحبت کی اہمیت

حضرت حکیم الامت مجدد الملت نے فرمایا کہ "میں تو اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتوٰی دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق کے بعد بفضلہٖ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔" (الافادات الیومیہ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دُعاء

ضرورت دُعا

کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو صلاح وفلاح کی ضرورت نہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دارین کی صلاح وفلاح کے واسطے اسباب وابواب موضوع فرمادیئے، کہ اہلِ حاجت اس سے مدد لیں اور عقبات ومہالک سے نجات پائیں۔ ان اسباب میں بجز دعا کے جتنے اسباب ہیں ان کے مسببات خاص خاص امور ہیں چنانچہ اسباب طبعیہ کا (مثل زراعت وتجارت وطبابت کے) اصلی مقصود فلاح دُنیوی بنایا گیا ہے گو بواسطہ معینِ دین بھی ہو، اور اسباب شرعیہ کا (مثل صوم وصلوٰۃ وحج کے) مقصود بالذات فلاح دینی ٹھہرایا گیا ہے۔ گو بالعرض نافع دنیا بھی ہو۔ مگر صرف دعا ایسی چیز ہے کہ فلاح دین ودُنیا کے لئے بالمساوات ایک مرتبہ میں مشروع وموضوع ہے۔ جس سے بوجہ اس جامعیت کے اس کی وقعت وعظمت ظاہر ہے اس لئے قرآن مجید وحدیث شریف میں نہایت درجہ اس کی ترغیب وفضیلت وتاکید جابجا وارد ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو دعا کی توفیق ہوگئی اس کے لئے قبولیت کے دروازے کھل گئے اور ایک روایت میں ہے جنت کے دروازے کھل گئے۔

اور ارشاد فرمایا کہ قضا کو صرف دعا ٹالدیتی ہے۔ احتیاط وتدبیر سے نہیں ٹلتی اور دعا نازل شدہ بلا کیلئے بھی نافع ہے، اور اس بلا کیلئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی بلا نازل ہوتی ہے اور ادھر سے دعا پہنچ کر اس سے ملتی ہے۔ تو دونوں میں قیامت تک کشتی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبل مصیبت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بھی دعا کرتا رہے۔ اس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی۔ اور کبھی اس کی وجہ سے مصیبت ٹل جاتی ہے۔

اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز قدر و منزلت کی نہیں اور جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اُس کی دعا قبول فرمالیا کریں اس کو چاہئے کہ خوشی اور عیش کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے۔

اور ارشاد فرمایا کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان کا نُور ہے۔

دعا[۱] میں خاصیت ہے کہ اس سے تدبیرِ ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے۔

دعا کرنے سے بندہ کو حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہوجاتا ہے۔ جس وقت آدمی دعا کرتا ہے اس وقت غور کرکے ہر شخص دیکھ لے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق محسوس ہوگا بغیر اس کے خاص تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف ہوائی ہوتا ہے۔

دعا میں ایک نفع یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے یہاں معذور سمجھا جائے گا کیونکہ جب اس سے سوال ہوگا کہ تم نے حق کا اتباع کیوں نہیں کیا تو کہہ دے گا کہ میں نے طلب حق کے لئے بہت سعی کی اور اللہ تعالیٰ تو ایک ہی تھے۔ میں نے ان سے عرض کر دیا تھا کہ مجھ پر حق واضح ہوجا دے۔

بعض[۲] دفعہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت سے نیک بندوں کی عاجزی اور دعا و زاری پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے ناتمام اسباب سے بلا اسباب بھی اثر مرتب فرما دیتے ہیں۔

---

[۱] انفاس عیسیٰ ص۸۱ [۲] مہمات الدعا ص۲۵ دوم ۔ شریعت و طریقت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

قبولیتِ دُعا اور اس کا طریق کار

احادیث شریف میں دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے اور عقلاً بھی یہ سب سے بڑی
چیز ہے اور یہ ہر تدبیر سے بڑھ کر تدبیر ہے بلکہ حقیقت میں اس کا درجہ تدبیر سے
بڑھ کر ہے۔ اس کو تقدیر سے زیادہ قرب ہے۔ کیونکہ اس میں اس ذات سے درخواست
ہے جس کے قبضہ میں تقدیر ہے۔ سب تدبیریں کرتے ہیں مگر دعا نہیں کرتے
بجز اس کے کہ دو تین دعائیں یاد کر لی ہیں۔ نماز کے بعد آموختہ کے طور پر اُن
کو پڑھ کے منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں (نہ خشوع ہے نہ خضوع) یہ تو عملی غلطی ہے،
اور دوسری علمی غلطی یہ ہے کہ دعا کے قبول نہ ہونے سے شیطان یہ دھوکا دیتا
ہے کہ یہ تدبیر تو سب تدبیروں سے کمتر ہے۔ دیکھو اتنا عرصہ دعا کرتے ہو گیا قبول
ہی نہ ہوئی (مگر) حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی ایسا
مسلمان نہیں جو دعا میں اڑ جاتے اور پھر عطا نہ ہو۔ خواہ سر دست اس کو دیدیں
یا آئندہ کے لئے جمع کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا قبول ضرور ہوتی ہے مگر
صورتیں اس کی مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی تو وہی مل جاتا ہے جو مانگا تھا اور کبھی اس
سے افضل چیز عطا ہوتی ہے اور کبھی دنیا میں کچھ عطا نہیں ہوتا بلکہ اس کا اجر
آخرت میں جمع کر کے اس کو دیا جائے گا۔ اس وقت ثواب کو دیکھ کر تمنا کریں گے
کہ کاش! ہماری سب دعائیں آخرت ہی میں ذخیرہ رہتیں۔ دنیا میں ایک بھی نہ
ملتی۔ پس یقین کر لینا چاہیے کہ ہماری سب دعائیں بالمعنی الاعم قبول ہی ہوتی ہیں۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ پس اس بات کو بھی وہی
خوب جانتے ہیں کہ یہ نعمت موہومہ (جس کی تم درخواست کر رہے ہو) تمہارے مناسب
ہے یا نہیں۔ اور مناسب ہے تو کس وقت اور کس حالت میں مناسب ہے۔ جیسے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اگر کوئی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے تو اصل منظوری تو علاج کا شروع کر دینا ہے گو مسہل نہ دے۔ اور دوسری بات مسہل دینا ہے۔ اس میں شرط ہے کہ مصلحت بھی سمجھے پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کہ ہم ہر دعا کرنے والے کی درخواست کو لے لیتے ہیں اور اس پر توجہ کرتے ہیں، بے توجہی نہیں کی جاتی۔ تو جب درخواست لے لی گئی ہے تو اگر اس کا کرنا ہماری مصلحت کے خلاف نہ ہوا تو ضرور پوری ہوگی ورنہ اس کی جگہ کچھ اور مل جائے گا۔ سو یہ تو عین کامیابی ہے۔ پس اجابت جس کا وعدہ ہے اس کے معنی درخواست کا لے لینا اور اس پر توجہ کرنا ہے، یہ اجابت یقینی ہے اور اس میں کبھی تخلف نہیں ہوتا۔ آگے دوسرا درجہ ہے کہ جو مانگا وہی مل جائے گا اس کا وعدہ نہیں۔ (اگرچہ ممکن ہے)[1]

حدیث[2] معتبرہ میں دعا کے لئے مفصلہ ذیل آداب کی تعلیم فرمائی گئی ہے جن کو ملحوظ رکھ کر دعا کرنا بلا شبہ کلید کامیابی ہے اور جن کی رعایت کے بعد دعا مقبول نہ ہونا عادۃ اللہ کے خلاف ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی وقت ان تمام یا بعض آداب کو جمع نہ کر سکے تو یہ نہیں چاہئے کہ دعا ہی کو چھوڑ دے بلکہ دعا ہر حال میں مفید ہی مفید ہے اور ہر حال میں حق تعالیٰ سے قبول کی امید ہے۔

۱۔ وضو کرنا۔ ۲۔ قبلہ رُخ ہونا۔ ۳۔ دو زانو بیٹھنا۔ ۴۔ دعا کے لئے دونوں ہاتھ پھیلانا۔ ۵۔ اخلاص اور آداب و تواضع کے ساتھ دعا کرنا۔ ۶۔ دعا کے اول اور آخر حمد و ثنا اور درود شریف پڑھنا۔ ۷۔ حرام مال سے بچنا۔ ۸۔ اپنی محتاجی اور عاجزی کا ذکر کرنا۔ ۹۔ دعا کے وقت انبیاء علیہم السلام اور دوسرے مقبول بندوں کے ساتھ

---

[1] الاصابہ صفحہ ۷ تا ۱۱۔ شریعت و طریقت

[2] احکام الدعا منسلکہ مناجات مقبول مطبوعہ دیوبند

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

توسل کرنا یعنی یہ کہنا کہ یا اللہ ان بزرگوں کے طفیل سے میری دعا قبول فرما۔ ۱۰۔ ان دعاؤں کے ساتھ دعا کرنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ ۱۱۔ رغبت ر شوق اور عزم کے ساتھ دعا کرنا۔ یعنی یوں نہ کہے کہ یا اللہ اگر تو چاہے تو میرا کام پورا کردے بلکہ قبول دعا کی امید قوی رکھے۔ ۱۲۔ کسی ناجائز چیز۔ گناہ اسد محال چیز کی دعا نہ کرے ۱۳۔ اپنی سب حاجات صرف اللہ تعالےٰ سے طلب کرے۔ اور مخلوق پر بھروسہ نہ کرے۔ دعا کے آخر میں آمین کہکر دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔ مقبولیت دعا میں جلدی نہ کرے۔ یعنی یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی اب تک قبول کیوں نہیں ہوئی۔

اعتدال اصل طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا و توکل کے ساتھ اسباب کی رعایت فرمائی ہے کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اسباب میں ایسا منہمک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے۔

معمولی چیز بھی خدا ہی سے مانگیں اور یہ نہ سمجھیں کہ چھوٹی چیز مانگنے سے حق تعالےٰ ناخوش ہوں گے۔ کیونکہ حق تعالےٰ کے نزدیک ہر بڑی چیز چھوٹی ہی ہے ان کے نزدیک عرش اور نمک کی ڈلی برابر ہے۔

دعا میں اگر دل نہ لگتا ہو تو اس طرح سمجھا دیں کہ دنیا میں نفع موہوم پر بھی ہمت سے کام لیتے ہیں گو آخر میں خسارہ ہی ہو جاوے اور خسارہ کا خطرہ بھی ہوتا ہے جیسے تجارت وغیرہ میں احتمال ہے اور دعا میں خسارے کا احتمال ہی نہیں پھر اس میں کوتاہی کیوں کی جاتی ہے۔

طریق تحصیل

اپنی احتیاجوں اور اللہ تعالےٰ کی عنایات کو سوچنا اور اس پر غور کرنا طریق تحصیل ہے۔ (شریعت و طریقت)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اذکار

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (الآیہ)

وہ لوگ (ہر حال میں، دل سے بھی اور زبان سے بھی) اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی۔
(بیان القرآن ص۴۴ ج۱)

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لِکُلِّ شَیْئٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ۔

ہر شئے کا صیقل (چمکانے والا) ہے اور قلوب کا صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے (التکشف ص۴۴۵)

ذکر کے معنی لغت میں۔ یاد رکھنا " اس کا مقابل نسیان یعنی بھول جانا ہے۔ یاد رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک صوری اور ایک حقیقی۔ صوری' زبان سے ذکر کرنے اور نام لینے کو کہتے ہیں۔ اور حقیقی' ادائے حقوق کو کہتے ہیں۔ ذکر لسانی (یعنی زبان سے یاد کرنا) بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے مگر ناقص اور ذکر حقیقی، ذکر اللہ کا فرد کامل ہے اگر دونوں جمع ہو جاویں۔ یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو سبحان اللہ درجہ اکمل ہے۔ غرض کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو ذکر اللہ میں نہ آگئی ہو۔ کیوں کہ حقوق اللہ کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور حقوق الناس وغیرہ اس میں تمام احکام شریعت آگئے۔ گویا ذکر اللہ کا اصل مطلب۔ اللہ تعالیٰ سے پورا تعلق پیدا کرنا ہے۔ (وعظ تفصیل الذکر ص۶۰۵)

اور تعلق کے معنی ہیں لگاؤ۔ اور لگاؤ سے مراد دل کا لگاؤ۔ اور دل کے لگاؤ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کے معنی یہی ہیں کہ دل اس کی طرف متوجہ رہے اور دل میں اس درجہ اس کی یاد رہے جس کو عرف میں ۔ دل میں بس جانا ۔ کہتے ہیں اور غفلت عن اللہ تمام امراض کی اصل ہے جو کہ ضد ہے ۔ اس تعلق مذکور کی ، جو قلب کی غذا ہے اور غفلت کی ضد ہے یاد ۔ تو یاد کو اختیار کرنا چاہیئے ، اور یاد سے (اصل) مراد کسی لفظ کو زبان سے رٹنا نہیں ہے ۔ بلکہ ہر کام میں یاد رکھنا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو ۔ (الباطن ص ۳۲ - ۳۹ - ۳۸ ، ۴۰ ، ۴۳)

پس ذکر کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک صورت ذکر ایک حقیقت ذکر (جو لوگ پورے اعمال شرعیہ بجا نہیں لاتے اور صرف ذکر لسانی یا قلبی کرتے ہیں ان کو صورت ذکر تو حاصل ہے لیکن حقیقتِ ذکر حاصل نہیں) مگر ذکر اسمی بھی بیکار نہیں بلکہ نافع و مفید ہے جس کو کامل اور اعلیٰ درجہ حاصل نہ ہو وہ اسی کو غنیمت سمجھے کیونکہ ؎

از صفت و ز نام چہ زائد خیال
واں خیالش ہست دلال وصال (اکبر الاعمال ص ۱۳، ۲۴)

(اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور دل سے بھی) اور اس کے متعلق مختلف احکام ہیں بعض لفظ کے ساتھ متعلق ہیں ۔ ان میں ذکر لسانی افضل ہے ۔ باقی ذکر قلبی جس سے ہر وقت قلب میں یاد رہے ۔ اجر اس پر بھی ہے مگر اس میں قلب کے ذہول کا اندیشہ رہتا ہے (کیونکہ یہ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتا ۔ دل ادھر ادھر چلا جاتا ہے اور ذاکر یہ سمجھتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں اور ذکر لسانی میں یہ اندیشہ نہیں اس لئے ذکر لسانی کرنا چاہیئے اور اس میں توجہ قلبی رکھنا چاہیئے ۔ اگر کچھ دیر ذکر قلبی نہ رہے گا تو لسانی تو باقی رہے گا اور وقت ضائع نہ ہوگا اور اگر صرف قلب سے ذکر کرے گا تو زبان خالی رہے گی ۔ اس اعتبار سے ذکر قلبی سے ذکر لسانی افضل ہے (مگر اس ذکر لسانی کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس ذریعہ سے قلب میں مذکور کی یاد رچ بس جائے ۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک دے اور فرماں برداری پر کمر ہمت چست کردے، یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو ایسا ذکر معاصی سے نہ روکے اس کے لئے یہ حقیقی ذکر نہ ہوگا، بلکہ ذکر کی صورت ہوگی۔ (تصوف و سلوک صفحہ ۵۷، ۵۴، ۴۷، ۵۰ ملخصاً)

محققین صوفیہ نے اس راز کو سمجھا ہے کہ اللہ اللہ کرنا گو ذکر نہیں مگر مقصود کے لئے تیار ہونا ہے اس واسطے بحکم ذکر ہے اور اصل مقصود اس ذکر سے اس کے مدلول کا رسوخ فی القلب ہے اور قاعدہ ہے کہ رسوخ کے لئے تکرار موثر ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ رسوخ کے لیئے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ سنت سے ثابت ہو اس کے لئے تجربہ کافی ہوتا ہے۔

محققین کا قول ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات و کمالات خود ایسے ہیں کہ اس کا کمال اس کا مقتضی ہے کہ ان کی طرف توجہ کی جائے اور ان کی یاد دل میں بسائی جاوے۔ کسی وقت ان سے غافل نہ ہو۔ اگرچہ وہ ہماری طرف توجہ بھی نہ فرمائیں۔ اگرچہ ہمارے ذکر پر کوئی ثمرۂ عاجلہ مرتب نہ ہو۔ چہ جائیکہ ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے۔ یعنی ان کا بندے کی طرف توجہ فرمانا (ثابت ہے) چنانچہ ارشاد ہے:۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا

(انفاس عیسٰی صـــــ)

(مزید برآں) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے

یعنی ذکرِ اللہ ضرورت کی وجہ سے بھی بڑی چیز ہے۔ خود بھی فی نفسہٖ ضروری ہے۔ اور دیگر ضروریات کی جڑ بھی ہے۔ گو شعائرِ دین (یعنی دین کی کھلی علامات) سے نہ ہو۔ مگر حقیقت میں یہ شعائر کی بھی جڑ ہے۔ اور تمام اعمال کی بھی جڑ ہے۔ مگر (جس طرح) جڑ بدون شاخوں کے کارآمد نہیں ہوسکتی اسی طرح محض ذکر بدون دوسرے اعمال کے کارآمد نہیں۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ذکر کے مراتب مختلف ہیں۔ جنت اور دوزخ اور عذاب وثواب کا یاد کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی یاد ہے، جیسے بعض لوگ باوجود تقاضے کے چوری نہیں کرتے۔ مالگذاری ادا کرنے میں سستی نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کو ایک چیز یاد آتی ہے یعنی سزا وقید وغیرہ۔ اسی طرح ایسی چیز کو یاد رکھنا جو معاصی سے روک دے اور طاعات پر ہمت کو چست کر دے ذکر اللہ ہے۔ اب اگر کسی کو جنت ودوزخ کی یاد معاصی سے روکے اس کے لئے یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو مراقبۂ ذات معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں، اس کے واسطے یہ ذکر اللہ حقیقی نہ ہوں گی بلکہ صورت ذکر میں داخل ہوں گی۔ اس کو اپنے مناسب حال ذکرِ حقیقی کسی محقق سے تجویز کرانا چاہیئے۔ مثلاً بعضوں کے لئے نفس پر جرمانہ مالی کرنا معاصی سے مانع ہوتا ہے ان کے واسطے یہی ذکر ہے۔ یہ ذکر کی حقیقت ہے۔ اور یہی تمام طریق کی بلکہ تمام شریعت کی جڑ ہے۔ (اکبر الاعمال صفحہ ۳۔ ۲۷۔ ۲۹۔ ۳۰)

مزید برآں ذکر کی کوئی حد نہیں۔ حالانکہ نماز کے واسطے ایک حد ہے، کہ اوقات مکروہہ میں حرام ہے۔ روزہ کے واسطے حد ہے کہ ایام خمسہ میں حرام ہے۔ زکوٰۃ صدقہ کے واسطے حد ہے کہ خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنیً (یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو غنیٰ کے بعد ہو) حج کے واسطے حد ہے مثلاً فرض ادا کرنے کے بعد ایسے شخص کے لئے حج نفل جائز نہیں جس کے اہل وعیال کے حقوق ضائع ہوں مگر ذکر حقیقی کے لئے کوئی حد نہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کان یذکر اللہ فی کل احیانہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے۔ (اکبر الاعمال صفحہ ۳)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سالک کے لئے خاص اذکار

اور

دستورالعمل

حضرت حکیم الامتؒ کتاب قصد السبیل میں ارقام فرماتے ہیں :۔

ذیل میں ایک مختصر سا دستورالعمل ہے جو بیحد نافع ہے اور اس قابل ہے کہ اس کو علم تصوف کہا جاوے یہ طریقہ بہت خاک چھان کر ہاتھ لگا ہے۔

یہ دستورالعمل درویشی کی راہ پر چلنے والوں کے لئے مفید ہے اور جو میرے دوست ہیں ان کے لئے ہمیشہ عمل کرنے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ سے قوی امید رکھتا ہوں کہ اس دستورالعمل کے مطابق عمل کرنے والا محروم نہ رہے گا (البتہ اس دستورالعمل پر عمل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ شریعت و سنت کے تمام احکامات پر اس کا عمل ہو اور تمام حقوق العباد کو ادا کرتا ہو)

اب سمجھنا چاہیے کہ خلاصہ اس دستورالعمل کا یہ ہے کہ اس راہ کا چلنے والا یا عامی ہوگا یا عالم اور پھر ہر عامی اور عالم یا تو روزی کمانے والا اور بیوی بچوں والا ہوگا یا پھر اس کے ذمہ ایسا کوئی کام نہ ہوگا اور آزاد ہوگا تو یہ چار قسم کے لوگ ہوئے

۱۔ عامی مشغول ۲۔ عامی فارغ ۳۔ عالم مشغول ۴۔ عالم فارغ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

۱۔ عامی مشغول کا دستور العمل

یہ شخص سب سے پہلے اپنے عقیدے صحیح کرے اور ضروری ضروری دین کے مسئلے سیکھے اور بہت اہتمام سے ان پر عمل کی پابندی کرے اور عالموں سے پوچھتا رہے اگر ہو سکے تو نماز تہجد اخیر رات میں پڑھے ورنہ عشاء کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ نفلیں پڑھ لیا کرے اور بعد پانچوں نمازوں کے، اور اگر کسی نماز کے بعد فرصت ہو تو جن نمازوں کے بعد فرصت ہو سُبْحَانَ اللّٰہِ سو بار لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ سو بار اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ سو بار پڑھا کرے اور سوتے وقت اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ سو بار پڑھا کرے اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتا رہے اس میں وضو یا کسی گنتی کی ضرورت نہیں ہر حال میں جس قدر ہو پڑھتا رہے اور اگر قرآن پڑھا ہوا ہو تو روزانہ کسی قدر تلاوت بھی کر لیا کرے اور دین کی کتابیں پڑھا کرے۔ اپنے پیر کے پاس یا کسی بزرگ متبع شریعت و سنت کے پاس کچھ دیر بیٹھا کرے۔ باقی جو وقت بچے اس میں بال بچوں کے لئے حلال روزی میں لگا رہے اہل و عیال کے لئے روزی کمانا بھی عبادت ہے اور اگر عورت اس دستور العمل کو اختیار کرے تو وہ بھی اوپر بیان کی ہوئی باتوں پر عمل کرے اور باقی وقت میں گھر کا کام اور شوہر کی اطاعت میں صرف کرے۔ شوہر کی خدمت بھی عبادت ہے اور حیض کے خاص دنوں میں وظیفہ کے وقت وضو کر کے وظیفہ پڑھ لے مگر قرآن شریف کا پڑھنا منع ہے۔

۲۔ عامی فارغ کا دستور العمل

ایسے شخص کا بھی وہی دستور العمل ہے جو اوپر بیان کیا گیا مگر اتنی باتیں اور زیادہ ہیں کہ کچھ دنوں فراغت کے ساتھ اپنے پیر کے پاس جا کر رہے اور ویسے اپنے گھر ہی پر رہے مگر بے ضرورت شدید لوگوں سے ملنا جلنا نہ رکھے اور زبان کی بہت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حفاظت کرے۔ جھوٹ، غیبت وغیرہ قطعاً نہ ہونے پائے۔ نماز با جماعت پڑھے اور
اور فرصت کے وقت قرآن شریف کی تلاوت کرتا رہے اور مناجات مقبول کی ایک
منزل پڑھ لیا کرے۔ نفل نماز بھی پڑھا کرے، استغفار اور درود شریف پڑھتا رہا
کرے اور دین کی کتابیں پڑھے یا کسی سے سُنا کرے، اور اگر کہیں قریب کوئی اللہ اللہ
کرنے والا ہو تو اس کی خدمت میں اپنا وقت صرف کرے اس سے دل میں نور
بھی پیدا ہوتا ہے اور اپنی بڑائی بھی دل میں نہیں آتی۔ کبھی کبھی نفل روزہ بھی رکھ لیا
کرے اگر اس کا پیر یا کوئی اللہ والا ایسے شخص میں شوق دیکھے اور اس کو اس قابل سمجھے تو
تین ہزار سے چھ ہزار تک ذکر اللہ اللہ کا تنہائی میں بیٹھ کر ہلکی آواز سے پڑھنے کو
بتادے اس سے زیادہ مناسب نہیں۔ باقی دوسرے وظیفے اور نفلیں جس قدر چاہے
پڑھے۔

۳۔ عالم مشغول کا دستور العمل

جس وقت سکون حاصل ہو اور معدہ میں ہلکا پن ہو ایک وقت مقرر کرکے
بارہ ہزار سے لیکر چوبیس ہزار تک تنہائی میں بیٹھکر ذکر اللہ اللہ باوضو ہو کر ہلکی
آواز اور ہلکی ضرب کے ساتھ کر لیا کرے اور تہجد کی پابندی کرے اور کسی وقت
قرآن مجید کی تلاوت اور مناجات مقبول عربی عبارت کی پڑھا کرے اگر مدرّس ہو
تو بہتر ہے ورنہ تھوڑا وقت علم دین سکھانے میں صرف کرے اور کبھی کبھی ضروری ضروری
دین کی باتوں پر وعظ بھی کہا کرے۔

۴۔ عالم فارغ کا دستور العمل

چند روز جس قدر موقع میسر ہو شیخ کی خدمت میں رہ کر ذکر میں مشغول رہے
اور اس کے لئے اذکار میں اس قدر کافی ہے کہ بعد نماز تہجد بارہ تسبیح پڑھے یعنی :۔
لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ دو سو بار (چند بار کے بعد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بھی ایکبار کہے) اور اِلّا اللّٰہُ چار سو بار اور اَللّٰہُ اَللّٰہُ (پہلے اللہ پر پیش دوسرا ہائے ساکن) چھ سو بار اور صرف اللہ اللہ سو بار۔ یہ تیرہ تسبیح ہیں مگر اصطلاح میں بارہ کہلاتی ہیں۔ ان میں خفیف سا جہر اور معتدل ضرب قلب پر کرے۔ مگر جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں ہے، ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے۔ اور حدیث میں جو وارد ہے اربعوا علیٰ انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبًا (بخاری شریف) میرے نزدیک اسی اعتقاد کی نہی پر محمول ہے اور بعض نے جہر مفرط کو اس کا محل بنایا ہے جس سے دوسرے لوگوں کو اذیت نہ ہو مثلاً سونے والوں کو تشویش ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے منع کرنے کی بھی یہی توجیہات ہیں ورد جہر فی نفسہ جائز ہے جیسا بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رفع الصوت بالتکبیر کا نماز سے فارغ ہونے کی علامت ہونا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور سنن میں وتر کے بعد سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ میں رفع صوت مروی ہے اور حکمت جہر میں یہ سمجھی گئی ہے کہ اس میں وساوس وخطرات کم آتے ہیں کیونکہ اپنی آواز جو کان میں آتی رہتی ہے قلب آسانی سے ادھر متوجہ رہ سکتا ہے، سو یہ فائدہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے۔ اسی طرح ضرب بھی قربت کا سبب نہیں ہے اس میں بھی ایسی ہی حکمت طبیعہ ہے وہ یہ کہ حرکت عنیفہ سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے رقت اور رقت سے تاثر اور تاثر معین ہوتا ہے۔ اطاعت و محبت میں اور وہ مقاصد میں سے ہیں پس صرف ذریعہ مقصود ہونے سے مقصود بالغیر بن جاتا ہے لیکن زیادہ ضرب سے قلب میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے لہذا اعتدال سے تجاوز نہ کرے یہ تو اس کے متعلق تحقیق علمی ہے اور ایک امر عملی اس میں قابل تنبیہ ہے۔ وہ یہ کہ اکثر کتب فن میں اس ذکر کے ساتھ گردن کو داہنے اور بائیں لے جانے کو لکھا ہے سو جان لینا چاہئے کہ پہلے لوگوں کے مزاج اور دماغ قوی تھے وہ اس کے متحمل

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہوتے تھے بلکہ بوجہ قوت مزاج کے وہ بغیر اس کے متاثر نہ ہوتے تھے۔ اس سے ان کو اس کی ضرورت بھی اب خود ضعف غالب ہے۔ تھوڑے فعل سے قلب متاثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے ایسا نہ کیا جاوے ورنہ دماغ کے ماؤف ہونے کا اندیشہ ہے۔ صرف اسی قدر کافی ہے کہ لَآ اِلٰـهَ کے ساتھ سارے بدن کو تدریجاً داہنی طرف ذرا حرکت دیدیں اور اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ بائیں طرف لے آئیں اور یہ بھی محض اس لئے ہے کہ بدن کو ایک حالت پر قائم رکھنے میں تکلیف اور قید ہے اس حرکت سے قدرے سہولت ہو جاتی ہے ورنہ اس کی بھی حاجت نہیں اور ضرب کے وقت بھی گردن کو جھٹکا دینے کی ضرورت نہیں صرف مخرج پر آواز کا زور ڈالدینا کافی ہے جگہ کے قریب ہونے کے سبب سینہ پر اس کا اثر پہنچ جاوے گا۔ علیٰ ہذالقیاس بقیہ اذکار میں بھی ضرب اسی طور پر کرے اور بدن کو حرکت دینا اس سے بھی کم کافی ہے۔ یہ کلام تمامتر بارہ تسبیح کے متعلق تھا۔

اس ذکر کے بعد اگر نیند کا تقاضا ہو تو ذرا سو جائے ورنہ خواہ ان اذکار میں سے کسی خاص ذکر کو اور زیادہ کرے، یا یونہی فارغ رہے۔ پھر بعد نماز صبح تلاوت قرآن پاک اور ایک منزل مناجات مقبول پڑھنے کے بعد بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جس قدر سہل ہو، اسم ذات (اللّٰہ) خفیف جہر اور معتدل ضرب سے خلوت میں بیٹھ کر کرے اور دوپہر میں قیلولہ کرے، پھر بعد نماز ظہر اسی طرح بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک سہولت کے ساتھ ذکر کرے۔ یہ ذکر عصر تک کرے اور عصر کے بعد اگر شیخ فارغ ہو تو مغرب تک اس کی خدمت میں رہے اور اگر فارغ نہ ہو، یا وہاں موجود نہ ہو، یا خود زیادہ اشتیاق نہ ہو تو باہر میدان۔ باغ و نہر ندی وغیرہ کی سیر کو چلا جائے۔ اگر شیخ موجود ہو تو اس سے اجازت لے کر جائے اور اسی وقت میں کبھی کبھی عام مسلمانوں کی قبروں پر یا اولیائے کرام کے مزاروں پر ہو آیا کرے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

پھر بعد مغرب گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک دلچسپی ہو خلوت میں بیٹھکر مراقبۂ موت اور مابعد الموت اور یوم حساب کا کرے کہ یہ واقعات اس طرح ہوں گے بلکہ یہ تصور کرے کہ یہ سب ہو رہا ہے۔ کثرتِ ذکر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس مراقبہ سے دنیا سے نفرت پیدا ہو گی۔ پھر یہی محبت اور نفرت اس کو کامیاب بنانے کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوں گی اور بقیہ اوقات میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتا رہے یا اور جس ذکر سے دلچسپی ہو۔

پاس انفاس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی دم غفلت میں نہ گزرے۔ خواہ کوئی ذکر اپنا معمول بنالے۔ پاس انفاس کے مشہور معنی اس ذکر کی حقیقت نہیں بلکہ وہ بھی ایک طریق ہے جس طرح ذکر کے دوسرے طریقے ہیں۔ پھر اگر اس ذکر کے وقت قلب میں جمعیت و خشوع معلوم ہو اور وہ روزانہ بڑھتی جائے اور وساوس و خطرات میں کمی ہونے لگے اور ذکر میں دل لگا کرے تب تو میرے نزدیک اشغال کی حاجت نہیں۔ تقویٰ کا اختیار کرنا اور یہ ذکر اور یہ مراقبہ بہت کافی ہے۔ عمر بھر اس پر مداومت رکھے۔ آخرت میں تو ثمرہ یقینی ہے اور اصل وعدہ عطائے ثمرہ کا آخرت ہی میں ہے لیکن دنیا میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو اس کے قلب پر عجیب عجیب علوم و معارف وارد ہوں گے۔

بینی اندر خود علوم انبیاء — بے کتاب و بے معید و اوستا

اور واردات غریبہ اور مواجید مثل ذوق و شوق۔ محبت و انس و ہیبت و انکشافات اسرار احکام و حسن معاملہ فیما بینہ وبین اللہ اور تنبہ علی ما یصلح للتنبہ و امثالہا فائض ہوں گے جن کی لذت کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہے۔

یہ امور حالات کہلاتے ہیں۔ چونکہ اول تو ہر شخص کو جلد احالات پیش

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

آتے ہیں ان کا احاطہ وضبط مشکل ہے دوسرے بعض کچھ امور معالجات کے متعلق ہوتے ہیں جو بہت زیادہ نازک ہوتے ہیں جو تحریر میں نہیں آسکتے ایسے وقت میں شیخ کا قریب ہونا ضروری ہوتا ہے وہی ان کو سمجھ سکتا ہے اور جو مناسب حال ہوتا ہے وہ معمولات مقرر کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی منجملہ فوائد صحبت شیخ کے ایک فائدہ ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہیں۔

یہی علوم جن کا اوپر ذکر ہے کشف الہٰی کہلاتے ہیں جن کے مقابل میں کشف کونی نہ اس کی لذت کو پہنچتا ہے اور نہ قرب حاصل ہونے میں کوئی درجہ رکھتا ہے، اور اگر اس کشف الہٰی والے کے متعلق رُشد وہدایت ومشیخت روحانی وتربیت خلق ہوجائے تو اس کو قطب الارشاد کہتے ہیں اور جس کے متعلق امور دُنیاوی ہوجاویں اس کو قطبُ التکوین کہتے ہیں۔

اگر ایک مدت تک ذکر کرنے سے قلب میں یکسوئی وخشوع نہ ہو تو مناسب ہے کہ کوئی شغل بھی کرلیا جائے۔ اشغال بہت ہیں مگر میرے نزدیک سب سے زیادہ سہل اور مفید شغل انحد ہے، اور اچھا وقت اس کے لئے آخر شب ہے بعد بارہ تسبیح کے۔ لیکن حبس دم نہ کرے۔ آج کل بوجہ ضعف دل ودماغ دونوں ماؤف ہوجاتے ہیں۔ آنکھیں صرف ویسے ہی بند کرلے اور کانوں کو انگشت شہادت سے ذرا زور سے بند کرلے اس سے کان میں ایک آواز جس کی کوئی حد نہیں پیدا ہوگی اور غالباً یہی اس کی وجہ تسمیہ ہے کیونکہ 'اَن' لغت ہندیہ میں کلمہ نفی کا ہے یعنی بیحد۔ اور اس آواز کی طرف قلب کو متوجہ رکھے اور زبان سے یا قلب سے اسم ذات (اَللّٰہ) کا وِرد رکھے تاکہ اتنا وقت غفلت میں نہ گزرے، کیونکہ اس صورت (شغل) میں مشغول ہونا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہ آواز نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی صفت تو ہے نہیں، جیسا کہ بعض کو دھوکا ہوگیا ہے بلکہ عالم غیب میں سے کسی مخلوق کی بھی نہیں ہے۔ صرف اسی کے دماغ میں ہوا بند ہوکر گونجنے لگتی ہے باوجود اس کے پھر اس کی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

طرف مشغول کرنا صرف اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ آواز محسوس ہوتی ہے، اور لذیذ ہے بلکہ بعض اوقات اس کے اندر نہایت دلربا اور دلفریب آوازیں پیدا ہوتی ہیں کہ شغل کرنے والے کو محو کر دیتی ہیں اور محسوس اور لذیذ چیز کی طرف پوری توجہ کرنے سے طبعًا دوسرے خطرات ختم ہو جاتے ہیں۔ تو اس سے ذہن کو ایک طرف پوری توجہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ پھر اس شغل کو چھوڑ کر اس توجہ کو مقصود حقیقی کی طرف منصرف کر دیتے ہیں جس کی طرف ابتدا میں غائب عن الحواس ہونے کی وجہ سے متوجہ ہونا۔ احیانًا محتاج تکلف تھا۔ الحاصل، اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ شغل خود ذکر نہیں ہے۔ البتہ معینِ ذکر ہے اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ مامور بہ کا ذریعہ ہے، بلکہ غور کرنے سے سنت سے بھی اس کی اصل نکل سکتی ہے چنانچہ نماز میں سجدے کی جگہ پر نگاہ رکھنا مسنون ہے اور اس میں حکمت خطروں سے نجات اور جمعیت قلب حاصل ہونا ہے واللہ اعلم۔

اور جس طرح اس آواز کا محل دماغ ہے اسی طرح کبھی دوسرے اشغال میں اور کبھی افکار میں بھی مختلف رنگ کے جو انوار نظر آنے لگتے ہیں وہ بھی اکثر دماغی تصورات ہوتے ہیں۔ چنانچہ غیر مشاغل بھی اگر اسی طرح آنکھیں بند کر کے دیکھے تو بعض اوقات اس کو بھی مختلف رنگ نظر آیا کرتے ہیں۔ اس سے کبھی دھوکا نہ کھائے اور نہ ان چیزوں کی طرف کبھی توجہ کرے بلکہ اگر اس سے بھی زیادہ یہ ہو کہ واقعی غائبات کا بھی کشف ہونے لگے، چنانچہ بعض اوقات بوجہ یکسوئی کے ایسا بھی ہو جاتا ہے تب بھی ہرگز ان کی طرف متوجہ نہ ہو نہ ان سے لذت حاصل کرے، خواہ وہ مکشوفات ناسوت کے ہوں یا ملکوت کے، یہ سب غیر مطلوب ہیں بلکہ جیسا کہ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حجاب ظلمانی سے حجاب نورانی زیادہ اشد ہیں۔ طالب کو سب کی نفی کرنا چاہئے اور اس مضمون پر نظر رکھنا چاہئے ؎

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ د باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

اور اگر شیخ کامل کوئی مراقبہ یا شغل مناسب تجویز کرے اس کا اتباع کرے لیکن اشغال میں شغل رابطہ و تصور شیخ اور دیگر مراقبات میں مراقبۂ وحدۃ الوجود بوجہ اس کے کہ اکثر خواص کو بھی مضر ہے، متروک ہے۔ قولہٗ تعالےٰ :-

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما ؕ
(البقرہ۔ رکوع ۲۷)

لوگ آپ سے شراب و قمار کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں اور (وہ) گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

پھر ان اذکار و اشغال سے جو وقت بچے اس میں کچھ نہ کچھ ذکر زبان سے توجہ قلب کے ساتھ جاری رکھے۔ خواہ درود شریف اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر ہے خواہ استغفار۔ خواہ کلمہ طیبہ۔ خواہ کوئی اور ذکر جس سے دلچسپی ہو اور ان اوقات میں صرف ذکر قلبی پر اکتفا نہ کرے کیونکہ اس میں اکثر دھوکا ہوتا ہے کہ اپنی غفلت کا احساس نہیں ہوتا یا اس سے بڑھ کر یہ کہ غفلت کو کبھی استغراق و محویت سمجھ جاتا ہے جو صریحاً نقصان ہے اور دو چیزوں سے بچنے کا ہر وقت خیال رکھے۔ ایک غفلت جس کا علاج ذکر ہے جیسا ابھی بیان ہوا۔ دوسرے معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ قلب سے ہو یا زبان سے۔ یا ہاتھ پاؤں آنکھ کان سے۔ غفلت سے قلب کی نورانیت برباد ہو جاتی ہے اور معصیت سے علاوہ نور قلب فوت ہونے کے مقبولیت عند اللہ بھی زائل ہو جاتی ہے اور یہ بڑا خسارہ ہے اور اگر احیاناً غفلت سے یا نفس کی شرارت سے کوئی معصیت قولی یا فعلی سرزد ہو جائے تو فوراً نہایت ندامت اور عاجزی سے استغفار و توبہ کرے۔

اسی طرح بعض غفلت بھی خصوصیت کے ساتھ زیادہ مضر ہے یعنی وہ غفلت جس کا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سبب دنیوی تعلقات ہوں کیونکہ ایسی غفلت تجدید ذکر سے بھی ختم نہیں ہوگی۔ بار بار قلب اس طرف کشش کرے گا اور منجملہ اس دستور العمل کے ایک امر یہ بھی ہے کہ جب تک ایسے شخص کو جس کے متعلق ذکر ہو رہا ہے کسی قدر رسوخ و استحکام کے ساتھ نسبت باطنی نصیب نہ ہو جائے۔ اس وقت تک نہ تو وہ افادۂ باطنی میں مشغول ہو، نہ افادۂ ظاہری میں، یعنی نہ طلباء کو پڑھائے نہ عوام میں وعظ کہے، نہ تعویذ گنڈے کا شغل کرے، نہ پیری مریدی کرنے لگے۔ بلکہ کچھ عرصہ تک بالکل گمنامی کی زندگی بسر کرے۔ (جب تک ان باتوں کا شدید تقاضا نہ ہو)

اور علامت حصول نسبت باطنی کے دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر اور یادداشت کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہو اور اس میں زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے۔ دوسرے یہ کہ اطاعت حق یعنی اتباع احکام شرعیہ کی عبادات میں معاملات میں۔ اخلاق میں۔ اقوال میں اور افعال میں اس کو ایسی رغبت ہو جائے اور منہیات و مخالفات سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی مرغوبات و مکروہات طبیعہ میں ہوتی ہے اور حرص دنیا کی قلب سے نکل جائے۔ کان خلقہ القرآن اس کی شان بن جاوے۔ البتہ کسل عارضی یا کوئی وسوسہ جس کے مقتضا پر عمل نہ ہو اس رغبت و نفرت کے منافی نہیں۔ اور یہی درجہ یادداشت اور فرماں برداری کا جو علامت ہے۔ نسبت باطنی کی اثر حاصل ہے محبت حق کا۔ اور اگر حصول نسبت کے ساتھ کچھ علوم و اسرار بھی قلب پر وارد ہونے لگیں تو یہ شخص عارف کہلاتا ہے۔ اب بعد حصول نسبت کے درس و وعظ یا تصنیف و تالیف کا مضائقہ نہیں بلکہ یہ خدمت دین افضل العبادت ہے۔ اور اگر شیخ تعلیم و تلقین۔ اذکار اور بیعت کرنے کی بھی اجازت دے تو بندگان خدا سے یہ افادہ بھی دریغ نہ کرے لیکن ہمیشہ اپنے کو خادم خلق سمجھے۔ مخدوم نہ سمجھے اور اگر اجازت نہ دے تو ہرگز ایسی جرأت نہ کرے اور نہ از خود درخواست اجازت حاصل کرنے

کی کرے کہ یہ محض ہوس ہے۔ ایسی رعایتی اجازت معتد بہ نہیں۔ بلکہ بڑے بننے سے چھوٹا رہنا بدرجہا اسلم ہے۔ البتہ حکم ہو جانے پر اس کے خلاف کرنا مناسب نہیں ورنہ آگے سلسلہ ہی نہ چلتا لیکن یہ احتیاط بھی لازمی شرط ہے کہ مریدوں سے مال حاصل ہونے کا منتظر اور متوقع نہ رہے بلکہ اگر مرید کچھ نذرانہ وغیرہ دینے کا ارادہ بھی کریں تو بیعت کرنے کے وقت تو ہرگز قبول نہ کرے کہ یہ صورت مبادلہ و معاوضہ کی ہے (جو غیرت دین کے خلاف ہے) ہاں کسی اور دوسرے موقع پر اگر بطیب خاطر اپنی حلال کمائی میں سے گنجائش کے موافق دیں جس سے ان پر کوئی بار یا گرانی نہ ہو تو ایسی صورت میں ہدیہ قبول کر لینا مسنون ہے اور انکار کرنا ایک مسلمان کی دل شکنی کا باعث ہے اور حق تعالیٰ کی ناشکری ہے گو اس ہدیہ کی مقدار بہت ہی کم ہو اس کو قبول کر لے اور اگر وہ لوگوں کے سامنے بھی دے جب بھی ننگ و عار نہ کرے کہ یہ شعبہ تکبر کا ہے۔ (قصد السبیل)

طریق ذکر دوازدہ ۱۲ تسبیح

بعد نماز تہجد کے توبہ و استغفار۔ عجز و انکسار سے کر کے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا بحضور قلب پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِيْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ ط

تین بار یا سات بار تکرار کرے اور گیارہ بار استغفار اور گیارہ بار درود شریف پڑھ کر چار زانو بیٹھے اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے سے اور جو انگلی اس کے پاس ہے اس سے رگ کیماس کو جو بائیں زانو کے اندر ہے محکم پکڑے اور کمر کو سیدھی رکھے پھر دلجمعی سے ہیبت و حرمت اور تعظیم تمام کے ساتھ خوش الحانی سے ذکر شروع کرے اس کے بعد اعوذ اور بسم اللہ باخلاص تمام تین بار کلمہ طیبہ اور ایکبار کلمہ شہادت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

پڑھ کر سر کو قلب کی طرف جو زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت کے واقع ہے جھکا کر کلمہ لَا کو قوت اور سختی سے دل کے اندر سے کھینچے اور اِلٰہَ کو داہنے مونڈھے پر لے جاکر سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصور کرے کہ غیر اللہ کو دل سے نکال کر پس پشت ڈال دیا اور سانس کو چھوڑ کر لفظ اِلَّا اللّٰہُ کو زور اور سختی سے دل پر ضرب مارے اور تصور کرے کہ عشق اور نور الٰہی کو دل میں داخل کیا۔ اسی طرح اس نفی و اثبات کو فکر و ملاحظہ اور واسطے کے ساتھ دو سو بار کہے اور اس ذکر میں نو بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلے اللہ علیہ وسلم) کہے۔ بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے لیکن مبتدی کلمہ لَآ اِلٰہَ میں لَا معبود خیال کرے اور متوسط لَا مقصود خیال کرے اور منتہی لَا موجود ملاحظہ کرے، اس کے بعد لمحہ دو لمحہ مراقب ہو کے تصور کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آتا ہے۔

پھر دو زانو بیٹھے اور کمر سیدھی کرے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر لفظ اَللّٰہ اَللّٰہ کو اعتدال کے ساتھ دل پر ضرب کرے۔ اس کو چار سو بار دما دم کر کے پھر بطور سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے اور لمحہ دو لمحہ مراقب رہے۔ پھر ذکر اسم ذات اَللّٰہُ اَللّٰہُ کا کرے۔ اس طرح کہ اول حرف اللہ کی ہائے کو پیش اور دوسرے لفظ اللہ کی ہاے کو ساکن کرے یعنی جزم دے اور آنکھیں بند کر کے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لا کر لفظ مبارک اَللّٰہُ اَللّٰہُ کی دونوں ضرب جہر اعتدال سے دل پر مارے۔ اس ذکر اسم ذات دو ضربی کو چھ سو بار دما دم کرے لیکن دسویں، گیارھویں بار اَللّٰہُ حَاضِرِیْ وَاللّٰہُ نَاظِرِیْ اَللّٰہُ مَعِیْ۔ مع ملاحظہ معنی کے کہتا رہے، تاکہ کیفیت اور لذت ذکر کی اور دفع غفلت و خواب حاصل ہو۔ بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایکبار کلمہ شہادت کہے اور پھر اسی طرح سر کو داہنے مونڈھے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کی طرف موڑ کر لفظ مبارک اَللّٰہ کو دمادم سو بار کہے۔ بعدہٗ تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمۂ شہادت کہکر درود شریف اور استغفار گیارہ گیارہ بار پڑھ کر دعا ملنگی اور مناجات کرے۔ (تعلیم الدین)

تشریح

دوازدہ تسبیح کے ذکر کا مذکورہ بالا طریقہ ان لوگوں کے لئے ہے جو عالم ہوں اور فارغ ہوں یعنی ان کے ذمے کسب معاش وغیرہ کی پابندی نہ ہو۔ لیکن غیر عالم بھی یا ایسے عالم جن کو فرصت نہو ان کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مذکورہ طریقے ہی سے ذکر کریں بلکہ ذکر دوازدہ تسبیح سکون سے بیٹھ کر، ہلکی آواز سے بغیر کسی لہجے کے کرسکتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح بھی اس کا نفع ہوگا۔

ہر وقت کا معمول

ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھتے رہیں، اور کبھی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی پڑھا کریں۔ بس ہر وقت ذکر ہی کا دھیان رکھیں اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھیں۔ یہ مذکر ہے اس سے ذکر یاد رہتا ہے (کمالات اشرفیہ)

ابتدا میں اسم ذات (اَللّٰہ اَللّٰہ) کی کثرت، دوسرے اذکار و اشغال سے زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ زیادہ قرب لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ میں ہے کہ یہ ماثور ہے۔ اور دوسرے اذکار اِلَّا اللّٰہ یا اَللّٰہُ اَللّٰہُ یکسوئی کی مصلحت کے لئے تجویز کئے جاتے ہیں۔ واقعی ذکر ماثور لوگوں کے طبائع کے زیادہ موافق ہے۔ اس لئے اس میں سب سے زیادہ نفع بھی ہے۔ (کمالات اشرفیہ۔ انفاس عیسیٰ)

ذکرِ جلی و خفی کے معنی

سوال:۔ ذکرِ جلی اور ذکرِ خفی کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جواب:۔ بعض کی اصطلاح میں ذکر قلبی کو خفی اور ذکر لسانی کو جلی کہتے ہیں اور بعض کی اصطلاح میں ذکر لسانی کے جہر کو جلی اور غیر جہر کو خفی کہتے ہیں اور طریقے دونوں کے کتب سلوک میں مذکور ہیں مگر بغیر تعیین شیخ کے خود کسی طریق کا اختیار کرنا مفید نہیں ہوتا۔ (تربیت السالک حصہ دوم)

سلطان الاذکار کے آثار

حال:۔ نماز پڑھنے کے وقت میں خصوصاً نماز مغرب میں۔ زیادہ تر التحیات میں قلب سے ایک قسم کی کشش پیدا ہو کر بدن میں لرزہ آجاتا ہے۔ اکثر وقت ذکر جاری ہوجاتا ہے قلب سے کبھی زبان سے بھی ذکر جہر جاری ہوجاتا ہے۔ اکثر اس قسم کی کشش سی محسوس ہوتی ہے۔

تحقیق:۔ مبارک ہو۔ یہ آثار غلبۂ ذکر کے ہیں جس کو اصطلاح میں سلطان الذکر کہتے ہیں اور نماز کے متصل ایسا ہونا علامت ہے نماز کے ساتھ مناسبتِ تامہ ہوجانے کی۔ یہ دوسری کیفیت محمودہ مقبولہ ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت و استقامت عطا فرما دیں۔ (تربیت السالک حصہ اول)

ذکر شمار کے ساتھ اور بے شمار میں فرق

حال:۔ نماز تہجد کے بعد ذکر میں مشغول ہوجاتا ہوں۔ شمار یاد نہ رہنے سے کچھ حرج تو نہیں ہے جو مقصود ہے رضائے حق وہ تو بہر حال حاصل ہوگی خواہ شمار سے ہو یا بلا شمار البتہ دل میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے جتنی دیر بلا شمار پڑھتا ہوں اتنی دیر اگر شمار سے پڑھتا ہوں تو اس میں کچھ اور ہی بات ہوتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے۔ بات تو ایک ہی ہے چاہے شمار سے پڑھی جائے یا بے شمار پڑھی جائے۔

جواب:۔ شمار یاد نہ رہنے میں کوئی حرج نہیں اور شمار میں زیادہ اثر ہونا یہ خاصہ ہے بعض طبائع کا ان سے تسلی ہوتی ہے کہ ہم نے اتنا کام کرلیا اور پریشانی نہیں ہوتی اور بے شمار

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

پڑھنے میں خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے کچھ معتد بہ مقدار تک پہنچا یا نہیں، اور پریشانی نہ ہونے سے خاص آثار پیدا ہوتے ہیں اور بعض کو شمار نہ کرنے سے محویت ہوتی ہے، اور شمار کرنے سے خیال اِدھر اُدھر مشغول رہتا ہے۔ غرض یہ طبائع کا اختلاف ہے جس کا کوئی حرج نہیں۔ (تربیت السالک حصہ اول)

ذکر میں دل نہ لگنا

حال :۔ حسب ارشاد حضور اور دعا کی برکت سے اسم ذات روزمرہ چھ ہزار پڑھتا ہوں۔ مگر خیالات بجا نہیں رہتے اور وسوسے بہت آتے ہیں۔ طبیعت گھبراتی ہے اور کسی عبادت اور ذکر میں، جیسی کہ پہلے حالت تھی وہ اب نہیں ہے، نہ لذت ہے نہ دل کا لگاؤ۔ بعض وقت دین و دنیا کے خسارے کا پورا اندیشہ ہو جاتا ہے۔ سخت پریشان ہوں اگر یوں ہی حالت رہی تو آخر وقت کی کیفیت کیا ہوگی ؟

جواب :۔ یہ تلوین کے آثار ہیں۔ نیز دنیاوی امور کی وجہ سے دل کا پریشان ہونا اس کا سبب ہو جاتا ہے۔ کیفیات و لذت کی طرف التفات نہ کریں۔ خود عمل کو مقصود سمجھ کر کرتے رہیں۔ انشاء اللہ محرومی نہ رہے گی۔ ثمرات پر نظر کرنا پریشانی کا اصل سبب ہے۔ یَا بَاسِطُ بعد عشاء ایک ہزار مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

دوسری جگہ اسی طرح کے مضمون کا یہ جواب دیا گیا۔

پریشان نہ ہوجئے اگر دل نہ لگے تو بے دل لگے ہوئے معمول ادا کر لیا کیجئے، اور اگر پورا نہ ہو سکے تو تھوڑی مقدار میں کر لیا کیجئے۔ بالکل ناغہ نہ کرنا چاہئے۔ تھوڑا سا بھی ہوتا رہے تو برکت رہتی ہے۔ کم و بیش کا خیال نہ کیجئے۔ جتنی کمی ہو جائے اس کا تدارک استغفار سے کر دیا کیجئے۔ پریشان ہرگز نہ ہوں اس سے ہمت اور بھی ضعیف ہو جاتی ہے۔ (تربیت السالک حصہ اول)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ذکر کے نافع ہونے کی ضروری شرط

حضرت والاؒ ذکر کے نافع ہونے کی ایک یہ بھی نہایت ضروری شرط بڑے اہتمام سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ خالی الذہن ہو کر محض تعداد ہی پوری کرنے کی نیت سے نہ کرے بلکہ اس نیت سے کرے کہ مجھے اس سے نفع اور برکت حاصل ہو اور برابر یہی نیت رکھے لیکن نفع کے حصول کی نگرانی اور انتظار میں نہ رہے کہ یہ موجب تشویش ہونے کے سبب مضر ہے۔ لوگ جو اکثر برکاتِ ذکر سے محروم رہتے ہیں اس کی یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ نفع اور برکت کی نیت سے ذکر نہیں کرتے۔ (اشرف السوانح ص۲۱۶ حصہ دوم)

مقدار ذکر

ملفوظ:۔ فرمایا کہ اپنے ذمّے تو ذکر کے لئے صرف اتنی ہی مقدار رکھے جس پر دوام ہو سکے۔ باقی جب فرصت اور نشاط دیکھے تو زیادہ کرلے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ناغہ کی بے برکتی اور قلق سے حفاظت رہے گی اور یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں اور جب کبھی زیادہ کی توفیق ہوگی تو مسرت ہوگی اور ہمت بڑھے گی۔ (اشرف السوانح)

انوار و کشف قابل التفات نہیں

حال:۔ بارہ ہزار بار اسم ذات پڑھتا ہوں بارہ تسبیح صبح کو پڑھتا ہوں۔ دعا فرمایئے کیونکہ تہجد میں مجھ کو نیند آجاتی ہے۔ جب حضرت کا والا نامہ صادر ہوتا ہے تو قلب میں خاص کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ روشنی رات کو کبھی زرد معلوم ہوتی ہے اور کبھی سُرخ اللہ اللہ کرنے پر بھی معلوم ہوتی ہے، اور دن میں بھی معلوم ہوتی ہے اور میرے قلب میں تو نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت میری طرف توجہ فرماتے رہئے۔ چھ ماہ سے محنت کرتا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہوں، اور حضرت کی اجازت سے کر رہا ہوں۔ ایک شخص کا مرنا مجھ کو قبل ہی معلوم ہو گیا تھا
میں ہر چند تردید کرتا ہوں لیکن قلب میں انکشاف ہو جاتا ہے۔

تحقیق :۔ معمولات کافی ہیں فی الحال تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں ایسے انوار گاہے ملکوتی ہوتے ہیں مگر اکثر ناسوتی اشتغال و اختلاط سے ہوتے ہیں اور دونوں حالتیں قابل التفات نہیں گو نافع ہیں پس خدا تعالےٰ کا شکر ادا کیا جاوے مگر کمال نہ سمجھا جاوے اور کشف تو ناقص کے لئے فتنہ ہے ہرگز اس طرف التفات نہ کریں بلکہ اس کو مضر سمجھیں اور اس پر ناز یا نظر نہ کریں۔ ذکر کی مشغولی سے اس کو مغلوب کر دیں۔ معلوم ہوتا ہے تم کو اس پر ناز ہے۔ (تربیت السالک ص۵۷۷)

انوارِ ذکر

ملفوظ :۔ فرمایا کہ اذکار و اشغال میں جو انوار وغیرہ منکشف ہوتے ہیں اور اپنی دلکشی سے سالک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں وہ مانع وصول الی المقصود الحقیقی ہوتے ہیں۔ سالک کو ان کی طرف ہرگز التفات نہ چاہیئے۔ مرشدی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ حجابات نورانیہ اشد ہیں حجابات ظلمانیہ سے
(اصول الوصول ص۴، اشرف المسائل)

آثارِ ذکر

سوال :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اگرچہ ہم ذکر برابر کئے جا رہے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ حضور نے ذکر جہر ارشاد فرمایا ہے یا کیا اور ہم ابھی تک برابر ذکرِ جہر کئے جا رہے ہیں اور وہی حالت ہے لیکن نور نیلگوں بہت کثرت سے ظاہر ہوتا ہے۔
اور حضور نے جو ذکر تعداد بارہ ہزار ارشاد فرمایا تھا وہی برابر کرتا ہوں۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جواب :۔ عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے، آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ یہ نور رنگوں وغیرہ اہل طریقت کے نزدیک انوار لطائف کے ہیں جو ذکر سے منور ہو جاتے ہیں۔ گو یہ مقصود نہیں مگر علامت محمود ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز ثمرات نیک مرتب ہوتے رہیں گے حتیٰ کہ مقصود حقیقی تک وصول میسر ہو جاوے گا اپنے کام میں لگے رہیں۔ ان حالات میں غور و فکر نہ کریں کہ یہ کیا چیز ہے کیا بات ہے سب سے قطع نظر کر کے ذکر کو مقصود سمجھنا چاہیئے اگر فرصت ہو تو چھ ہزار مرتبہ ذکر کر لیا کریں۔ (التکشف)

ذکرِ لسانی کی ضرورت

حال :۔ اب اس کے بعد معمولات میں صرف دعائیں رہ جاتی ہیں وہ بہت جمع ہو گئی ہیں۔ اور اکثر ہر وقت کی نماز کے بعد کرتا ہوں۔ بجز عصر کے کہ اس وقت حزب البحر کا معمول ہے۔ دیگر اذکار کی طرح یہ دعائیں بھی عجلت و وحشت ہی کے ساتھ پوری ہوتی ہیں۔ خیال ہوتا ہے گھٹا دوں یا سب کا ہر وقت کی نماز میں التزام نہ کروں۔ مگر اندیشہ یہی ہے کہ چاہے جتنی گھٹا دوں مگر ابتہال و تضرع ان میں بھی نصیب ہونا مشکل ہو گا یا زیادہ سے زیادہ دو چار دن کچھ اثر ہو گا۔ دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ تو کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔

تحقیق :۔ جب عبد اس کا مکلف ہی نہیں تو پھر مشقت میں پڑنے کی کیا ضرورت۔ کہیں اس مشقت کی تحصیل میں اصل ہی کی تعطیل نہ ہو جائے۔

تربیت السالک حصہ دوم صفحہ ۳۸۴ - ۳۸۵)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اسمائے مفردہ کا ذکر تو کہیں کسی حجت سے منقول نہیں

حال :۔ حدیث شریف میں تو افضل الذکر لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہ ہے۔ لیکن کلام مجید میں بجائے اس کے ذات اور اسم کا ذکر منصوص معلوم ہوتا ہے حالانکہ علماء کی ایک جماعت اس کو غیر مسنون قرار دیتی ہے۔ پہلے مجھ کو بھی یہی حق معلوم ہوتا تھا۔ اب شبہ ہوتا ہے کہ وَاذْكُرُوا اللّٰہَ كَثِیْرًا اور وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ کا کم از کم ایک مطلب تو اللہ اللہ کا ذکر بھی ہو سکتا ہے۔

تحقیق :۔ اگر یہ ہوتا تو کہیں تو کسی حجت سے منقول ہوتا۔

حال :۔ اسمائے حسنیٰ کے متعلق مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ کی روایت سے بھی اس کی تائید معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق :۔ ان نصوص میں ہیئت ذکر تو نہیں معلوم ہوتی اس لئے دوسرے نصوص میں اس کی تفسیر ڈھونڈی جائے گی۔ جیسے اجمالی ارشاد ہے وَاعْبُدُوْا رَبَّكَ اور اس کی ہیئت کے لئے دوسرے نصوص کی حاجت ہے۔ اس کے بعد خیال آیا کہ حدیث احصاء میں تو تصریح ہے۔ ایسی ہیئت کی جس سے اسمائے مفردہ کے ذکر کا احتمال ہی نہیں رہتا۔ حیث ورد فی الصحیحین وسنن الترمذی بعد ذکر فضل الاحصاء ھو اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم۔ الخ

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۸۳)

ذکر لسانی کو پاس انفاس پر ترجیح ہے

حال :۔ پاس انفاس اور ذکر قلب کو بھی چھوڑا تو نہیں ہے لیکن بیٹھنا آدھ گھنٹہ ہی مصیبت ہو جاتا ہے اس لئے ان دونوں کو ایک گھنٹہ کی مشق میں بعد فجر پورا کرتا ہوں۔

تحقیق :۔ یہ دونوں بہیئت متعارفہ مقاصد میں سے نہیں اس لئے میں اس پر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ذکرِ لسانی کو ترجیح دیتا ہوں۔ مع احضار القلب بقدر الطاقۃ اور اسی کی تعلیم کا معمول کر رکھا ہے الا بعارض خاص اور میرے نزدیک اس عارض سے آپ کا تلبس نہیں لہٰذا آپ کے لئے بھی یہی رائے دیتا ہوں مگر وقت کم نہ ہونے پائے الا ان یضطر الی ذٰلک۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۷۹)

ذکر کے وقت زبان کا بند ہونا کہ یہ گنہگار منہ اور اس سے اسم مبارک ادا ہو، دونوں حالتیں محمود ہیں

حال:۔ الحمد للہ کہ بفضل و توفیقِ الٰہی ذکر جاری ہے، ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ زبان اس خیال سے بند ہو گئی کہ یہ گنہگار منہ اور اس سے یہ اسم اعظم و اقدس ادا ہو۔ پھر یہ کیفیت جاتی رہی۔

تحقیق:۔ دونوں محمود ہیں پہلی کیفیت اس حال کا غلبہ ہے ؎

احب مناجاۃ الحبیب باوجہ
ولکن لسان المذنبین کلیل

اور دوسری کیفیت غلبہ مقام کا ہے اور مظہر ہے اس حقیقت کا ؎

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

والثانی افضل تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۷۷

نماز اور ذکر کے متعلق یہ خیال آنا کہ زیادہ ذکر کی ضرورت نہیں

اس کا علاج

حال:۔ نماز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت بیکار ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ رہے احکام اس کی پابندی کرلی جاوے تو اس میں زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے۔ ان کے لئے علاوہ اور بھی بُرے بُرے خیال آئے اور یہ خیال اب بھی آجاتے ہیں جس کا جواب میری طبیعت یہ دیتی رہتی ہے کہ یہی کیا کم ہے کہ بے فکری اور بخشائش کی امید تو رہتی ہے اور اس فکر میں بہت کچھ گناہوں سے بچت رہتی ہے اب جو کیفیت تھی اور ہے وہ عرض کی۔ جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جاوے۔ کیونکہ گو طبیعت کو سکون ہو گیا ہے مگر طبیعت سست اور مضمحل ہے۔

تحقیق :۔ ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لئے نہیں بلکہ مالک کا حق ہے مملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع اور عنایت ہے۔ (النور شعبان ۱۳۵۳ھ)

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۴۴)

نماز سے مقصود اصلی ذکر ہے

حال :۔ حضرت نے گذشتہ والا نامے میں جو ہدایت فرمائی تھی کہ تمام افعال کے متعلق یہ تصور رکھے کہ سب عنقریب حق تعالےٰ کے اجلاس میں پیش ہوں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نماز کے علاوہ دیگر افعال میں یہ بہت نافع معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت نماز میں اس مراقبے سے جو کچھ خود نماز میں پڑھتا ہوں اس کے معانی سے بے التفاتی ہو جاتی ہے جو طبیعت پر شاق ہوتا ہے۔ پھر بیشی افعال کا معاملہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دور ہے۔ البتہ اس سے کہ حق تعالےٰ دیکھ رہے ہیں ایک فوری ہیبت معلوم ہوتی ہے مگر ہر حال میں جو چیز فہم معانی میں مخل ہوتی ہے وہ باعثِ گرانی ہو جاتی ہے بلکہ خیال ہوتا ہے کہ مقصدِ نماز ہی سے بُعد ہو رہا ہے، بہرکیف جیسا ارشاد ہو۔

تحقیق :۔ قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا اصل

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مقصود خود ذکر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ، و قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ثم علله بقوله وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ، سو حضوری بسیط جس ذریعہ سے بھی حاصل ہو جاوے وہ ذکر کی فرد ہونے کے سبب استحضار مرکب مقصودیت میں اقویٰ ہے البتہ نماز سے باہر خود اس مرکب استحضار میں مقصودیت زیادہ ہے جس کا راز یہ ہے کہ قرأت نماز میں تابع نماز ہے۔ سو نماز کی روح زیادہ قابل اعتناء ہے وَھُوَ الذِّکْرُ اور خارج صلوٰۃ میں وہ قرأت خود مقصود ہے۔ لہٰذا اس کا زیادہ اعتناء کیا جائے گا وھو بالا ستحضار المرکب پس اگر مراقبہ رویت حق لِلْعَبْدِ سے حضوری زیادہ میسّر ہو تو وہ استحضار معانی سے مقدم ہے۔ ھٰذا ذوقی

(النور۔ رجب ۱۳۵۷ھ۔ تربیت السالک حصّہ دوم صفحہ ۲۲۳ - ۲۲۴)

ذکر اور نماز میں فرق کہ ذکر میں بساطت ہے اور نماز میں ترکیب

حال: عرض یہ ہے کہ نماز میں پورا پورا انشاط حاصل نہیں ہوتا۔ جبکہ ذکر کرنے بیٹھتا ہوں تو سرور اور نشاط کی حالت ہوتی ہے۔ نماز میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ تو منافقین کی عادت تھی۔ انہیں بھی نماز میں نشاط نہیں حاصل ہوا کرتا تھا اس کے بعد اپنے دل کو یوں سمجھاتا ہوں کہ مقصود تو احکام کی بجا آوری ہے نشاط مقصود نہیں مگر تاہم جی چاہتا ہے۔

تحقیق: منافقین کا کسل نسادا عتقاد سے تھا اور یہ کسل یا تشتّت طبعی ہے نا این ھٰذا من ذاک باقی وجہ فرق یہ ہے کہ ذکر میں بہ نسبت نماز کے ایک شانِ بساطت کی ہے اور نماز میں بہ نسبت ذکر کے شان ترکیب کی ہے اس لئے ذکر میں اجزائے مختلفہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس لئے یکسوئی جلد حاصل ہو جاتی ہے اور نماز میں توجہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اجزائے مختلفہ کی طرف ہوتی ہے اس لئے تشتت رہتا ہے اس کا علاج یہی ہے کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جاوے جس کی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد رکوع کرنا ہے، رکوع میں اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد قومہ کرنا ہے وعلیٰ ھٰذا۔ بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالذات سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے۔ اسی طرح پھر دوسرے رکن میں الیٰ آخر الصلوٰۃ۔ اگر ایسا کیا جاوے تو نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ ذکر میں گو یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آکر اس یکسوئی کو فوت کر سکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کر کے شغل میں لگ سکتے ہیں اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص ہم کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا۔ نہ خود کوئی کام کر سکتے ہیں۔ ھٰذا الذی کنت ورد علیٰ قلبی فی غرض الظھر وجربتہ فیہ وفی سنۃ البعدیۃ وللہ الحمد۔ (النور ربیع الاول ۱۳۵۳ھ تربیت السالک حصہ دوم صفحہ ۳۴۳-۳۴۴)

ترک مستحبات کا انجام اچھا نہیں

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

سنن زوائد و مستحبات کے متعلق یہ اعتقاد جما ہوا ہے کہ ان کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں گناہ نہیں۔ اس لئے ان کے ناغہ ہونے کو سہل بات سمجھتے ہیں حالانکہ نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن زائدہ اور مستحبات کا یہ حکم قبل شروع عمل کے ہے اور شروع عمل کے بعد ان کا حکم بدل جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حکم تو عین وقت اشتغال کے ساتھ مختص ہے وہ یہ کہ عمل شروع کرنے کے بعد مستحب کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور ایک حکم عام ہے جو وقت اشتغال کے ساتھ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

محقق نہیں وہ یہ کہ جس منتخب کو معمول بنا لیا جائے اور کچھ عرصہ تک اس پر مواظبت
کرلی جاوے اب اس کا ناغہ کرنا اور مواظبت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے اور اس کی
دلیل ایک حدیث بخاری کی ہے جو عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یا عبد اللّٰہ لا تکن مثل
فلان کان یقوم من اللیل ثم ترکہ یعنی اے عبد اللہ تم فلاں
شخص کی طرح نہ ہونا جو رات کو (نماز کے لئے) اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ اس میں
حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی اس حالت پر ناگواری اور کراہت
ظاہر فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک مستحب کو معمول بنا کر ترک کر دینا مذموم و مکروہ ہے۔
اسی لئے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل وغیرہ کا
اتنا ہی پابند ہو جس کو نباہ سکے۔ ورنہ شروع ہی نہ کرے۔ اس سے بڑی بے برکتی
ہوتی ہے اور انسان کی عادت یہ ہے کہ جب ایک کام کا پابند ہو پھر اس میں فتور ہونے
لگے تو اس کا خلل ممتد ہو جاتا ہے چنانچہ اس عمل پر تو پھر عمر بھر بھی پابندی نصیب نہیں
ہوتی اور اس سے گذر کر دوسرے اعمال میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ آج تو تہجد میں
فتور ہے، کچھ دنوں میں صبح کی نماز کی پابندی بھی نہ رہے گی۔ پھر وقت کی پابندی بھی نہ
رہے گی۔ نماز قضا ہونے لگے گی اور سارا فساد ایک مستحب کی پابندی چھوڑنے سے ہوا
اس کے علاوہ ترک پابندی میں ایک اور خرابی اس سے بھی سخت ہے، وہ یہ کہ
شریف طبائع کا خاصہ ہے اور مسلمان سب شریف ہی ہیں کہ جب وہ کسی سے ایک
خاص قسم کا برتاؤ شروع کرتے ہیں تو جب تک اس برتاؤ کا نباہ ہوتا رہے گا اس
وقت تک تو ان کے دل میں تعلق بھی بڑھتا رہتا ہے اور جب وہ برتاؤ چھوٹ
جاتا ہے تو سب سے پہلے اس صاحب برتاؤ ہی کے دل میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے
پھر جب دوسرے کو بھی اس کی رکاوٹ کا احساس ہو جاتا ہے وہ بھی رکنے لگتا ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مثلاً ایک دوست کے ساتھ آپ کا ہمیشہ سے یہ برتاؤ ہو کہ جب آپ اس سے ملنے جائیں کچھ ہدیہ اور تحفہ ساتھ لے جائیں۔ پھر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ خالی ہاتھ چلے گئے تو ہر شخص اپنے دل میں غور کرے کہ اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی یقیناً خالی ہاتھ جاتے ہوئے دل رکے گا اور ایک قسم کی شرمندگی اس پر طاری ہوگی۔ گو دوسرے کو اس کے خالی ہاتھ آنے کی طرف التفات بھی نہ ہوا ہو مگر اس کے دل میں خود بخود یہ وسوسے دوڑیں گے کہ آج میرے خالی ہاتھ آنے سے دوست کو ضرور کچھ خیال ہوا ہوگا، وہ اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ بس اب وہ تعلق نہیں رہا وہ محبت نہیں رہی۔ چاہے اس کے دل میں کچھ خیال بھی نہ آیا ہو مگر وہ اپنے معمول کے خلاف کرنے سے ان اوہام میں ضرور مبتلا ہوتا ہے اور یہ طبعی بات ہے۔ بس رکاوٹ کا بیج تو آج ہی سے بو یا گیا۔ اس کے بعد یہ ہوگا کہ ایک دفعہ تو خالی ہاتھ بھی چلا گیا تھا اب مہینے گذر جاتے ہیں کہ جانے کا نام بھی نہیں لیتا۔ دور ہی سے خط کے ذریعہ سے بات چیت کر لیتا ہے۔ پھر عرصہ کے بعد خط و کتابت کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے اور دوسرے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مجھ سے رکنے لگا۔ اب وہ بھی اس سے رُکنے لگتا ہے اور پھر یہ حالت مبدل بعدم محبت ہو جاتی ہے۔ پھر عدم محبت کے بعد کبھی عداوت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی تہجد یا ذکر و شغل شروع کرتا ہے تو جب تک وہ ان کا پابند رہے اس وقت تک اس کے دل میں حق تعالیٰ سے تعلق اور محبت کی ترقی ہوتی رہتی ہے اور جب پابندی چھوٹی تو پہلے اس کی طبیعت میں افسردگی اور پژمردگی پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ سے اس کو ایک قسم کی ندامت سی آتی ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب حق تعالیٰ کے یہاں میرا وہ مرتبہ نہیں رہا ہوگا جو پابندیٔ اعمال کے وقت تھا یہاں تک کہ بعض دفعہ یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ میں مردود اور مطرود ہو گیا تو پہلے خود اس کے دل میں حق تعالیٰ سے حجاب

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے پھر سچ مچ اُدھر سے بھی بُعد و حجاب ہو جاتا ہے پس ترک معمول سے اول اس کے دل میں افسردگی کا پیدا ہونا یہ پہلا حجاب ہے، اور محبت کا خاصہ ہے کہ اس کو نشاط وانبساط سے ترقی پیدا ہوتی ہے اور افسردگی سے اس میں کمی آتی ہے۔ جب ایک دفعہ دل میں افسردگی اور پژمردگی پیدا ہو جاتی ہے تو تعلق سابق میں ضرور کمی آتی ہے۔ پھر یہ خیال پیدا ہوتا کہ میں مردود و مطرود ہو گیا یہ دوسرا حجاب ہے۔ اس وقت اس کے دل سے محبت نکل جاتی ہے اور قلب خالی ہو جاتا ہے پہلے درجہ میں تو حق تعالیٰ کی طرف سے حجاب نہ ہوا تھا مگر اب ادھر سے بھی حجاب ہو گیا۔ پھر جب مردودیت کا خیال جم کر اس کے قلب سے محبت حق نکل جاتی ہے تو واجبات و فرائض میں بھی کوتاہی کرنے لگتا ہے اور معاصی پر اقدام کرنے لگتا ہے۔ دل میں سمجھتا ہے کہ میں مردود تو ہو ہی گیا۔ پھر لذات میں کمی کیوں کروں۔ یہ تیسرا حجاب ہے، اس سے محبت مبدل بعداوت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بعض اوقات کفر کی سرحد سے قریب ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ایمان سلب ہو جاتا ہے اس لئے مستحبات معمولہ کو ترک کرنا سہل بات نہیں اس کا اثر بہت دور تک پہنچ جاتا ہے۔

اور اس میں راز یہ ہے کہ آدمی جس قدر مستحبات و نوافل زیادہ کرتا ہے وہ اسی قدر مقرب ہوتا ہے۔ پھر تقرب کے بعد حق تعالیٰ سے بے التفاتی کرنا سخت بات ہے۔ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہمارے مذاق کے موافق معاملہ فرماتے ہیں۔ عالم ظاہر عالم غیب کا نمونہ ہے۔ بس جیسے ہمارا مذاق یہ ہے کہ جس کو اپنے سے تعلق زیادہ نہیں ہوتا اس کی بے التفاتی زیادہ ناگوار نہیں ہوتی اور جو تعلق بڑھا کر جو بے التفاتی و بے اعتنائی کرتا ہے اس پر زیادہ غصہ آتا ہے۔ ایسے ہی حق تعالیٰ کے ساتھ جن کو معمولی تعلق ہے ان کی غفلت و بے اعتنائی پر زیادہ قہر نہیں ہوتا، اور جو تعلق بڑھا کر مقرب بن کر غفلت و بے التفاتی کا برتاؤ کرتے ہیں ان پر زیادہ قہر ہوتا ہے۔ بس جو لوگ مستحبات

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ونوافل پر مواظبت کرکے پھر ترک مواظبت اختیار کرتے ہیں وہ درباری بن کر
دربار سے غیر حاضر ہوتے ہیں اور بادشاہ کا درباری اگر دربار سے بلا وجہ بلا عذر
کے غیر حاضر ہونے لگے تو اس پر بہ نسبت غیر درباری کے زیادہ عتاب ہوگا، اور
ترک مواظبت علی مستحبات سے گذر کر وہ فرائض و واجبات میں بھی کوتاہی کرنے
لگے معاصی پر بھی اقدام کرنے لگے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مقرب شاہی بن
کر نافرمانی اور گستاخی کرنے لگے۔ اور ظاہر ہے کہ مقرب کی گستاخی پر جس قدر عتاب
ہوگا ایک غیر مقرب مثلاً دیہاتی یا گنوار کی گستاخی پر اتنا عتاب نہ ہوگا۔ (ماخوذ البدائع)

مسئلۂ ذکرِ جہر و خفی

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
نے مسجد میں اعتکاف فرمایا اور لوگوں کو قرآن پکار کر پڑھتے ہوئے سنا۔ پس آپ نے
پردہ اٹھایا اور فرمایا کہ سن لو۔ تم میں ہر شخص اپنے رب سے عرض معروض
کر رہا ہے (اور وہ آہستہ اور پکار کے ہر طرح سن لیتا ہے) پس ایک
دوسرے کو پریشان مت کرو۔ یعنی قرآن پڑھنے میں یا نماز میں ایک
دوسرے پر آواز بلند مت کرو۔ (ابوداؤد)

ف: اس حدیث میں آپ نے نہی عن الجہر کو معلل فرمایا۔ عدم ایذا کے
ساتھ اس سے دو امر مستفاد ہوئے، ایک یہ کہ ذکر جہر فی نفسہٖ مشروع
ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کی مشروعیت مشروط ہے، اس لئے کہ
کسی کو ایذا اور تشویش نہ ہو۔ بس اس میں فصل ہے درمیان افراط
تفریط کے، اس مسئلہ میں جو اس وقت واقع ہو رہے ہیں کہ بعضے
مطلقاً جہر بالذکر کو خلاف سنت کہتے ہیں اور بعضے اس پر اس قدر
مصر ہیں کہ گو اہل محلہ کو تکلیف ہو۔ نیندیں برباد ہو جائیں۔ نمازیں بھولنے
لگیں لیکن وہ اس طرف اصلاً التفات نہیں کرتے۔ اصل یہ ہے کہ
عبادت مقصودہ تو نفس ذکر ہے، اور جہر فی نفسہٖ عبادت نہیں مگر
اس میں بعض مصالح ہیں۔ تاثر قلب۔ تقلیل خطرات و نحوذالک
لیکن اگر کسی کو ایذا پہنچے تو ایذا رسانی سے جو مضرت باطنی ہوتی ہے
وہ اس مصلحت سے زیادہ اشد ہے لہٰذا اس وقت اخفاء ضروری ہے
رہا یہ کہ اگر مفاسد و مصالح دونوں قسم کے عوارض نہ ہوں۔ تو
فی نفسہٖ جہر اولیٰ ہے یا خفی تو احادیث سے اولیت خفی کی معلوم
ہوتی ہے۔ (التکشف)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ریاضت و مجاہدہ کا بیان

عن فضالۃ الکامل قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المجاھد من جاھد من نفسہ فی طاعۃ اللّٰہ۔

(رواہ البیہقی)

حضرت فضالہ کامل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے روایت کیا اس کو بیہقی نے (مشکوٰۃ شریف)

مجاہدۂ نفس کو بزرگوں کے ملفوظات میں "جہاد اکبر" کہا گیا ہے۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کی ترکیب المجاھد الخ جس سے ظاہراً حصر جنس مستفاد ہوتا ہے جو حصر کمال کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ کما لا یخفی علیٰ اھل العلم (ترجمہ:۔ جیساکہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں) پس معنیٰ یہ ہوئے کہ "مجاہد کامل" مجاہد نفس ہے۔ تو ظاہر بات ہوئی کہ جہاد کامل جہاد نفس ہے اور کامل اور اکبر کے ایک ہی معنی ہیں۔ (التکشف ص۴۲۹)

ریاضت و مجاہدہ کی حقیقت

مجاہدہ امور مقاصد (یعنی ضروری کاموں) میں سے ہے۔ کیونکہ ماموربہ فی الشرع ہے (یعنی شریعت میں اس کا حکم ہے) نصوص میں جا بجا مجاہدہ کا ذکر ہے پس اس کی تفسیر وہی ہونی چاہیئے جو شریعت نے بتلائی ہے۔ (اس لئے) مجاہدہ تمام عبادات بلکہ تمام شریعت کی روح ہے۔ کیونکہ سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہی ہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

وجہ اس کی یہ ہے کہ مجاہدہ لغت میں مشقت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں مخالفت نفس کا نام مجاہدہ ہے ———— کیونکہ مخالفتِ نفس میں تعب ضرور ہوتا ہے اور دین کا خلاصہ بھی مشقت ہی ہے۔ کیونکہ اس میں ایک گونہ نفس کے اوپر پابندی لازم ہوتی ہے، اور نفس پر پابندی گراں ہے۔ وہ تو طبعی طور پر آزادی کا طالب ہے۔ اس لئے نفس پہ اعمال دینیہ شاق ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے دین کا نام تکلیف ہے اور احکام شرعیہ کو احکام تکلیفیہ کہا جاتا ہے اور عبد کو مکلف کہتے ہیں۔ تو مجاہدہ کی حقیقت نفس کی مخالفت کی مشق و عادت ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا و طاعت کے مقابلے میں نفس کی جانی و مالی اور جاہی خواہشات و مرغوبات کو مغلوب رکھا جا سکے جس کی قرآن نے جامع تعبیر جہاد بالنفس والاموال سے زمائی ہے اور اسی مجاہدہ پر ہدایت کا قطعی وعدہ ہے۔

اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ (سورۂ عنکبوت)

جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے۔

(اشرف المسائل ص۳۴)

تو مجاہدے کی حقیقت ہے۔ نفس کے اقتضاء کو روکنا تفصیل اس میں یہ ہے کہ اقتضائے نفس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو یقیناً مذموم ہیں یعنی خلاف شرع ہیں ان کی مخالفت تو ضروری ہے، اور بعض وہ ہیں جو یقیناً محمود ہیں جیسے فرض نماز روزہ اور بقدر ضرورت کھانا۔ پینا۔ کپڑا پہننا۔ ان کی مخالفت ضروری کیا ہوتی بلکہ موافقت ضروری ہے (اس قسم کے تمام ضروری امور بجالانا ضروری ہے) اور بعض وہ ہیں جو یقیناً مذموم ہیں نہ یقیناً محمود ہیں بلکہ دونوں کو محتمل ہیں۔ جیسے مباحات بلکہ بعض دفعہ مستحبات بھی ان میں تعلیلاً مخالفت کرے یہ مخالفت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مستحب ہے مگر ایسا مستحب ہے کہ مخالفت واجبہ کا حصول کامل اسی مخالفت پر
موقوف ہے جیسے بہت سونا۔ بہت کھانا۔ بہت عمدہ کپڑے پہننا۔ بہت باتیں
کرنا۔ لوگوں سے بہت ملنا جلنا۔ پس ان میں تقلیل کرے اور اگر تقاضا زیادہ
ہو تو ان میں شیخ محقق سے رجوع کرے اگر وہ کہہ دے کہ تقاضا محمود ہے
تب تو مخالفت کی ضرورت نہیں اور اگر وہ کہے کہ یہ تقاضا مذموم ہے تو اس کی مخالفت
کی جائے اس لئے مطلقاً مخالفت نفس کا نام مجاہدہ نہیں بلکہ جہاں مرغوب نفس
مامور بہ نہو۔ ورنہ نفس مطمئنہ (خواہ وہ کامل درجہ کا مطمئنہ نہ ہو) کو بعض اوقات
مامور بہ کی رغبت ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کی مخالفت مجاہدہ نہیں (حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں) جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ (میری آنکھوں
کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) یقیناً مرغوبیت صلوٰۃ پر دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ اس
کا ترک مطلوب نہیں اور مامور بہ ہونا یہ وحی سے معلوم ہوگا تو مجاہدہ کا محل وحی سے
متعین ہوگا نہ کہ محض رغبت یا عدم رغبت سے (کمالات اشرفیہ)

منافع دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق جس سے قوام بدن اور بقائے حیات ہے
دوسرے حظوظ جو اس سے زائد ہیں۔ سو مجاہدہ و ریاضت میں حظوظ کی تقلیل یا
ترک کرایا جاتا ہے اور حقوق کو ضائع نہیں کیا جاتا کہ یہ خلاف سنت بھی ہے۔ اور حدیث
شریف میں ہے ان لنفسك عليك حقًا (بے شک تمہارے نفس کا تم پر
حق ہے) کیونکہ اس سے ضعف بڑھ جاتا ہے صحت میں خلل پڑتا ہے پھر ضروری
اشغال و عبادات سے بھی عاجز ہو جاتا ہے۔ اس لئے ترقی باطن سے محروم رہتا ہے
دوسرا امر یہ ہے کہ بزرگوں نے جو ریاضات و مجاہدات میں ترک لذات کیا ہے وہ بطور
علاج کیا ہے جیسے کوئی ظاہری مریض بطور پرہیز کے کوئی قوی غذا چھوڑ دیتا ہے کہ مضر
ہوگی اس کو عبادت اور موجب قرب الٰہی نہیں سمجھتا۔ اب ان پر اعتراض نہیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہو سکتا کہ یہ بدعت ہے۔

"اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ جو پاک چیزیں ہیں۔ اللہ تعالٰے نے تمہارے
لئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور نہ حد سے بڑھو"

کیونکہ بدعت اس وقت ہوتی ہے جب بطور تقرب ہو ورنہ خود حضرت عباس
رضی اللہ تعالٰے عنہ کی روایت ہے۔

• یہ اسراف میں ہے کہ جس چیز کی نفس خواہش کرے اس کو کھالے:

بس مقصود ان حضرات کا یہ تھا کہ تکثیر لذات سے نفس کی قوت بہیمیہ کو غلبہ ہوتا ہے
اور طاعات میں سستی اور کاہلی ہوتی ہے۔ یا معاصی کا تقاضا کرنے لگتا ہے،
بعض اوقات اس وجہ سے لذات متروک ہو جاتی ہیں کہ غلبۂ محبت الٰہی میں لذات کی
طرف التفات نہیں ہوتا سو یہ ترک غیر اختیاری ہے نہ سنت ہے نہ بدعت (التکشف)

مجاہدات وریاضات کی ضرورت

صحابہ کرام رض کو مجاہدات وریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور یہ قوت بفیض
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں تھی۔ مگر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کم اور
تابعین میں تھی مگر صحابہ سے کم لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی اور کمی کی
تلافی کے لئے بزرگوں نے مجاہدات وریاضات ایجاد کئے (ارواح ثلثہ)

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف
ہیں۔ نفس اس میں منازعت ضرور کرتا ہے۔ قلیل یا کثیر۔ اس لئے مخالفت نفس کی عمر
بھر ضرورت ہے۔ مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی اور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت
نفس کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ اور منتہی کو کم۔ اس کسل کو بھی رفع
کرنے کے لئے مجاہدے کی ضرورت ہے نیز کسی وقت دونوں کا نفس معاصی کا تقاضا کرتا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہے اس کے مقابلے کے لئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔ ایک غلطی تو مبتدی کرتا ہے کہ وہ اپنے کو مشقت سے بچانا چاہتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہی نہیں بلکہ اسی انتظار میں رہتا ہے کہ سارا کام بغیر مشقت کے ہو جاتے اور ایک غلطی منتہی کرتا ہے کہ وہ ابتداء میں مجاہدہ کرکے آئندہ کے لئے مجاہدے سے اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ طبائع بشریہ پھر عود کرتے ہیں اور اس وقت منتہی کو ہوی کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کا نفس بھی طاعات میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اس وقت اس کو بھی مجاہدے کی ضرورت ہے مگر مبتدی اور منتہی کے مجاہدے میں بڑا فرق ہے جیسے ایک تو وہ سوار ہے جس کے نیچے ایسا گھوڑا ہے جس پر ابھی سواری شروع کی ہے۔ اس کو زیادہ ہوشیاری کی بھی ضرورت ہے اور زیادہ مشقت کا بھی سامنا ہے کیونکہ نیا گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے اور قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہے جو سواری میں شائستہ ہو چکا ہے اس کو زیادہ مشقت کا تو سامنا نہیں مگر ہوشیار بیٹھنے کی اس کو بھی ضرورت ہے کیونکہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی کبھی بمقتضائے حیوانیت شوخی کرنے لگتا ہے۔ مگر سوار کی ذرا سی دھمکی اس کے دفع کرنے کے لئے کافی ہے لیکن اگر سوار بالکل غافل رہا تو کسی وقت یہ شائستہ گھوڑے کے اوپر سے بھی ضرور گرے گا پس نفس کی نگہداشت کا مجاہدہ منتہی کو بھی لازم ہے۔ (وعظ المجاہدہ)

مجاہدے میں اعتدال

مجاہدے سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس کو مشقت کا عادی بنانا ہے اور راحت و تنعم کی عادت نکالنا ہے اور اس کے لئے اتنا مجاہدہ کافی ہے جس سے نفس پر کسی قدر مشقت پڑے۔ نفس کو بہت زیادہ پریشان کرنا اچھا نہیں ورنہ وہ بالکل معطل (اور بیکار) ہو جائے گا۔ تو خوب سمجھ لو کہ محنت ہمیشہ مستحسن نہیں بلکہ جب اعتدال سے ہو اور اس پر نتیجہ اچھا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مرتب ہواسی وقت مستحسن ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

"یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ خرچ اس کے درمیان میں معتدل ہوتا ہے۔"

پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہئے مگر اس اعتدال کو بھی اپنی رائے سے تجویز نہ کریں بلکہ کسی محقق سے درجۂ اعتدال اور طریق مجاہدہ معلوم کریں۔ (وعظ المجاہدہ)

مجاہدہ و ریاضت کے اقسام

مجاہدہ اور ریاضت کی دو قسمیں ہیں ایک مجاہدۂ اختیاریہ۔ دوسرا مجاہدۂ اضطراریہ۔ جب کسی پر حق تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے تو اس کو مجاہدۂ اضطراریہ میں مبتلا کر دیتے ہیں اور صبر عطا فرما دیتے ہیں جس سے رفع درجات ہوتا ہے۔ پس ایک مجاہدہ تو یہ ہے کہ خود تقلیل لذات کو اختیار کرے (اس کو مجاہدۂ اختیاریہ کہتے ہیں) اور ایک یہ کہ خود تقلیل لذات نہیں کیا لیکن حق تعالیٰ نے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا (اس کو مجاہدۂ اضطراریہ کہتے ہیں) مثلاً کسی کا بچہ مر گیا پھر اس نے صبر کیا اس سے رفع درجات ہوا۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ...... .. الثَّمَرَاتِ" الخ

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تم کو خوف۔ بھوک۔ مال۔ جان اور پھلوں کی کمی میں سے کسی چیز کے ساتھ آزمائیں گے۔"

تو اس مجاہدۂ اضطراریہ میں بھی ثواب ملتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہے، کہ فرماتے ہیں :۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

"یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کا انعام اور رحمت ہے" (کمالات اشرفیہ)

ان مجاہدات اضطراریہ سے نفس کی تہذیب و تمحیص ہو جاتی ہے، چنانچہ رنج و غم میں اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ ساری فوں خاں اور فرعون بے سامانی رخصت ہو جاتی ہے۔ جو بات مجاہدۂ اختیاریہ سے برسوں میں حاصل نہ ہو وہ ان مجاہدات اضطرایہ سے ایک دن میں حاصل ہو جاتی ہے اور نفس ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ مجاہدہ اختیاریہ میں تو فعل کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں انوار زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انوار کا ترتب عمل پر ہوتا ہے اور مجاہدۂ اضطراریہ میں فعل کم ہوتا ہے۔ اس میں نورانیت کم ہوتی ہے لیکن اس میں انفعال کا غلبہ ہوتا ہے، اس سے قابلیت میں قوت بڑھتی ہے اور اس انفعال اور قوت کی خود اعمال اختیاریہ کے راسخ ہونے میں سخت ضرورت ہے اس لئے بزرگوں نے ایسے مجاہدات بہت کرائے ہیں اور بعض اوقات مجاہدات اختیاریہ اور مجاہدات اضطراریہ دونوں موجود ہوتے ہیں تو یہ :۔

نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ ۗ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ (النور)

یعنی نور پر نور ہے خدا جس کو مناسب سمجھتا ہے نور سے راہ دکھاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے مجاہدوں کو جمع فرماتے رہتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے

الٓمٓ ۚ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا ..... وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ (العنکبوت)

کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے ہم یقین لائے اور ان کی آزمائش ایمان نہ ہوگی اور جو ان سے پہلے تھے ہم نے ان کی بھی آزمائش کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ (ظاہراطور پر بھی) معلوم کرلیگا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ان کو جو سچے ہیں اور ان کو جو جھوٹے ہیں۔

یعنی تم کو محض "آمنّا" کہنے پر نہ چھوڑا جائے گا بلکہ مجاہدات اضطراریہ سے تمہارے صدق و کذب کا امتحان کیا جائے گا۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ..... مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ۔ (البقرہ)

کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے ہو چکے کہ ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور جھڑ جھڑ ائے گئے۔ حتٰی کہ رسول بھی،

اور وہ بھی جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟

اس میں بتلا دیا کہ مجاہدہ اختیاریہ کے ساتھ اضطراریہ کو جمع کیا کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یعنی فراغت میں اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں۔ اس میں حالت ضَرَّآءِ (تنگی) میں انفاق یعنی خرچ کرنے کی ترغیب ہے جس میں دو مجاہدوں کا جمع ہے کہ فقر بھی ہے اور انفاق بھی ہے۔ ایک اضطراری مجاہدہ ہے ایک اختیاری۔ بہرحال یہ بات ثابت ہو گئی کہ مجاہدۂ اضطراریہ و اختیاریہ کا جمع ہونا شریعت میں محمود اور مطلوب ہے۔ پھر اگر مجاہدۂ اضطراریہ سے عمل میں قلت بھی ہو جائے اور محض فرائض و واجبات ہی پر اکتفا ہوتا رہے تب بھی مجاہدے کا ثواب ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مسافر و مریض کے لئے ان اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے جو وہ سفر و مرض سے پہلے کرتا تھا۔

(بلحاظ ارکان) مجاہدے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے مثلاً تکثیر نوافل سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے کھانے کی حرص وغیرہ کو کم کرنا۔

اور ایک مجاہدہ یعنی مخالفت نفس یہ ہے کہ جس وقت نفس معصیت کا تقاضا کرے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا۔

اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ بھی اسی کی تحصیل کے واسطے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی لیکن اگر بغیر مجاہدۂ جسمانی کے کسی کو نفس پر قدرت ہوجائے تو اس کو مجاہدۂ نفسانیہ کی ضرورت نہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں اسی واسطے صوفیانے مجاہدۂ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک اس کے چار ارکان ہیں۔ قلت کلامؑ، قلت طعامؑ۔ قلت منامؑ اور قلت اختلاطؑ مع الانام۔ جو شخص ان چاروں کا عادی ہوجائے گا واقعی وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ ہوجائے گا کہ تقاضائے معصیت کو ضبط کرسکے گا اور مجاہدۂ نفسانیہ یہ ہے کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اس کی مخالفت کرنا۔ یہ بات اس وقت حاصل ہوگی جبکہ نفس کی جائز خواہشوں کی بھی کسی حد تک مخالفت کیا کریں۔ مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہا تو فوراً اس کی خواہش کو پورا نہ کیا جائے بلکہ اس کے تقاضے کو روک دیا جائے اور کبھی کبھی سخت تقاضے کے بعد اس کی جائز خواہش پوری کردی جائے تاکہ نفس پریشان نہ ہوجائے بلکہ اس کو خوش رکھا جائے اور اس سے کام بھی لیا جائے اس لئے ع

کہ مزدور خوش دل کند کار بیش

تو جب مباحات میں مخالفت نفس کے عادی ہوگے، اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہوگے اور جو شخص مباحات میں نفس کو بالکل آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو دبا نہیں سکتا۔

ریاضت نفسانی کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول اخلاق حمیدہ ہیں اور وہ چند مقامات ہیں مثل توبہ۔ صبر و شکر وغیرہ۔ قسم دوم اخلاق ذمیمہ ہیں اور وہ چند چیزیں ہیں مثل شہوت، حرص و غضب وغیرہ۔ (تعلیم الدین)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مجاہدۂ نفس

نصوص میں جا بجا مجاہدے کا ذکر ہے کہیں بصورت خبر کہیں بصیغہ امر چنانچہ ارشاد ہے ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا، وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ وغیرہ وغیرہ پس اس کی تفسیر وہی ہونی چاہئے، جو شریعت نے بتلائی ہے کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات شریعت کی اصطلاحات سے جدا نہیں ہیں پس اب اس غلطی کا منشا جہل کے سوا کچھ نہیں۔ لوگوں نے کتابوں میں خاص خاص لوگوں کے مجاہدات کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ بس یہی اس کی حقیقت ہے حالانکہ حقیقت شے اور چیز ہے اور اس کا طریق تحصیل دوسری شے ہے۔ حقیقت ایک ہوا کرتی ہے اور طرق تحصیل مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ بس لوگوں نے ایک غلطی تو یہ کی کہ مجاہدہ کی تفسیر اپنی طرف سے گھڑ لی، دوسری غلطی یہ کی کہ اس تفسیر مخترع کو نصوص میں جاری کیا اور یہ سمجھے کہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وغیرہ میں یہ ہی مجاہدہ مراد ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور یہ معنی طاقت سے باہر تھے تو کہنے لگے کہ دین پر عمل مشکل ہے چنانچہ یہ بات عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہے حالانکہ اس میں تکذیب ہے نصوص صریحہ کی حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا جس میں تصریح ہے کہ دین میں طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی۔ حدیث شریف میں ہے :۔ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کہ دین پر عمل کرنا آسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ خدا نے تم پر دین میں کچھ بھی تنگی نہیں کی مگر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

عوام اس غلطی کی بنا و پر ان نصوص کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دین آسان ہے بس یوں خیال کرتے ہیں کہ یہ خاص لوگوں کے واسطے آسان ہوگا سب کے واسطے آسان نہیں حالانکہ نص میں نَفْسًا عام ہے جس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بھی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی جس میں عام و خاص کا کوئی تفرقہ نہیں نیز مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ میں خطاب سب کو عام ہے۔ مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، کیونکہ وہ تو مجاہدہ والا اس کو سمجھتے ہیں جو بیوی بچوں کو چھوڑ دے اور نفس کے ضروری حقوق کو بھی ادا نہ کرے حالانکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً اور دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے بیوی بچے بھی ہوتے تھے اور وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور بازار میں ضروریات کے لئے چلتے پھرتے بھی تھے اور ظاہر ہے کہ تمام ضروریات کی جڑ اولاد و ازواج ہی ہیں۔ ان کے لئے انسان کو سب سامان کرنا پڑتا ہے مگر بایں ہمہ انبیاء علیہم السلام ان سے الگ نہ تھے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ مجاہدے میں انبیاء سے زیادہ کامل کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوگیا کہ مجاہدے کی یہ حقیقت ہرگز نہیں کہ بیوی بچوں سے الگ ہو جائے اور ایک بڑی خرابی اس غلطی سے یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس مجاہدہ مخترعہ میں اگر کوئی کامیاب ہو جائے تو پھر وہ اپنے کو دوسروں سے اکمل و افضل سمجھنے لگتا ہے اور جو لوگ اس کی طرح مجاہدہ نہیں کرتے ان کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ اول تو اسی امتیاز کا منشا وہ غلطی ہے جو اس نے مجاہدے کی حقیقت سمجھنے میں کی ہے۔ پھر دوسروں کو اس غلطی میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مجاہدہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کی حقیقت اس نے صحیح سمجھی پھر اسے اپنے کو افضل واکمل سمجھنے کا کوئی حق نہیں
پس خلاصہ مجاہدے کا یہ ہوا کہ محرمات ومباحات میں نفس کی مخالفت کی جائے
مباحات میں تو اس طرح کہ ہر بات پر عمل نہ کیا جائے بلکہ تقلیل کی جائے اور محرمات
میں اس کی مخالفت اس طرح کہ ان کو بالکل ترک کیا جائے اور مجاہدہ کا یہ درجہ تو
سب کے نزدیک واجب ہے یعنی محرمات سے بچنا اور اس کی ضرورت ہر مسلمان کے
نزدیک مسلم ہے، بلکہ اصل حالت کے اعتبار سے تو اس کو مجاہدہ میں داخل کرنا
بھی ٹھیک نہیں بھلا زہر سے بچنا بھی کچھ مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ تو اسے کہتے ہیں جس میں
نفس پر مشقت وگرانی ہو اور ظاہر ہے کہ اصل مشقت فطرت میں ان ہی کاموں
کے ترک میں ہوتی ہے جن کی من جملہ اجازت ہے اور جن کا حرام ہونا معلوم ہے
ان کے ترک میں مجاہدہ ہی کیا ہوتا مگر چونکہ قریب قریب ہر شخص محرمات میں مبتلا
ہے اس لئے ترک محرمات میں بھی مجاہدہ ہوگا ورنہ اصل فطرت کے اعتبار سے
اصل مجاہدہ یہی ہے کہ مباحات میں بھی نفس کی مخالفت کی جائے کہیں انہماک
میں اور کہیں نفس فعل میں بھی کیونکہ بعض مواقع پر جب نفس کو مباحات سے روکا
جاوے گا اسی وقت وہ محرمات سے بچ سکے گا کیونکہ مباحات کی سرحد محرمات سے
ملی ہوئی ہے اور قاعدہ ہے کہ جس جنگل میں شیر رہتا ہو اس سے بچنے کا طریقہ
یہی ہے کہ اس سرحد کے پاس ہی نہ جاؤ اگر کوئی شخص جنگل کی حدود میں رہ کر شیر سے
بچنا چاہے یہ اس کی حماقت ہے ممکن ہے کبھی غلطی سے حد کے اندر داخل ہو جائے اور
شیر کا سامنا ہو جائے اس لئے سالکین کو مباحات میں انہماک سے بہت ہی احتراز
چاہئے، اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ بیوی بچوں کو چھوڑنا اور گھر کو تالا لگانا یہ
مجاہدہ نہیں ہے کیونکہ بیوی بچوں کی خبر گیری شرعاً فرض ہے اور مجاہدہ ترک فرائض
کا نام نہیں بلکہ ترک محرمات اور کہیں ترک مباحات کا نام ہے اگر کسی شخص کو بیوی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سے محبت ہو جائے تو اس کے ازالہ کا حکم نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ محبت خلاف شرع نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے۔

وَمِنْ اٰیَاتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ (الروم آیۃ ۲۱)

(وعظ العبرہ صفحہ ۸۲-۸۳ - اشرف المسائل)

مجاہدۂ ثانیہ

حال :۔ علاوہ ازیں عرض یہ ہے کہ پچھلی حالت جس میں توجہ الی اللہ زیادہ تھی ان ایام میں تقاضائے معصیت بہت مغلوب تھا اور ایک گونہ جمعیت اور سکون اور یکسوئی حاصل تھی لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔ بعض اوقات تقاضائے معصیت کا بہت غلبہ ہوتا ہے اور وہ پہلی یکسوئی نہیں رہی ؎

مرغِ دل را صید جمعیت بدام افتادہ بود زلف بکشادی و باز از دست شد نخچیر ما

اور معاصی کے غلبہ کی یہ حالت ہے ؎

فغاں از بدیہا کہ در نفس ماست کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

اس حالت سے جی بہت کڑھتا ہے اور جان گھلتی جاتی ہے۔ خدا کے لئے دعائے استقامت علی الصراط المستقیم فرما دیں ورنہ یہاں کچھ حال نہیں

ع چہ بر خیزد از دست و تدبیر ما

تحقیق :۔ یہ ہے وقت مجاہدۂ ثانیہ کا۔ بعد مجاہدۂ اولیٰ کے اور یہی ہے جس کے نہ جاننے سے ایک سالک کو شبہ رجعت کا ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات مایوس ہو کر نوبت تعطل تک کی آجاتی ہے۔ حالانکہ یہ کمالِ سلوک

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کہ لوازم عادیہ سے ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ابتدا میں جوش کی زیادتی سے الا طبعیہ مغلوب ہو جاتے ہیں تو توسط یا انتہا میں جوش کم ہونے سے وہ امور طبعیہ پھر عود کر آتے ہیں کیونکہ ان کا زوال نہیں ہوا تھا صرف مغلوب ہو گئے تھے۔ اس عود کے وقت پھر مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس مجاہدے میں تعب و کشاکشی کم ہوتی ہے مگر عزم توجہ و ہمت و ضبط کی حاجت ہوتی ہے (بوادر النوادر)

مجاہدہ ——— فاعلہ مفید بلا خطر

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا۔ سوال کیا کہ کیوں حضرت آپ کے زمانے کی نسبت اور اس زمانے کی نسبت میں کیا فرق ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانے میں تین چیزوں کی کثرت کرتے تھے نماز۔ تلاوت قرآن اور ذکر۔ اور اس وقت لوگوں نے صرف ذکر پر اکتفا کر لیا ہے۔ انتہی

راقم نے غور کیا تو قرآن مجید کی آیت میں تینوں چیزوں کو جمع پایا ہے:۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ط اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ط (العنکبوت)	(اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم) پڑھ جو کچھ وحی کی گئی تیری طرف کتاب سے اور قائم کر نماز کو بیشک نماز بے حیائی اور بری چیزوں سے روکتی ہے، اور بیشک اللہ (تعالیٰ) کا ذکر بڑی چیز ہے اور اللہ (تعالیٰ) جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

بلکہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ غالباً صحابہ و تابعین میں حصول نسبت کے لئے اسی نماز و تلاوت و دیگر اوراد کی کثرت بشرط خشوع و تدبر کافی تھی۔ ان اشغال متعارفہ کی ان کو حاجت نہ تھی۔ (تعلیم الدین)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تخلیہ و تحلیہ

(طریق تکمیل) تکمیل کے دو درجے ہیں ایک تخلیہ اور ایک تحلیہ۔ یا ایک تجلیہ اور ایک تحلیہ۔ تجلیہ میں بھی تخلیہ ہی ہوتا۔ جیسے برتن کو پہلے میل کچیل سے صاف کرتے ہیں پھر اس پر قلعی اور دوسرا کام کرتے ہیں۔ تحلیہ کے معنی لغت میں آراستہ کرنا ہے۔ اور اصطلاح صوفیہ میں یہ ہے کہ سالک اپنے کو اخلاق حمیدہ اور تعلق مع اللہ سے آراستہ کرلے جس کا طریقہ طاعات و ذکر میں مشغول ہونا ہے اور تخلیہ کے معنی لغت میں خالی کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں سالک کا اپنے آپ کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنا ہے اور غیر اللہ سے تعلق منقطع کرنا ہے۔

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سلوک کے لئے تحلیہ اور تخلیہ دونوں کی ضرورت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ تحلیہ کو مقدم کیا جائے یا تخلیہ کو۔ مشائخ میں دونوں طریقے مستعمل ہیں۔ بعض تحلیہ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تخلیہ کرتے ہیں۔ بعض تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تحلیہ کرتے ہیں اور رہر دو طریق سے کامیابی ہوتی ہے، مگر اب صوفیاء کی رائے مختلف ہوگئی ہے بعض کے یہاں صفات حمیدہ اور تعلق مع اللہ پہلے پیدا کیا جاتا ہے پھر ذمائم کی اصلاح کی جاتی ہے اور بعض کے یہاں صفات رذیلہ اور تعلق غیر کو اول قطع کیا جاتا ہے پھر صفات حمیدہ اور تعلق مع اللہ پیدا کیا جاتا ہے اور ہر فریق نے اپنی تائید کے لئے قرآن سے بھی استنباط کیا ہے فریق اوّل اس آیت کو اپنی تائید میں پیش کرتا ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ دیکھئے اس آیت میں ذکر اللہ کا حکم مقدم کیا گیا ہے جو تحلیہ ہے اور تبتل یعنی قطع تعلقات غیر کو موخر کیا گیا ہے اور یہی تخلیہ ہے تو اس آیت میں تحلیہ کو تخلیہ پر مقدم کیا گیا۔

دوسرا فریق یہ آیت پیش کرتا ہے وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کہ اس آیت میں استعانت بالصبر کو مقدم کیا گیا ہے اور صبر کے معنی ہیں کف النفس

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

عن المعاصی. یعنی نفس کو معاصی سے روکنا اور یہی حاصل ہے تخلیہ کا، اور استقامت بالصلوٰۃ کو موخر کیا گیا ہے جو کہ تحلیہ کی قسم میں سے ہے تو اس آیت میں تخلیہ کو تحلیہ پر مقدم کیا گیا ہے۔ مگر اس میں قول فیصل یہ ہے کہ نہ تحلیہ کو مطلقاً مقدم کیا جائے نہ تخلیہ کو۔ بلکہ دونوں کو دوش بدوش چلنا چاہئے تاکہ ساتھ ساتھ تحلیہ اور تخلیہ دونوں ہوتے رہیں۔ اگر تحلیہ کو مطلقاً مقدم کیا گیا تو بعض دفعہ رذائل ایسے قوی ہوتے ہیں کہ سارا تحلیہ بیکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص سر سے پاؤں تک گندگی میں بھرا ہوا ہو، تو اس کے بدن پر عطر لگانا بیکار ہے، وہ عطر کو بھی لے ڈوبے گا۔ اسی طرح اگر تخلیہ کو مقدم کیا گیا تو اتنا زمانہ تحلیہ کے برکات سے خالی جائے گا۔ پھر ممکن ہے کہ تخلیہ میں دیر لگ جائے اور کوتاہی عمر کی وجہ سے تحلیہ کی نوبت ہی نہ آئے۔ تو یہ شخص تعلق مع اللہ سے بالکل ہی محروم رہے گا اس لئے محققین کی اب یہ رائے ہے کہ تحلیہ اور تخلیہ ساتھ ہونا چاہئے۔ چشتیہ کے یہاں پہلے تخلیہ مقدم تھا اور اب ان کے یہاں تخلیہ کے ساتھ ساتھ تحلیہ کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے، گو پہلے یہ حالت تھی کہ برسوں مجاہدات کراتے تھے پھر مدت کے بعد بارہ تسبیح وغیرہ تعلیم کرتے تھے اور نقشبندیہ پہلے ہی دن ذکر تعلیم کر دیتے تھے ان کے یہاں تحلیہ مقدم تھا۔ بعد میں تخلیہ کراتے تھے اور اب گو دونوں سلسلہ کے محققین کی رائے بدل گئی مگر چشتیہ کے مذاق پر تخلیہ غالب ہے اور نقشبندیہ کے مذاق پر تحلیہ غالب ہے۔ مگر باوجود اس کے اہل تربیت جو محقق ہیں اس میں طالب کے مذاق پر زیادہ مدار رکھتے ہیں جس کو وہ اپنی خداداد بصیرت سے تشخیص کر لیتے ہیں۔

تو اب الحمد للہ جو محقق ہیں وہ تخلیہ اور تحلیہ ساتھ ساتھ کرتے ہیں چشتی ونقشبندی دونوں طریقوں کو ملا دیا۔ بس اب وہ حال ہو گیا۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ دونوں دریاؤں کو ساتھ ساتھ لئے جا رہے ہیں اب جس دن یہ شخص فارغ ہوگا، وہ نقشبندی بھی ہوگا اور چشتی بھی۔ دونوں طریق کا فاضل ہوگا۔

(تقلید الکلام۔ اشرف المسائل ص۱۷)

نماز کسل کے ساتھ ادا کرنا بھی مجاہدہ ہے

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف ہیں نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر۔ اس لئے مخالفت نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے اور یہاں سے بعض واعظین کی غلطی معلوم ہوگئی کہ وہ یہ آیت یعنی واذا قاموا الی الصلوٰة قاموا کسالیٰ (اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں) کو مسلمانوں کے حق میں پڑھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو نماز میں کسل کرے وہ منافق ہے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ عمل میں مشقت کا سامنا ہو مگر عقیدہ میں ضعف یا شک نہ ہو تو پھر بھی یہ کسل وہ کسل نہیں ہے جو منافقین کی شان تھی یہ تو کسل طبعی ہے۔ اور طبعی کسل اعمال شرعیہ میں مخلصین کو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اعمال نفس پر گراں ہیں۔ نفس ان میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اور اعمال شرعیہ میں مشقت کا سامنا ہوتا آیت وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ اور (اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی) کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہے دشوار نہیں، یہ اور بات ہے کہ منازعت نفس کی وجہ سے اس میں دشواری آجائے؛ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ اعمال شرعیہ میں نفس کی خواہشوں کو پامال کیا جاتا اور اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ نفس کو ضرور گراں ہے، تو اس منازعت و کشاکش کی وجہ سے دشواری آجانا یسر فی نفسہ کے خلاف نہیں، اسی لئے قرآن میں وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ سے پہلے وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ (اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو) بھی آیا ہے ـــــ جس سے معلوم ہوا کہ دین میں مجاہدے کی بھی ضرورت ہے پس ایک ہی جزو کو مت دیکھو۔ دونوں جزو کو ملاؤ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تو حاصل وہی نکلے گا جو میں نے عرض کیا ہے۔ اب سنئے ایک تو طبعی کسل ہے جس کا منشاء منازعت نفس ہے، یہ منافقین کے ساتھ خاص نہیں اور ایک اعتقادی کسل ہے کہ اس شخص کو نماز کی فرضیت پر اور خدا اور رسول پر ہی ایمان نہیں ہے محض کسی مصلحت کی وجہ سے نماز پڑھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ بیگار سی ٹالے گا اور کسل کے ساتھ نماز ادا کرے گا۔ یہ کسل منافقین کی شان ہے، اور خدا نہ کرے کہ کسی مسلمان کی ایسی شان ہو۔

بہرحال اعمال شرعیہ میں مجاہدے کی ضرورت عمر بھر کے لئے ہے مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی اور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت نفس کی وجہ سے کسل پیش آتا ہے۔ مبتدی کو زیادہ منتہی کو کم۔ اس کسل ہی کے رفع کے لئے مجاہدے کی ضرورت ہے۔ (البدائع)

مقاومت نفس میں سہولت کا طریقہ

ارشاد۔ بعض کو یہ دیکھ کر کہ استعمال اختیاری میں اپنی سی پوری کوشش کر رہے ہیں مگر سہولت مقاومت نفس کی تدبیر پوچھتے ہیں اس پر ارشاد فرمایا کہ گو سہولت کی تدبیر بتانا مصلح کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ بہ تکلف نفس کی مخالفت کرتے رہنے سے پھر رفتہ رفتہ داعیہ ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کی مقاومت سہل ہو جاتی ہے غرض جو تدبیر تحصیل ہے وہی تدبیر تسہیل بھی ہے لیکن یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں بعض کو عمر بھر مجاہدہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ غرض طالب کو اپنی طرف سے عمر بھر مجاہدے ہی میں گزارنے کے لئے تیار رہنا چاہئے اور مجاہدے ہی کے لئے تو یہاں بھیجے گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ اور مجاہدے ہی سے تو اجر اور قرب بڑھتا ہے اور جن کو مجاہدات کی سہولت ہو جاتی ہے ان کو بھی برابر مجاہدے کا اجر ملتا رہتا ہے کیونکہ یہ سہولت مجاہدات ہی کے سبب سے تو ہوتی ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم صفحہ ۱۰)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مراقبہ

ماہیت و حقیقت

حق تعالیٰ کی ذات و صفات، یا کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اس غرض سے کہ اس کے غلبہ سے اس کے مقتضا پر عمل ہونے لگے تدبر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور مواظبت کے ساتھ رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے جو اعمال مقصودہ قلب میں سے ہے (التکشف صفحہ ۳۲۳-۳۲۷)

ان مراقبات سے ناقص تصور راسخ ہو جاتا ہے اور اسی رسوخ میں مشائخ عوام سے ممتاز ہیں۔ (انفاس عیسیٰ ص۱۸۱)

مراقبہ کے متعلق دو چیزیں اور ہیں۔ ایک مشارطہ کہ مراقبہ سے پہلے ہے، دوسرے محاسبہ جو مراقبہ کے بعد ہے۔ مشارطہ یہ کہ روزانہ صبح کو اٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب فہمائش کرے کہ دیکھو فلاں فلاں کام کیجیو، فلاں فلاں مت کیجیو۔ اس کے بعد مراقبہ یعنی نگہداشت اس معاہدے کی رکھنا۔ جب دن ختم ہو۔ پھر سوتے وقت محاسبہ کرے۔ یعنی صبح سے شام تک جو اعمال کئے ہیں ان کو تفصیلاً یاد کرے جو نیک کام کئے ہوں ان پر شکر الٰہی بجالائے، جو برے کام کئے ہوں یا نیک کاموں میں کوئی آمیزش ہوگئی ہو اس پر نفس کو ملامت و زجر و توبیخ کرے اور اگر خالی زجر و توبیخ کافی نہ ہو تو کچھ سزا بھی تجویز کر کے عملدرآمد کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔

چاہیئے کہ دیکھ بھال لے ہر شخص کہ کل قیامت کے لئے کیا چیز آگے بھیجی ہے۔

(تعلیم الدین ص۸۴)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مراقبہ محبتِ حق

یہ مراقبہ کیا کرے کہ حق تعالےٰ کو مجھ سے محبت ہے اور حق تعالےٰ مجھ کو چاہتے ہیں۔ یہ مراقبہ بیحد مفید ہے اس سے بندے کے قلب میں بھی حق تعالےٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور بندہ خواہ کیسی ہی مصیبت اور پریشانی میں ہو مگر جہاں یہ مراقبہ کیا ساری پریشانی رفوچکر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب یہ یقین کرے گا کہ جب اللہ تعالےٰ کو مجھ سے محبت ہے تو اس مصیبت میں ضرور میرا کچھ فائدہ ہی ہوگا ورنہ محبت میں محبوب کو کون تکلیف دیتا ہے۔ (القول الجلیل ص۱۹ ج۲۔ شریعت و طریقت)

حدیث اُعْبُدُ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کا صحیح مطلب۔

سوال (الف)۔ وساوس نماز میں جو بندہ کے دل میں آتے ہیں اکثر وقت میں تو بلا اختیار دل اُدھر لگا رہتا ہے پھر جب معلوم کر لیتا ہوں اس سے پھر جاتا ہوں۔ پھر کچھ دیر کے بعد ایسا ہو جاتا ہے پھر پتہ لگا اس سے پھر جاتا ہوں اس طرز سے اکثر وقت گذرتا ہے، اور بعض وقت اختیار سے بھی ہو جاتا ہے یعنی جب کوئی خیال دل میں آیا دل کو اس سے سنبھال نہ سکا۔ بار بار دل اس طرف رجوع ہو جاتا ہے۔

(ب) دیگر یہ کہ حدیث اعبد اللہ کانک تراہ الحدیث کا مطلب بندۂ گندہ کے سمجھ میں یہ آیا کہ خدا کی عبادت کرو تم اس طریقے سے کہ خدا کو تم دیکھتے ہو۔ جناب من، میں خدا کو کس طرح سے دیکھوں۔ خدا تو ہمارے دیکھنے اور جسم و صورت سے بھی پاک ہے پھر کو میں تصور کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ حاکم کے اجلاس وغیرہ میں حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر روبرو بات کی جاتی ہے اور عرض کیا جاتا ہے تو اس خیال میں تو اشکال ہے اور اگر یہ خیال دل میں نہ آئے کہ یہی تو خدا ہے ہمارا۔ ہمارے سامنے موجود ہے ہم کو دیکھتا ہے کہ کیا کرتا ہوں اور

کیا کہتا ہوں (دیکھتا سنتا ہے)۔ تب خدا کی رغبت اور ہیبت دل میں نہیں آتی۔ دیگر یہ کہ خلوص کے معنی بندہ کی سمجھ میں یہ آتے کہ سر افگندہ ہو خدا کے سامنے کھڑا ہوا ہوں اس میں خدا کے علاوہ کسی قسم کا خیال اور کسی طرح کی بات اور کسی صورت کا خدشہ دل میں نہ آئے۔ بس میں ہوں اور خدا ہے گویا کہ دنیا میں اب کوئی اور کچھ نہیں۔ بندہ کے حال پر کرم کر کے نورِ اصلاح سے منور فرمائیں۔

تحقیق۔ (الف) عبد اپنے قدرِ اختیاری ہی تک مکلف ہے۔ اور اختیار اسی قدر ہے کہ حدیث النفس کو قصد و ارادہ سے نہ لاوے اور جب بلا قصد وارادہ آجاوے اس کو دفع کر دے اور دفع کی سہل صورت یہ ہے کہ کسی دوسری ایسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاوے جس کو عبادت سے تعلق ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہو جاوے۔ خواہ تصور کے درجہ میں خواہ کسی تصدیق کے درجہ میں مثلاً اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حساب و کتاب کے آنے والے وقت کو مثل حاضر کے فرض کر لیا جاوے کہ گویا میں حق تعالیٰ کے روبرو حساب کے لئے کھڑا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ عبادت مطلوبہ کا نمونہ پیش کرو۔ وہ اگر پسند کے موافق ہوئی تو حساب میں رعایت کا سبب ہو جائے گی۔ تیسرے یہ کہ یہ فرض کرلے کہ یہ گویا بالکل آخری نماز ہے۔ شاید اس کے بعد عمر ختم ہو جاوے اور پھر نماز نصیب نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ گویا خانہ کعبہ میرے سامنے ہے۔ اور اس پر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آرہی ہیں اور جتنی اچھی نماز پڑھوں گا وہ تجلیات زیادہ فائز ہوں گی۔ پانچویں یہ کہ جو الفاظ منہ سے نکلتے ہیں ان کی طرف توجہ رکھے۔ خواہ بلا تصور معانی کے خواہ مع تصور معانی کے اور اس توجہ کی سہل صورت یہ ہے کہ کوئی لفظ یاد سے نہ پڑھے بلکہ مستقل ارادے سے پڑھے یا شیخ کامل اور کسی ایسی ہی چیز کا تصور تجویز کر دے اس کا استعمال کرے۔ ان تدابیر سے وہ وساوس جو بلا اختیار آتے تھے دفع ہو جائیں گے اور اول اول جب تک اس طریق کی مشق نہ ہوئے کبھی کبھی یہ تصورات زائل اور وساوس پھر حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس کا علاج

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

یہ ہے کہ جب تنبہ ہو فوراً اس توجہ کی تجدید کرلی جاوے۔ شدہ شدہ توجہ الی العبادات
کو رسوخ ہوجائے گا اور اگر اس رسوخ میں دیر ہو تو گھبرائیے نہیں۔ اس عمل کو جاری
رکھیے کیونکہ بندہ رسوخ کا مکلف نہیں۔ عمل کا مکلف ہے۔ حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی رسوخ
نہ ہو تو مقصود میں کوئی خلل نہیں کمال عبادت اور اجر اور قرب میں ذرا کمی نہ ہوگی۔

(ب) یہ مطلب نہیں کہ تم یہ تصور کرو کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہوں تاکہ یہ
اشکالات لازم آئیں۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو عبارت حدیث کی یوں ہوتی۔ ان
تعبد اللہ و تقدر انک تراہ۔ مگر عبارت یہ ہے کہ ان
تعبد اللہ کانک تراہ اور کان تشبیہ کے لئے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوئے
ان تعبد اللہ حال کانک مشابہاً بانک تراہ یعنی گو تم خدا تعالیٰ کو دیکھ
نہیں سکتے۔ لیکن اگر فرض کرلیا جاوے کہ تم خدا تعالیٰ کو واقع میں دیکھتے تو اس وقت
عبادت کیسی کرتے ظاہر ہے کہ نہایت مکمل عبادت کرتے اور عبادت کے پورے حقوق
ادا کرتے جیسا کہ حاکم کو دیکھنے کا طبعی مقتضا ہے بس اب نہ دیکھنے کی حالت میں بھی اسی حالت
مذکورہ کے مشابہ عبادت کرو۔ اب ایک اشکال تھا کہ جب خدا کو ہم دیکھتے نہیں تو دیکھنے
کے مشابہ عبادت کیسے ہوسکتی ہے وہ تو مخصوص اسی حالت کے ساتھ ہے۔ آگے اس حکم کی ایک
علت بیان فرماکر جواب دیدیا کہ ایسی مکمل عبادت صرف حاکم کے دیکھنے ہی کے ساتھ خاص نہیں
بلکہ اس حالت کو اور ایک دوسری حالت کو دونوں کو عام ہے اور دوسری حالت یہ ہے کہ
حاکم تم کو دیکھتا ہو تب بھی ایسی ہی عبادت ہوگی چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے کہ اگر حاکم کسی کام
کا حکم دے اور خود ایسی جگہ کھڑا ہو کہ کام کرنے والا تو اس کو نہ دیکھے اور وہ اس کو دیکھے
اور اس دیکھنے کی اس کو خبر بھی ہو تب بھی ایسا کام کرے گا۔ اس جواب کی طرف اشارہ کرنے
کے لئے فائے علت کے ساتھ فرمایا فان لم تکن تراہ فانہ یراک
یعنی ایسی عبادت کا حکم جو کہ مشابہ اس حالت کے ہو کہ حاکم کو دیکھتے ہو اس لئے کہا گیا
ہے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تکمیل عمل وادائے حقوق میں اس کا
بھی وہی اثر ہے جو اس پہلی حالت کا ہے۔ اب سوال کے اشکالات میں سے ایک اشکال

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بھی متوجہ نہیں ہوتا اور سوال میں جس خیال کو رغبت و ہیبت کی شرط ٹھہرایا ہے یہ اس کے منافی بھی نہیں بلکہ یہ وہی خیال ہے جس کو جواب میں پہلی صورت قرار دی گئی۔ اسی طرح سوال میں جو خلوص کی تفسیر کی ہے وہ بھی یہی صورت اولیٰ ہے۔ کسی قدر عنوان کے اختلاف سے اور اصل معنون احسان ہے جو مترادف ہے اخلاص کا یعنی نیکوکارِ نکی عبادت، کیونکہ اخلاص بھی نیکوکاروں دعبادت گذاروں کا ہے۔ (النور صفر ۱۳ ۱۳ھ، تربیت السالک جلد دوم صفحہ ۲۴۰-۲۴۱)

مراقبہ موت

لذات کو مٹانے والی شے یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو۔ (حدیث شریف)

آدمی تھوڑی دیر بیٹھ کر سوچ لیا کرے کہ مجھے مرنا ہے اور مرنے کے بعد قبر میں جاتا ہے وہاں سانپ بچھو یا جنت کے باغ ہیں۔ اگر اچھے عمل ہیں تو قبر باغ ہے اور اگر برُے عمل ہیں تو پھر عذاب ہے۔ اس کے بعد پھر قبر سے زندہ ہو کر اٹھنا ہے، اور حشر میں حساب کتاب کے لئے پیش ہوتا ہے اور پُل صراط پر چلنا ہے۔ اس طرح تمام واقعات قیامت کے یاد کر لیا کرے۔ جب یہ مراقبہ صحیح ہو جائے گا تو پھر بھول کر بھی گناہ نہ کر سکے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ (وعظ ذکر الموت)

مراقبۂ موت اور بعد الموت حالات قبر و قیامت کے سوچنے سے جو دل میں خوف پیدا ہوتا ہے وہ عین مطلوب ہے کیونکہ معین آخرت ہے لیکن اگر اس کے قصداً استحضار سے کوئی جسمانی مرض ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزانہ یہ مراقبہ نہ کرے جب کبھی غفلت زیادہ ہو اس وقت کر لیا کرے۔ (انفاس عیسیٰ)

اگر موت کے سوچنے سے دل گھبرائے تو پھر حیات کا مراقبہ کرے۔ اس دنیا کی حیات سے آخرت کی حیات جو خیر بھی ہے، باقی رہنے والی بھی ہے اور زیادہ لذیذ و لطیف ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

عذاب آخرت کا سوچنا تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔ اس سے کلفت اور کدورت نہیں ہوتی بلکہ اس فکر سے قلب میں نورانیت اور انشراح ہوتا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہے، جس کا راز یہ ہے کہ اس فکر سے قلب کو اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ اور تعلق ہو جاتا ہے اور تعلق مع اللہ تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: جس نے تمام غموں کو ایک غم بنا لیا اور وہ ہے آخرت کا غم، تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی غموں میں کافی ہو گا (یعنی صبر کرنے پر اجر کا وعدہ ہے) اور جس نے مختلف غموں کو اپنے اوپر سوار کر لیا تو اللہ تعالےٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

مراقبات محض علاج ہیں

حال:۔ یہ جو انواع و اقسام کے مراقبات توحید و تصورات و تمثیلات تشبیہی عارفین نے مقرر فرمائے ہیں اس سے محض استحضار اور توجہ الی اللہ مقصود ہے یا اور کچھ۔ احقر کا گمان ہے کہ غرض ان مراقباتِ توحید اور ہمہ اوست وغیرہ سے اپنی ہستی کی فنا اور اضمحلال اور حق تعالےٰ کا اثبات اور استحضار ہے۔

جواب:۔ جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے یہ سب حیل اور علاج ہیں، مقصود صرف توجہ الی اللہ ان تمام اشغال سے ہے اور جب توجہ الی اللہ میسر ہو جائے تو پھر ان تصورات کی حاجت بھی نہیں چونکہ مجرد کا تصور ہر شخص سے ہو نہیں سکتا اس لئے یہ سب طریق مقرر فرمائے گئے ہیں۔ (تربیت السالک حصہ دوم)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تفکر

حقیقتِ تفکر

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (ابراہیم)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ کچھ فکر کریں۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

فاٰثروا ما یبقی علیٰ ما یفنیٰ (رواہ احمد)

بس باقی رہنے والی چیزوں کو فانی چیزوں پر اختیار کرو

دو معلوم چیزوں کا ذہن میں حاضر کرنا جس سے تیسری بات ذہن میں آجائے اس کا نام تفکر ہے مثلاً ایک بات یہ جاننا ہے کہ آخرت باقی ہے ۔ دوسری بات یہ جاننا ہے کہ باقی قابل ترجیح ہے ۔ ان دونوں سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آخرت قابل ترجیح ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے ۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ .... عَذَابَ النَّارِ (الآیۃ)

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں اہل عقل کے لئے دلائل ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ (ہر حال میں دل سے بھی اور زبان سے بھی) کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اللہ تعالےٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کے پیدا ہونے میں غور وفکر کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار آپ نے اس مخلوق کو لایعنی پیدا نہیں کیا (بلکہ ان میں حکمتیں رکھی ہیں ہم آپ کو پاک اور منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اس سے صاف تعلیم ہے کہ خلق السموات والارض میں اس غرض سے تفکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ کی حکمت اور قدرت کا علم ہو کہ یہ فضول پیدا نہیں کئے گئے پھر اس سے امکان وقوع معاد (آخرت پر استدلال کر کے جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ مانگنا چاہئے) یعنی اعمال صالحہ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اسی لئے حدیث شریف میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس باب میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

کان دائم الفکرة متواصل الاحزان

کہ آپ ہمیشہ فکر و سوچ اور غم میں رہتے تھے اس فکر و غم کا یہ اثر تھا کہ آپ کبھی کھل کر نہ ہنستے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کان جل ضحکہ التبسم کہ آپ کا بڑا ہنسنا یہ ہوتا تھا کہ آپ تبسم فرما لیتے تھے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ تھا کہ ہماری خاطر سے تبسم فرما لیتے تھے۔ ورنہ جس کے سامنے وہ احوال شدیدہ ہوں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف تھے اس کو تبسم بھی نہیں ہو سکتا اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اگر تم وہ باتیں جانتے جو مجھے معلوم ہیں، تو بہت کم ہنستے اور زیادہ رویا کرتے یعنی بالکل نہ ہنستے۔ (شریعت و طریقت)

تفکر کی ضرورت

عن علی قال لاخیر فی قراءة[1] لیس فیہا تدبر ولا عبادة لیس فیہا فقہ

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا ایسے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی (معتد بہ) نفع نہیں جس میں فکر نہ ہو اور نہ ایسی عبادت میں جس میں معرفت نہ ہو

صوفیا کے طریق کا مدار اعظم یہی فکر ہے (لہذا) خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اکابر کو

[1] الـ ۵ استکشف ص ۲۸۲ ۔ ۲۰۱۴

(بھی) فارغ ہو کر بیٹھنا نہ چاہئے۔ مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشۂ تغیر حال میں لگا رہنا چاہئے۔ فکر کی وجہ[۲] سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے سوچنے کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑی کی بال کمانی۔ کہ ہے تو مختصر مگر تمام پرزوں کی حرکت اسی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح سوچنے سے دین کے قلعے فتح ہوتے ہیں۔

سارا[۳] قرآن مجید فکر کی تاکید سے بھرا ہوا ہے۔ قیامت کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کو قیامت کے امکان کو سمجھنے کے لئے ملکوت السموات والارض میں نظر کرنا چاہئے ایک جگہ ارشاد ہے لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اللہ تعالیٰ یہ احکام صاف صاف اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو۔ یعنی دنیا و آخرت میں موازنہ کے لئے تفکر کرو کہ ان میں اختیار کرنے کے قابل کون ہے اور کون قابل ترک ہے۔ اہل اللہ نے دنیا میں فکر کر کے ہی اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اسی لئے دنیا سے ان کو نفرت ہے۔

طریق فکر

نور ایمان کے کامل کرنے کا طریقہ ذکر و فکر ہے جس کو (اللہ تعالیٰ) نے اس عنوان سے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ — ہر شخص یہ دیکھتا (اور فکر کرتا) رہے کہ کل کے واسطے کیا سامان کیا ہے۔

یعنی اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے کہ آج دن میں کتنے نیک کام ہوئے جو نیک کام ہوئے ہیں ان پر خدا کا شکر کرے اور جو گناہ ہوئے ہیں ان سے توبہ استغفار کرے۔ جو بات کہے سوچ کر کہے جو کام کرے پہلے اس کے انجام کو سوچ لے مراقبات کرے (بالخصوص مراقبۂ موت) اور اگر موت کے سوچنے سے کسی کا دل گھبرا دے

---

[۲] کمالات اشرفیہ صفحہ ۶۹-۶۲ [۳] المراقبہ صفحہ ۴-۲۰۰

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

توحیات کو سوچے کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے جو خیر بھی ہے۔ ابقیٰ (باقی رہنے والی) بھی ہے الذ (بہت لذیذ) بھی ہے۔ اشہیٰ (بہت زیادہ پسندیدہ) بھی ہے۔ یوں تصور کرے کہ میں آسمان پر پہنچا ہوں۔ حوریں ہیں۔ باغ و قصور کی سیر کر رہا ہوں۔ پھر یہ خیال کرے کہ یہ چیزیں جب ملیں گی جب خدا کے حکموں کی پابندی کروں گا اس سے لالچ اور رغبت پیدا ہوگی اور اعمال صالحہ سرزد ہوں گے۔

طریق تحصیل

دونوں چیزوں (یعنی دنیا اور آخرت کی حقیقت) کا ذہن میں حاضر کرنا تفکر کی تحصیل کا طریق ہے۔ ماخوذ شریعت اور طریقت صفحہ ۱۰۷-۱۰۶ و تعلیم الدین)

ذکر اور مراقبہ دونوں مطلوب ہیں

حال:۔ دوسری بات یہ ہے کہ گاہ گاہ جب دماغ پر تعب کا زیادہ اثر ہوتا ہے، اس وقت نفس پر گراں بھی گزرتا ہے کہ زبان سے آہستہ آہستہ لفظ اَللّٰہ یا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جاوے بس ذکر کا تصور تو رہتا ہے مگر زبان کو حرکت نہیں ہوتی۔ کیا ایسا ذکر بھی مفید اور موجب اجر ہے۔

تحقیق:۔ یہ ذکر نہ رہے فکر کی یا مراقبہ کی اور دونوں شرعاً مطلوب ہیں ذکر تو جا بجا نصوص میں مذکور ہے اور مراقبہ بھی ایک حدیث میں ہے راقب اللّٰہ تجدہ تجاهك۔ گو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فکر اور مراقبہ قضایا کے ساتھ خاص ہو مگر اطلاق سے ظاہراً عموم معلوم ہوتا ہے۔ (تربیت السالک جلد دوم صفحہ ۲۲۵)

استغراق

لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پوچھا کہ یہ لڑکی (آپ کی صاحبزادی کی طرف اشارہ کرکے جو آپ کے ساتھ جا رہی تھیں) آپ کی ہے۔ تو آپ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بہت غور سے اس کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے یعنی یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ میری لڑکی ہے گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔
(طریق القلندر صـ۳۹)

کیفیت استغراقیہ جو حضرات صوفیہ سے متوسطین کو حاصل ہوئی ہے کوئی بڑا کمال نہیں ہے۔ جیساکہ عام لوگ سمجھ رہے ہیں اگر استغراق بڑا مرتبہ ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد صادر نہ ہوتا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ نماز کو طول دوں مگر نماز میں کسی بچے کی آواز سن کر تخفیف کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ کو استغراق نہ ہوتا تھا البتہ محمود ضرور ہے (بشرطیکہ اس استغراق سے کوئی شرعی عیب پیدا نہ ہو) (مقالات حکمت صفحہ ۸۷)

توجّہ وتصّرف

توجّہ (تصرف) کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ دل چاہتا ہے کہ فلاں شخص میں ذوق وشوق، محبت حق، خوف وغیرہ پیدا ہو جائے اس کے واسطے دعا کر دے۔ اس کا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرا درجہ توجہ کا متعارف مصطلح ہے۔ وہ یہ کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا ہے اس میں تصور بقصدِ تصرف ہوتا ہے یہ گو جائز ہے مگر ذوقاً پسند نہیں اور اس میں فاعل قوت برقیہ ہوتی ہے جو انسان کے اندر ودیعت رکھی گئی ہے۔ جیساکہ زمین میں بھی یہ قوت بہت ہے۔ نظر لگنے میں بھی اسی کا اثر ہوتا ہے مسمریزم اور توجہ متعارف کا منشاء و ماخذ ایک ہے۔ ایک بُری جگہ صرف ہوتا ہے اور ایک اچھی جگہ۔ صرف اتنا ہی فرق ہے اور یہ مشق پر موقوف ہے اس لئے مشق کی جاتی ہے کہ دوسروں پر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نسبت کا انعقاد کریں گے بعض مشائخ کے یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے، مگر اس کا نفع باقی نہیں رہتا۔ طالب کیفیت کو نفع سمجھ کر اس کو کافی جانتا ہے اس لئے کام چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں چند خلجان ہیں۔ اوّل تو سنت میں منقول نہیں دوسرے اس سے اکثر کو کام میں سستی ہونے لگتی ہے اگر خود دوسرے پر اثر پڑے اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی خود توجہ کرنے میں تو اس وقت قلب میں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ مطلق نہیں رہتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یوں معمولی بات چیت میں بھی توجہ الی اللہ نہیں ہوتی تو جواب یہ ہے کہ یہ اس سے اشد ہے، کیونکہ اس سے قلب کو قصداً خالی کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹانا غیرت کی بات معلوم ہوتی ہے حلقہ متعارف میں یہی ہوتا ہے بس مسنون طریقہ اصلاح کا وعظ، نصیحت دعا ہے اور توجہ تام حق تعالیٰ کا حق ہے البتہ اس کے کچھ آداب ہیں۔ (تصوف و سلوک)

توجہ متعارفہ کے متعلق

ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اپنے ہی فکر سے فرصت نہیں دوسروں کی طرف ہر وقت متوجہ رہنے کی مجھے کہاں توفیق اور میں تو اس توجہ متعارف کو تکلف ہی سمجھتا ہوں اور اس کے خلاف تقریریں بھی کیا کرتا ہوں اور اگر اس میں نفع رسانی کی نیت ہو تو میں اس کو جائز سمجھتا ہوں اور اسی بناء پر توجہ دینا بعض بزرگوں کا معمول بھی رہا ہے۔ لیکن جس طریق سے رائج ہے وہ طریق سنت میں منقول نہیں۔ اور مجھے تو باوجود جائز سمجھنے کے توجہ متعارف سے طبعی توحش ہے جیسے اوجھڑی سے کہ گو حلال ہے لیکن بعض طبعیتیں اس کو قبول نہیں کرتیں مجھے تو اپنی توجہ کو سب طرف سے ہٹا کر ایک خاص شخص کی جانب جو مخلوق ہے ہمہ تن متوجہ ہو جانے میں غیرت آتی ہے کیونکہ یہ حق تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کہ سب

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

طرف سے توجہ کو ہٹا کر بس اسی ایک ذات وحدہ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے البتہ دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ تعلیم کرنا اور دل سے یہ چاہنا کہ طالبین کو نفع پہنچے اور ان کی دینی حالت درست ہو جائے یہ توجہ کا ماثور طریق ہے اور یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور نفع اور برکت میں بھی توجہ متعارف سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس کے اثر کو بقاء ہے یہ خلاف توجہ متعارف کے کہ اثر بس اسی وقت ہوتا ہے پھر کچھ نہیں۔ جیسے تنور کے پاس جب تک بیٹھے رہے بدن گرم رہتا ہے اور جب ذرا وہاں سے اٹھے اور ٹھنڈی ہوا لگی بس بدن پھر وہی ٹھنڈے کا ٹھنڈا۔ اور جو توجہ کا مسنون طریق ہے اس کے اثر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کشتہ طلا یا سنکھیا مدبر استعمال کر کے اپنی حرارت غریزی کو بڑھا لیا ہو۔ تو اگر وہ شملہ پہاڑ پر چلا جائے تب بھی وہ حدت بدستور باقی رہے گی۔

(اشرف السوانح ص۱۹ حصہ دوم)

حقیقتِ کشف

کثرتِ ذکر اور اجتناب عن المعاصی۔ اتباع احکاماتِ الٰہیہ اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کیفیت باطنی میں لطافت پیدا ہوتی ہے اس سے قلبِ سالک پر سے حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں۔ اس کو کشف کہتے ہیں۔

کشف دو طرح سے ہے کشف کونی اور کشفِ الٰہی۔ کشفِ کونی یہ کہ بُعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے مستقبل کا حال معلوم ہو جاتے۔ پوشیدہ چیزوں کا راز معلوم ہو جائے یا جو بات آئندہ ہونے والی ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ کشفِ الٰہی یہ کہ علوم و اسرار و معارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات و صفات کے اس کے قلب

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

پر وارد ہوں۔ یا عالم مثال میں یہ چیزیں متمثل ہوکر مکشوف ہوں۔ (تعلیم الدین ص۱۰۱)
اور واردات غریبہ و مواجید مثل ذوق و شوق، محبت و انس و ہیبت و
انکشاف اسرار احکام و حسن معاملہ فیما بینہ و بین اللہ وغیرہ فائز ہوں۔
جن کی لذت کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہے (اور یہ امور حالات کہلاتے
ہیں۔ یہی علوم کشف الٰہی کہلاتے ہیں) کشف کونی نہ لذت میں اس کی گرد کو پہنچتا ہے نہ
قرب میں اس کو اس کا سا دخل ہے۔ (تصوف و سلوک ص۹۲)

عالم غیب کی اشیاء کا منکشف ہونا ایک حال رفیع ہے جبکہ اتباع شرع کے ساتھ
ہو۔ حدیث کی دلالت سے ظاہر ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام
کا حضرت سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو نظر آجانا حدیث میں صریحاً مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ اگر
یہ فرشتے اوروں کو بھی نظر آتے تھے۔ تب مدلول حدیث مسئلہ تمثل ہے اور اگر اوروں
کو نظر نہ آتے تھے تو مدلول حدیث کشف ملائکہ ہے۔ (التکشف)

بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا۔
چنانچہ حدیث بخاری شریف میں حضرت اُسید بن جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ملائکہ کا کشف
تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ محققین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جو شخص
اس تحقیق سے آگاہ ہو جائے گا۔ وہ کشف میں اپنی فہم و رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا
اور ایسا شخص بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔ (التکشف)

بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے یہ ان کے اختیار میں نہیں دیکھو حضرت یعقوب
علیہ السلام کو مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی حالانکہ اس بے خبری سے
جو کچھ ان کو رنج و غم پہنچا وہ مشہور ہے کہ روتے روتے نابینا ہو گئے۔ تو اگر امر اختیاری
تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو کیوں خبر نہ ہوئی اور جب خبر ہونے کا وقت آیا تو
میلوں دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو آنے لگی۔ پس جبکہ کشف
اختیاری چیز نہیں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہوا ہی کرے۔ بلکہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقت تو یہ ہے کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ اگر کافر بھی ریاضت و مجاہدہ کرے تو اس کو بھی کشف ہونے لگتا ہے، نیز مجنونوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ (وعظ علم و عمل)

کشف و الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اگر موافق قواعد شرعیہ کے ہے تو قابل عمل ہوگا ورنہ واجب الترک ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو لیکن کشف میں باہم اختلاف ہو تو اگر وہ دونوں کشف ایک ہی شخص کے ہیں تب تو اخیر کشف کا اعتماد ہوگا اور اگر وہ دونوں کشف دو شخصوں کے ہیں تو صاحب صحو کا کشف بہ نسبت صاحب سکر کے قابل عمل ہوگا اور اگر دونوں صاحب صحو ہیں تو جس کا کشف اکثر شرع کے موافق ہوتا ہو وُہ قابل اعتبار ہے اور اگر اس میں بھی دونوں برابر ہیں تو جس شخص میں آثار قرب الٰہی و مقبولیت کے زیادہ پائے جائیں اس کے کشف کو ترجیح ہوگی اور اگر اس میں بھی برابر ہیں تو جس کو اپنا دل قبول کرے اس پر عمل جائز ہے اور اگر ایک کشف ایک شخص کا اور دوسرا کشف کئی شخصوں کا ہو تو جماعت کے کشف کو قوت ہوگی۔ البتہ اگر وہ تنہا سب سے اکمل ہے تو اس کے کشف کو ترجیح ہوگی۔ (تعلیم الدین)

اور جس کو کشفِ الٰہی ہوتا ہے اگر اس کے متعلق پیری مریدی کی خدمت اور مخلوق کے باطن کی اصلاح ہو جائے تو وہ قطب الارشاد کہلاتا ہے اور کشف کونی والے کے متعلق اگر خلق کی دنیاوی اصلاح و درستی ہو جائے، تو وہ قطب التکوین کہلاتا ہے۔ (تصوف و سلوک)

کشف و کرامات کی حقیقت

ملفوظ: فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ اس کو قرب میں کچھ دخل نہیں۔ بعضوں کو کشف سے فطری مناسبت ہوتی ہے بعضوں کو نہیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جیسے بعضوں کی نظر پیدائشی طور پر دوربین ہوتی ہے۔ بعضوں کی نزدیک بین۔ مسجد کے سقادہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فرض کیجئے ایک شخص کی نظر صرف سقادے ہی تک پہنچتی ہے اور ایک کی باہر سڑک تک تو کیا جس کی نظر سڑک تک پہنچتی ہے وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک زیادہ مقرب ہوگا۔ یہ تو محض نظر کی ایک قسم ہے اس کو قرب سے کیا علاقہ۔

بعضوں کو کشف سے فطرۃً مناسبت نہیں ہوتی لاکھ مجاہدہ و ریاضت کریں عمر بھر کشف نہیں ہوتا۔ اصل چیز تو عبدیت ہے واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہوں اور پھر وہ اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے تو محسوس کرے گا کہ ذرہ برابر ترقی نہیں ہوتی برخلاف اس کے اگر وہ دو چار مرتبہ بھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ کر اپنے وجدان کو دیکھے تو صاف محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالٰی کے ساتھ قرب بڑھ گیا اہل ذوق جب چاہیں اس کا تجربہ کر لیں۔ (اشرف السوانح)

کرامت

کرامت سے متعلق تحقیق انیق

مقدمہ مسئلہ اوّل

جاننا چاہئے کہ خلاصہ کلام محققین کا اس باب میں یہ ہے کہ کرامت اس امر کو کہتے ہیں جو کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہو پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو کرامت نہیں ہے اور جس

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

شخص سے وہ امر صادر ہوا ہے اگر وہ کسی نبی کا متبع اپنے کو نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں ہے جیسے جوگیوں ساحروں وغیرہم سے بعض امور ایسے واقع ہو جاتے ہیں اور اگر وہ شخص مدعی اتباع کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو جس طرح اہلِ بدعت یا فروع میں جیسے فاسق وفاجر اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو تو وہ بھی کرامت نہیں ہے بلکہ استدراج ہے جس کا ضرر یہ ہے کہ یہ شخص بوجہ خرق عادت کے اپنے کو کامل سمجھتا ہے اور اس دھوکے میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتا نعوذ باللہ کس قدر خسران عظیم ہے پس کرامت اس وقت کہلائے گی جبکہ اس کا صدور مومن متبع سنت کامل التقویٰ سے ہو اب ہمارے زمانے میں کسی شخص کے کیسے ہی عقاید ہوں اور کیسے ہی اعمال و اخلاق ہوں اس کو صاحب کرامت کہتے ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھو مگر وہ شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل ہیچ سمجھو۔

مسئلہ دوم

اور جاننا چاہئے کہ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے، اور نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور احیاناً علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم وقصد دونوں امر ہوتے ہیں۔ اس بنا پر کرامت کی تین قسمیں ٹھیریں۔ ایک قسم وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی، جیسے نیل کا جاری ہونا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فرمان مبارک سے اور دوسری وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہم السلام کے پاس بے فصل میووں کا آجانا۔ تیسری قسم وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چند سہ چند ہو جانا چنانچہ خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کو تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور
ایک احتمال عقلی کے اعتبار سے خلاف واقع ہے کہ قصد ہو اور علم نہ ہو کیونکہ بغیر علم
کے قصد ممکن نہیں اور لفظ تصرف و ہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے۔
قسم ثانی و ثالث کو تصرف نہیں کہتے۔ البتہ برکت و کرامت کہلاتی ہے۔

مسئلہ سوم

اور جاننا چاہیئے کہ ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسم ہیں ایک حسّی
ایک معنوی۔ عام لوگ اکثر حسّی کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں، جیسے
مافی الضمیر پر مطلع ہو جانا پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا وغیرہ خواص کے نزدیک بڑا کمال
کرامت معنوی ہے یعنی شریعت پر مستقیم رہنا۔ مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا
نیک کاموں کا پابندی و بے تکلفی سے صادر ہونا۔ حسد و کینہ و دیگر صفات
مذمومہ سے قلب کا طاہر ہو جانا۔ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرنا یہ وہ کرامت
ہے جس میں استدراج کا احتمال نہیں۔ بخلاف قسم اوّل کے کہ اس میں یہ احتمال موجود
ہے اسی واسطے کاملین صدور کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہ یہ استدراج
نہ ہو یا خدانخواستہ اس سے نفس میں عجب نہ پیدا ہو جاوے یا اس کی وجہ سے
عوام میں شہرت و امتیاز پیدا ہو کر موجب ہلاکت ہو بلکہ بعض نے فرمایا کہ بعض
اولیا نے مرتے وقت تمنا کی ہے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی کرامت صادر نہ ہوتی
تاکہ اس کا عوض و اجر بھی آخرت میں ملتا۔ کیونکہ یہ امر مقدر ہے کہ جس قدر دنیا میں
کسی نعمت میں کمی رہے گی اس کا بدلہ آخرت میں عنایت ہوگا۔

مسئلہ چہارم

اور جاننا چاہیئے کہ بعض علماء نے کرامت کی قوت ایک حد خاص تک
معین کی ہے اور جو امور نہایت عظیم ہیں جیسے بدون والد کے اولاد پیدا ہونا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

یا کسی جماد کا حیوان بن جانا یا ملائکہ کا باتیں کرنا اس کا صدور کرامت سے ممتنع قرار دیا ہے مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالےٰ کا ہے ، صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے ۔ تاکہ اس ولی کی کرامت و قرب و مقبولیت عند اللہ ظاہر ہو ۔ سو اللہ تعالےٰ کی قدرت کی جب کوئی حد نہیں تو پھر کرامت کیسے محدود ہو سکتی ہے ۔ رہا یہ شبہ کہ معجزے کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے ، اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہے کہ میں نبی کا غلام ہوں تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا ہے بہ تبعیت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں جو اس شبہ کی گنجائش ہو البتہ جس خرق عادت کی نسبت نبی کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں کر سکتے ، جیسے قرآن مجید کا مثل لانا ۔

مسئلہ پنجم

اور جاننا چاہیئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے مگر جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و اختیار باقی نہ رہے یا کسی طالب حق و مرید کے یقین کا قوی کرنا مقصود ہو وہاں اظہار جائز ہے ۔

مسئلہ ششم

اور جاننا چاہیئے کہ بعض اولیاء کاملین کا مقام غلبۂ عبودیت و رضا کا ہوتا ہے اس لئے کسی شے میں وہ تصرف نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی کرامتیں نہیں معلوم ہوتیں اور بعضوں کو قوت تصرف ہی عنایت نہیں ہوتی تسلیم و تفویض ہی ان کی کرامت ہوتی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا وجود یا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ظہور ضروری نہیں۔

مسئلہ ہفتم

اور جاننا چاہئے کہ بعض اولیا اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنی حدِ تواتر تک پہنچ گیا ہے۔

مسئلہ ہشتم

اور جاننا چاہئے کہ کرامت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اسباب طبیعہ سے وہ اثر پیدا نہ ہوا ہو خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا خفی۔ اس مقام پر لوگوں سے دو غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں بعض تو مطلق عجیب امور کو کرامت سمجھتے ہیں اور عامل کے معتقد کمال بن جاتے ہیں آج کل اس قسم کے بہت قصے واقع ہو رہے ہیں۔ مسمریزم زلیس حاضرات و ہمزاد کا عمل عملیات و نقوش طلسمات و شعبدات تاثرات عجیبہ ادویات سحر چشم بندی وغیرہا کہ اس میں بعض کے آثار تو محض خیالی ہیں اور بعض کے واقعی بھی ہوں تو اسباب طبیعہ خفیہ سے مربوط ہیں کرامت ان سب خرافات سے منزہ ہے اور بعض لوگ کرامات کو بھی قوت طبیعہ پر محمول کر کے سب کو ایک لکڑی سے ہانکتے ہیں۔ صاحب بصیرت طالب حق کو قرائن قویہ سے بنظر انصاف فرق معلوم ہو جاتا ہے اور اس فعل میں قوت طبیعہ کو دخل ہے یا محض قوت قدسیہ ہے یا کسی قوت کو بھی دخل نہیں محض کائن عن الغیب ہے۔

مسئلہ نہم

اور جاننا چاہئے کہ جس فعل کا ظاہری قویٰ سے کرنا منع ہے باطنی قویٰ سے بھی منع ہے جیسے کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا کسی قلب پر تردد ڈال کر اس سے کچھ روپیہ لے لینا یا کسی کا راز پنہاں معلوم کرنا یا قصداً نامحرم کی طرف التفات کرنا بعض لوگ مطلقاً خرق عادت کو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

شعبہ ولایت کا سمجھ کر ان سب تصرفات کو حلال اور داخل کرامت سمجھتے ہیں یہ سخت غلطی ہے۔

مسئلہ دھم

اور جاننا چاہیئے کہ ولی سے احیاناً کوئی امر ناجائز صادر ہونا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو اور تنبیہ کے وقت توبہ کرے یا کسی اختلافی مسئلہ میں غلط شق کو اختیار کرنا ولایت و کرامت میں خارج نہیں ہے یہ کل دس مسئلے ضروری اس باب کے متعلق ہیں۔ (التکشف ص۹، تربیت السالک ص۵۵)

معارف وحقائق

اقسام علوم اور اس کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ معارف وحقائق میں ہر شخص کا جداگانہ مذاق ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حقائق ومعارف وہ مقبول ہیں جن کو شریعت رد نہ کرے۔ سیریہ میں ابو سلمان دارانیؒ کا قول منقول ہے

رُبَمَا يَقَعُ فِي قَلْبِي النُّكْتَةُ مِنْ نُكَتِ الْقَوْمِ أَيَّامًا فَلَا أَقْبَلُ مِنْهُ إِلَّا بِشَاهِدَيْنِ عَدْلَيْنِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔

اکثر میرے دل میں کوئی نکتہ اسرار صوفیہ میں سے آتا ہے مگر میں اس کو بلا دو عادل گواہوں کے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہے قبول نہیں کرتا۔

ابو خرازؒ کا قول ہے:۔

كُلُّ بَاطِنٍ يُخَالِفُهُ ظَاهِرٌ فَهُوَ بَاطِلٌ۔

جو باطن کہ ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل اور مردود ہے۔

اور ان علوم کی دلیل محض کشف ہے اور قرآن وحدیث کے اندر ان مسائل کا داخل کرنا

تکلف سے خالی نہیں البتہ اگر کسی کو شوق ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں لگ جائے تو خود ہی سب حقائق و معارف منکشف ہو جائیں گے اور یہ حال ہو گا ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

(بغیر کسی تعلیم و معلّم کے انبیاء علیہم السلام کے علوم منکشف ہو جائیں گے) اور جن کو یہ حقائق حاصل ہوتے ہیں بحض عمل اور اطاعت ہی سے حاصل ہوئے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(یہ اسرار عقل پرستی اور فہم کے تیز کرنے سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ شکستگی اور انقیاد سے خدا تعالیٰ کا فضل متوجہ ہو جاتا ہے) یعنی ان حقائق و معارف کی معرفت اطاعت اور عبدیت ہی سے حاصل ہوتی ہے عقل پرستی اور زیادہ قیل و قال سے حاصل نہیں ہوتی۔ (تعلیم الدین۔ وعظ تفضیل الدین)

الہام

قَالَ اَنَا عُمَرُ وَلَمْ اَحْرِصْ عَلٰی اَمْرِكُمْ وَلٰكِنَّ الْمُتَوَفّٰی اَوْصٰی اِلَیَّ بِذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَلْهَمَہٗ ذٰلِكَ

(الحدیث اخرجہ مالک)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں عمر ہوں اور تم پر حاکم بننے کی مجھ کو خواہش نہ تھی لیکن مجھ کو متوفی (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس کی وصیت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کا القاء فرمایا تھا۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بعض اولیاء کا صاحب الہام ہونا منقول ہے اس سے اس کا اثبات ہوتا ہے حقیقت اس کی یہ ہے کہ بلا واسطہ فکر و اکتساب کے کوئی حقیقت قلب میں القا ہو جائے (یا ہاتف غیبی کی آواز آئے)

الہام کی مخالفت سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر دُنیا کا ضرر ہو جاتا ہے اور دنیا کے ضرر کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ مال یا جان کا ضرر ہو جائے۔ سو الہام کی مخالفت میں کبھی یہ ضرر بھی ہو جاتا ہے، دوسری قسم دنیا کے نقصان کی یہ ہے کہ ذوق و شوق میں کمی آجائے اور الہام کی مخالفت سے زیادہ اسی نوع کا نقصان ہوتا ہے، اور ذوق و شوق کو جو دنیا کی شے کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک نفسانی کیفیت ہے جو اہل حق کے مسلک کے خلاف ہے گو وہ بعض احوال میں معین دین بھی ہو مگر مطلوب بالذات نہیں، بلکہ بعض اوقات اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ نافع ہوتا ہے (شریعت اور طریقت ص۲۱۴)

الہام حق

حال ۔ گذشتہ جمعرات کو بعد عشاء، احقر درود شریف کا وِرد کر رہا تھا اچانک ایک آواز عالم غیب سے آئی کہ قسم ہے خدا تعالیٰ کی بجز آخرت کے دنیا میں نہیں دیکھو گے تم بے فکر خدا کی عبادت کرو۔ یہ کیا چیز ہے معلوم نہیں ؟

تحقیق ۔ یہ الہام حق ہے اس میں اسی کی تعلیم ہے جو اہلِ حق و اہلِ تحقیق فرمایا کرتے ہیں مقصود اس سے یہ ہے کہ کام کرتے رہو ثمرات کی فکر میں مت پڑو وہ اپنے وقت پر آپ ہو رہیں گے ان میں سے جو آخرت میں ہونے والے ہیں ان کی دنیا میں ہوس مت کرو (تربیت السالک جلد اول ص۳۹۵، النور ص۳۹۱)

خواب

ارشاد ۔ سچا خواب ایک حال محمود ہے حدیث سے اس کا وقوع ثابت ہوتا ہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ۔

۱. حدیث النفس (خیالات)

۲. تخویف الشیطان (شیطان بوجہ عداوت کے غمزدہ کرنے کیلئے مکروہ امور دکھلاتا ہے)

۳. بشارت من اللہ۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے ۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی برا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھتکار دے اور تین بار اعوذ باللہ پڑھے اور جس کروٹ پر تھا اس کو بدل دے ، اس کو مسلم نے روایت کیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

بعض ناواقفان سلوک کو دیکھا ہے کہ خواب پر ان کو بہت ہی نظر ہوتی ہے ، اچھے خوابوں کی کمی ہو جاتی ہے تو اس کو علامت بُعد من اللہ کی سمجھ کر مغموم اور متفکر ہوتے ہیں۔ اچھے خواب نظر آجاتے ہیں تو اس کو منتہائے مقصود سمجھ کر ناز کرتے ہیں کوئی واقعہ نظر آجاتا ہے تو اس پر پورا اعتماد کر لیتے ہیں حدیث سے ان سب خیالات کا غلط ہونا صاف معلوم ہو گیا اور برے خواب کے ضرر سے بچنے کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا۔ غرض خواب اتنی بڑی چیز نہیں جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اصل فکر حالت بیداری کی چاہئے کہ وہ مرضی عنداللہ ہے یا غیر مرضی ہے۔ نیز یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ خواب موثر تو ہوتا نہیں (کہ قرب یا بُعد میں اس کو دخل ہو) البتہ اگر واقعی خواب ہو تو اثر یقینی کسی فعل نیک و بد کا ہو سکتا ہے اور ہم جیسوں کے خواب ، خواب ہی نہیں ہوتے ، چونکہ وہ موثر نہیں لہٰذا اصلاً قابل التفات نہیں۔ (شریعت اور طریقت ص ۳۴۵)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ریاضت میں غلو کی ممانعت

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں کوئی شخص رات کو اٹھے پھر (غلبہ نوم سے) قرآن اس کی زبان سے صاف نہ نکلے اور (نوم کے غلبہ سے) کچھ خبر نہ ہو کہ زبان سے کیا نکل رہا ہے تو اس کو لیٹ جانا چاہئے (تاکہ نیند آنے سے طبیعت ہلکی ہو جائے اس کے بعد پھر پڑھنا شروع کر دے) (مسلم۔ ابوداؤد)

ف۔ بعض لوگ تقلیل طعام یا تقلیل منام وغیرہ اسباب مجاہدہ میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں کہ ضرر لاحق ہو جانے کی طرف بھی التفات نہیں کرتے اس حدیث میں اس کی اصلاح ہے اور اس میں دو راز ہیں ایک یہ کہ غلو سے بعض اوقات ضرر جسمانی لاحق ہو جاتا ہے پھر ضروری عبادت بھی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ جب غلبۂ نوم سے الفاظ صحیح نہیں نکلیں گے تو جو ثواب خاص ان الفاظ کے متعلق ہے وہ حاصل نہ ہوگا پھر نرے جاگنے سے کیا فائدہ۔ (التکشف)

فراستِ مومن

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔ (ترمذی)

ف۔ صفاء قلب کی بدولت جو کہ مواظبت ذکر اللہ وملازمت تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے اکثر وجدانی طور پر حقائق واقعات کے مدرک ہونے لگتے ہیں۔ اس کو فراست کہتے ہیں گویا وہ کشف کا ایک شعبہ ہے۔ حدیث صراحۃً اس کی مثبت ہے اور حدیث میں نور اللہ عبارت اسی صفا سے ہے جس کا سبب ذکر وتقویٰ ہے۔

(التکشف)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اِصطلاحات کی تشریح

اصطلاحات سے بے علمی مضر نہیں

حال:۔ سوال ۔ حضور مشاہدہ ۔ معائنہ ۔ فنا ۔ بقا ۔ صرف یہ ترقی ملکہ یادداشت اور رسوخ نسبت مع اللہ کا نام ہے یا کوئی اور چیزیں ہیں ؟

تحقیق:۔ ان ہی کے آثار ہیں یہ سب اصطلاحیں ہیں جن کی تفسیر تعلیم الدین میں موجود ہے استعداد کے اختلاف سے مختلف حالات پیش آتے ہیں جن کے لئے کوئی ضابطہ نہیں ۔ حالات کی اطلاع ہونے سے معلم تشخیص کر لیتا ہے لیکن اگر تشخیص بھی نہ کیا جاوے تو ان کے جو منافع ہیں وہ کام کرنے سے حاصل ہوتے رہتے ہیں جیسے دوا سے صحت ہوتی رہتی ہے ۔ گو مراتب صحت کے مریض کو معلوم نہ ہوں طبیب ان درجات کو سمجھ کر تدبیر کرتا رہتا ہے ۔

(تربیت السالک جلد دوم صفحہ ۲۲۵)

قربِ نوافل

ارشاد ۔ تصوف کی اصطلاح میں وہی وحدۃ الوجود ہے وہی وحدۃ الشہود ہے وہی فنا ہے وہی قرب ہے وہی وصال ہے جو شریعت کی اصطلاح میں عبدیت یا بندگی ہے اور جس کو مشہور احادیث کے اتباع میں قرب نوافل اور قرب فرائض کے عنوانات سے صوفیا نے تعبیر فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ

جب بندہ ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے تو اس کے صفاتِ رذیلہ اور شہوت و غضب کے دواعی یا محرکات زائل ہو جاتے ہیں اور نفس میں مرضیات الٰہیہ سے محبت اور نامرضیات سے نفرت کا ایک راسخ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اعمال حسنہ و افعال محمودہ بے تکلف صادر ہوتے ہیں اور اعمال قبیحہ و افعال ذمیمہ قریب قریب معدوم ہو جاتے ہیں ۔ ایسے شخص کی نسبت حدیث میں آیا ہے فاذا احببتہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کنت سمعه الذی یسمع الذی یبصر به ویده التی یبطش بہا ورجله التی یمشی بہا (رواہ البخاری)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کے کان اور آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا دیکھتا پکڑتا اور چلتا ہے۔

جب وہ مرضی حق کے خلاف نہ کان سے کچھ سنتا ہے نہ آنکھ سے دیکھتا ہے نہ اس کے خلاف ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے بلکہ جو کچھ بھی دیکھتا سنتا یا کرتا ہے بالکلیہ حق تعالیٰ ہی کی مرضی اور حکم کے تابع رہ کر کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے کان آنکھ ہاتھ پاؤں اپنے کیا رہے عملاً خدا ہی کے ہو گئے۔ ورنہ ظاہری معنی عقلاً و شرعاً محال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس کے اعضاء جوارح سے سارے افعال اللہ ہی کی مرضی کے موافق سرزد ہوتے ہیں اس لئے یوں فرمایا کہ گویا میں ہی اس کے اعضاء (یعنی کان آنکھ ہاتھ پاؤں) بن جاتا ہوں۔

چونکہ مجازاً اس حدیث میں حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے اس لئے صوفیائے کرام نے اس کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ بندہ فاعل اور حق تعالیٰ آلہ بن جاتے ہیں اور چونکہ حدیث میں اس مرتبہ کا حصول تکثیر نوافل پر دارد ہے اور مجاہدہ و ریاضت میں تکثیر نوافل لازم ہے خواہ نماز ہو یا روزہ یا کثرت مراقبات یا تقلیل شہوات اس لئے صوفیاء حدیث کی پیروی میں اس مرتبہ کو قرب نوافل کہتے ہیں اور چونکہ اس میں صفات و افعال رذیلہ کا ازالہ ہوتا ہے اس لئے فنائے صفات سے تعبیر کرتے ہیں۔

قربِ فرائض

اس کا درجہ قرب نوافل سے بھی اعلیٰ ہے اور مطلب یہ کہ عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہو جائے کہ اپنی قوت و ارادہ کو حق کی قدرت و ارادہ کے سامنے ذوقی طور پر کالعدم جاننے لگے اور افعال و اعمال میں محض بمنزلہ آلہ حق کے ہو جائے اور

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حق کے مستقل مؤثریت پیش نظر ہو جاتے۔ یہ اول سے اعلیٰ ہے کیونکہ اول میں صرف فنائے رذائل تھا فنائے اختیار نہ تھا اس لئے یہ اس سے اعلیٰ ہوا۔ اور حدیث میں تقرب بالفرائض کو تقرب بالنوافل سے اعلیٰ و افضل کہا گیا ہے چنانچہ اس حدیث کا سب سے اول جزو یہ ہے وما تقرب الی عبدی بشیٔ من احب الیّ مما افترضت علیہ۔ اس لئے حدیث ہی کی موافقت میں صوفیا اس کو قرب فرائض کہتے ہیں اور چونکہ اس میں سالک کو اپنے ذاتی صفات قدرت و اختیار پر بھی نظر نہیں ہوتی اس لئے اس کو فنائے ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔ (التکشف)

حقیقتِ قرب

قرب نام ہے کمال دین کا

فرمایا کہ قرب نام ہے کامل ایمان اور عمل صالح یا کمال دین کا خصوصاً جب وہ امر طبعی کا حال بن جائے کہ دینی زندگی اور دینی احکام کی اطاعت طبیعت بن جائے اور زندگی کی ہر حرکت و سکون میں وہی بات بالطبع مرغوب و پسند ہو اور ادا کرنے کو جی چاہے جو خدا اور رسول کو پسند اور اس کی مرضی ہو۔ ایسی صورت میں نہ دین سے کسی قسم کی رجعت کی قدرت ہے اور نہ ارتداد کا اندیشہ ہے اور نہ اس کی راہ میں ترقی کے کسی مقام پر ٹھہر جانے کا بلکہ طبعی مطلوبات و مرغوبات کی طرح اس میں بھی مزید کی طلب اور برابر آگے بڑھنے ہی کی دُھن لگی رہے گی۔ دین کی لازم ہا استعدی کسی زندگی میں کسی درجہ پر قناعت نہ ہو گی جس طرح طبعی و نفسانی مرغوبات و مطلوبات یا دنیاوی ترقیوں میں آدمی کسی درجہ پر نہ ٹھہرتا ہے نہ قانع ہوتا ہے، پھر خدا رسی کے درجات کی تو بجائے خود بھی حد و نہایت نہیں۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اے برادر بے نہایت درگہے ست
ہرچہ بردے می رسی بر وے مایست

پس علم اور عمل اور حال کا جمع کرنا یہ طریقہ ہے قرب و رضا کا جو بہت بڑی دولت ہے کیونکہ دولت کا مقصود راحتِ قلب ہے تو اس سے بڑھ کر کیا راحت ہوگی کہ محبوب حقیقی راضی ہو اور قریب ہو۔

قرب کے مختلف درجات ہیں۔ ایک قرب تو حقیقی ہے جس کا ترجمہ "ملجانا" کرلو یا ادراک حقیقت، یا اسی کے ہم معنیٰ جس لفظ سے چاہو کرلو۔ سو قرب حقیقی تو کسی کو حق تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حق تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہے۔ تو ملجانے کے تو کوئی معنیٰ ہی نہیں ہو سکتے۔ اور ادراک حقیقت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک احاطہ کو چاہتا ہے اور بندہ ممکن ہے اور حق تعالیٰ واجب، اور ممکن متناہی ہوتا ہے اور واجب لامتناہی۔ پھر لامتناہی کو متناہی کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرب بایں معنیٰ تو ہو نہیں سکتا کہ اتصال ہو جاوے۔ یا ادراک حقیقت ہو جاوے۔ اور ایک قرب مجازی ہے جس کا حاصل رفع یا تقلیل حُجب ہے (حجاب) اور (ان کے علاوہ) ایک قرب علمی ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہر چیز کو حاصل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ یا نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔

دُوسرا قرب تعلق خصوصیت ہے۔ جیسے اردو میں ہم کبھی یوں کہتے ہیں کہ میں پاس ہوں۔ کہو۔ کیا کہنا ہے؟ یعنی سُن رہا ہوں۔ اس میں تو پاس ہونے سے قرب علمی و قرب سماع کا بیان مقصود ہے۔ اور کبھی ہم یوں کہتے ہیں کہ فلاں ہمارا قریب ہے یعنی اس کو ہم سے خاص تعلق ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ تم تو دور رہ کر بھی پاس ہی ہو۔ یعنی تم سے ہمارے دل کو خاص تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰىٓ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ۔ (الآیہ)

اور تمہارے اموال اور اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنائے۔ ہاں مگر جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں چیزیں البتہ سبب قرب ہیں) سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے نیک عمل کا دونا صلہ ہے اور وہ بہشت کے بالا خانوں میں چین سے ہوں گے۔

اس آیت میں قرب سے مراد قرب رضا ہے یعنی اللہ تعالےٰ کا راضی ہونا جو بعض کو حاصل ہوتا ہے۔ قرب علم مراد نہیں۔ کیونکہ وہ مومن وصالح کے ساتھ خاص نہیں۔ نیز اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو ایک بڑی دولت (قرب) کا پتہ اور اس کے حصول کا طریقہ بتلایا ہے۔ اور جو غلطیاں اس میں واقع ہوتی ہیں ان پر تنبیہ فرمائی ہے یعنی مال واولاد جس کی تحصیل کے پیچھے لوگ پڑے ہیں۔ یہ قرب کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کے ذرائع ایمان وعمل صالح ہیں اور ظاہر ہے کہ ایمان وعمل صالح میں وہی درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو۔ کیونکہ ناقص تو ادنیٰ سے ادنیٰ مومن کو بھی حاصل ہے وہ پورا پسندیدہ نہ ہوگا۔ اور جو پورا پسندیدہ نہ ہو وہ پسند یا رضا کا ذریعہ کیسے بن سکتا ہے۔ (مطلب یہ کہ قرآن مجید کی رُو سے جو قرب مطلوب ہے اور جس کو اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ میں انسانیت کا بلند ترین مقام قرار دیا گیا ہے۔ وہ کمال ایمان یا بالفاظ دیگر کمال دین ہی کا نام ہو سکتا ہے۔ اس لئے اصطلاحاً علم احسان کی طرح تصوف کا دوسرا نام علم قرب رکھ لیا جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ اس اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ اسلامی تصوف چونکہ نام ہی احسان یا کمال دین کا ہے اور اسی کمال دین کے درجہ کا قرآنی نام قرب ہے۔ یعنی کامل ایمان وعمل صالح۔ یا کمال دین خصوصاً جب وہ امر طبعی کا حال بن جائے کہ دینی زندگی اور دینی احکام کی اطاعت طبیعت بن جاتے اور زندگی کی ہر حرکت وسکون میں وہی بات

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بالطبع پسند ہو اور کرنے کو جی چاہے جو خدا تعالےٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو اور ان کی مرضی ہو۔ (شریعت اور طریقت ص۲۴۶)

نسبت و مقام کی تفصیل

حال۔ ایک بات دریافت کرتا ہوں۔ اگر حضور یہ کسی مصلحت علاج کے خلاف نہ خیال فرمادیں، تو جواب سے سرفراز فرمایا جاؤں وہ یہ ہے کہ میں امراض نفس کا سخت مریض ہوں۔ آسان علاج کے لئے وہ کیا چیز ہے جس کی تحصیل کا طالب مکلف ہے تاکہ ہر وقت اس کا خیال دل میں جار ہے۔

تحقیق:۔ ایک غلبۂ ذکر کہ غفلت میں وقت کم گذرے، دوسری دوام طاعت کہ نافرمانی بالکل نہ ہو۔ اصل مقصود بالتحصیل یہی چیزیں ہیں اور اسی کے لئے مجاہدات و معالجات اختیار کئے جاتے ہیں جن پر حسب سنت اللہ وہ مقصود مرتب ہو جاتا ہے اولاً قدرے تکلف ہوتا ہے بعد چندے (جس کی مدت معین نہیں یہ استعداد پر ہے) مثل امر طبعی کے ہو جاتا ہے، گو احیانا ضد کا تقاضا بھی ہو جاتا ہے مگر ادنیٰ توجہ سے وہ ضد مغلوب ہو جاتی ہے اس رسوخ و ثبات کو مقام کہتے ہیں پس یہ فی نفسہ غیر اختیاری ہے اور باعتبار اسباب کے اختیاری ہے اور یہی رسوخ و ثبات اس حیثیت سے کہ غلبۂ ذکر و دوام طاعت کا ملزوم ہے۔ نسبت کہلاتا ہے، یعنی حضرت حق سے ایسا قوی تعلق جس پر غلبہ و دوام مذکور کا ترتب لازم ہو اور اس نسبت من العبد پر ایک دوسری نسبت من الحق موعود ہے یعنی رضا و قرب، پس اہل طریق جب لفظ نسبت کا اطلاق کرتے ہیں۔ مراد ان ہی دو نسبتوں کا مجموعہ ہوتا ہے نہ کہ صرف ملکۂ یاد داشت جس میں بہت سے غیر محقق دھوکے میں ہیں (ماخوذ تربیت السالک دوم)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نسبت باطنی کی علامت

ملفوظ۔ علامت نسبت باطن کے حاصل ہونے کے دو ہیں ایک یہ کہ اللہ کی یاد دل میں ایسی جم جائے کہ کسی دم دل سے دور نہ ہو دوسرے یہ کہ اللہ کے حکموں پر چلنے کی توفیق، چاہے وہ احکام ایسے ہوں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے طریقے بتلائے ہیں اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں نشست و برخاست اور تمام کاموں کا طریقہ بتلایا ہے۔ ان سب حکموں کی طرف ایسی رغبت ہو جائے اور جس سے منع فرمایا ہے ان باتوں سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی کہ ان چیزوں کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ جو اپنے جی کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جیسی ان چیزوں سے نفرت ہوتی ہے جو اپنے جی کو بُری معلوم ہوتی ہیں اور اس کی سب عادتیں مطابق قرآن شریف کے ہو جائیں۔ (اشرف السوانح)

نسبت سلب نہیں ہوتی

سوال:۔ کیا نسبت سلب کرنے سے سلب ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: اصل نسبت جو عبارت ہے حضور مع اللہ سے، وہ کسی کے سلب کر لینے سے سلب کس طرح ہو سکتی ہے ہاں صدور معصیت سے سلب ہو جاوے تو یہ دوسری بات ہے البتہ کیفیت شوقیہ جو ایک نوع کی حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ سلب ہو جاتی ہے جو لوگ اس سلب کی مشق کرتے ہیں وہ اس کو سلب کر سکتے ہیں جس طرح نشاط کے وقت اگر طبیعت کو حزن پیدا ہو جاوے تو وہ کیفیت نشاط کی جاتی رہتی ہے اسی طرح تصرف سلب سے وہ کیفیت شوقیہ جاتی رہتی ہے اور ایک قسم کی افسردگی در عبادت ہو جاتی ہے مگر پھر ذکر کی برکت سے عود کر آتی ہے۔ (تربیت السالک جلد ا)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سیر الی اللہ و سیر فی اللہ

ارشاد۔ تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امراض سے شفا ہوگئی اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوارِ ذکر سے معمور ہوگیا یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے۔ موانع مرتفع کر دیئے۔ معالجہ امراض سے واقف ہوگئے نفس کی اصلاح ہوگئی، اخلاق رذیلہ زایل ہوگئے اور اخلاق حمیدہ سے، انوار ذکر سے قلب آراستہ ہوگیا۔ اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اعمال و عبادات میں سہولت ہوگئی نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہوگیا تو سیر الی اللہ ختم ہوگئی۔ اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق سابق میں ترقی ہوئی۔ اسرار و حالات کا ورود ہونے لگے یہ غیر محدود ہے۔ یہ وہ تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے ؎

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست (انفاس عیسیٰ)

مقامِ فنا کی تحقیق

سوال :۔ فنا میں بے خودی اور بے شعوری ہوتی ہے یا نہیں ؟

جواب : ارشاد فرمایا کہ فنا میں اپنی اور مخلوق کی جانب سے بے التفاتی ہو جاتی ہے۔ خواہ استغراق ہو یا نہ ہو اس کے لئے استغراق لازم نہیں اور اس کی دو قسم ہیں ایک یہ کہ سالک کی صفات ذمیمہ جس قدر ہیں سب مبدل بہ صفات حمیدہ ہو جاویں مثلاً کسی میں صفت نخوت۔ کبر۔ بخل۔ غضب اور ریا۔ حرص و طمع وغیرہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کی ہے تو بجائے اس کے صفت تواضع ۔سخاوت ۔تحمل ۔قناعت ۔اخلاص اور توکل وغیرہ کی پیدا ہو جاوے ۔جہاں اس کا صرف کرنا مذموم اور بے محل ہو مثلاً کوئی معصیت کی جگہ ہے تو ایسی جگہ تواضع ۔سخاوت ۔تحمل وغیرہ کرنا مذموم ہوگا اور معصیت ہوگی اور جہاں معصیت کا احتمال نہ ہو وہاں اس کا صرف کرنا محمود ہے علیٰ ہٰذا القیاس مابقی صفات کو بھی سمجھ لو پس اس فنا میں سالک کی صفات ذمیمہ نخوت ،کبر ،غضب ،شہوت وغیرہ واقعی فنا ہو جاتی ہیں اور اس کا ازالہ اور امالہ واقع میں ہو جاتا ہے اور باقی رہتا ہے ۔صفات حمیدہ اخلاص تواضع ،صبر و شکر ،علم حلم توکل رضا وغیرہ کے ساتھ بایں معنی اس صفات ذمیمہ کے فنا کو فنائے حسی اور بجائے اس کے صفات حمیدہ پیدا ہو جانے کو بقا فن کی اصطلاح میں کہتے ہیں اور دوسری قسم فنا کی یہ ہے کہ غلبہ شہود ذات اور صفات حق کی وجہ سے سالک اپنے اور مخلوق کے علم اور التفات سے فنا ہو جاتا ہے ۔اور علم اور التفات حق کے ساتھ باقی دنیا ہے ،اور واقع میں سالک اور مخلوق فنا نہیں ہو جاتے بلکہ علم اور التفات فنا ہو جاتا ہے ۔بایں معنی اس فنا کو فنائے علمی فن کی اصطلاح میں کہتے ہیں کیا معنی کہ جیسا علم اور التفات سالک کو اپنے اور دوسروں کی جانب پہلے تھا اب ویسا نہیں رہا ۔فنا ہو گیا

فانی شوی و بد و رست باقی
این طرفہ نیستند و ہستند

اس فنا کے بعد جو کیفیت سالک حاصل کرلیوے اس کو بقا کہتے ہیں ۔اور اگر اس علم فنا سے بھی فنا حاصل کرلیوے اس کو فنا در فنا اور فناء الفنا فن کی اصطلاح میں کہتے ہیں مطلب یہ کہ اس فنا میں اپنی فنا کا بھی سالک کو علم نہیں ہوتا کہ میں فنا ہو گیا ہوں ۔بایں معنی اس کو فنا در فنا اور فناء الفنا کہتے ہیں اور اس فناء الفنا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہے بعد سالک کو فنائے اتم اور بقائے کامل حاصل ہو جاتی ہے اور
سیر الی اللہ کہ عبارت انقطاع ماسوا اللہ سے ہے، اس جگہ ختم ہو جاتا ہے اور بعد
اس کے سیر فی اللہ کہ عبارت ہے دوام توجہ الی اللہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس تجلی اور
مشاہدے کی حد نہیں، لامتناہی ہے ؎

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

؎ اے برادر بے نہایت درگہیست
ہرچہ بر وے می رسی بر وے مایست

اور ہر عارف سالک کو بقدرِ ذوق اور وجدان کے یہ معرفت حاصل ہو جاتی
ہے اور بقدر انس ومحبت اور تقویٰ کے یہ نسبتِ دائمہ حاصل ہوتی ہے، اور
اس سے عارف سالک ہمیشہ قرب اور ترقی میں رہتا ہے اور اس کو کبھی معرفت سے
سیری نہیں ہوتی بلکہ جتنا قرب ہوتا جاوے اتنی ہی خواہش اور باقی رہتی ہے اور کیوں
خواہش باقی نہ رہے جس کے حسن وجمال اور عظمت کی انتہا نہیں اس کی معرفت
کی بھی حد نہیں اور جس کی معرفت کی حد نہیں اس کا احاطہ کب ہو سکتا ہے اور بہ غلبۂ حال
بارکاشفہ جو سالک کو کبھی کوئی شئے مدرک ومکشوف اور مستحضر ہوتی ہے اس کو تجلی مثالی
کہتے ہیں بعض سالکین دھوکے میں آکر ان تجلیات مثالیہ کو جو ایک اصطلاحی تجلی اور
جنس مخلوقات سے ہے، تجلی حقیقی سمجھ جاتے ہیں جس کا وعدہ آخرت میں ہے حالانکہ یہ جو کچھ
مدرک اور مکشوف ہوتا ہے یہ سب مثال ہے ؎

ہرچہ در فہم تو آید آں توئی
درگذر کانجا نمی گنجد دوئی

اس کو تجلی حقیقی اور مثل اس کا نہیں کہتے بلکہ مثال ہے۔ تجلی حقیقی کی جو معتبر بدیدار اور رویت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہے وہ صرف آخرت میں ہوگی۔ آیۃ لیس کمثلہ الخ اور آیۃ لا تدرکہ الابصار الخ اس پر دال ہے اور حق تعالےٰ ان تجلیات سے منزہ اور وراء الوراء ہیں ؎

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً ان کی شان ہے اور غایت سے غایت معرفت عارف کی العجز عن درک الادراک اور ما عرفناک ہے، اور نیز جس طرح عارف کو معرفت اور مشاہدے سے کبھی سیری نہیں ہوتی آخرت میں دیدار الٰہی سے کبھی سیری نہیں ہوگی ابدالاباد اسی لذت اور تمنا میں رہے گا، دیدار ہوگا اور کبھی سیری نہ ہوگی اور نیز جس طرح یہاں نسبت اور معرفت بقدر محبت وتقویٰ کے ہوتی ہے۔ اس طرح وہاں قرب ودیدار الٰہی بقدر معرفت اور تقویٰ کے ہر عام اور خاص کے مرتبہ اور نسبت کے موافق ہوگا، جیسا کہ خبر میں ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے مرتبے کے موافق تجلی اور دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے۔ باقی مخلوق اپنے مرتبہ اور نسبت اور معرفت کے موافق دیدار الٰہی سے مشرف ہوگی۔ اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیمیائے سعادت میں نقل کیا ہے۔ نیز اور کتب تصوف میں لوگوں نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

سوال۔ کتب فن سے معلوم ہوتا ہے کہ فنا میں بیخودی اور بے شعوری ہو جاتی ہے۔

جواب۔ فرمایا یہ بھی ایک خاص اصطلاح ہے ورنہ فنا کے لئے بے خودی لازم نہیں جس میں بے خودی ہوتی ہے وہ غیبت ہے فنا اس کو نہیں کہتے۔

سوال۔ نسبت فنا کی زائل ہوتی ہے یا نہیں ؟

جواب۔ فرمایا یہ زائل نہیں ہوتی مقام ہو جاتی ہے (تربیت السالک صفحہ ۵۳۵)

فنائے اصطلاحی کی ترقی بقا سے ہوتی ہے

حال۔ احقر پر موت کا خیال ایسا غالب ہو رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ میں اس عالم کا ... سے دل برداشتہ ہو گیا ہے۔ ہر چیز سے نام عبرت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کا سبق مل رہا ہے اور یہ حالت یوماً فیوماً ترقی پذیر ہے۔

تفنن۔ مبارک۔ یہ فنائے اصطلاحی سے بھی بڑھ کر مقام ہے۔ پھر مبارک ہو وجہ اکملیت کی یہ ہے کہ فنائے اصطلاحی ایک حال ہے جس میں شان طبیعت کی غالب ہے۔ اسی لئے اس سے آگے ترقی بقا سے کرائی جاتی ہے اور وہ حال بقا کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اور یہ فنا خود ایک مقام ہے اور اس میں عقلیت کی شان ہے اور اس کے ساتھ بقا مجتمع ہوتی ہے اور جس کیفیت میں عقلیت کا غلبہ ہوگا وہ اس سے افضل ہوگی جس میں طبیعت کا غلبہ ہوگا کیونکہ طبیعت کے غلبہ میں خطرہ رہتا ہے۔ اختلال نظام اعمال کا بخلاف غلبہ عقلیت کے، شان عقلیت کے غلبہ کی کیفیت مشابہ ہوتی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کی کیفیات کے، اسی لئے لو تعلمون ما اعلم کے ساتھ دوسروں کے لئے ضحک قلیل و بکاء کثیر و عدم تلذذ بالنساء لازم فرمایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باوجود اس علم کے اُصلی وارقد و اتزوج واصوم وافطر کا حکم کیا گیا۔ اس سے زیادہ شرح ذوق پر محمول کرتا ہوں۔ من لم یذق لم یدر۔ (تربیت السالک جلد دوم صفحہ ۲۹۴)

طریق کا اوّل و آخر قدم فنا ہے

ملفوظ ——— فرمایا کہ اس طریق کا اوّل قدم فنا ہے جس میں یہ صفت نہ پیدا ہوئی ہو بس سمجھ لو کہ اس کو طریق کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ جو بزرگوں کا قول ہے کہ طریق کا آخر قدم فنا ہے وہ بھی بالکل صحیح ہے اس سے مراد کمال فنا ہے کیونکہ فنا کے بھی تو آخر درجات ہوتے ہیں۔ ایک مشہور فاضل ندوی اتفاقاً محض چند گھنٹوں کے لئے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے وقت عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیے حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا، جو بعد کو معلوم ہوا کہ ان کے بالکل مناسب حال تھا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تو کیا کر سکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں۔ وہ حاصل جو میں سمجھا ہوں وہ فنا و عبدیت ہے۔ بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے۔ بس اسی کے لئے سارے ریاضات و مجاہدات کئے جاتے ہیں اور بس اپنی ساری عمر فنا اور عبدیت ہی کی تحصیل میں گذار دینی چاہئے۔ اس تقریر کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہوگئے اور واقعی یہ ہے بھی ایسی ہی چیز۔ سارے بزرگ اسی کو تعلیم کرتے چلے آئے ہیں بالخصوص چشتیہ کے یہاں تو بس یہی ہے ؎

افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ ز من شمع ز من گل ز من آموخت

تو در دگم شو وصال اینست و بس
گم شدن گم کن کمال اینست و بس

(اشرف السوانح ص۲۱۸ حصہ دوم)

تلوین و تمکین

سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا کہ کبھی قبض ہو، کبھی بسط، کبھی سکر، کبھی صحو، بالخصوص مبتدی کہ اس کو بہت تغیر پیش آتا ہے اس کو تلوین کہتے ہیں۔ یہ لوازم سلوک سے ہے مضر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے کہ وہ پریشانی البتہ مضر ہے۔ (اور) (التکشف ص۳۲۱)

دوام طاعت و کثرتِ ذکر میں استقامت کے ساتھ مشغول رہنے سے حسبِ استعداد آخر میں مناسب حالتِ محمودہ پر قرار ہو جاتا ہے جس کو اصطلاح تصوف

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہیں تلوین کہتے ہیں۔ تمکین کے بعد تمام اشیاء کے حقوق بخوبی ادا ہوتے رہتے ہیں۔
اسی تمکین کا نام توسط و اعتدال ہے۔ اسی توسط کی وجہ سے اس امت کا نام امت وسط
ہے تلوین والا پہچانا جاتا ہے اور صاحب تمکین کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے۔
پس صاحب تلوین صاحب حال ہے اور صاحب تمکین حقیقت شناس ہے۔ صاحب
تلوین ابھی راہ میں ہے اور صاحب تمکین واصل ہو چکا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۴۴،۶۵)

اطمینان قلبی کی تفسیر

حال۔ احقر کو اپنے حال زار پر بہت ندامت و پریشانی ہے کہ ارشاد خداوندی
تو ہے کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب احقر کو کیوں برخلاف اس کے
بے اطمینانی و سرگردانی شامل حال ہے۔
تحقیق۔ مراد آیت میں یہ اطمینان طبعی نہیں۔ ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ
قول ولکن لیطمئن قلبی کہ دلیل ہے اس وقت عدم حصول اطمینان پر مستلزم
ہوگا، نعوذ باللہ ذکر سے ان کو عدم تاثر کا ہونا حاشا وکلا۔ اس کا کون قائل ہو سکتا ہے
بلکہ مراد اس ذکر سے اطمینان عقلی یعنی ایمان اعتقادی ہے جس کو ابراہیم علیہ السلام نے
اپنے قول بلٰی میں ظاہر فرمایا ہے پس آیت میں یہی اطمینان اعتقادی مراد ہے دلیل
اس کی خود سیاق و سباق ہے قال تعالٰی ویقول الذین کفروا لولا انزل
علیہ اٰیۃ من ربہ اس کے جواب کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے یعنی یہ لوگ
عناد سے فرمائش معجزات مقترحہ کی کرتے ہیں اور جو اہل ایمان ہیں وہ ذکر اللہ سے
کہ فرد اعظم اس کی قرآن ہے مطمئن ہوتے ہیں یعنی ایمان لاتے ہیں یعنی قرآن کے اعجاز
کو دلالت علی النبوۃ کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور ذکر اللہ میں یہی خاصیت ہے کہ جس
مرتبہ کا ذکر ہوتا ہے اسی مرتبہ کا اس سے اطمینان ہوتا ہے ذکر اعتقادی سے اطمینان
اعتقادی اور ذکر حالی سے اطمینان حالی حاصل ہوتا ہے آپ ذکر اعتقادی پر اطمینان حالی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تلاش کرتے ہیں وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ شدہ شدہ ہو جاوے گا اس کے نہ ہونے سے شبہ ذکر کے عدم نافعیت کا نہ کریں۔ (تربیت السالک ص۱۴۵)

انوار و الوان کا مکشوف ہونا

سوال۔ اہل سلوک نے کتب فن میں حالت ذکر و مراقبہ میں الوان و انوار کے معلوم و مکشوف ہونے کو لکھا ہے کہ سالک جب کثرت ذکر و مجاہدے سے صفائی قلبی و روحی حاصل کر لیتا ہے تو اکثر ذکر و لطائف کے الوان و انوارِ ملکوتیہ کا ظہور کبھی اپنے وجود کے اندر اور کبھی وجود سے خارج اور علیحدہ مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے آثار محمودہ اور غیر محمودہ ہونے کو بھی لکھا ہے کیا واقعی یہ سب تصرف خیال اور یبوست دماغ سے صور متخیلہ متمثل ہو کر ظاہر ہوتی ہیں یا درحقیقت اس کی بھی کچھ اصل ہے۔

جواب۔ فرمایا زیادہ تر ایسا ہی ہے اور اگر واقعی کچھ واقعات ملکوتیہ کسی کو کچھ معلوم و مکشوف ہو گئے تو یہ غیر مقصود ہے اور قابل توجہ نہیں اس کی نفی کر دینا چاہئے اور اس جگہ بہت بڑی ضلالت ہوتی ہے کہ اگر شیخ کامل اور محقق سے تعلق نہیں ہوا تو طالب حق غیر مقصود کو مقصود سمجھتا ہے اور انواع و اقسام کی غلطیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور زندگی بھر الوان و انوار ہی کی لذت اور سعی میں مغموم و محزون رہتا ہے بلکہ تنگ آ کر ذکر و طاعت کو جو کہ اصل مقصود ہے چھوڑ بیٹھتا ہے اور شیخ سے بھی بدگمان ہو جاتا ہے غرضکہ ساری زندگی اس کی اسی الٹ پھیر میں گزر جاتی ہے اور کوئی کام اس کا دینی اور دنیادی راست نہیں ہوتا ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از دغیر او تمنائے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اسی وجہ سے جناب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ السامی نے حجاب نورانی کو حجاب ظلمانی سے اشد فرمایا ہے اور اپنے وابستگان کو اس کی جانب توجہ کرنے سے روکا ہے کیونکہ اس جگہ اصل مقصود سے طالب رہ جاتا ہے اور یہ بڑی محرومی ہے اصل مقصود ان اشغال کی مشغولی اور کثرتِ فکر و مراقبہ و مجاہدے سے تہذیب نفس و اصلاح قلب اور بفحوائے آیتہ کریمہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب جمعیت اور اطمینان قلب کی دولت اور نسبت حضور مع اللہ اور یکسوئی اور یاد داشت کے ملکہ راسخہ پیدا ہو جانے کی تدبیر اور مقامات توکل تسلیم تفویض رضا و اخلاص توحید محبت خشیت وغیرہ کی تصحیح ہے ورنہ فی نفسہ اس کی کوئی حاجت نہیں تھی اصل مقصود صرف ذکر و طاعت حق ہے اور اس سے قرب باری تعالےٰ کا میسر ہوتا ہے۔
(تربیت السالک حصہ دوم)

لطائف کے الوان و انوار غیر مقصود ہیں

سوال۔ لطائف کے الوان و انوار کی جانب توجہ رکھنے کی کیا حاجت تھی کیا یہ جزو طریق ہے جیسا کہ کتب فن میں اس کو داخل کر دیا ہے۔

جواب۔ فرمایا یہ سلوک کا کوئی جزو نہیں لطائف کے الوان و انوار عارضی ہیں چونکہ لطائف کے جانب توجہ رکھنے سے طالب کو یکسوئی جلد ہو جاتی ہے اس لئے شیوخ اس کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور اس مشغولی میں اگر کسی کو کچھ الوان و انوار نظر آ گئے تو پہلے اس کی بے وقعتی نہیں کرتے تاکہ یکسوئی میں ضعف نہ ہو جائے بلکہ جب یکسوئی کا ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی جانب سے توجہ ہٹا دیتے ہیں (تربیت السالک صفحہ ۵۳۸)
(تربیت حصہ دوم صہ ۲۳)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

لطائف ستہ

ایک صاحب نے لکھا کہ میں لطائف ستہ کے جاری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں
جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔
فرمایا کہ لطائف ستہ کی فکر میں نہ پڑے یہ بھی موجب تشویش ہے۔ اصل چیز لطیفۂ
قلب ہے بس ساری توجہ اس پر رکھے، اس کے نورانی ہو جانے سے اور لطائف بھی خود بخود
نورانی ہو جاتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کا یہی طریق تھا جو اس حدیث سے مؤید ہے۔
ان فی الجسد مضغۃ اذا اصلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت
فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔

تجلیٔ ذاتی

حال۔ کئی روز سے حضور کی توجہ سے ذکر کے وقت غلبہ محسوس ہونے لگتا
ہے اور آج تو جب تصور ذات کا خیال ہوا تو کوئی بات سوائے اس کے تصور ذات
کے لئے نہیں خیال میں آئی کہ ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ اند شنیدہ ایم و خواندہ ایم

پھر یہ خیال ہوا کہ اللہ اسم للمستجمع الصفات الکمالیہ اور وہ یہاں پر موجود ہے
قطع نظر کسی اور صفت کے مسمٰی کا خیال رکھنا چاہئے سو ویسے ہی کیا اور آج سے پہلے
اس امر کا خیال ذکر کے وقت نہیں ہوتا تھا اور اس خیال سے قلب کو ایک قسم کی راحت
معلوم ہوئی۔
تحقیق۔ اس کو تجلی ذاتی کہتے ہیں حالت رفیعہ ہے۔ (تربیہ حصہ پنجم صہ ۸۴)

(تربیت السالک صہ ۵۵۵)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

علم الیقین ۔ عین الیقین اور حق الیقین

حال ۔ اس سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کی تھی کہ عرصہ سے کچھ علم ذات کا داعیہ
بڑھ گیا ہے ۔ رویت تو اس عالم میں ہے نہیں ۔ پھر کیا کسی اور طرح کسی اور درجہ میں
ایمان کے علاوہ ذات کا کوئی علم اس زندگی میں نصیب ہو سکتا ہے ۔
تحقیق ۔ وہ علم ایمان ہی ہے ۔ اس علم میں ترقی قوت ایمان ہی کی قوت و ترقی
ہے اور اسی کے مراتب کے تفاوت سے عوام اور خواص اور اخص الخواص کے
ایمان میں تفاوت ہوتا ہے ۔ اسی قوت کو نصوص میں ازدیاد ایمان سے تعبیر کیا
گیا ہے ۔ انہی مراتب کا نام علم الیقین ۔ عین الیقین اور حق الیقین ہے ۔ (نوادر)

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور مخلوقات کے
کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و حفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں
ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلی کہتے ہیں اور ظل کے معنی سائے کے ہیں۔ سو سائے
سے یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی سایہ ہے بلکہ سائے کے وہ معنی ہیں جیسے کہتے ہیں
ہم آپ کے زیر سایہ رہا کرتے ہیں یعنی آپ کی حمایت و پناہ میں، اور ہمارا امن و عافیت
آپ کی توجہ کی بدولت ہے اس طرح چونکہ ہمارا وجود بدولتِ عنایتِ خداوندی ہے اس
لئے اس کو وجود ظلی کہتے ہیں ۔ پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی
نہیں ہے عارضی اور ظلی ہے ۔ اب وجود ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا
ثبوت ہوگا اور وجود کو واحد سمجھا جائے گا یہ "وحدۃ الوجود" ہے ۔ اگر اس کا بھی اعتباً

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو ہے نہیں، گو غلبۂ نور حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آئے تو یہ "وحدۃ الشہود" ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ نور مہتاب نور آفتاب سے حاصل ہے۔ اگر اس نور ظلی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور مہتاب کو تاریک کہا جائے گا۔ یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے اور اگر اس کا نور بھی اعتبار کیجئے کہ آخر اس کے کچھ تو آثار خاصہ ہیں۔ گو وقت ظہور نور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے یہ مثال وحدۃ الشہود کی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہے۔ مآل کار دونوں کا ایک ہے، اور چونکہ اصل وظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے اس کو اصطلاح صوفیاء میں "عینیت" سے تعبیر کرتے ہیں اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے، یہ تو صریح کفر ہے۔ چنانچہ وہی صوفیائے محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں۔ پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ کہ لغوی۔

مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا منظوم میں پایا جائے تو وہ کلام حالت سکر کا ہے اور نہ قابل ملامت ہے نہ لائق تقلید

(تعلیم الدین۔ التکشف)

مراتب لاہوت و جبروت، و ناسوت و لاہوت

چار مرتبے ہیں۔ مرتبۂ لاہوت، مرتبۂ جبروت، مرتبۂ ملکوت، مرتبۂ ناسوت مرتبۂ لاہوت و مرتبۂ جبروت بھی غیر مخلوق ہے۔ غیر مرتبۂ صفات اجمالیہ تفصیلیہ اس کا جس قدر انکشاف ہے وہ بیشک مقصود ہے۔ باقی دو مرتبے جو مخلوق ہیں وہ حجاب ہیں۔ مرتبۂ ملکوتی حجاب نورانی ہے اور مرتبۂ ناسوتی حجاب ظلمانی۔ تو حجاب ظلمانی سے حجاب نورانی تک پہنچ گئے۔ یہ کیا کمال ہوا۔ ایک مخلوق سے گذر کر دوسری مخلوق تک پہنچے۔ اس سے بھی ترقی کر کے کہتا ہوں کہ مرتبۂ ناسوتی چونکہ مبتذل و حقیر ہے اس وجہ سے چنداں حاجب نہیں۔ برخلاف مرتبۂ ملکوتی کے، وہ زیادہ حاجب ہے۔

(مقالات حکمت حصہ اول)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

احوال وکیفیات

اصلاح باطنی کے ساتھ بہت سے امور متعلق ہیں۔ پھر ان متعلقات میں سے بعض امور وہ ہیں جو اصلاح کے بمنزلہ ثمرات غیر اختیاریہ ہیں۔ ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں مگر یہ دین میں مقبول نہیں اس لئے کہ دین میں مقصود وہ ہوتا ہے جو بدون تحصیل کے حاصل نہ ہو بلکہ جس کا حصول صرف اختیار پر موقوف ہو حالات تو سڑک کے پھولدار درخت ہیں، نظر آئے تو کیا۔ نہ نظر آئے تو کیا۔ سڑک تو بہر حال قطع ہوگی۔ بس چلتے رہنا شرط ہے اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر نظر نہیں آتے اگر کبھی ہم نیچی نظر کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر آئیں یا نہ آئیں۔

اکثر سالکین اس سے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت ضعیف ہوگئی، یا فلاں کیفیت زائل ہوگئی۔ شاید ہم کو تنزل ہوگیا اور اس سے مایوس اور شکستہ دل ہوجاتے ہیں۔ شیوخ کاملین نے ان کی غلطی رفع کرنے کے لئے تحقیق فرمادی ہے کہ حالات کا غلبہ دائم نہیں ہوتا بالخصوص مبتدی کو اس میں بہت تغیر و تبدل پیش آتا ہے جس کو تلوین کہتے ہیں اور اہل تمکین کی بھی حالت میں ان کے مرتبہ کے موافق تفاوت ہوتا ہے یہ لوازم سلوک سے ہے مضر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے کہ وہ پریشانی البتہ مضر ہے۔۔

سالکین جن احوال وکیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتے ہیں ان کا فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ بدون غلبہ احوال کے استقامت حاصل ہو۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے دو مقدمے سمجھنے کی ضرورت ہے ایک یہ کہ تمام سلوک کا مقصد حضرت حق میں فنا ہے یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کردینا اور متخلق باخلاق اللہ ہونا۔

ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبدا و ایک منتہا۔ مبدا انفعال (یعنی تاثر) ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے اندر رحمت و شفقت کا مادہ ہے تو اس کا ایک مبدا ہے ایک منتہا ہے۔ مبدا یہ کہ کسی کی حالت اور مصیبت کو دیکھ کر دل دکھتا ہے یہ انفعال اور تاثر ہے اور دل دکھنے کے بعد ہم نے اس شخص کے ساتھ جو ہمدردی کی اور اس کی اعانت کی یہ منتہا ہے اور فعل ہے اور صفت رحمت سے یہی مقصود ہے، اسی طرح خوف میں مبدا، وہی تاثر و انفعال ہے کہ خدا تعالےٰ کی عظمت و جلال کے خیال سے دل پر اثر ہوا رقت طاری ہوئی اور یہ منتہا ہے کہ خدا تعالےٰ کی نافرمانی سے رک گئے یہ فعل ہے اور یہی مقصود ہے۔ اسی طرح محبت کا مبدا یہ ہے کہ دل میں عشق کی دھن پیدا ہو اور محبوب کے خیال میں محو ہو جائے یہ انفعال و تاثر ہے، اور منتہا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طلب میں لگ جائے۔

اللہ تعالےٰ تاثر و انفعال سے پاک ہے، اس لئے حق تعالےٰ کی صفات میں مبادی نہیں ہوتے بلکہ غایات اور منتہا ہی ہوتے ہیں۔ پس جس شخص کے اوپر خوف اور محبت کی کیفیت غالب نہ ہو مگر احوال میں استقامت ہو جانے پر معاصی سے پوری طرح بچنے والا اور طاعات کا بجالانے والا ہو تو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف غایات پائے گئے اور یہ شخص متخلق باخلاق اللہ ہے۔ اور جس پر ان کیفیات کا غلبہ ہو اس میں اول مبادی پھر غایات پائے گئے تو یہ شخص اس درجہ کا متخلق باخلاق اللہ نہیں ہے۔ پس اول تو کامل ہے اور دوسرا اس درجہ کا کامل نہیں ہے۔

احوال کی دو قسمیں ہیں ایک محمود، دوسرے مذموم ان میں امتیاز کا معیار یہ ہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کہ جو کیفیت کسی گناہ کا مقدمہ ہو جائے وہ مذموم ہے، ورنہ محمود ہے یعنی محمود وہ کیفیت ہے جس سے اطاعت میں ترقی اور گناہ میں کمی ہو (اس لئے کہ) بعض اوقات معاصی کے ساتھ بھی بعضے احوال نفسانیہ باقی رہتے ہیں جیسے وجد، استغراق، شوق، شگفتگی اور حیرت اور اسی قسم کی اور کیفیات تو ان کے بقاء سے دھوکے میں نہ آئے کہ میں ایسا مقبول ہوں کہ مقبولیت میں خلل نہیں پڑا کیونکہ یہ سب کیفیات دنیا ہیں دین نہیں، اور دنیا کا عطا ہوتے رہنا علامات مقبولیت سے نہیں۔ ان احوال کا نسبت سے کوئی تعلق نہیں اور نسبت معاصی کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ یہ احوال محض کیفیات نفسانیہ طبعیہ ہیں جیسے فرح و سرور کیفیات طبعیہ ہیں۔ حاصل یہ کہ یہ احوال اپنی ذات میں دینی امور نہیں ہیں بلکہ دُنیوی امور ہیں البتہ بعض اوقات دین میں معاون ہو جاتے ہیں اور اس معین ہو جانے سے ان کا دین کا جزو ہونا لازم نہیں آتا۔

اسرار و ذوقیات کے نعمت ہونے میں شک نہیں۔ اگر بدون طلب کے حاصل ہو جائیں تو شکر کرنا چاہئے مگر چونکہ وہ مقصود و مطلوب نہیں ہیں اس لئے ان کے درپے نہ ہونا چاہئے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ ذوق و شوق و انس وغیرہ "حجابات نورانیہ" ہیں اور "حجاباتِ نورانیہ، حجابات ظلمانیہ سے اشد ہیں، کیوں کہ حجابات ظلمانیہ کی طرف سالک متوجہ نہیں ہوتا ان کو خود دفع کرنا چاہتا ہے، اور حجاباتِ نورانیہ کی طرف متوجہ ہوتا اور التفات کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے توجہ "مقصود اصلی" سے ہٹ جاتی ہے"۔

شیخ شیرازی علیہ الرحمہ نے بھی اس حقیقت کو خوب واشگاف کیا ہے اور تنبیہ فرمادی ہے ؎

خیالات نادان خلوت نشین
بہم بر زند عاقبت کفر و دین

لہٰذا قصداً انوار و کیفیات کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے لیکن اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اس کے دفع کا اہتمام شدید کیا جائے غرض نہ استحضار اس کا کیا جائے نہ استنکار کیا جائے کہ دونوں حالت میں غیر مقصود کی طرف التفات کرنا ہے۔ ایک میں اثباتاً ایک میں نفیاً اور یہی التفات الی الغیر حجاب ہے۔

(الغرض) جو حالت غیر اختیاری اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں۔ اسی کو اپنے لئے غنیمت جانیں اور اپنی خواہش سے کسی پسندیدہ حالت کی تمنا نہ کریں (اور اگر کوئی کیفیت جاتی رہے تو اس سے پریشان نہ ہوں۔ ؎

بدُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

یعنی تلچھٹ اور صاف شراب کا تجھ کو حکم نہیں خاموش ہو جا کہ ساقی نے جو کچھ دے دیا عین مہربانی ہے۔

اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیں کہ ہمارے لئے جو بہتر ہوگا وہ ہو کر رہے گا خواہ حصول ہو یا عدم حصول (انفاس عیسیٰ۔ تعلیم الدین۔ شریعت و طریقت)

نفسانی ملکات کی حقیقت

ایک طالب نے اپنے بعض نفسانی ملکات کو ظاہر کر کے حضرت والا سے ان کی اصلاح چاہی اور ان کے ہونے پر سخت غم و اندوہ کا اظہار کیا کہ مجھ میں یہ ملکات کیوں ہیں۔ حضرت والا نے فوراً تسلی فرمائی اور اس تسلی بخش عنوان سے کہ ایسے ملکات سے کون خالی ہے یہ تو مجھ میں بھی ہیں۔ ان کے زائل کرنے کی فکر ہی بیکار ہے کیونکہ یہ جبلی ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی نہ انسان جبلی امور کے بدلنے کا مکلف ہے کیونکہ ان کا بدلنا غیر اختیاری ہے۔ البتہ ان کے مقتضا پر عمل کرنا جبلی نہیں نہ غیر اختیاری ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

لہٰذا ہمت کرکے اختیار سے کام لیا جائے اور ان ملکات کے مقتضا پر عمل نہ ہونے دیا جائے۔ باقی نفس ملکات چاہے جیسے فاسد ہوں وہ اس وقت تک مطلق قابل افسوس نہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو بلکہ ایک معنیٰ کر قابل حسرت ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے عمل میں مشقت ہوتی ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔

اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است
کہ ازو حمام تقویٰ روشن است
(اشرف السوانح)

عقلی و طبعی احوال میں فرق

فرمایا کہ عقلی احوال میں غالب اثر روح کا ہوتا ہے اور طبعی کیفیات میں نفس کا ہوتا ہے لیکن عقلی احوال بھی طبعی کیفیات سے بالکل خالی نہیں ہوتے ورنہ محض اقتضائے عقلی صدور اعمال کے لئے عادۃً کافی نہیں اسی طرح بالعکس۔ البتہ پہلی صورت میں عقلیت غالب ہوتی ہے اور طبیعت مغلوب۔ دوسری صورت میں اس کے برعکس۔ (اشرف السوانح)

انفعال و افعال

ایک سالک نے لکھا کہ:۔

حال۔ اپنے ابتر حالات کیا عرض کروں آج سے دو سال قبل جو کیفیت حلاوت و خشیت اور معیتِ حق تھی افسوس کہ وہ بتدریج کم ہو کر ختم ہو گئی۔

تحقیق۔ تو ضرر ہی کیا ہوا۔ یہ انفعالات ہیں جو مقصود نہیں۔ افعال کا درجہ مقصود ہے جو کہ اختیاری ہے گو اس میں لذت نہ ہو دنی مثلہ قیل ؎

در بزم عیش یک دو قدح درکش و برو
یعنی طمع مدار وصال دوام را

(تربیت السالک جلد دوم صفحہ ۲۶۹)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

امور طبعیہ فطری و غیر فطری

ملفوظ - فرمایا کہ کل ایک بات دفعتہ سمجھ میں آئی مجھکو بڑی خوشی ہوئی اور میں نے حق تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا وہ یہ کہ یہ جو تصوف کا ایک اہم مسئلہ ہے کہ امور طبعیہ نہ محمود ہوتے ہیں نہ مذموم یہ بالکل ہی صحیح ہے مگر اس کے اندر ایک تفصیل ہے جو کل سمجھ میں آئی وہ یہ کہ امور طبعیہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی عمل سے ناشی نہ ہوں بلکہ فطری ہوں وہ تو نہ محمود ہیں نہ مذموم۔ اور ایک قسم امور طبعیہ کی یہ ہے کہ جو فطری نہ ہوں بلکہ کسی عمل سے پیدا ہوئے ہوں تو ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ کسی عمل محمود سے پیدا ہوئے ہوں تب تو محمود ہوں گے اور اگر کسی عمل مذموم سے پیدا ہوں تو مذموم ہوں گے۔ یہ مضمون ناتمام تھا الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مکمل فرما دیا اور یہ ایک حدیث میں غور کرنے کی برکت سے سمجھ میں آیا حدیث میں آیا ہے۔ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ (یعنی اگر نیک کام کر کے تجھ کو مسرت ہو اور گناہ کر کے تیرا جی برا ہو تب تو مومن ہے) تو اب یہاں جو مسرت ہے وہ ایک طبعی امر ہے مگر چونکہ یہ ایک عمل صالح سے پیدا ہوئی تھی اس لئے اس کو علامت ایمان کی فرمایا گیا اور جو چیز محمود نہ ہو وہ ایمان کی علامت نہیں بن سکتی تو معلوم ہوا کہ یہ محمود نہیں ہے اور گو یہ امر فی نفسہ طبعی نہیں ہے مگر حال لازم ہو جانے سے مثل امر طبعی کے ہو جاتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اس مسرت کو امر طبعی بنا دیا۔ اسی طرح اگر کسی کو قبض طبعی ہو تو اگر وہ کسی گناہ کے سبب سے ہوا ہو تب تو وہ مذموم ہے اور اس کے علاج کی ضرورت ہے اور اگر اس کا سبب کوئی گناہ نہ ہو تو اس کی کچھ فکر نہ کرے کیونکہ وہ مذموم نہیں پھر فرمایا کہ اگر کوئی بات فکر سے اور سوچ سے سمجھ میں آئے تو اس میں غلطی کا احتمال زیادہ ہوتا ہے اور اگر بلا سوچے خود بخود کوئی بات سمجھ میں آجائے تو اس میں بھی غلطی کا احتمال ہوتا تو ہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مگر کم۔میں تو یہی کہوں گا کہ یہ منجانب اللہ عطا ہے۔ (النور شعبان رمضان شوال ۵۲ھ صفحہ ۲۹۵۔ ۲ رجب ۱۳۵۲ھ)

کامیابی یا ناکامی کا استدلال کیفیات سے غلط ہے

حال ـــــ ایک سالک نے لکھا۔ حسب الارشاد اپنا کام کر رہا ہوں وجد و شوق روز افزوں ہے مگر یہ عین دلیل حرمان ہے۔

ع یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

جب سلف کے مجاہدات کا حال پڑھتا ہوں تو پھر مجھ کو اپنے منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے قوی شبہ ہو جاتا ہے نہ وہ قوت نہ اس قدر دنیا سے بے تعلقی نہ وہ خلوص فی المجاہدات بس اس خیال سے کبھی کبھی عزم رخصت ہو جاتا ہے۔ مگر اپنے نفس کو امید دلاتا ہوں کہ جب حضرت جیسا رہبر طریقت و شمع ہدایت موجود ہے تو کیا تعجب ہے کہ بآسانی ہی مقصود پر پہنچ جاؤں تاہم تسویل نفس جاری ہے۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِی اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ پھر کبھی مولائے کریم تسکین فرما دیتے ہیں ؎

خاک شو در پیش شیخ باصفا
تا ز خاک تو بر دید کیمیا

اگر اس سے بھی حقیر کوئی درجہ فنا کا ہو تو میرا دل اس کے لئے بھی راضی ہے اپنی جہالت کا اعتراف بہت آسان معلوم ہوتا ہے بجائے اس کے کہ حضرت کی جناب میں کوئی سوئے ظن ہو بعض اوقات تو یہ جی چاہتا ہے کہ من تو شدم کا مضمون ہو جائے مگر شَتَّانَ بَیْنَ ھُمَا ثُمَّ دَانَا ہیں نماز میں خشوع بر سر ترقی ہے مگر بدگمانی ہو رہی ہے کہ کہیں اس میں ریا نہ ہو۔ سورۃ الماعون۔ کی وعید پیش نظر رہتی ہے خدا رحم فرمائے۔ تہجد میں جب یہ تصور قائم ہو جاتا ہے کہ حضرت حق تعالٰی آسمان رابع پر جلوہ گر ہے،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جہاں سب مخلصین کی سن رہا ہوگا وہاں اس ذرہ بے تمیز پر بھی نظر ہوگی تو پھر قرآن کی
ہر آیت تیر و تفنگ کا اثر کرنے لگتی ہے۔ اگر طاقت ہوتی تو ساری رات بھی اس لطف کے
سامنے کم معلوم ہوتی۔

تحقیق — کیفیات سے وصول یا حرمان پر استدلال کرنا یہ مریض کا کام
نہیں کہ اول میں عجب کا خدشہ ہے اور ثانی میں ناشکری کا، اور دونوں سالب نعمت ہیں۔
طالب کا وظیفہ یہ ہے کہ حالت کی اطلاع کرے اور اس حالت کی تحقیق معالج کا کام ہے۔ آپ کا اکثر
خط سوءِ ظن باللہ سے بھرا ہوا ہے جس کو آپ سوءِ ظن بالنفس سمجھتے ہوں گے مگر وہ التزاماً
نہیں تو لزوماً ضرور سوءِ ظن باللہ کی طرف راجع ہے۔ تعجب ہے کہ وجد و شوق جو مقدمہ کامیابی
ہے اس کو آپ دلیل حرمان فرماتے ہیں اور شاعری نکتہ سے اس کی تائید فرماتے ہیں جن کی
شان میں فِی کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ ط وارد ہے، اس شاعر کو یہ خبر نہیں کہ یہاں جگر کے
جتنا پار ہوتا ہے اُسی قدر خلش بڑھتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ظاہری حیات جگر کے پار
ہونے سے منقطع ہو جاتی ہے اس لئے خلش کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہاں جگر کے پار
ہونے سے حیات بڑھتی ہے اس لئے اس کا احساس بڑھتا ہے، اس سے خلش بڑھتی ہے اسی
کو ایک عارف نے فرمایا کہ ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

سلف کے مجاہدات پر نظر کرنے سے اپنے لئے جو یاس لکھی ہے یہ ایک ایسے خیال کو مستلزم
ہے جس سے استغفار واجب ہے اور وہ خیال یہ ہے کہ گویا آپ مجاہدات کو علت
وصول کی سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ علت محض فضل ہے اور مجاہدہ محض اس کا حیلہ، سو حیلہ
کبھی قوی ہوتا ہے کبھی ضعیف، کیا آپ نے وہ حدیث نہیں پڑھی کہ ایک زمانے میں
اگر عشر مامور بھی ادا کر لیا جاوے گا تو نجات ہو جاوے گی۔ یہی جواب ہے خشوع خضوع

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کے متعلق بدگمانی کا اور آسمان رابع کی تخصیص کا منشاء معلوم نہیں آپ کے ذہن میں کیا ہے والسلام (تربیت السالک جلد دوم ص۱۲۵)

کیفیات باطنی مطلوب نہیں

ایک وعظ کے سلسلہ میں فرمایا کہ مجاہدات کے بعد جب سالک پر کیفیات ذوق وشوق ونشاط کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کام میں لگے رہتے ہیں اور جہاں کبھی کسی وجہ سے ان کیفیات میں کمی پیدا ہوئی تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مجاہدہ ہی بیکار ہوا اور ہمارا مرتبہ خدا کے یہاں کم ہو گیا۔ پھر اس خیال کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اعمال ہی سے بے رغبتی ہو جاتی ہے اب اگر جاہل ہے تو اعمال بالکل چھوٹ گئے اور اگر اہل علم ہوئے تو استغفار میں لگ گئے تاکہ وہ کیفیت عود کر آئے استغفار اچھی چیز ہے مگر اس حالت کا تو علاج نہیں ع

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

تمہارا تو خیال ہی غلط ہے کہ میں مردود ہو گیا۔ جس کے تدارک کے لئے استغفار کر رہے ہو نہ مجاہدہ بیکار ہوا نہ تم مردود ہوئے اصل بات یہ ہے کہ کبھی تو ابتدا میں مجاہدے کا اثر جدت کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ ذوق وشوق کا غلبہ ہوتا ہے اور اب اُنس کی حالت ہے جس میں غلبہ نہیں رہا اس لئے کیفیات میں کمی ہو گئی تو بھلا استغفار سے حالت انس مبدل بہ حالت ابتدا کیوں کر ہو جائے گی اور کبھی کسی بیماری کی وجہ سے کیفیات میں کمی آجاتی ہے تو استغفار اس کا دافع کیوں کر ہو گا کبھی حق تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوتا ہے کہ ہمارا بندہ اپنے لطف کے واسطے ہی کام کرتا ہے یا ہم اس کے مطلوب ہیں اس لئے کیفیات سلب کر لی جاتی ہیں یہاں استغفار سے کیسے کام چلے گا۔ اکثر مشائخ ایسے شخص کو استغفار تعلیم کرتے ہیں اور جب استغفار میں بھی دل نہ لگا تو کچھ اور وظیفہ بتلا دیتے ہیں۔ جب اس سے بھی جی گھبرایا تو کچھ اور

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بتلا دیتے ہیں۔ اب یہ شخص مجموعۃ الاوراد ہو جاتا ہے۔ مگر مرض اب بھی جوں کا توں ہی رہتا ہے۔ البتہ اگر خوش قسمتی سے اسے کوئی اللہ والا مل گیا وہ ان تعلیمات کو سن کر ہنسے گا کہ ارے یہ کیفیات کا بدل جانا معصیت کی وجہ سے تھوڑا ہی ہے جو استغفار بتلا دیا۔ اس کا منشا تو کچھ اور تھا۔ اور اب وہ اللہ والا علاج کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس مرض کی دوا یہ ہے کہ تم ان کیفیات پر التفات ہی نہ کرو۔ اگر کیفیات نہ رہیں نہ سہی خدا تو ہے۔ طاعات میں صرف خدا کو مطلوب سمجھو۔ کیفیات کو ہرگز مطلوب نہ سمجھو، بلکہ جس کو وصال سمجھ رہے ہو اس پر بھی نظر نہ کرو کہ ہم کو یہ وصال میسر ہو گا یا نہیں بس صرف عمل کو مقصود سمجھو ہمت سے اسی میں لگے رہو اور زبان حال سے یوں کہتے رہو ؎

یابم اُو را یا نہ یابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم
فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

کہ تم کیفیات کو کیا لئے پھرتے ہو ہمارے نزدیک تو فراق و وصل بھی کوئی چیز نہیں بلکہ اصل چیز رضائے محبوب ہے جس کا ذریعہ عمل ہے اور جب تک تم عمل میں لگے ہوئے ہو رضا حاصل ہے، اور جب رضا حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے، چاہے وصال ہو یا نہ ہو کیفیات ہوں یا نہ ہوں۔ اس تعلیم کے بعد راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے، اور ساری پریشانی ایک منٹ میں جاتی رہتی ہے۔ (تعلیل المنام صفحہ ۲۵ تا ۲۷۔ اشرف المسائل)

حالت کا مقصود نہ ہونا

حال — حضور نے جو بعد تہجد کے تیرہ تسبیح پڑھنے کو فرمایا تھا جس کو فدوی بحمداللہ پابندی سے پڑھتا ہے اور نیز تین تسبیح بعد نماز پنجگانہ کے ایک تسبیح

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

(سُبْحَانَ اللّٰہ) دوسری تہلیل (لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ) تیسری تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَر) یہ بھی پابندی سے پڑھتا ہے، لیکن ان کے پڑھنے میں حضور قلب کے نہ ہونے سے دل کو افسوس ہوتا ہے اگرچہ فدوی کوشش بھی کرتا ہے، اس کے بارے میں جو ارشاد ہو مطلع فرمائیے۔

تحقیق — استقامت علی الذکر خود ایک مقام رفیع ہے اور حضور قلب وغیرہ یہ حالات ہیں اور مقام افضل ہوتا ہے۔ حال سے آپ ہرگز افسوس نہ کیجئے خدا تعالیٰ کا شکر کیجئے اور وہ حدیث یاد کیجئے۔ فَاَمَّا مَنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ السَّعَادَۃِ فَسَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ اَھْلِ السَّعَادَۃِ۔ پس عمل کی یہ آسانی خود سعادت کی دلیل ہے اور سعادت ہی مقصود جلیل ہے البتہ احضار قلب یعنی خود متوجہ رکھنا قلب کا یہ ضروری ہے پھر خواہ حضور تام اس پر مرتب ہو یا نہ ہو جب وقت آوے گا، ان شاء اللہ احوال بھی عطا ہوں گے کام میں لگے رہیئے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کلبہ احزاں شود روزے گلستان غم مخور

میں بھی دعا کرتا ہوں۔ (تربیت السالک ۲)

احوال و کیفیات کا مضر ہونا

فرمایا کہ کشف اور احوال و مواجید وغیرہ راہ سلوک میں کوئی چیز نہیں بلکہ یہ چیزیں اکثر موانع طریق ہو جاتی ہیں۔ ان کا نہ ہونا زیادہ اچھا اور بے خطر ہے لوگ خواہ مخواہ ہوس کیا کرتے ہیں (اشرف السوانح ص ۲۰۵ حصہ دوم)

سوال۔ ایک طالب نے اپنے احوال باطنی کی کمی کی شکایت لکھی۔

جواب۔ تحریر فرمایا کہ ایسی کمی بیشی لازم عادی ہے۔ یکساں حال رہ ہی نہیں سکتا۔ دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر۔ یہ تغیر مضر نہیں بلکہ اس میں مصالح ہیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جن کا مشاہدہ اہل طریق کو خود ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کے بعد حضوری میں زیادہ
لذت ہونا اور غیبت میں انکسار و ندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ
ہونا حاصل ہوتا ہے۔ مثل ذالک (اشرف السوانح)

حالت کا یکساں نہ رہنا

حال۔ مرض اصل یہ ہے جو کیفیت یا حالت طاری ہوتی ہے اس کی میعاد صرف
تین دن ہے یعنی تین دن سے نہ کبھی ایک ساعت زیادہ اور نہ کم۔ بعد تیسرے دن
بالکل خالی جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہ جاتا ہوں۔ اس حالت میں احقر کو تیس برس گزر گئے
حالت طاری ہونے کے لئے بھی خاص کسی اہتمام کی ضرورت نہیں۔ خود بخود بلا قصد
ہو جاتی ہے، اور اس کے لئے نہ کوئی مدت معین ہے۔ کبھی ایک ماہ کبھی دو یا تین مہینے
میں اور کبھی ایک ماہ میں دو تین مرتبہ۔ لیکن اس کا صرف تین دن قیام ہے۔ اس میں
اختلاف نہیں۔ اس کی ترقی کے لئے ہر چند سعی و کوشش کی بیکار رہی ہوئی۔ گزشتہ دو
سال میں کہ جب سے درِ دولت بندگان حضور عالی پر حاضر ہوا ہوں نہ کبھی معمولات
مقررہ قضا ہوئے اور نہ کبھی شب بیداری ایک بجے سے چار بجے تک قضا ہوئی۔ اگر
اتفاقیہ کسی علالت طبع سے قضا ہو گیا ہو اس کا ذکر نہیں لیکن نہ معلوم یہ حالت بدستور
کیوں قائم ہے۔

تحقیق۔ غالباً ضروری اصول اس فن کے جن کو میں اکثر اوقات بیان کرتا
رہا ہوں آپ کو مستحضر نہیں رہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے جو آپ کے اس استفسار
کا جواب ہے کہ کوئی کیفیت مقصود نہیں یہ تو بڑی نعمت ہے کہ کیفیت ہوتی ہے۔ اگر
بالکل ہی نہ ہو، تب بھی اصل مقصود میں کچھ مضر نہیں اکابر کو بھی کوئی کیفیت دائماً
نہیں رہتی الا نادراً جب یہ بات ہے تو اس کا زوال مرض نہیں اس کے لئے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کوشش کرنا وقت کا ضائع کرنا اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا ہے جو ناجائز ہے مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ (الحدیث) وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۔ (تربیت السالک صہ ۲۹۱)

اپنا ہر حال ناقص ہے

حال ۔ ایک طالب کا طویل خط موصول ہوا جس میں انہوں نے اپنی بدحواسی اور پریشانی کا تذکرہ کیا تھا

تحقیق ۔ پورا کامل بجز انبیاء کے کوئی نہیں اور وہ کاملین بھی اپنے کو کامل نہیں سمجھتے ، سب کو اپنے نقص نظر آتے ہیں خواہ وہ نقص حقیقی ہوں یا اضافی ۔ اور نقص نظر آنے سے مغموم بھی ہیں ۔ اور مغموم بھی ایسے کہ اگر ہم جیسوں پر وہ غم پڑ جاوے تو کسی طرح جانبر نہیں ہو سکتے ۔ کمال کی تو توقع ہی چھوڑنا واجب ہے ۔ ہاں سعی کمال کی توقع بلکہ عزم واجب ہے اور اس کا یہی رنگ ہوگا جو آپ مشاہدہ کر رہے ہیں اس کی مثال وہ مریض ہے جس کی تندرستی سے تو مایوسی ہے مگر فکر صحت اور اس کی تدبیر کا ترک جائز نہیں سمجھتا ، اور نجات بلکہ قرب بھی کمال پر موقوف نہیں ۔ فکر تکمیل پر موعود ہے وَاللّٰہُ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ بس اسی طرح سے عمر ختم ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے وھذا ھو معنیٰ ما قال الرومی ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

تا دم آخر دمے آخر بود
کہ عنایت با تو صاحب سر بود

سب سے اخیر میں خواہ اس کو اظہار حال کہیئے یا آپ کی ہمدردی یا رفع التباس

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جو چاہے نام رکھئے یہ کہتا ہوں کہ میں بھی اسی کشمکش میں ہوں مگر اس کو مبارک سمجھتا ہوں جس کا یہ اثر ہے کہ یہ سمجھ نہیں سکتا کہ خوف کے غالب کہوں یا رجاء کو مگر مضطر ہو کر اس دعا کی پناہ لیتا ہوں جس سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ کُنْ لِیْ وَاجْعَلْنِیْ لَکَ

(تربیت السالک ص۴۴۳)

بدحالی کا علاج

حال: ایک طالب کا طویل خط موصول ہوا جس میں انہوں نے اپنی بدحواسی اور پریشانی کا تذکرہ کیا تھا۔

تحقیق: برخوردار ؎ معشوق من ست آنکہ بہ نزدیک تو زشت ست

تم کو اس مجموعی حالت پر حسرت ہے مجھکو مسرت ہے۔ یہ تمام حالات دو امر کی دلیل ہیں جو کہ اعلیٰ مقاصد سے ہیں ایک اپنی بدحالی کا احساس دوسرا خوش حالی کی فکر چار امر کو اپنا معمول کرلو، پھر عدم حرمان میرا ذمہ۔

۱۔ ذکر کے متعلق جو معمول مقرر کر و قلیل ہو اس کو پورا کرلیا کرو خواہ دل سے یا بے دلی سے۔

۲۔ معاصی سے نفس کو ہمت کے ساتھ روکو اور کوتاہی پر فوراً استغفار کرو۔

۳۔ ماضی و مستقبل کو مت سوچو نہ نفع کا قصد کرو،

۴۔ حالات سے وقتاً فوقتاً اطلاع دو گو وہ اطلاع کے قابل بھی نہ ہوں اور اس سب کے ساتھ میری رائے میں تمہارے اعضائے رئیسہ میں حرارت کا اثر ہے علاج طبی ضرور کرو اس کا بھی ان حالات میں دخل ہے اور اس دستور العمل کے بعد بیفکر رہو۔

؎ من غم تو میخورم تو غم مخور
بر تو من مشفق ترم از صد پدر

تمہارا خیر خواہ دل سوز اشرف علی

(تربیت السالک ص۲۵۷)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

قلب میں سختی کی حقیقت

حال : السلام علیکم ! بندہ کے قلب میں سختی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور ذکر میں دل حاضر نہیں رہتا ہے کچھ ایسی بات بتلادیجئے کہ جس سے حضور اور نرمی بھی پیدا ہو جائے۔ اور میرے لئے امداد بھی فرما دیجئے میں بہت پریشان ہوں۔ اور دعا بھی فرما دیجئے۔

تحقیق : السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سختی قلب اس کو کہتے ہیں کہ معاصی پر جرأت ہوجاوے اور خوفِ خدا نہ رہے اور جس کو آپ نے سختی سمجھا ہے وہ سختی نہیں ہے اور حاضر رہنا قلب کا اختیار سے خارج ہے اس کا قصد نہ کیجئے اور حاضر رکھنا البتہ اختیار میں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود ذکر کی طرف یا مذکور کی طرف خیال رکھئے تو اس کے لئے کسی اور مستقل تدبیر کی ضرورت نہیں اس اصول کو عمر بھر کے لئے مستحضر رکھئے کہ اس سے ہزاروں خلجان رفع ہوجاویں گے اور میں دعا بھی کرتا ہوں۔ (تربیۃ حصہ دوم ص ۶۵)

عقلی اور اعتقادی قرار مطلوب ہے نہ کہ طبعی

حال ۔ گذشتہ عریضہ کا جواب گرامی لکھنؤ ہی میں سعادت بخش ہوا تھا اس ہفتہ حیدرآباد آنا ہوا۔ گھر کے حالات سے گھبرا کر چلا گیا اور خیال تھا کہ اب کے کچھ دن تو حیدرآباد ضرور غنیمت معلوم ہوگا لیکن خدا جانے طبیعت کا کیا رنگ ہو گیا ہے اور دل کیا چاہتا ہے کہ کہیں قرار نہیں پکڑتا۔ ابھی یہاں آئے بارہ دن ہی ہوتے ہیں اور دل اُچاٹ ہے۔ البتہ اب کے گھر جانے کو بھی جی نہیں کرتا اور جو کچھ چاہتا ہے وہ صرف والدہ مدظلہا کی علالت کی وجہ ہے۔ ایک شعر سنا کرتا تھا اس کو صادق پاتا ہوں ؎

شہر میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جاکے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حضرت کی خدمت میں سب ہی کچھ عرض کر دیتا ہوں اس لئے اس دیوانگی کا حال بھی عرض کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جسمانی صحت الحمد للہ ہمیشہ سے بہت زیادہ بہتر ہے مگر باطن کو اب کہیں چین نہیں۔ گذشتہ عریضہ کے جواب میں حضرت نے ایک شعر بالکل میرے حسب حال تحریر فرمایا تھا ؎

گر گریزی بر امید راحتے

ہم ازاں جا پیشت آید آفتے

اور اس آفت کا حقیقی علاج بھی وہی ہے جو حضرت نے تحریر فرمایا کہ تجویز کو فنا کر کے تفویض کے دامن میں پناہ لوں۔ عقلاً خوب سمجھتا ہوں کہ راحت بھی تفویض ہی میں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تجربہ اب سالہا سال سے ہو رہا ہے کہ پہلے جس طرح میری شان سے مشکل تجویز پوری ہو کر رہتی تھی اب آسان سے آسان بھی پوری نہیں ہوتی۔ مگر تجویز ساز بلکہ تجویز باز طبیعت کچھ ایسی بے حیا واقع ہوئی ہے کہ اس پر بھی باز نہیں آتی جب کوئی تجویز سامنے آتی ہے، تو جیسا کہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے خصوصیت سے اس سے بھاگتا ہوں اور اس کو بھگانا چاہتا ہوں مگر پھر پھر کے مسلط ہی رہتی ہے۔ نماز میں ذکر میں شغل میں بیکاری میں باکاری میں جب ذرا بھی موقع باقی ہے، اور حدیث نفس شروع کرا دیتی ہے۔ جب طبیعت کا یہ حال ہے تو حضرت خالی عقل سے تفویض کو حق جان کر راحت بہرحال نصیب نہیں ہو سکتی۔ بس تھوڑی دیر کے لئے کچھ تسلی اس سے حاصل کر لیتا ہوں۔ پھر وہی حال ایک ہی بات کو اتنا طول دے دیا مگر کیا کروں کہ حضرت کی خدمت میں خوب کھول کر عرض کئے بغیر تسلی نہیں ہوتی۔

تحقیق۔ خط کیا ہے پڑھنے والے کے دل کو گھائل کرنے کو نشتر ہے۔ سب کا حاصل یہ ہے کہ طبعی تسلی و قرار کی کوئی صورت نہیں مگر الحمد للہ عقلی اور اعتقادی قرار حاصل ہے، اب سب کا جواب یہ ہے کہ یہ ہی عقلی و اعتقادی قرار مطلوب ہے یہی مامور بہ ہے اور یہی تفویض ہے جس کو عبادت سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے نہ کہ ذریعہ راحت سمجھ کر۔ بلکہ عارفین و

کاملین نے جب تفویض میں لذت طبیعہ محسوس کی تو نہایت ابتہال کے ساتھ اس لذت سے پناہ مانگی اور راز اس کے دو ہیں۔ ایک یہ کہ شوب لذت سے شبہ ہوتا ہے اخلاص کی کمی کا، کہ حظ نفس کے واسطے تفویض کو اختیار کیا۔ حق تعالیٰ کا حق سمجھ کر اختیار نہیں کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاد میں دنیوی کامیابی و ناکامی کے متعلق حدیث میں تصریح ہے کہ اول میں اجر ناتمام اور ثانی میں اجر تام عطا ہوتا ہے۔ اسی طرح تفویض میں راحت طبیعہ ہونے سے اجر غیر کامل اور راحت نہ ہونے سے اجر کامل ملتا ہے اور اجر آخرت ہی مقصود ہے پس ان دو راز کی وجہ سے عارفین نے لذت سے پناہ مانگی لیکن ہم ضعفاء کے لئے اس میں اتنی ترمیم ہے کہ ہم کو پناہ مانگنا بھی مناسب نہیں بلکہ تفویض کے ساتھ اس میں لذت و راحت کی بھی دعا مانگے اور جب تک وہ عطا نہ ہو، اس عطا نہ ہونے کی حقیقت پر صبر اور اس عطا نہ ہونے کے ثمرہ پر کہ کمال اجر اور تشبّہ بالمقبولین ہے شکر کیا جائے اور اسی کو وظیفہ دائمہ بنالے۔ (ماخوذ تربیت السالک جلد دوم باب اول ص ۲۴)

حالتِ شوق و انس

حال — بندے کی حالت اس سے آگے یہ تھی کہ بہت گریہ وزاری ہوتی تھی حتیٰ کہ بعض اوقات اگر کھانے میں دیکھا کہ اچھی ترکاری یا عمدہ چاول کا کھانا ہے اس وقت خیال میں یہ آتا کہ ہماری طرح کے کچھ آدمی فاقہ میں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ اس بندے کو کیا اچھا کھانا کھلا رہا ہے، اس پر روتا ہوا کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا تھا اور بعد تہجد وظیفہ اگرچہ خوب ہوتا تھا اس میں دل کو راحت بھی ملتی تھی اور حضور پر اس قدر محبت آجاتی تھی یا بابا مولینا یا بابا مولانا کرتا ہوا کھڑا ہو جاتا تھا اب نہ معلوم کیا شانِ خدا ہے کہ حال بالکل بدل گیا ہے لیکن ذکر میں راحت خوب ہوتی ہے۔ گریہ میں فرق ہو گیا ہے دعا فرما دیں کہ آگے کی طرح ذوق و شوق پیدا ہو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تحقیق ۔ وہ حالت شوق تھی یہ حالت انس کی ہے دونوں محمود ہیں اس کو تنزل نہ سمجھا جائے یہ تبدل ہے اور تبدل بھی الی الخیر یعنی ترقی کے ساتھ کیونکہ انس انفع وا ثبت ہے شوق سے غرض کام میں لگے رہیں ایسے تغیرات کی طرف التفات نہ کریں۔ (تربیت السالک ص۵۲۵، تربیۃ حصہ مذکور ص۶)

شوق و انس میں فرق

حال ۔ قبل اس کے طبیعت میں ایک قسم کا تردد رہتا تھا مگر اب وہ جاتا رہا۔

تحقیق ۔ وہ کیفیت شوقیہ تھی۔ اس کی عمر طویل نہیں ہوتی۔ سب اہل طریق کو یہی امر پیش آتا ہے۔ کیفیت باقیہ اُنس ہے جو الحمد للہ باقی ہے۔

حال ۔ لیکن بحمد اللہ حضوری قلب بدستور ہے۔

تحقیق ۔ یہی ہے انس جو کہ باقی رہا کرتا ہے اور یہ شوق سے افضل ہے۔

حال ۔ حالت موجودہ سے پیشتر یہ سلسلہ رہا کہ جس حالت کا اظہار حضور انور سے کر دیا وہ حالت اسی دن سے بدل گئی مگر موجودہ حالت میں سوائے اس کے کہ سرور کم ہو گیا اور بعض وقت ذکر میں کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کوئی تفاوت نہیں ہوا۔

تحقیق ۔ اس خاص قسم کی لذت کو بھی زیادہ بقا نہیں ہوا کرتا جیسے منکوحہ قدیمہ سے دل تو زیادہ مل جاتا ہے مگر جوش وخروش نہیں رہتا۔ یہ امر موجب غم نہ ہونا چاہئے اس کے لئے یہی حالت لازم ہے۔ (تربیت السالک ص۵۲۲، تربیۃ حصہ پنجم ص۲۰)

ذوق و شوق مطلوب نہیں

حال ۔ ناچیز اپنے معمولات میں (یعنی اسم ذات چھ ہزار مرتبہ) مشغول ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بفضلہ تعالیٰ دبہ دعائے حضرت اکثر روز بعد تہجد قبل صبح صادق بعض روز بعد صبح صادق اور بقدر ہمت بعد نماز فجر ختم کرتا ہے لیکن جو رغبت وصلاحیت وقت حضوری دربار کے نصیب تھی اور جو حالت اس وقت تھی (یعنی حالت ذکر میں ایسی دل بستگی ہوتی تھی کہ رونا آجاتا تھا) اب وہ حالت نہیں۔

تحقیق — حالت یکساں نہیں رہتی مگر یہ خصوصیات موا جید واذواق کی مقصود نہیں، مقصود محفوظ رہنا چاہئے اور یہ ذکر اور طاعت ہے، خواہ اس میں بسط ہو یا قبض کہ بعض منافع قبض کے زیادہ ہیں۔ بسط سے، ہمت سے کام میں لگے رہیں اوّل اوّل ایسے ہی تغیرات ہوا کرتے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ مناسب استعداد کے تمکین عطا فرما دیتے ہیں۔ جب اس کا وقت مقدر ہوتا ہے گھبرا جانا دلیل ہے ضعف ہمت کی۔ (تربیتہ حصہ دوم صـ۳)

انس مع الحق کا اثر

حال — الحمد للہ! کہ انقباض عن الخلق تو عرصہ سے خود خلق کے سلوک ہی نے پیدا کر دیا ہے لیکن جب تک حضرت یہ انس مع الحق کی طرف مفضی نہ ہو اس وقت تک محض سلب ہی سلب ہے اور انس مع الحق کی بو بھی اپنے اندر نہیں پاتا۔

تحقیق — اس انس نہ ہونے کا قلق یہ بھی ایک درجہ ہے، انس مع الحق کا یا اقل درجہ انس مع الحق کے ایک مانع کا ارتفاع تو ہے جس سے انس مع الحق کا قرب تو ہو گیا یہ کیا تھوڑی نعمت ہے۔ آگے تھوڑی توجہ حصول مقصود کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

(النور شعبان ۱۳۵۰ھ، ماخوذ تربیت السالک جلد دوم صـ۶۶)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حالت رفیعہ

حال ـــ اس وقت کے تمام حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ خدائے عزوجل سے ایک رسمی اور ضابطہ کی محبت اور اُنس رہ گیا ہے، نہ ذوق ہے نہ شوق ہے نہ سوز و گداز ہے، اگر کچھ خشیت ہے تو وہ بھی رسمی ہے دل کے ہلاتے اور لرزانے والی نہیں۔ معمولات و اوراد و وظائف مثل ایک خشک دماغ نمازی کی طرح پورے کر لیتا ہوں۔ ناغہ نہیں کرتا۔ دن رات کفِ افسوس ملتا ہوں کہ کیا تھا کیا ہو گیا۔ اصل یہ ہے کہ یہ حالت صرف ایک دن کی بے اعتدالی سے بدل گئی۔ صرف ایک وقت بعد عشا جو معمول کیا کرتا تھا وجہ تکان و آمد و شد مُردمان کے کر نہ سکا، اسی وقت سے طبیعت کی حالت بدل گئی۔ سحر کو جو اٹھا نہ وہ شوق تھا نہ وہ ذوق تھا، طبیعت کھٹک گئی کہ خدا خیر کرے، چنانچہ آج تک اسی رجعتِ قہقری میں مبتلا ہوں، ہر چند چاہا کہ یہ خراب حالت حضرت اقدس کے گوش مبارک تک نہ پہنچے حضرت والا کو رنج ہوگا لیکن تلبکے مشیت ایزدی میں چارہ نہیں، اس حالت سے زندگی سے دُور اور موت کے قریب ہو گیا نفس کی یہ حالت ہے کہ طرح طرح سے مکاریاں کرتا ہے قسم قسم کے شبہات پیش کرتا ہے۔ کبھی تلاوت قرآن پاک میں (خاک بر سرمن) خیالات لاطائل پیدا کرتا ہے حضرت اقدس اس وقت تو خاکسار کی وہ کیفیت ہے کہ جیسے کسی جذامی کو لباس فاخرہ پہنا دیا جاوے۔ ظاہر میں مسلمان ہوں، اندرونی حالت کا خدا حافظ۔ اب فدوی مختصر اپنی حالت میں جو رنگ طبیعت کا ہے عرض کرتا ہے۔ فدوی کی طبیعت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جب تک تنہا رہے اور کوئی کام دُنیاوی نہ کرے یہاں تک کہ معمولی خورد و نوش کی طرف بھی چنداں التفات نہ ہو تو از خود شوق و ذوق محبت و اُنس ترقی کرتا جاتا ہے اور اگر کسی خفیف سے کام دُنیاوی کی طرف توجہ کی جاوے تو پھر وہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جوش اور رنگ طبیعت کا نہیں رہتا اس امر کا صدہا مرتبہ تجربہ کر چکا ہوں کبھی اس سے آج تک محروم ہوں، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والے برحال ایک مسافر کے کہ جس کا ٹٹو (گھوڑا) بہت لاغر اور لنگڑا ہو اور مسافر سفر بھی بے وقت شروع کرے ، واحسرتا ، اس مسافر کو کب منزل مقصود پر پہنچنے کی امید رکھنی چاہئے زیادہ والسلام۔

تحقیق ۔ السلام علیکم۔ حق تعالیٰ رحیم و حکیم ہیں جس شوق و ذوق سوز و گداز کو آپ کمال سمجھتے ہیں نہ وہ کمال ہے اور جس خشکی اور وسوسہ کو آپ نقصان سمجھتے ہیں نہ وہ نقصان ہے اگر آپ کو وہ کیفیات حاصل ہوتیں آپ جن کو بڑی چیز سمجھتے ہیں مزد رعجب پیدا ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے عجب سے بچایا جو خدا تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس پر شکر واجب نہ کہ بالعکس شکایت کی جاوے ؎

آنکس کہ تو نگرت نمے گرداند
او مصلحت تو از تو بہتر داند

اس مضمون میں یہ باطنی دولت بھی داخل ہے اور جس کو آپ نقصان سمجھ رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتی تو آپ میں یہ انکسار نہ پیدا ہوتا جو بڑی نعمت ہے اور اس پر بھی شکر واجب ہے۔ البتہ چونکہ اس میں احتمال ناشکری کا ہے اس لئے اب اس کی حقیقت سمجھ لیجئے تاکہ اس پر بھی شکر کیجئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب تربیت السالک کے مضمون کو آپ ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ کلیہ سمجھ لیجئے کہ جو افعال اختیاری ہیں ان میں اللہ و رسول کے خلاف نہ کیا جاوے تو پھر احوال خواہ کچھ ہی ہوں وہ چونکہ غیر اختیاری ہیں ان کی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے، کام کئے جائیے آپ محروم نہیں ہیں۔ ایک وقت میں یہ امر تحقیقاً بھی معلوم ہو جاوے گا اب تقلیداً مان لیجئے۔

(تربیت السالک ص ۶۱۲ حصہ ہفتم ص ۵)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

آثارِ محمودہ

حال ۔ میں نے جب سے کلمۂ طیبہ کا ذکر شروع کیا ہے فی الجملہ بہ نسبت سابق قلب میں نرمی محسوس ہوتی ہے جس کی تمیز یوں ہوئی کہ ضعفاء خصوصاً بے زبان جانوروں پر زیادہ رحم آتا ہے اور ان کی تکلیف دیکھ کر پہلے سے زیادہ دل کو تکلیف ہوتی ہے۔

تحقیق ۔ یہ آثارِ محمودہ سے ہے اگرچہ کمالات سے نہیں۔

(تربیت السالک حصہ دوم)

حالاتِ محمودہ کا باقی نہ رہنا مضر نہیں

حال ۔ وہ جو دولت کیفیت آنحضورؐ کی خدمت مبارک سے لیکر آیا تھا کئی دن ہوئے کہ وہ مسلوب کر لی گئی اگرچہ اپنی بداعمالی ہی کی وجہ سے مسلوب ہوئی ہوگی مگر دل کو قلق و افسوس ہے لیکن الحمد للہ کہ معمولات میں زیادہ فرق ابھی تک تو نہیں ہوا۔

تحقیق ۔ احوال تابع اعمال کے ہیں۔ اعمال پر استقامت کا اہتمام رکھنا ضروری ہے، اس سے احوال محمودہ ہر وقت کے مناسب خود کود پیدا ہوتے ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی حال ان میں سے سالک کی طبیعت کے موافق نہ ہو لیکن مصلحت کے موافق ضرور ہوتا ہے جس کا سمجھنا محقق کا کام ہے نہ کہ مقلد و مبتدی کا۔ مقلد کو محقق کا صرف اتباع اور اس کے کہنے سے اجمالاً اس کو مصلحت سمجھ لینا کافی ہے، جب دولت تحقیق نصیب ہوگی خود بخود سمجھ میں آنے لگے گا اور خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ کے معمولات جاری ہیں یہی بڑی چیز ہے اطمینان سے کام میں لگے رہئے (تربیت السالک ص ۲۷۹ تربیت حصہ پنجم ص ۲۹۳)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نزولِ تجلّی

حال ۔ رات تہجد کو اٹھاتے ذکر میں یہ معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف میرے پاس آ گیا اور حضرت نے بائیں ہاتھ سے اس کو پکڑ کر اور دائیں ہاتھ سے مجھ پکڑ کر دونوں کو ملا دیا وہ میرے سینہ سے خوب چپٹ گیا اور اس کے بیچ میں جو سیاہ پتھر تھا اس کا میرے قلب سے خوب اچھی طرح مساس ہوا پھر بیت اللہ نے بہت تیزی کے ساتھ میرا چند بار طواف کیا پھر میں اس میں داخل ہوا اور وہ میرے سینہ میں داخل ہو گیا اب بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرے سینہ سے لگا ہوا ہے ۔

تحقیق ۔۔۔ مبارک ہو تجلّی خاص نے قلب پر نزول فرمایا ۔ (تربیت السالک ص۲۱۵ تربیۃ جلد اول)

آثارِ نزول

حال ۔۔۔ اب غلام پر کوئی حالت برسوں سے طاری نہیں ہے اور نہ کسی حالت کے طاری ہونے کی خواہش ہے بلکہ یہ دل چاہتا ہے کہ کوئی حالت طاری نہ ہو کیونکہ خلاف سنت ہے ۔ صدور اعمال حسنہ کی رغبت اور احتراز عن المعاصی کا شوق ہے جو کچھ ذکر اور نوافل و تلاوت وغیرہ ہو جاتا ہے اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں لذت آنے نہ آنے کا بھی کچھ خیال نہیں ہوتا ہے ۔حق تعالیٰ اس پر مداومت کی توفیق عطا فرما دیں ۔ چند روز سے تہجد کے وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھی بعض اشعار زبان سے جاری ہو جاتے تھے آج قبل دو پہر سے اتباع سنّت کی دھن ہے ، اور اتباع سنّت ہی حق تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے ۔ اس کے خلاف ان کی درگاہ میں مقبول نہیں ۔ پس جب میں حق تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوں تو پورے طور پر متبع سنت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہو جاؤں جو کام ہو سنت کے موافق ہو کوئی فعل اور کوئی قول سنت کے خلاف نہ ہو

حضور والا اتباع سنت کی توفیق کے لئے دعا فرما دیں۔

تحقیق: ماشاء اللہ یہ سب آثار نزول کے ہیں جو عروج سے افضل ہے مبارک ہو۔ (تربیت السالک ص ۲۱۵ جلد اول)

قبض وبسط

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ابتدائے نبوت میں جبکہ وحی میں توقف ہوا) اس درجہ مغموم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادے سے تشریف لے گئے کہ پہاڑ کی بلندی پر سے گر کر جان دیدیں۔ سو جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے آپ کو گرانے کی غرض سے چڑھتے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کو نظر آتے اور فرماتے "اے محمد! صلے اللہ علیہ وسلم (مغموم ومتأسف نہ ہو) آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو سچ مچ اس سے آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا اور جی ٹھہر جاتا۔ (بخاری)

واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض ہے۔ حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ خوف ورجا جب بڑھ جاتا ہے قبض وبسط ہوتا ہے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ خوف ورجا آئندہ کی حالت یاد کر کے ہوتا ہے۔

محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت واستغناء کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے۔ اسی حالت کو (حدیث عبداللہ بن کعب واقعہ تخلف عن تبوک) میں ضیق ارض وضیق النفس سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور قبض کے مقابل حالت بسط ہے یعنی آثار لطف وفضل کے ورود سے قلب کو سرور وفرحت ہونا (تعلیم الدین۔ التکشف)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کبھی سوء اعمال کی وجہ سے سالک سے لذت فی الطاعات مفقود ہو جاتی ہے اور کبھی بوجہ فتور و کسل و ملال کے طبعاً یہ حالت قبض پیش آتی ہے اور کبھی بمصلحت امتحان کہ یہ حق کا طالب ہے یا لذت کا، منجانب اللہ تعالیٰ یہ حالت وارد کی جاتی ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

قبض کا سبب صرف عدم رضائے حق نہیں بلکہ بعض دفعہ حکمتوں کی وجہ سے قبض طاری کیا جاتا ہے۔ سالک کی اصلاح کے لئے یا سنبھالنے کے لئے بھی بسط کو سلب کر لیا جاتا ہے تاکہ عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ جب بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص مرتبہ مقدر ہوتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے حاصل نہ کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسد اور اس کے اہل اور اس کے مال کو کسی بلا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر وہ صبر کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر رہا تھا۔

حضرت حاجی صاحب (یعنی شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز) نے فرمایا کہ قبض حقیقتاً بصورت قہر لطف ہے ؎

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو
آں صلاح تست آیش دل مشو

ترجمہ: اے سالک جب تجھے قبض پیش آئے تو تو اس سے دل گرفتہ نہ ہو کہ تیری اصلاح کا ذریعہ ہے (انفاس عیسیٰ۔ ماخوذ شریعت و طریقت ص ۲۷۹)

منافع قبض

قبض منافع میں بسط سے بھی زیادہ ہے، گو عین قبض کے وقت وہ منافع معلوم نہ ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم ہو جاتے ہیں اور اگر معلوم بھی نہ ہوں تب بھی حاصل تو ہوتے ہیں۔ اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ حصول کا علم۔ چنانچہ غایت انکسار اور عبدیت کے آثار

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مثلاً مشاہدہ عجز و ضعف اور غلبۂ انکسار و افتقار و فنائے دعوٰی حالاً کا ترتب ہوتا ہے جیسا کہ اکابر کا الہام ہے۔ اَنَا عِنْدَ مُنْکَسِرَۃِ الْقُلُوْبِ (میں (خدا تعالیٰ) شکستہ دلوں میں ملتا ہوں) ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ مے نگیرد فضل شاہ

(ترجمہ) عقل و سمجھ کو تیز کرنا حقیقت میں راہ نہیں یعنی اس سے اسرار اور مقاصد حاصل نہیں ہوتے شکستہ دل کے سوا بادشاہ حقیقی کا فضل کوئی حاصل نہیں کر سکتا یعنی اس کا فضل متواضع لوگوں پر متوجہ ہوتا ہے۔

قبض سے عجب کا علاج ہوتا ہے عبدیت کی حقیقت کا اس میں مشاہدہ ہوتا ہے فنا اور تہی دستی رائی العین ہو جاتی ہے۔ اختیاری کام کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قابل اور محل امتحان ہے، اگر اس امتحان میں پاس ہو گیا اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہوگا (انفاس عیسیٰ ص ۹۹)

قبض کی حکمتیں

حالت قبض و ہیبت کی ان حکمتوں کا بیان جو خود حضرت والا نے اپنی بعض تحریروں میں ارقام فرمائی ہیں ــــــ

حضرت والا ایک طالب کے طویل خط کے جواب میں جو مبتلائے قبض و وساوس تھے رسالہ مسمی بہ الابتلاء لاھل الاصطفاء کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں "اب بعض منافع و مصالح وساوس و لبعض امور میل الی المعصیت کے سالک کے حق میں بیان کر کے اس عجالہ کو ختم کرتا ہوں اس میں خفی الطاف رحمانیہ ہیں جن کو دیکھ کر مبتلائے بلیہ بیساختہ یہ کہکر پوری تسلی حاصل کر لے گا۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

الا لا یجا رن اخو البلیّہ
فللرحمٰن الطافٌ خفیّہ

۱۔ اس شخص کو کبھی عجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بد حال ہوں۔

۲۔ ہمیشہ ترسان رہتا ہے اپنے علم و عمل پر ناز نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میرا علم و عمل و حال کیا چیز ہے، اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔

۳۔ اگر یہ عقبہ پیش آ چکتا ہے شیطان کے مقابلے میں اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کرے گا اور بدون اس کے گزرے ہوئے لطیف الطبع کو ہر مفر صحت تک سے اندیشہ رہتا ہے جس کو میں نے ایکبار بیان کیا تھا کہ اس کی وجہ لطافت طبع معلوم ہوتی ہے۔

۴۔ مرتے وقت اگر دفعۃً یہ حالت پیش آئی تو پریشان ہو کر خدا جانے کس کس خیال میں مرتا۔ اگر یہ عقبہ گزر جاوے تو اس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اس وقت بھی ایسا ہوا تو پریشانی اور حق تعالیٰ پر بدگمان نہ ہوگا۔ اطمینان و محبت حق میں جان دے گا۔

۵۔ یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی دستگیری آسانی سے کر سکتا ہے۔

۶۔ ہر وقت اپنے اوپر حق تعالیٰ کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

۷۔ اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت عبد کے عمل سے نہ ہوگی رحمت حق سے ہوگی وغیر ذالک مما لا یحصیٰ اور میں نے اسی مجموعہ کو کہا تھا کہ کوئی حالت محمودہ پیدا ہونے والی ہے۔

(منقول از مقدمہ تربیت السالک)

(اشرف السوانح ص ۲۶۸)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دیگر

حال: آج کل طبیعت پر پژمردگی اور انقباض کا غلبہ ہے برابر بڑھتا جاتا ہے
ہفتوں کیا بلکہ مہینوں تک کوئی انبساط نصیب نہیں ہوتا۔ دل و دماغ پر معلوم ہوتا ہے
کہ موت طاری ہے، نہ خلوت میں جی لگتا ہے نہ جلوت میں زندگی کے خلاء و تعطل سے
طبیعت بالکل تنگ آگئی ہے۔ موت کی تمنا تو ابھی تک نہیں پیدا ہوئی لیکن زندگی وبال
ضرور ہے موجودہ حالت میں ایک ایک دن کاٹے نہیں کٹتا۔ حضرت دعا کے ساتھ کچھ چارہ
گری بھی فرمادیں۔

تحقیق: یہ حالت قبض کہلاتی ہے جو سب کو پیش آتی ہے اور جو باعتبار صورت
کے بلا ہے اور باعتبار معنی کے نعمت ہے کیونکہ اسباب اس کے مختلف ہیں کبھی تغیرات طبیعہ
مزاجیہ، فساد اخلاط۔ یا موسم یا ادویہ یا اغذیہ سے یا عوارض نفسانیہ فکر یا حزن یا غضب
وغیرہ سے جس کا علاج ان کے اضداد سے ہے۔ کبھی کسی معصیت کا صدور جس کا حق معصیت
کا تدارک اور استغفار کی کثرت ہے اور کبھی رفع درجات کہ اعمال اختیاریہ کی کمی کا تدارک
مجاہدہ اضطراریہ سے کیا جاتا ہے۔ پھر اس سے درجات بڑھتے ہیں اور کبھی اصلاح اخلاق
کے کمالات سے اپنا خلو دیکھ کر شکستگی و پستی پیدا ہوتی ہے اور اس سے بہت سے غوائل
کا علاج ہوتا ہے جیسے عجب و کبر و قساوت و امثالہا۔ اور کبھی امتحان محبت و عظمت کہ بندہ
بشاشت ہی میں عمل کرتا تھا جس میں اک گونہ حظ نفس بھی ہوتا ہے یا بے ذوقی میں بھی
عمل کرتا ہے جس کا سبب صرف محبت اور غلبۂ عظمت ہو سکتا ہے اور کبھی جذب الی عالم القدس
برفع الحجب والموانع ہوتا ہے اور کبھی دوسرے اسباب جو تعبیر سے بھی فوق ہیں۔

اس تمہید کے بعد چند امور قابل تنبیہ ہیں:۔

۱۔ کبھی متعدد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

۲۔ ایسی حالت پیش آنے کے وقت اسباب کی تشخیص وتعیین کی ضرورت نہیں بلکہ اکثر مضر ہے کیونکہ تیقن کا کوئی ذریعہ نہیں سو اگر وہ سبب نہ ہوا تو سعی ہی بیکار گئی۔

۳۔ بلکہ سب احتمالات کا حق ادا کیا جائے یعنی استغفار اور صبر وشکر و تفویض و توکل اور تواضع و دعا و ابتہال و کثرت ذکر و استقامت علی الاعمال اور لایعنی تعلقات کی تقلیل و استعمال مفرحات و مقویات طبع جس میں ملاقات احباب و اشتغال بالازواج والاولاد و استعمال مرغوبات طبیعہ برعایت اعتدال بھی داخل ہے ان سب کو نظام کے ساتھ جمع کیا جائے۔

۴۔ ان اعمال کو بقصد تدبیر و علاج و بانتظار بسط و سکون نہ کیا جائے بلکہ ان کو خود مطلوب سمجھ کر کیا جائے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی یہ قبض رفع نہ ہو تو راضی اور ادائے حقوق مذکورہ پر مداوم رہے۔

وبهذا اوصی العارفون بقولهم

چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بیں
تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو
آں صلاح تست آیس دل مشو

۵۔ اسباب ضیق و تشویش سے احتراز سوائے ضرورت شدیدہ کے۔ ان امور کے التزام سے ان شاء اللہ تعالیٰ اکثر تو بسط طبعی ورنہ بسط عقلی لازمی طور پر میسر ہوگا۔ اگر بسط کے بعد شبہ عود کا ہو تو اِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا کے لئے آمادہ رہنا چاہئے جیسے کسی کو موسمی بخار ہمیشہ آتا ہو تو وہ گھبراتا نہیں بلکہ نسخہ کی تجدید کر لیتا ہے۔

حال: جواب والا نے سعادت بخشی تھی۔ قبض کی حالت بدستور رہے اور بسط ونشاط قطعاً کافور رہیں اپنے ایمان و عمل کی حقیقت معلوم ہے اس لئے جذب الی عالم القدس یا رفع العجب

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

والموانع وغیرہا کے سے اسباب قبض کا تو اپنے حق میں احتمال بھی نہیں ہوتا۔

تحقیق: یہی فیصلہ محل کلام ہے جن اکابر کے حق میں ہم لوگ اس جذب اور رفع کا اعتقاد قریب بہ یقین رکھتے ہیں وہ اب سے زیادہ کہتے ہیں کہ اپنے ایمان و عمل کی حقیقت معلوم ہے۔ چنانچہ (۷۰) ستر بدرین کے متعلق صحیح بخاری میں ہے:

کلھم یخاف النفاق علی نفسہ

بلکہ عارفین کے نزدیک یہی اعتقاد دلیل ہے کمال ایمان کی۔ ناقص الایمان کو اپنے نقصان ایمان کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۸۶)

قبض کی مبارک حالت

حال: آج چار روز ہوئے میرے اوپر مغرب کے بعد سخت و شدید حالتِ قبض طاری ہوئی قلب بالکل خالی معلوم ہوتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا کہ میں بالکل مردود ہوگیا۔ اس وقت حالانکہ میں اپنے کو کافروں سے بھی بدتر سمجھتا تھا۔ نہ نماز میں پہلی سی حالت، نہ ذکر کی رغبت، بار بار خودکشی کو دل چاہتا تھا مگر پھر یہ سوچتا تھا کہ یہ حالت تو غیر اختیاری ہے میرے بس سے باہر ہے مگر خودکشی امر اختیاری ہے اس پر ضرور عذاب ہوگا۔ پھر یوں بھی دل کو سمجھایا کہ کم بخت اس حالت میں مرنا کونسا اچھا حال ہے اپنی حالت درست کرکے موت کی تمنا کرنی چاہئے۔ غرض عشاء کے وقت تک سخت ابتر حالت رہی عشاء کی نماز کے بعد کچھ کمی محسوس ہوئی تو میں نے نوافل میں دیر تک حق تعالیٰ سے آہ و زاری کے ساتھ التجا کی کہ مجھ میں اس حالت کا تحمل نہیں میں ضعیف ہوں اس طرح میرا امتحان نہ لیجئے میرے حال پر رحم فرمایا جاوے اور اگر اسی میں رضا ہے تو میں راضی ہوں مگر میرا خاتمہ ایمان پر کیا جاوے۔ بارے الحمد للہ کہ صبح کو وہ حالت بالکل رفع ہوگئی اور حواس بجا ہوئے اور اب پہلے سے زیادہ انوار بسط فائز ہیں، مگر جیسی اس رات

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

میری جان پر گذری ایسی مصیبت کبھی نہ دیکھی تھی مگر یہ عجب بات تھی کہ اس بے چینی اور تمنائے خودکشی میں بھی لطف تھا۔ والسلام

تحقیق: مبارک مبارک یہ وہ حالت ہے کہ میری تمنا اپنے متعلقین کے لئے اس کے طاری ہونے کی بشرط البصیرۃ فالاستقلال ہوا کرتی ہے اور اس کے منافع اس قدر ہیں کہ احاطۂ بیان میں نہیں آتے۔ مثلاً عجب و کبر کی جڑ کٹ جانا بوجہ استحضار اپنے محل تصرف قہر میں ہونے کا، وساوس وخطرات غیر اختیاریہ یعنی تصرفات شیطانیہ کی انتہا معلوم ہو کر جھجک نکل جاتا جو کہ شرعاً عین مطلوب ہے اگر مرتے وقت کسی کو ایسی حالت پیش آوے وہ طبعاً گھبرا جاوے اور خدا جانے گھبراہٹ میں کیا سمجھ بیٹھے حالت حیات وعلم میں اس کے پیش آجانے سے اس کا تحقق ہو جاتا ہے۔ اگر وقت مرگ پیش آوے وہ کیفیت موثر نہیں ہوتی وغیر ذالک من المنافع والمصالح سب کا خلاصہ فنائے تام ہے اور اس کے بعد بسط ہوتا ہے وہ بھی بے نظیر ہوتا ہے الحمدللہ! اس حالت کے منافع حق تعالیٰ نے مجھکو بھی مشاہدہ کرائے ہیں تب ہی سے اس کو حصول مقصود کے لئے مثل جزو اخیر علت تامہ کے سمجھ رہا ہوں اور اسی سے اپنے احباب کے لئے اس کا متمنی ہوتا ہوں مکرر مبارک باد دیتا ہوں۔

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۶۹۱)

علاج بعضے اقسام قبض

سوال: اب کچھ اپنی تباہی کا حال بیان کرتا ہوں کہ سمع خراشی کے لئے معاف فرمایا جاؤں جس کا یقین کامل ہے۔ حضرت اب تو نہایت ابتر حالت ہے۔ وظیفہ وغیرہ سب ترک ہے اگر تسبیح لے کر بیٹھتا ہوں جی گھبراتا ہے۔ قید شمار تسبیح سے جی الجھتا ہے تب خاموش بیٹھ جاتا ہوں اس میں البتہ کبھی کچھ عرصہ تک نیند یا کیا کہوں خبر نہیں

رہتی کہ کہاں ہوں اور کیا ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ شغل اشغال قطعاً بند ہیں۔
کیوں کہ دل الجھتا ہے لیکن ان کا نہ ہونا ہر دم سوہان روح ہے اور ایک بات یہ بھی
کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے، کیونکہ خدا جانے میں کیا کچھ سمجھتا ہوں اور ہو
کچھ اور، وہ یہ ہے کہ زیادہ اوقات میں اور کبھی کبھی ہر کام میں اور کبھی کبھی نہیں
بھی دھیان اللہ کا دل میں رہتا ہے۔ اگر کچھ تسکین اس وقت ہے تو اسی سے ہے کہ
اگرچہ زبانی یا بالقصد تسبیح کے ذکر نہیں کرتا ہوں، خیر یہ بھی غنیمت ہے کہ کبھی دھیان تو
اپنے اللہ کا آجاتا ہے۔ بیشتر جو سوز و گداز اور غلبہ رہتا تھا اس کا پتہ بھی نہیں ہے۔
اب فرمائیے کہ یہ کیا حالت واقع ہوئی اور کیا علاج کیا جاوے۔ اگر خدانخواستہ کوئی بات
خلاف ظہور میں آوے تو اللہ کو علم ہے کہ میری کیا حالت ہوگی۔ للہ۔ صاف صاف جواب
تحریر فرمائیے گا۔ ہرچہ بادا باد اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرما دیں۔ بیشتر اس قدر تسبیح
پڑھتا تھا کہ تیس تیس ہزار تسبیح علاوہ نماز و نوافل کے روزمرہ ہو جاتی تھیں اور ایک ذوق
تھا۔ اب قسمت سے میری یہ حالت واقع ہوئی۔ بہرحال اللہ کا شکر ہے بیشتر جوش و خروش
ابتدا میں تھا اب ایک معمولی حالت ہوگئی ہے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی بلکہ بیشتر سے اپنے
میں بدرجہا کمی معلوم ہوتی ہے میرے خیال میں بیشتر سے بعوض ترقی کے کمی ہوئی ہے اب
آپ تحریر فرمایئے کیا ہے۔

مختصراً یہ عرض ہے کہ اب ذکر وغیرہ کچھ نہیں بن پڑتا ہے البتہ میرے خیال میں یہ معلوم
ہوتا ہے کہ فکر کچھ ضرور ہے کیونکہ دل میں اللہ کی یاد کبھی کبھی ضرور رہتی ہے۔ یہ کمی اشغال و
معمولات میں نہ معلوم کیوں ہوگئی براہ کرم مطلع فرمایا جاؤں۔

الجواب

مشفقم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا حال اچھا خاصا ہے۔ عبادت کے مختلف
طریقے ہیں فکر بھی عبادت ہے ذکر بلا قید عدد بھی عبادت ہے۔ اپنے کو ذلیل و خوار قاصر و

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ناقص سمجھنا بھی عبادت ہے غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے ہاں مذموم حالت دو ہیں ایک معصیت دوسرے غفلت۔ سو یہ بفضلہ تعالیٰ نہیں ہے۔ رہا غلبہ اور شوق یہ حالت عارضیہ میں سے ہے اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہٖ قائم و دائم رہ سکتی ہے جن حجابات کا آپ کو شبہ ہوگیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ بلا دلیل محض تقلید سے میری تحریر پر مطمئن رہئے اور اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہئے پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس سے مضر ہونے کا احتمال ہے۔ غرض یہ کہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے اپنی صحت کی خبر نہیں، سو یہ خبر نہ ہونا کوئی ضرر کی بات نہیں۔ (ماخوذ التکشف ص ۱۶ و ۱۷)

حالتِ ہیبت و قبض

ارشاد: حالت قبض و ہیبت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس حال میں سالک یہ دیکھ کر پریشان ہوتا ہے کہ میرے لئے چاروں طرف سے راستے بند کر دیئے گئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اس میں مصلحت ہوتی ہے کہ سب طرف سے مایوس ہو کر میری ہی طرف رجوع ہو اور اس سد باب سے مقصود اپنے سے محجوب کرنا نہیں ہوتا بلکہ شیطان سے بچا کر خود اپنی پناہ میں لینا مقصود ہوتا ہے جیسے ماں بچے کو کسی مکان میں مقید کر کے چاروں طرف کے دروازے بند کر دے کیونکہ باہر ریچھ ہے تو بچہ گھبراتا ہے اور سخت پریشان ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ماں نے میرے اوپر بڑا ظلم کیا لیکن اس نادان کو یہ خبر نہیں کہ ماں کا مقصود اس کو محبوس کرنا نہیں بلکہ باہر جو ریچھ پھر رہا ہے اس سے بچانا اور اپنی پناہ میں لینا مقصود ہے۔ (اشرف السوانح)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

آثار ہیبت

حال: یہ ہے کہ جب سے حضور سے رخصت ہو کر چلا ہوں قلب پر ایک ہیبت رہتی ہے روز افزوں ترقی پر ہے اور ہر فعل مجھے اپنا مخدوش اور اغراض نفسانی پر معلوم ہوتا ہے مگر کوئی غرض متعین نہیں ہوتی اور اس قدر اپنی حالت حقیر معلوم ہوتی ہے کہ ہستی تو کیا معنی بلکہ اس کے کسی فرد کا مصداق نہیں ہوں ؎

نہ ہوتا ہائے کیا ہوگا ہمارا
کہ ہونے پر نہ ہونے کا گماں ہے

یہاں تک کہ ضعف بھی ہو چلا ہے اور شاید اس ہی میں گھل گھل کر مثل برف کے ختم ہو جاؤں دعا کی سخت ضرورت ہے۔

تحقیق: یہ ہیبت اور حزم مبارک اور رفیع حالات میں سے ہے اگر اس میں ختم ہو جائے شہادت کبریٰ ہے مگر سنت کا مقتضا یہ ہے کہ جہاں تک اپنا علم اور قدرت کام دے اعتدال اور تعدیل کر اپنا مستقر اصلی بنالے ہیبت کے ساتھ انس اور حزم اور سوئے ظن بنفسہٖ کے ساتھ رجاء رحمت اور فنا کے ساتھ بقا اور نیستی کے ساتھ ہستی اور مبالغہ فی التواضع کے ساتھ مشاہدہ نعمت کا اہتمام و استحضار کرے تاکہ ختم ہونے سے پہلے دوسرا دل کا خانہ درست کر سکے کیفیات مذکورہ سابقہ میں صاحب نسبت راسخہ کو اضطرار کم ہوتا ہے۔ یہ کیفیات اکثر سوچنے سے بڑھ جاتی ہیں تو ایسا سوچنا جو موجب حرمان ہو طریق میں مضر سمجھا جاتا ہے حدیث کے یہی معنی ہیں سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ اور حافظ شیرازی نے اس کے معنی میں کہا ہے۔ ؎

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دوش با من گفت پنہاں رازداں تیز ہوش
کز شما پنہاں نہ شاید داشت رازِ مے فروش
گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئے طبع
سخت مے گیرد جہاں بر مردمانِ سخت کوش

آپ کو اگر آثار ہیبت وسوءظن بنفسہٖ کا زیادہ غلبہ ہوا کرے تو یہ سوچا کیجئے کہ بیش ازیں نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالیٰ کے یہاں جس طرح کاملین کی نجات ہوگی اسی طرح پر تائبین کی بھی ہوگی اگر صدر نشین نہ ہوں گے تو صف نعال ہی میں جگہ مل رہے گی اگر اولیت نہ ہوگی تو جوتیاں لگنے کے بعد ہی سہی بس یہ سمجھ کر بجائے اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ کے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ کی کثرت کرنی چاہیئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مزاج درست ہو جائے گا اور اگر اس پر بھی یہ قبض مغلوب نہ ہو تو بعد رمضان یہاں فوراً آجانا چاہئے۔ (تربیت السالک ص ۷۴۸۔ تربیۃ حصہ پنجم ص ۲۱۵)

آخرت کی پریشانی کا علاج

حال:۔ آج کئی دن سے میں بہت پریشان ہوں مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میدان حشر میں انبیاء، علماء، صوفیاء، شہداء وغیرہ کا گروہ کھڑا ہوگا اور ہر ایک کو کسی خاص اعزاز سے ممتاز فرمایا جائے گا۔ میں کس گنتی شمار میں ہوں گا۔ میرا تو کوئی عمل بھی ایسا نہیں کہ جس کا سہارا ہو اتنے بڑے دربار میں سخت پشیمانی ہوگی۔ دربار رسالت میں بھی تو منہ دکھانے کے قابل نہیں اگر حضور نے جھڑک دیا کہ تو کیا میرا امتی ہے کیا کام کر کے لایا ہے تو کیا ہوگا یہ خیالات کچھ ایسے جاگزیں ہو گئے ہیں کہ کسی وقت چین نہیں آتا۔ قلب پر ایک خاص قسم کی گھبراہٹ ہے مطب میں بیماروں کو دیکھنا کیسا کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ گھبراہٹ روز بروز بڑھتی جاتی ہے کوئی بات بتایئے کہ تسکین ہو جائے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تحقیق: اول تو یہ پریشانی نعمت عظمیٰ ہے۔ ہزاروں سکون اس پر نثار ہیں۔ البتہ اس پریشانی سے طبعی کلفت ہوتی ہے جس پر ثواب بھی ملتا ہے لیکن حصول سکون کا طریقہ دوامر ہیں۔ استغفار رحمت جو عمل پر موقوف نہیں بلا عمل بھی رحمت ہوتی ہے، دوسرے کثرت دعا، کثرت استغفار و کثرت درود شریف۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس سے یوماً فیوماً یہ پریشانی کم ہو جائے گی۔ (تربیت السالک جلد دوم ص ۱۷۱)

امورِ اختیاری وغیر اختیاری

منجملہ موانع طریق سلوک کے دو امر خاص ہیں جو اس قدر کثیر الوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو بلکہ اہل علم بھی ان میں مبتلا ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کی تحصیل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ جیسے ذوق و شوق و استغراق ولذت و یکسوئی و دفع خطرات و سوزش و انجذاب و عشق طبعی و امثالہا اور ان امور کو ذکر و شغل و مجاہدہ کے ثمرات سمجھ جاتے ہیں اور ان کے حاصل نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کے ازالہ کے اہتمام میں لگ جاتے ہیں، جیسے قبض و ہجوم، خطرات اور دل نہ لگنا، یا کسی آدمی یا مال کی طبعی محبت یا شہوت یا غضب طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا یا رونا نہ آنا۔ یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی خوف کا غلبہ و امثالہا اور ان امور کو طریق کے لئے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہیں اور ان کے زائل نہ ہونے کو موجب بُعد عن اللہ سمجھتے ہیں، یہ ہیں وہ امور جن میں عام طور پر اہلِ سلوک مبتلا ہیں۔ اور امر مشترک

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ان دونوں امور میں یہ امر ہے کہ امور غیر اختیاریہ کے درپے ہوتے ہیں تحصیلاً یا ازالتہً اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا مشتمل ہے متعدد مفاسد پر ایک مفسدہ یہ ہے اور یہ اعتقادی مفسدہ ہے کہ در پردہ اس میں حق تعالٰے کے ارشاد لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کی مزاحمت ہے، کیونکہ جب یہ امور غیر اختیاریہ ہیں تو انسان کی وسع میں نہ ہوئے نہ تحصیلاً نہ ازالتہً۔ کیونکہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے تو جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں پس جب یہ انسان کی وسع میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا ازالہ کو موقوف علیہ مقصود مامور بہ کا سمجھا اور ظاہر ہے کہ مامور بہ کا موقوف علیہ مامور بہ ہوتا ہے تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ سمجھا اور مامور بہ کے لئے وسع کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور یہ وسع میں ہیں نہیں تو گویا یہ معتقد ہوا اس امر کا کہ مامور بہ کے لئے وسع شرط نہیں تو صریح مزاحمت ہوئی ۔ ارشاد لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کی اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے دوسرا مفسدہ یہ ہے' یہ عملی مفسدہ ہے کہ جب یہ امور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے، اور یہ تحصیل و ازالہ کے لئے کوشش کرے گا جب کامیابی نہ ہوگی تو روز بروز پریشانی ہی بڑھے گی۔ پھر اس پریشانی کے یہ آثار متحمل ہیں :-

۱۔ اول۔ پریشانی کے تواتر سے کبھی بیمار ہو جاتا ہے پھر بیماری میں بہت سے اوراد و طاعات سے محروم رہ جاتا ہے۔

۲۔ ثانی۔ پریشانی و غم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔

۳۔ ثالث۔ غم و فکر کے غلبہ سے بعض اوقات اہل و عیال یا دیگر اہل حق کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

۴۔ رابع کبھی یہ پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر خودکشی کر لیتا ہے اور خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بنتا ہے ۔

۵۔ خامس کبھی مایوس ہو کر اعمال و طاعات کو بے کار سمجھ کر سب چھوڑ بیٹھتا ہے اور بطالت و تعطل محض کی نوبت پہنچ جاتی ہے ۔

۶۔ سادس کبھی شیخ سے بداعتقاد ہو جاتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود انہی کو معلوم نہیں

۷۔ سابع کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش و مجاہدہ کر رہے ہیں مگر کامیابی ہی نہیں ہوتی ، ذرا رحمت نہیں فرماتے ۔ بالکل توجہ نہیں خدا جانے وہ تمام وعدے کہاں گئے ۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا الآیہ اور من یقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ۔ الحدیث (نعوذ باللہ نصوص کی صریح تکذیب کرنے لگتا ہے ۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور

(ماخوذ بوادر النوادر صفحہ ۷۷ - ۷۸)

اختیاری اور غیر اختیاری امور کی تفصیل

حضرت والاؒ اس اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو دیگر عنوانات سے بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے مثلاً عقلیؔ اور طبعی ۔ اعمالؔ اور احوال ۔ افعالؔ اور انفعال مقصودؔ اور غیر مقصود ۔ یہ کل پانچ عنوان ہوئے لیکن ان سب کا معنون ایک ہی ہے کہ انسان اختیاری امور کا مکلف ہے اور غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں ۔ حضرت والاؒ ان پانچوں عنوانات سے دوران تربیت سالک بکثرت کام لیتے تھے اور ان کے ذریعے سے سالکین کی بڑی بڑی مشکلات کو حل فرماتے تھے ۔ اب ان پانچوں عنوانات کے متعلق حضرت والا کے بعض ارشادات مختصر اور مثالاً پیش کئے جاتے ہیں مثلاً اختیاری اور غیر اختیاری کے متعلق فرمایا کرتے کہ وسوسے لانا اختیاری ہے اس سے اجتناب کرے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور وسوسے آنا غیر اختیاری ہے اس کی کچھ پروا نہ کرے۔ البتہ آئے ہوئے وسوسوں کو اختیاراً باقی رکھنا بھی بوجہ اختیاری ہونے کے مذموم ہے۔ اسی طرح ذکر و تلاوت و نماز میں دل لگانا اختیاری ہے، دل لگنا غیر اختیاری ہے، اپنی طرف سے دل لگنے کے اسباب کو جمع کرے، پھر بھی اگر دل نہ لگے تو بے دل لگے ہی عمل کو بہ تکلف کرتا رہے۔ اسی طرح میلان الی المعاصی کا غم نہ کرے کیونکہ میلان غیر اختیاری ہے۔ البتہ اس میلان کے مقتضا پر عمل کا صدور نہ ہونے دے جو اختیاری ہے محض میلان پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ عمل پر ہے۔

اور مثلاً عقلی اور طبعی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ انسان عقلی امور کا مکلّف ہے کیونکہ وہ اختیاری ہیں اور طبعی امور کا مکلف نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ چنانچہ ایک طالب علم نے لکھا کہ پہلے کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا لیکن اب کچھ رنج نہیں ہوتا۔ دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے چنانچہ رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی کی علامت ہے۔

اور مثلاً اعمال اور احوال کے متعلق فرمایا کرتے ـــ کہ اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں کیونکہ اعمال اختیاری ہیں، احوال اختیاری نہیں۔

اور مثلاً افعال اور انفعالات کے متعلق ایک صاحب فضل کو جو طریق باطن کے متعلق حضرت والا سے خط و کتابت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ذوق و شوق حاصل ہو جائے، حضرت ؒ نے آخر میں قول مختتم اور خلاصہ کے طور پر تحریر فرمایا کہ اس طریق میں افعال کا اعتبار ہے، انفعالات کا اعتبار نہیں لہذا افعال کا اہتمام چاہئے جو اختیاری ہیں انفعالات کے درپے نہ ہونا چاہئے جو غیر اختیاری ہیں۔

اور مثلاً شعبۂ باطن میں مقصود اور غیر مقصود کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ مقصود

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مقامات ہیں یعنی اعمال اختیاریہ نہ کہ احوال غیر اختیاریہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ گو احوال محمودہ، محمود ہیں لیکن مقصود نہیں کیونکہ وہ اختیاری نہیں نہ ان کا حصول لازم نہ ان کا بقا دائم۔ اگر حاصل ہوں شکر کرے لیکن کمال نہ سمجھے۔ اگر نہ حاصل ہوں یا حاصل ہو کر زائل ہو جائیں تو غم نہ کرے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم صفحہ ۲۰۳-۲۰۲)

بعض اوقات اختیاری اور غیر اختیاری میں فرق معلوم نہیں ہوتا

حال۔ ایک صاحب نے تحریر کیا۔ خیر اور باتوں میں مضائقہ نہ تھا لیکن نماز، تلاوت اور ذکر میں یہ حالت بڑی شرمناک ہوتی ہے۔ حدیث نفس کا مرض بھی بدستور بلکہ روز افزوں ہے۔ وہ بھی نماز وغیرہ کسی حالت میں پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس حد تک کہ فیصلہ میرے لئے مشکل ہو گیا۔ کہ ان باتوں کو کہاں تک میں اپنے لئے اختیاری سمجھوں۔ اور کہاں تک غیر اختیاری۔ بعض وقت خیال ہوتا ہے کہ بالکل اختیار سے باہر ہیں اور بعض وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات عزم سے دور ہو سکتی ہے مگر یہ عزم ناکامی پر ختم ہو جاتا ہے۔

تحقیق۔ اتنی کاوش کا عبد مکلف بھی نہیں۔ معتدل فکر سے جو چیز اختیاری معلوم ہو مقاومت کرے۔ جب عاجز یا کالعاجز ہو جاوے تو دونوں احتمالوں کا حق ادا کرے۔ غیر اختیاری ہونے کے احتمال پر تو صبر کرے کہ مجاہدہ ہے اور اختیاری ہونے کے احتمال پر استغفار اور دعائے ہمت و قوت کرے اور اس کی نظیر فقہیات میں ماء مشکوک سے وضو کے ساتھ تیمم جمع کرنا ہے اس میں سب احکام کی رعایت ہو جائے گی اور کاوش کے غلو سے کہ ایک درجہ میں منہی عنہ بھی ہے اور موجب تشویش بھی ہے محفوظ رہے گا۔ کما قال علیہ السلام من شاق شاق اللّٰہ وکان الحافظ۔ ترجمہ لقولہ ؎

گفت آسان گیر بر خود کارہا کز روئے طبع
سخت می گیرد جہاں بر مرداں سخت کوش

(تربیت السالک جلد دوم)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خیر الاختیار فی خیر الاختیار

فرمایا ایک صاحب نے خط میں یہ شکایت لکھی ہے کہ جو جمعیت قلب حضرت والا کی خدمت بابرکت سے لے کر آیا تھا وہ یہاں آکر رفتہ رفتہ رخصت ہوگئی۔ فرمایا میں نے جواب لکھا ہے کہ اگر یہ کیفیت رخصت ہوگئی تو ضرر کیا ہوا کیونکہ کیفیت مقصود ہی نہیں، حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ضرر تو ہوا ہے۔ فرمایا کیا ضرر ہوا ہے؟ عرض کیا گیا ایک چیز نصیب ہوئی تھی وہ جاتی رہی۔ فرمایا اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ چیز اس کے لئے نافع ہی تھی ممکن ہے کہ وہ مضر ہوتی۔ حق تعالیٰ ہی مفید اور مضر کو خوب جانتے ہیں اور اس کو بھی کہ بندہ کے لئے کس وقت کیا مناسب ہے لوگ تو کیفیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اور لذت ہی کے طالب ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مزے سے اعمال میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ سہولت ہی کی کیوں طلب ہے کیا انسان دنیا میں سہولتوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا اور یہ طالب ہے سہولت کا۔ الغرض اس غم میں ہی نہ پڑنا چاہئے۔ اپنے کام میں لگے رہنا چاہئے کیونکہ اس غم میں پڑنا کہ وہ حالت نہیں رہی، یہ حالت نہیں رہی فلاں کیفیت جاتی رہی۔ یہ سب قلب کا برباد کرنا ہے آخر یہ توجہ مخلوق کی طرف نہیں تو اور کس کی طرف ہے۔ اس وقت جو سوال کیا گیا ہے اس میں بھی عنوان تو اچھا اختیار کیا گیا ہے مگر ہے نفس کا کید، کہ راحت و سہولت کا طالب ہے اور شیطان بھی اس طرف مشغول رکھ کر توجہ بحق سے غافل رکھنا چاہتا ہے۔

ایک باریک بات کہتا ہوں اس کی طرف کم التفات ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر جمعیت قلب ہی کی طلب ہے تو اس کی فکر میں ہر وقت رہنا کہ جمعیت میسر ہو خود جمعیت کے بالکل منافی ہے جب یہ فکر رہی تو جمعیت کہاں رہی اور نہ اس صورت سے قیامت تک جمعیت میسر ہو سکتی ہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جمعیت جب ہی ہو سکتی ہے کہ قلب کو اس کی تحصیل سے خالی کرلے۔ سوچ اور فکر ہی میں نہ پڑے ورنہ ہر وقت یہ فکر کہ جمعیت میسر ہو خود ایسی چیز ہے کہ اگر کچھ جمعیت نصیب بھی ہوئی ہو تو یہی فکر کر کے یہ اپنے ہاتھ سے خود اس کو برباد کر رہا ہے ایسا کرنا بالکل اس شعر کے مصداق ہے،

یکے بر سر شاخ و بُن مے بُرید
خداوند بستان نگاہ کرد و دید

جس شاخ پر بیٹھا ہے اسی کو اپنے ہاتھ سے کاٹ رہا ہے اس طرح یہ لوگ اپنے ہاتھوں قلب کو مشوش کر رہے ہیں اور مشوش رہنے کی یہی وجہ ہے کہ غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ جمعیت نہ ہونے کے سبب نماز میں بھی لوگوں کو وساوس آتے ہیں اور اکثر ان کی شکایت کیا کرتے ہیں اور دفع کی تدابیر پوچھا کرتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اس طرف خیال ہی مت کرو۔ التفات ہی مت کرو۔ بلکہ ایسے موقع پر مفید صورت یہی ہے کہ اپنے کام میں لگے رہیں ان وساوس کی طرف التفات ہی نہ کریں نہ جلبًا نہ سلبًا کیونکہ یہ التفات ایسا ہے جیسے بجلی کے تار کو ہاتھ لگانا کہ چاہے دفع کے واسطے ہو چاہے اپنی طرف کھینچنے کے واسطے ہو، ہر صورت میں وہ پکڑ لیتا ہے اور میں کہتا ہوں وساوس کی فکر ہی کیوں ہے۔ قلب تو مثل ایک سڑک کے ہے اگر سڑک پر بھنگی چمار چل رہے ہیں اور آپ بھی اس پر سے گزر رہے ہیں تو آپ کا حرج ہی کیا ہے، اگر سڑک کے خالی ہونے کے انتظار میں آپ کھڑے رہیں تو کبھی بھی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں گے البتہ بادشاہ کے لئے تو سڑک خالی بھی ہو سکتی ہے مگر ہر شخص بادشاہ نہیں۔ افسوس اب تو ہر شخص بادشاہ بننا چاہتا ہے کہ جیسے ان کے لئے سڑک روک دی جاتی ہے ایسے ہی ہمارے لئے بھی سب گزرنے والوں سے سڑک خالی کر دی جائے، ارے بھائی پہلے بادشاہ کے درجے کے تو ہو جاؤ پھر یہ تمنا کرنا۔ جو بادشاہ کے درجے کے ہو جاتے ہیں ان کے لئے سڑک بھی صاف کر دی جاتی ہے۔ لوگ وساوس کو حضور قلب میں مخل سمجھتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ خود حضور قلب ہی مقصود نہیں، صرف احضار قلب مقصود ہے۔ حضور ہو یا نہ ہو ہم اس کے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

شرعاً مکلف ہی نہیں پھر شرع پر زیادت چہ معنی ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزا ئے بر مصطفےٰ

معلوم بھی ہے جیسے عقاید و اعمال کی زیادت علی الحدود بدعت ہے ایسے ہی احوال کی زیادت بھی بدعت ہے یہ ظاہری ہے وہ باطنی غیر اختیاری امور کا مطلوب نہ ہونا اور اختیاری کا مطلوب ہونا تو نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ط (النسآ)

ترجمہ :۔ اور تم ایسے امر کی تمنامت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالےٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالےٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیروں میں اس کی شان نزول یہی لکھی ہے کہ مجاہدین کے اجر جہاد کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ چونکہ بمقابلہ اکتساب واقع ہوا ہے اس لئے اس سے مراد امور غیر اختیاریہ ہیں آیت کا حاصل یہ ہوا کہ فضائل دو قسم کے ہیں موہوبہ یعنی غیر اختیاریہ اور مکتسبہ یعنی اختیاریہ۔ حق تعالےٰ نے وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ میں غیر اختیاری کی تمنا سے نہی فرمادی ہے اور لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوا الخ میں اختیاری کے اکتساب کی ترغیب دی ہے پھر وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ میں اس کی اجازت دی ہے کہ اگر فضائل غیر اختیاریہ کو دل ہی چاہے تو جانے دیجئے ہونے اور

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہوس کرنے کے اس کی دعا کر لیا کرو اس لئے ارشاد فرماتے ہیں وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ
یعنی ثمرات و فضائل کے لئے دعا کرنے کا اذن فرمایا ہے بشرطیکہ اور کوئی امر مانع دعا نہ ہو
مثلاً کسی امر کا غیر عادی ہونا جیسے عورت کا مرد بن جانا پھر دعا کر کے بھی حصول کا منتظر
نہ رہنا چاہئے اس سے بھی پریشانی ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمًا. پس اس میں تعلیم ہے کہ حق تعالیٰ ہی کو مصلحت اور حکمت معلوم ہے وہ ہر ایک کی
استعداد کے موافق فضائل و ثمرات خود عطا فرماتے ہیں کبھی دعا سے کبھی بغیر دعا کے تم ایسی
غیر اختیاری چیز کی ہوس مت کرو اور نہ ان کی افراط کے ساتھ تمنا کرو. اور آج کل اکثر لوگوں
نے ایسی ہی چیزوں کی تمنا کو اختیار کر رکھا ہے جن کے حصول کے درپے ہونے سے منع کیا گیا
ہے. یہی سبب ہے زیادہ تر لوگوں کی ناکامی و پریشانی کا.

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت بلا قصد اگر پچھلے گناہ یاد آجائیں تو اس
وقت کیا کرنا چاہئے. فرمایا کہ توبہ خالص و کامل کر چکنے کے بعد دو امر کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ
خود ان گناہوں کا قصداً استحضار نہ کرے جو ماضی میں گزر چکے ہیں اور جن سے توبہ کر چکا ہے.
اور دوسرے آئندہ کے نہ ہونے کی فکر میں نہ پڑے ماضی کا غم اور مستقبل کی فکر یہ دونوں حجاب
ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ماضی و مستقبلت پردہ خدا است

خلاصہ یہ کہ قصداً گناہوں کا استحضار نہ کرنا چاہئے اس سے بندے اور خدا کے درمیان
حجاب ہو جاتا ہے البتہ جو گناہ بلا قصد یاد آجاوے اس پر مکرر استغفار کر کے پھر اپنے کام میں
لگ جائے زیادہ کاوش نہ کرے البتہ اگر کسی کو استحضار سے بھی کیفیت حجاب کی نہ ہوتی ہو
اس کے لئے مضر نہیں، مگر پھر بھی مبالغہ اور غلو نہ کرے.

پھر انہی مولوی صاحب نے حدیث کی اس دعا کا مطلب دریافت کیا :-
اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَذِکْرَکَ وَاجْعَلْ ھِمَّتِیْ وَھَوَایَ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فِیۡمَا یُحِبُّ وَ یَرۡضٰی فرمایا اس کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بجائے وساوس کے خشیت و ذکر قلب میں پیدا ہو جائے اور جَعَلَ ایسا ہو گا جیسا ایک حدیث میں ہے، مَنۡ جَعَلَ الۡھُمُوۡمَ ھَمًّا وَّاحِدًا یعنی پہلی چیز زائل ہو جائے اور دوسری پیدا ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ وساوس ذریعہ خشیت و ذکر کا بن جائیں جیسا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ وساوس کو مرآۃ جمال خداوندی بنالے، اس طرح سے کہ جب وساوس بند نہ ہوں تو یہ مراقبہ کرے کہ اللہ اکبر قلب بھی کیسا بنایا ہے کہ اس کے خیالات کی انتہا ہی نہیں۔ پس اس صنعت کے مراقبہ میں لگ جاوے۔ تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ خود وساوس ہی کو خشیت و ذکر کر دیں جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں ؎

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی	گرچہ جوئے خون بود نیلش کنی
ایں چنیں میناگریہا کار تست	ایں چنیں اکسیرہا ز اسرار تست

پس تو جب وسوسہ آئے ہمت سے اپنے قلب کو بہ تکلف دوسری طرف متوجہ کر دے اور بالکل نکل جانا تو مطلوب نہیں اگر آدمی بچنا چاہے اور ہمت اور قوت سے کام لے تو خدا مدد کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ وسوسے بالکل ہی نکل جاتے ہیں اور اگر نہ بھی نکلیں تو کلفت برداشت کرے۔ اگر خدانخواستہ کوئی مرض عمر بھر کو لگ جائے تو وہاں کیا کرو گے۔ عمر بھر تکلیف کو طوعاً و کرہاً برداشت ہی کرنا پڑے گا۔ یہاں بھی یہی کرو اور اگر اس پر راضی نہیں تو کوئی دوسرا خدا تلاش کر دو۔ حضرت سرمدؒ نے خوب فیصلہ فرمایا ہے ؎

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد	یک کار ازیں دو کار مے باید کرد
یا تن برضائے دوست مے باید داد	یا قطع نظر زیار مے باید کرد

میں کسی کو سعی و کوشش سے اور اپنی اصلاح کی فکر سے منع نہیں کرتا ہاں غلو سے منع کرتا ہوں اور نہ تو غلو ہو نہ غلو ہو بلکہ علو ہو اور اگر کسی کو یہ ہوس ہوتی ہو کہ عارفین کو عبادات میں کیا لطف

مزے آتے ہوں گے چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ نماز میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے، تو خوب سمجھ لیجئے کہ جہاں ان کے لئے لذت اور مزہ ہے وہاں ایک شے اور بھی ہوتی ہے جو سارے مزوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہے وہ ہیبت اور خشیت ہے کہ جس سے سارا مزہ گرد ہو جاتا ہے۔ خود جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں یہ حالت ہوتی تھی لَہٗ اَزِیْزٌ کَاَزِیْزِ الْمِرْجَلِ یعنی نماز میں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے آپ کے سینہ مبارک کی بوجہ غلبہ خوف و خشیت کے ایسی حالت ہوتی تھی جیسے کوئی ہانڈی چولھے پر چڑھی ہوئی ہو اور اس میں ابال کی وجہ سے کھد بد کھد بد آواز آرہی ہو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم قہقہہ نہیں فرمایا کرتے تھے اور دائم الفکر رہا کرتے تھے تو جناب آپ کو کیا خبر کہ جن کو آپ سمجھتے ہیں کہ بڑے مزے میں ہوں گے ان پر کیا گذرتی رہتی ہے اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں ؎

اے ترا خارے بہ پا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو ہیبت و خشیت ہی کا القا کرنا ہے اور مزہ اس واسطے دے دیتے ہیں کہ ہیبت و خشیت کا تحمل ہو سکے اسی کو فرماتے ہیں :۔

گر تو ہستی طالب حق مرد راہ — درد خواہ و درد خواہ و درد خواہ

اردو کا بھی ایک شعر اسی کو ظاہر کرتا ہے ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

سمجھ لیجئے کہ لذت مقصود نہیں، مقصود خوف و خشیت ہی ہے، لیکن لذت اس لئے دے دی جاتی ہے کہ خشیت کا سہارا ہو سکے۔ پھر بھی غلبہ خشیت ہی کا رہتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو بندہ پیدا ہی اس واسطے ہوا ہے کہ وہ اس کشمکش میں رہے، ورنہ عالم ارواح ہی سے آنے کی کیا

ضرورت تھی۔ اس امتحان ہی کے لئے تو یہاں بھیجے گئے ہیں اور یہی تو حکمت روح کو جسد کے ساتھ متعلق کرنے میں ہے۔ جب تک جسد کے ساتھ روح کا تعلق ہے یہی کشاکش رہے گی اس سے چھٹکارے کی تمنا ہی کرنا فضول ہے۔ انسان اس کشکش ہی کے لئے تو پیدا کیا گیا ہے ورنہ عبادت کے لئے فرشتے کیا کچھ کم تھے۔ شاہ نیاز اسی کو کہتے ہیں ؎

کیا ہی چین خواب عدم میں تھا، نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

مجذوب کا قول ہے ؎

کہاں تھا کون تھا اور اب کہاں ہوں کیا ہوں میں
اس آب و گل کے جو دلدل میں آ پھنسا ہوں میں

؎
تھے کہاں گردشِ تقدیر کہاں لائی ہے
بادہ پیمائی تھی یا بادیہ پیمائی ہے

یہ بندہ ہے مگر خدا بن کر رہنا چاہتا ہے کہ جو میرا جی چاہے وہ ہو۔ بس حقیقت یہ ہے کہ لذت مقصود ہی نہیں مقصود نصب و وصب ہے اسی واسطے حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اس سے خالی نہ رہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار میں شدت ہوئی تاکہ ثواب مضاعف ہو اگر یہ کوئی چیز مقصود نہ تھی تو انبیاء علیہم السلام بالخصوص ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس سے کیوں بری نہ رہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

زاں بلاہا کانبیاء برداشتند سر بہ چرخ ہفتمیں افراشتند

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَشَدُّ النَّاسِ بَلَآءً اَلْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ دیکھئے اَشَدُّ بَلَاءً فرمایا اَکْثَرُ رَاحَۃً نہیں فرمایا اور وساوس کی طرف سے تو ہم کو بالکل مطمئن فرما دیا گیا ہے۔ حضرات صحابہ سے بڑھ کر تو ہم نہیں ہو سکتے ان حضرات کو بھی ایسے ایسے وسوسے آتے تھے کہ جن کے بارے میں انہوں نے اس عنوان سے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حضور میں عرض کیا کہ ان کو ظاہر کرنے سے جل کر کوئلہ ہو جانا سہل ہے تو دیکھئے ان حضرات کو بھی کیسے کیسے خوفناک وسوسے آتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا ذالک صریح الایمان ظاہر ہے کفر کے وسوسے سے بڑا وسوسہ کوئی نہیں ہو سکتا اس کا بھی یہی حکم ہے اور جب اس قسم کے وساوس کا قلب میں ہجوم ہو تو وہی تدبیر استعمال کرے کہ اپنے خیالات کو کسی دوسری طرف متوجہ کردے خواہ کسی دنیا ہی کی چیز کی طرف مثلاً گاجر کا حلوا، شلجم کا اچار اور اس کے اوزان اور ترتیب میں قلب کو مشغول کردے۔ اس طرح قلب کو متوجہ کرنے میں چند روز تو تعب ہوگا مگر پھر انشاء اللہ تعالیٰ بڑی سہولت سے وساوس کی مدافعت پر قدرت ہو جائے گی آخر میں بطور تحدث بالنعمۃ کے فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو تو ہر الجھن میں سیدھا راستہ نظر آجاتا ہے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طریق کے سمجھنے میں اب کوئی پیچیدگی نہیں رہی۔ (تربیت السالک حصہ دوم)

حالات محمود اور غیر محمود کا معیار

سوال: ایک صاحب جنہوں نے اپنے مختلف احوال باطن تحریر کئے، ان کے جواب میں ارقام فرمایا۔

تحقیق: مجموعی حالات سب محمود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اچھے حالات عطا فرمادے بس صرف یہ قاعدہ ہمیشہ قابل استحضار ہے کہ جو احوال غیر اختیاریہ ظاہراً محمود ہوں مگر اعمال اختیاریہ شریعت پر منطبق نہ ہوں وہ احوال غیر محمود ہیں، اور جو احوال غیر اختیاریہ ظاہراً غیر محمود ہوں مگر اعمال اختیاریہ شریعت پر منطبق ہوں وہ احوال محمود ہیں احوال کو ہمیشہ اس معیار پر جانچنا ضروری ہے۔ ان سطروں میں تمام احوال مرقومہ خط کا فیصلہ ہے۔ باقی دعا کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔ والسلام۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۳۱)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

غیر اختیاری امور مضر نہیں ہیں

حال: متعارف ذکر وشغل سے بالکل مناسبت نہیں معلوم ہوتی ہے ۱۶۔۱۷ سال ہورہے ہیں پہلے پاس انفاس کی مشق کرتا رہا۔ پھر اللہ اللہ کا ذکر قلبی کیا۔ پھر حضرت والا کے ارشاد کے مطابق تہجد کے بعد نصف گھنٹہ کلمہ طیبہ کا ذکر کرتا رہا جو بحمداللہ جاری ہے لیکن کچھ ایسی وحشت وگرانی رہتی ہے کہ پہلو بدل بدل کر اور گھڑی دیکھ دیکھ کر یہ شغل ۳۰ منٹ پورے کرتا ہوں دل بالکل متوجہ نہیں ہوتا زور لگاکر منٹ دو منٹ متوجہ رہتا ہوں پھر وہی بے توجہی عود کر آتی ہے۔

تحقیق: استعداد کے اختلاف سے ایسے حالات جو غیر اختیاری ہوں مختلف ہوتے ہیں جن میں سے کوئی حالت ذرا بھی مضر نہیں بشرطیکہ ماقبل کے حالات پر نکیر اور اعتراض نہ ہو اگر خدانخواستہ یہ ہو تو بہت خطرناک ہے یہ شرط تو اہل طریق کے کلام میں مصرح ہے اور ایک شرط قواعد سے میرے ذوق میں ہے وہ یہ کہ پیش آمدہ حالات پر شکایت وناشکری وبے قدری نہ ہو کہ یہ بھی مضر ہے گو پہلے ضرر سے کم ہے کیونکہ اس شکایت کا منشا تواضع وانکسار ہے اور پہلے کا منشا دعویٰ واستکبار ہے لیکن بعد عن الحقیقۃ دونوں میں مشترک ہے۔ بہرحال غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے اصلاً مضر نہیں لہٰذا اس کی تدبیر کی تصدی حدود سے تعدی ہے البتہ اس کے مقابل کو نافع سمجھ کر دعا کرنا یہ افتقار ہے جیسے مرض غیر اختیاری کے مقابل صحت کی دعا ماذون فیہ ہے لیکن عدم اجابت پر دونوں میں راضی رہنا عبدیت ہے وَهٰذَا مِنَ سَوَانِحِ الْوَقْتِ وَهَبَ لِیْ رَبِّیْ هٰذِهِ السَّاعَةَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۷۸)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

امرِ غیر اختیاری پر شبہ کا جواب

حال :- ایک اجازت یافتہ نے خط میں اپنا واقعہ کہ کسی جگہ جانا ہوا اور احتمال تھا کہ وہ لوگ امامت یا وعظ کی درخواست کریں گے مگر ایسا نہیں ہوا جو ناگوار ہوا اور اس سے شبہ ہوا کہ یہ اشرافِ نفس وحبِ جاہ اور کبر کا مجموعہ ہے، اس پر استغفار کیا مگر اس کا اثر پورے طور سے زائل نہیں ہوا جو دلیل ہے حبِ جاہ کی۔ یہاں سے جواب دیا گیا کہ یہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے مذموم نہیں اس پر ذیل کا خط آیا۔

حال : ایک شبہ عرض کر کے تشفی چاہتا ہوں وہ یہ کہ حسنات غیر اختیاریہ فی ذاتہا گو مطلوب نہیں علی ھذا سیئات غیر اختیاریہ فی نفسہا مذموم نہیں مگر ان امور غیر اختیاریہ کے مناشی بوسائط قریبہ یا بعیدہ ضرور اختیاری ہوتے ہوں گے جن پر امور غیر اختیاریہ کا ترتب قریب یا بعید ہوا ہے وہ مناشی مطلوب یا مذموم ہوں گے تو بنائً علیہ ہر غیر اختیاری مرجع کوئی نہ کوئی امر اختیاری ہوا جو قابل طلب یا قابل دفع ہوا۔ اور اس کی تشخیص وتعیین اولاً وعلاج ثانیاً رائے شیخ پر موقوف ہے لہذا امر غیر اختیاری کی شیخ کو اطلاع دیکر علاج طلب کرنا ضروری ہوا وھذا خلاف المتقدر عند المحققین

تحقیق : بالکل غلط مثلاً جس انقباض کی شکایت لکھی تھی اور اس کا اثر زائل نہیں ہوا تھا اس کا مرجع کونسا امر اختیاری ہے غیر اختیاری تو وہی ہے جو نہ بلا واسطہ اختیاری ہو نہ بواسطہ ہو۔ اختیاری کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری بلا واسطہ و ہذا قلیل اور دوسری اختیاری بواسطہ و ہذا کثیر۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ سوال کرتے وقت کوئی فرد اختیاری کی (جو بلا واسطہ غیر اختیاری ہے اور بواسطہ اختیاری) ذہن میں آگئی ہے اور اس کے بالذات غیر اختیاری ہونے پر نظر کر کے اس کو غیر اختیاری قرار دیدیا گیا ہے پھر اس کے منشا کے اختیاری ہونے پر نظر کر کے اشکال وارد کر دیا گیا۔ خود یہی غلطی ہے اور بہت موٹی غلطی ہے جس کا نہ سمجھنا تعجب ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۱۵)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ملفوظ تسہیل طریق سلوک ملقب بہ

السلسبیل لعابری السبیل

ایک مجلس میں عرض کیا گیا کہ حضرت جو فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال مامور بہا سب اختیاری ہیں اور اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں تو یہ تو بظاہر بہت معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے پھر طریق میں اہمیت ہی کیا رہی؟ فرمایا کہ ہے تو یہ معمولی اور موٹی بات لیکن لوگوں کا اس جانب التفات نہیں حالانکہ اسی پر دارومدار ہے تمام اصلاحات کا اور یہی ہے اصل علاج تمام کوتاہیوں کا۔ عرض کیا گیا کہ جب آدمی باوجود کوشش کے اپنی اصلاح سے عاجز ہو جاتا ہے تب ہی تو اس کی تدابیر اور معالجہ پوچھتا ہے تو اس سے بھی یہی کہدینا کہ ہمت اور اختیار سے کام لو کیونکر کافی ہو سکتا ہے کیونکہ ہمت اور استعمال اختیار کی اُسے توفیق ہی نہیں ہوتی فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ وہ استعمال پر قادر ہے تو ہمت کرکے اختیار کا استعمال کرے، جب اختیار کا استعمال کریگا تو کامیابی لازم ہے ناکامی کی کوئی صورت ہی نہیں البتہ دشواری اور کلفت ضرور ہے، عرض کیا گیا کہ واقعی قدرت اور اختیار کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جب دشواری اور کلفت کی وجہ سے اس کے استعمال ہی کی نوبت نہ آئی تو وہ اختیار مفید ہی کیا ہوا کیونکہ نتیجہ تو وہی ہوا جو عدم اختیار کی صورت میں ہوتا ہے یعنی عدم صدور اعمال فرمایا کہ جب علاج پوچھا جائے گا تب تو وہی بتایا جائے گا جو در اصل علاج ہے، رہی خود اس علاج کے استعمال کی دشواری سو جب اس کے متعلق سوال کیا جاوے گا اس وقت اس کا جواب دیا جائے گا۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

عرض کیا گیا کہ اب سوال کیا جاتا ہے اس استفسار پر، فرمایا کہ اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں البتہ اس استعمال اختیار میں کلفت اور دشواری ضرور ہوتی ہے۔ سو اس کا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے برابر بہ تکلف اور بہ جبر کام لیتا رہے، رفتہ رفتہ وہ کلفت مبدل بسہولت ہو جائے گی ساری ریاضت اور سارے مجاہدے بس اس لئے کئے جاتے ہیں کہ اختیار امر اور اجتناب نواہی میں سہولت پیدا ہو جائے میں تو کہا کرتا ہوں کہ خلوص اور ہمت بس یہ دو چیزیں ماحصل ہیں۔ سارے تصوف کا اور ساری پیری مریدی کا، کیونکہ اگر ہمت نہ ہوگی تو عمل ہی نہ ہوگا اور اگر خلوص ہی نہ ہوا تو عمل ناقص ہوگا۔ اگر ان دو کو جمع کر لیا جائے تو پھر شیخ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ بھی بس انہی دو چیزوں کی تعلیم کرتا ہے۔ رفع کلفت اور تحصیل سہولت کا جو طریق ارشاد فرمایا کہ بہ تکلف ہمت اور اختیار سے کام لیتا رہے رفتہ رفتہ سہولت ہونے لگے گی۔ اس کے ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ ہر کام شروع میں مشکل ہوتا ہے مگر کرتے کرتے مشق ہو جاتی ہے اور پھر نہایت سہولت کے ساتھ ہونے لگتا ہے جیسے سبق شروع میں دشوار ہوتا ہے مگر رٹتے رٹتے یاد ہو جاتا ہے۔ اگر شروع کی کلفت اور تعب کو دیکھکر ہمت ہار دی تو پھر کوئی صورت ہی کامیابی کی نہیں اور اگر برداشت کر لی تو چند روز کے بعد دیکھے گا کہ سہولت کے ساتھ وہ عمل ہونے لگے گا ؎

چند روز سے جہد کن باقی بخند

جب حضرت یہ بیان فرما رہے تھے کہ اخلاص و ہمت ہی خلاصہ ہیں تصوف کا تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا اخلاص بھی اختیاری ہے فرمایا اور اختیاری کیوں نہ ہوتا۔ کیا گھی کا خالص رکھنا اختیار میں نہیں۔ اس میں چربی نہ ملائے، تیل نہ ملائے، بس وہ گھی بقول عوام (ظرافت کے لہجے میں) نخالص ہے یعنی خالص ہے اور عبادت کے خالص رکھنے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہی کو اخلاص کہتے ہیں۔

عرض کیا گیا کہ شیخ کی دعا و برکت کو بھی بہت بڑا دخل ہے اصلاح میں۔ فرمایا کہ برکت کا انکار نہیں مگر اس کا درجہ بھی تو متعین کرنا چاہئے اس کا مرتبہ صرف ایسا ہے جیسا عرق سونف کا مرتبہ مسہل میں کہ اس سے اعانت ضرور ہوتی ہے مسہل میں مگر کیا محض عرق سونف بغیر مسہل کے کار آمد ہو سکتا ہے اور مسہل کا کام دے سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں عرض کیا گیا کہ اس کا تو مشاہدہ ہے کہ شیخ کی دعا و توجہ کی برکت سے بہت کچھ تغیر اپنی حالت میں محسوس ہونے لگتا ہے۔ فرمایا کہ مسہل میں اِدھر عرق سونف پیا اُدھر دھڑا دھڑ دست آنے شروع ہو گئے تو کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اکیلا عرق سونف کافی ہو گیا؟ حضرت نری دعا و برکت سے کچھ نہیں ہوتا جب تک خود اپنے اختیار کو کام میں نہ لائے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی صاحب برکت ہو سکتا ہے اور نہ مقبول الدعوات، حضرت کے چچا ابو طالب کیسے جاں نثار اور عاشقِ زار تھے حضور نے دعا بھی دل و جان سے کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اصرار بھی فرمایا مگر چونکہ خود انہوں نے نہ چاہا ایمان نصیب نہ ہوا۔ بالکل طبیب اور مریض کی سی مثال ہے، اگر مریض دوا نہ پئے تو کیا محض طبیب کی شفقت اور توجہ سے مریض اچھا ہو جائے گا ؟ صحت تو اس کے نسخہ ہی سے ہو گی اسی طرح اگر بچہ سبق یاد نہ کرے تو سبق کیسے یاد ہو جائے گا محض استاد کی توجہ سے تو سبق یاد نہیں ہو سکتا۔ وہ تو یاد کرنے ہی سے یاد ہو گا۔ عرض کیا گیا کہ شیخ کی برکت سے توفیق ہو جاتی ہے فرمایا کہ یہ تو میں کہہ ہی چکا ہوں کہ برکت معین ضرور ہے مگر کافی نہیں۔ اس کا دخل تو دخل اعانت ہے، دخل کفایت نہیں یہاں تک کہ محض شیخ کی برکت تو ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ محض ہمت اور استعمال اختیار کافی ہو جائے۔ میں تو ان باتوں کو علی الاعلان کہتا ہوں۔ خواہ مخواہ میں اپنے متعلقین کو مقید بنانا نہیں چاہتا۔ اگر کوئی شخص اپنی اصلاح خود کر سکے تو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

چشم ما روشن دلِ ما شاد، خوشی کا مقام ہے کیونکہ ہمارا بوجھ ہلکا ہوا۔
عرض کیا گیا کہ یہ تقریر کہیں اس کے تو خلاف نہ ہو جائے گی ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

فرمایا کہ خلاف کیوں ہوتی، یہ تو اور ہماری مؤید ہے، آگاہ عشق فرمایا ہے یعنی بلا شیخ کے آگاہ نہ ہوگا۔ علم کا درجہ حاصل نہ ہوگا، سو اس سے ہمیں کب انکار ہے شیخ راہ بتائے گا مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ گھسیٹ کر لے چلے گا۔ اندھے کو سوانکھا راہ بتاتا ہے گود میں تو اٹھا کر نہیں لے جاتا۔ راستہ تو قطع خود اس کے چلنے ہی سے ہوگا۔ راستہ بتانا تو بیشک شیخ کا کام ہے لیکن اس کا قطع کرنا تو سب ہی کے ذمہ ہے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ اس جگہ حضرت کا ایک پرانا ملفوظ یاد آگیا۔ ایک صاحب کو بہت مفصل طور پر راہِ سلوک کی حقیقت بیان فرما کر فرمایا کہ الحمد للہ میں تو طالب کو ایک جلسہ میں خدا تک پہنچا دیتا ہوں کیونکہ مقصود کی حقیقت بتلا دینا گویا مقصود ہی تک پہنچا دینا ہے۔ اگر کوئی راستہ بتا دے اور دکھائے کہ دیکھو وہ چراغ جل رہا ہے تو یہ اس کو گویا چراغ ہی تک پہنچا دینا ہے، اب صرف راستہ ہی چلنا باقی رہ جاتا ہے۔ سو یہ طالب کے اختیار میں ہے، قدم اٹھاتا چلا جائے، مقصود تک پہنچ جائے گا۔

اختیار کے متعلق استفسار پر فرمایا کہ اختیار تو بدیہیات بلکہ محسوسات میں سے ہے اور بدیہیات و محسوس کے لئے دلائل کی حاجت نہیں ہوا کرتی۔ اختیار کا ہونا تو اتنا ظاہر ہے کہ انسان تو انسان جانوروں تک کو اس کا ادراک ہے۔ دیکھئے اگر کسی کتے کو لکڑی سے مارا جائے تو وہ مارنے والے پر حملہ کرتا ہے نہ کہ لکڑی پر۔ اس کو بھی یہ امتیاز ہوتا ہے کہ کون مختار ہے، کون مجبور ہے، ہر شخص اپنے وجدان کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ جب وہ کوئی ناشائستہ حرکت کرتا ہے تو اس کو خجالت ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کو مجبور سمجھتا تو پھر خجلت کیوں ہوتی۔ خجلت تو اپنے اختیاری فعل ہی پر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ یقینی ہے کہ انسان مختار ہے اور یہ مسئلہ اختیار اس قدر ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے اندر صفت اختیار کو وجداناً اور طبعاً محسوس کرتا ہے حتیٰ کہ جو جبری ہیں وہ بھی محض قولاً جبری ہیں وجداناً وہ بھی اختیار کے قائل ہیں۔ کسی کو اس سے مجال انکار نہیں پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی کنہ اور حقیقت کسی کو معلوم نہیں، نہ معلوم ہو سکتی ہے، مگر کسی شئے کی حقیقت معلوم نہ ہونے سے اس کے وجود کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ضیاء اور روشنی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں لیکن اس کا وجود بالکل واضح اور مشاہدہ ہے کیا اس کے وجود کا کوئی انکار کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت سادہ اور سہل عنوان سے اس مسئلہ جبر و اختیار کو بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں ؎

زاریٔ ما شد دلیلِ اضطرار

خجلت ما شد دلیلِ اختیار

اگر اضطرار نہیں تو یہ زاری کیوں ہے، اور اگر اختیار نہیں تو اپنے کئے پر شرمساری کیوں ہے غرض نہ خالص جبر ہے نہ خالص اختیار ہے، اختیار خالص نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ماتحت ہے، اختیار حق کے مستقل اختیار نہیں ہے۔ بہرحال انسان میں صفت اختیار کا ہونا قطعی ہے۔ جب یہ ہے تو اپنی اصلاح کرنے میں بھی صفت اختیار کا استعمال کرنا چاہئے جب تک یہ نہ کرے گا اصلاح ممکن ہی نہ ہوگی۔ مثلاً کسی میں بخل ہے تو کیا نرے ذکر و شغل یا شیخ کی دعا و توجہ اور برکت سے یہ رذیلہ زائل ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں یہ رذیلہ تو نفس کی مقاومت ہی سے زائل ہوگا البتہ ذکر و شغل وغیرہ معین ضرور ہو جائیں گے، مگر کافی ہرگز نہیں ہو سکتے حضرت شیخ عبدالقدوسؒ گنگوہی قدس سرہ العزیز جابجا اپنے مکتوبات میں یہی فرماتے ہیں ؎ کار کن بگذر از گفتار

کاندریں راہ کار باید کار

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کام ہی کرنے سے کام چلتا ہے، نری تمناؤں یا نری دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا۔
عرض کیا گیا کہ بعض بزرگوں کی توجہ سے تو بڑے بڑے بدکاروں کی خود بخود اصلاح ہو گئی۔
فرمایا کہ یہ ایک قسم کا تصرف ہے اور ایسا تصرف نہ اختیاری ہے نہ بزرگی کے لئے لازم۔
بہت سے بزرگوں میں تصرف بالکل بھی نہیں ہوتا۔ اور پھر تصرف کے اثر کو اکثر بقا بھی
نہیں ہوتی۔ کچھ دن بعد پھر ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں۔ بخلاف اس اثر کے جو کہ ہمت اور
اعمال کے واسطے سے ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔ توجہ کے اثر کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی
شخص تنور کے پاس بیٹھ گیا تو جب تک وہاں بیٹھا ہوا ہے تمام بدن گرم ہے مگر جیسے ہی وہاں
سے ہٹا پھر ٹھنڈے کا ٹھنڈا، اور اعمال کے ذریعے سے جو اثر ہوتا ہے وہ ایسا ہے کہ جیسے
کسی نے کشتہ طلا کھا کر اپنے اندر حرارت غریزیہ پیدا کر لی تو وہ اگر شملہ پہاڑ پر بھی چلا جائیگا
تب بھی وہ حرارت بدستور باقی رہے گی اور اصل نفع وہی ہے جو باقی رہے۔ غرض نری
دعا و توجہ پر بیٹھے رہنا اور خود اپنی اصلاح نہ کرنا محض خیال خام ہے۔

پھر ان شبہات کے پیش کرنے پر مزاحاً فرمایا کہ میں تو گویا یہ طب اکبر لوگوں کے لئے
پیش کر رہا ہوں مگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کے ورقوں پر کاغذ چپکا چپکا کر ان مضامین
کو چھپائے رکھیں۔

عرض کیا گیا کہ جبلت تو کسی کی بدل سکتی نہیں پھر جبلی صفات رذیلہ کی اصلاح کیوں کر
اختیار میں ہو سکتی ہے۔ فرمایا کہ تعجب ہے کہ آپ کو ابھی تک یہ شبہات ہیں۔ یہ تو فرمائیے کہ
مادہ جبلی ہوتا ہے یا فعل بھی جبلی ہوتا ہے یہ تو مانا کہ مادہ اختیار میں نہیں ہے مگر فعل تو اختیار
میں ہے وہ تو جبلی نہیں۔ مادہ بیشک زائل نہیں ہوتا مگر اس کے مقتضا پر عمل کرنا نہ کرنا یہ تو
اختیار میں ہے اور اسی کا انسان مکلف ہے اور بار بار اس مقتضا کی مخالفت کرنے سے
وہ مادہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ بڑے کام کی باتیں ہیں اور در اصل تعلیم کے لائق یہی باتیں ہیں مگر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

میں دیکھتا ہوں کہ آج کل ان باتوں کا کہیں تذکرہ نہیں نہ علماء کے یہاں نہ مشائخ کے یہاں تصوف کی ایک مبہم صورت بنا رکھی ہے۔ اسی وجہ سے مدت سے اس کی حقیقت مستور چلی آتی تھی مگر الحمدللہ اس وقت ایسا وضوح ہو گیا ہے کہ کوئی خفا اور التباس کسی قسم کا اس میں باقی نہیں رہا۔ مجھے تو بحمداللہ کسی مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ یا خلجان نہیں نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر تجویز کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ اس وضوح کو اس زمانے میں غنیمت سمجھ کر اس کی قدر کرنی چاہیئے اور اس سے منتفع ہونا چاہیئے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ ایک زمانے میں حضرت نے طریق اصلاح کا خلاصہ ایک طالب کو جنھوں نے اپنے اندر صدہا عیوب کا ہونا بیان کیا تھا اور اپنی اصلاح سے مایوسی ظاہر کی تھی صرف استحضار اور ہمت تجویز کیا تھا اور اس سے ان کو بہت نفع ہوا تھا۔ اس تجویز کا اور اس تقریر کا حاصل ایک ہی ہے۔ دونوں ایک ہی معنون کے عنوان ہیں اخلاص اور ہمت میں بھی اصل چیز ہمت ہے کیونکہ اخلاص پیدا کرنے کے لئے بھی ہمت ہی کی ضرورت ہوگی، اور ہمت کا معین استحضار ہے اور استحضار کی صورتیں مختلف ہیں، جو صورت شیخ تجویز کر دے اس پر عمل کرے، مثلاً ہر کوتاہی پر دس یا کم و بیش نفل بطور جرمانہ ادا کرنا تاکہ جب دوسرا موقع کوتاہی کا پیش آئے، جرمانے کے خوف سے استحضار کی کیفیت پیدا ہو جائے اور جب استحضار اور ہمت کا اہتمام رکھے گا۔ انشاءاللہ تعالے کوتاہیوں سے محفوظ رہے گا اور رفتہ رفتہ پوری اصلاح ہو جائے گی طالب مذکور کے لئے علاوہ جرمانہ مذکورہ کے میں نے ہر روز مطالعہ نزہۃ البساتین بھی تجویز کیا تھا جس میں ایک ہزار حکایات اولیاء اللہ کی درج ہیں ان سے بھی علاوہ برکت کے کچھ قوت استحضار اور ہمت کو پہنچتی ہے نیز جامع عرض کرتا ہے کہ احقر نے حضرت کی اس تجویز استحضار و ہمت کو بوجہ غایت نافع ہونے کے ایک شعر میں محفوظ کر لیا تھا وہو ہذا،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جو گر حضرت نے فرمایا ہے استحضار و ہمت کا

سراسر نسخۂ اکسیر ہے اصلاح امت کا

بس اب اتمام حجت ہو چکا۔ وما علینا الا البلاغ (اشرف السوانح۔ تسہیل قصد السبیل)

ثمرۂ اعمال

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا۔ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ۔ (الجاثیہ)

جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لئے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اخلاق اور اعمال حسنہ کا نعم البدل (انعام) اور معاصی پر بئس العوض (عذاب) دیا جائے گا۔ یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کا ثمرہ ملے گا۔ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ بدون سعی کے حصول (مقصود) کا وعدہ نہیں۔ دین کے کاموں کے لئے سعی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ مقصود کا حاصل دو امر ہوتے ہیں۔ ایک مضرات سے بچنا، دوسرا منافع کا حاصل ہونا۔ چنانچہ ساری دنیا کی کوششیں کسی مقصود کے حاصل کرنے میں اسی واسطے ہوتی ہیں کہ تکلیفوں سے بچا جائے، اور راحت کو حاصل کیا جائے اور ہر کام میں یہی قاعدہ ہے۔ اس ثمرہ کی بناء اعمال پر ہے، تو جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی ثمرہ ہوگا پس اعمال کی تکمیل کا اہتمام کریں تاکہ ثمرۂ کامل میسر ہو (اور یہ یاد رکھیں کہ) طلب مقصود سے حصول مقصود نہیں۔ کام کرتے وقت صرف کام کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر کام کرتے وقت ثمرہ کی طرف بھی توجہ ہے تو خود وہ کام بھی ٹھیک طور پر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک شخص نے بی اے کا امتحان دیا، گو امتحان دینے سے اس کا مقصود نوکری ہے لیکن

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

باوجود اس کے عین امتحان دیتے وقت وہ اس کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لاتا ، بلکہ ہمہ تن امتحان کی طرف متوجہ رہتا ہے ۔ اگر امتحان دیتے وقت وہ نوکری کا خیال جا کر بیٹھے تو امتحان میں گڑبڑ مچ جائے گی ۔ تو مقصود کی طرف توجہ ہونی چاہئے ، نہ کہ غیر مقصود کی طرف ۔ مقصود کے معنیٰ ہیں قصد کیا گیا ۔ تو قصد اختیاری چیز کا ہوتا ہے اور کام اختیاری ہے اور ثمرہ مثلاً نوکری غیر اختیاری ، تو مقصود کام ہوا ، بس کام کئے جائیں ۔ البتہ حصول ثمرہ کے واسطے دعا کریں کہ ثمرہ کی بھی حاجت ہے ۔ (شریعت اور طریقت صفحہ ۲۳۰)

ثمرات کے لئے عجلت مضر ہے

فرمایا کہ ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہے نہ کوئی کیفیت یا حالت اپنے لئے ذہن میں تجویز کرے ۔ بس اپنی تجویز کو مطلق دخل ہی نہ دے ، سارے احوال کو حق تعالےٰ کے سپرد کرے ۔ پھر جو اس کے حق میں بہتر اور اس کی استعداد کے مناسب ہوگا وہ خود عطا فرما دیں گے ع کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

بس ذکر کے وقت معتدل توجہ ، یا اگر آسانی سے ہوسکے تو مذکور کی طرف توجہ کافی ہے ۔ اور معتدل کی قید اس واسطے لگائی گئی ہے کہ توجہ میں زیادہ مبالغہ کرنے سے قلب و دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں ، جس سے پھر ضروری توجہ میں بھی خلل پڑنے لگتا ہے ، اس کے متعلق ایک اور بات بھی بہت ضروری ہے ، وہ یہ کہ طبیعت میں ثمرات کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے کیونکہ اس سے علاوہ تشویش کے جو مخل جمعیت ہے اور جمعیت ہی اس طریق میں مدار نفع ہے بعض اوقات یاس تک نوبت پہنچ جاتی ہے مجھے خود اس کا تجربہ ہو چکا ہے ۔ میری طبیعت میں فطری طور پر تقاضا اور جلدی بہت ہے ؛ اور یہ خدا تعالےٰ کی رحمت ہے ورنہ مجھ سے اتنی خدمت دین کی نہ ہوسکتی ۔ اسی تقاضے اور عجلت کی وجہ سے یہاں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

یہاں تک پریشانی کی نوبت پہنچی تھی کہ مجھ کو خودکشی تک کے وساوس آنے لگے تھے۔ بس ہر وقت طبیعت میں یہی تقاضا رہتا تھا کہ جو کچھ حاصل ہونا ہے جلد حاصل ہو جائے، دیر کیوں ہو رہی ہے۔ (اشرف السوانح)

تعجیل

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک جلدی نہ کرے۔ (ترمذی)

حصول ثمرات مجاہدے میں تقاضا و عجلت کرنا کہ اتنے دن ہو گئے اب تک کچھ نتیجہ نہیں ہوا، یہ (بھی) ایک مانع (طریق) ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو شیخ سے بداعتقاد ہو جاتا ہے۔ یا مجاہدہ ترک کر دیتا ہے۔ طالب کو سمجھنا چاہیئے کہ کوئی چیز بھی دفعتاً حاصل نہیں ہوتی دیکھو یہی شخص کسی وقت بچہ تھا کتنے دن میں جوان ہوا پہلے جاہل تھا کتنے دنوں میں عالم ہوا غرض عجلت و تقاضا گویا اپنے ہادی پر فرمائش ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں:

همه کارم ز خود کامی و بدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(خودکامی استعجال وصل) یعنی جلدی کامیاب ہو جانے کے تقاضے کے بدولت میرے کام کا انجام یہ ہوا کہ تمام لوگوں میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدبیریں پوچھنے لگا جس میں اظہار راز محبت کرنا پڑا۔ سب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لئے مجمع کیا جاوے۔

اس میں یہ بتلا دیا کہ سالک کو استعجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت و طمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل حق کی تخصیص بھی نہیں رکھتا بلکہ ہر کس و ناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اس کا مخفی حال معلوم ہو جاتا

ہے اور مخفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی اور سے کرنا مذموم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہرجائی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ و شفقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی، اور شیخ کی عنایت و لطف سے بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس سے پریشانی اور بڑھتی ہے، غرض ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے، پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز تقاضا اور جلدی نہ مچاوے اور غیر مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔
(شریعت و طریقت صفحہ ۴۴۷)

حدیث النفس

نقل مضمون (متعلق حدیث ان اللّٰہ تجاوز لامتی عما حدثت بہ انفسھا الخ[1]) حدیث: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے ان کے خیالات سے تجاوز فرما دیا ہے جن کو وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں، جب تک کہ ان کو منہ سے نہ نکالیں یا ان کو عمل میں نہ لاویں۔

غزیری نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کو سینہ میں جو وسوسے پیدا ہوں اور حنفی نے کہا کہ (خیال کے مراتب پانچ ہیں ایک ہاجس دوسرا خاطر تیسرا حدیث النفس چوتھا ہم پانچواں عزم۔

پس جب کوئی بات قلب میں ابتداً واقع ہوئی اور اس نے نفس میں کوئی حرکت نہیں کی اس کو ہاجس کہتے ہیں، پھر اگر اس شخص کو توفیق ہوئی اور اول ہی سے اس کو دفع کر دیا تو وہ مابعد کے مراتب (کی تحقیق) کا محتاج نہ ہوگا۔ اور اگر وہ نفس میں دورہ کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اس کے نفس میں اس کی آمد و رفت ہونے لگے

---

[1] ملقب بہ الخصمہ فی حکم الوسوسہ جزو النشرف جلد سوم زیر عنوان

مگر اس کے کرنے نہ کرنے کا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا اس کو خاطر کہا جاتا ہے۔
جب نفس کرنے نہ کرنے کا برابر درجہ میں منصوبہ باندھنے لگا اور جب اُن میں سے کسی ایک کو دوسرے
پر ترجیح نہیں ہوتی اس کو حدیث نفس کہتے ہیں۔ سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عتاب
ہے۔ اگر یہ شر میں ہے اور نہ ثواب ہے اگر خیر میں ہے پھر جب اس فعل کو کر لیا تب اس فعل پر
عتاب یا ثواب ہوگا۔ اور ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس پر نہ ہوگا (جیسا کہ بعض علماء
اس طرف گئے ہیں) پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کے ساتھ ہونے لگا
لیکن وہ ترجیح قوی نہیں بلکہ مرجوح ہے جیسا وہم ہوتا ہے اس کو ہم کہتے ہیں۔ اس پر ثواب
بھی ہوتا ہے اگر وہ خیر میں ہے اور عتاب بھی ہوتا ہے۔ اگر شر میں ہے۔ پھر جب فعل کا
رجحان قوی ہوگیا یہاں تک کہ جازم مصمم بن گیا کہ ترک پر قابو نہیں رہا اس کو عزم کہتے ہیں۔
اس پر بھی ثواب ہوتا ہے، اگر خیر میں ہے اور عتاب ہوتا ہے، اگر شر میں ہے میں کہتا ہوں
کہ لفظ وسوسہ تینوں مرتبوں کو عام ہے یعنی ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس سو وسوسہ کی ان تینوں
قسموں پر مواخذہ نہیں ہے اور دونوں حالتوں میں حکم معافی کا مختلف نہیں ہوتا اور حدیث النفس
پر مواخذہ نہ ہونا تو صحیح حدیث سے ثابت ہے (جو اوپر مذکور ہوئی) اور بقیہ دو پر (یعنی
ہاجس و خاطر پر) عدم مواخذہ بالاولیٰ ہے، کیونکہ جب حدیث النفس معاف ہے تو اس کے
ماقبل کے درجات (یعنی ہاجس و خاطر پر جو کہ اس سے آہون و ادون ہیں) بدرجہ اولیٰ
معاف ہوں گے اور اگر تم کو یہ خلجان ہو کہ حدیث کی بنا پر حدیث النفس کی معافی کا حکم اس
پر موقوف ہے کہ حدیث میں (حدیث النفس کے) اصطلاحی معنی مراد ہوں سو اس کی کیا
دلیل ہے۔ پس اس خلجان کو اس طرح دفع کرو کہ یہ اصطلاح عین لغت ہے اور نصوص معنی لغویہ
ہی پر محمول ہوتے ہیں جب تک معانی لغویہ پر کوئی شرعی اصطلاح طاری نہ ہو جاوے، اور
یہاں طاری نہیں ہوئی بس لغوی معنی ہی مراد ہوں گے اور لغوی معنی (حدیث النفس کے) وہی
ہیں جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ خوب سمجھ لو اور ہاجس پر عدم مواخذہ کا راز یہ ہے کہ یہ اس کا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فعل نہیں صرف اس پر ایک ایسی شے وارد ہو گئی جس پر اس کو نہ قدرت ہے نہ اس کا کوئی
تصرف ہے اور خاطر کا درجہ جو اس کے بعد ہے اگرچہ یہ شخص اس کے دفع پر اس طرح قادر ہے کہ
ہاجس کے اول ہی وارد ہونے کے وقت اس کو ہٹا دے (مثلاً کسی دوسری جانب میں لگ جاوے)
لیکن چونکہ یہ خاطر، حدیث النفس سے کم ہے اور حدیث النفس حدیث کی رو سے معاف ہے
اس لئے یہ خاطر بدرجہ اولیٰ معاف ہے اور اس (تحقیق) سے ایک سخت اشکال حل ہو گیا اور
وہ اشکال یہ ہے کہ کلیات شرعیہ اور قواعد عقلیہ کا مقتضا یہ ہے کہ اختیاری پر مواخذہ ہو۔
اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہ ہو (یہ تو مقدمہ ہے آگے اشکال ہے کہ) پھر امت مرحومہ کا یہ
اختصاص (کہ وساوس پر مواخذہ نہیں ہوتا) اگر مراتب مذکورہ میں سے غیر اختیاری کے
اعتبار سے ہے (کہ غیر اختیاری پر ان سے مواخذہ نہیں ہوتا اور دوسری اُمم سے ہوتا ہے)
تب تو اُمم سابقہ کو امور غیر اختیاریہ کے ساتھ مکلف ہونا لازم آتا ہے اور کلیات شرعی کا
منافی ہے (جیسے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا کہ ظاہراً اس میں نفس عام ہے
لاحق اور سابق کو) اور اگر اختیاری کے اعتبار سے ہے تو خود ایک اختیاری اور دوسری
اختیاری میں کیا فرق ہے کہ عزم پر تو مواخذہ ہوتا ہے اور حدیث النفس پر مواخذہ نہیں ہوتا باوجودیکہ
اختیاری ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ وجہ حل ہونے کی یہ ہے کہ اختصاص مرتبہ اختیاری
ہی کے اعتبار سے ہے۔ فرق درمیان خاطر و حدیث النفس کے اور درمیان عزم کے یہ ہے،
کہ خاطر و حدیث النفس کا دفع اگرچہ اختیاری ہے مگر اس کے لئے قصد کی ضرورت ہے اور اکثر
مقصد سے اکثر ذہول ہو جاتا ہے پس ہاجس (اس ذہول کی حالت میں) اکثر خاطر اور
حدیث النفس کی طرف (بلا قصد) منجر ہو جاتا ہے سو اس (خاطر و حدیث النفس) پر مواخذہ
ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہیں (کیونکہ یہ بایں معنی اختیاری ہے کہ اس کا دفع اختیاری
تھا جب دفع نہ کیا تو بقائے اختیاری ہوا اور اس بناء پر کسی امت کا اس کا مکلف ہونا
کلیات شرعیہ کے خلاف نہ تھا) لیکن رحمت الٰہیہ نے اس امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

درجہ کو بھی معاف کر دیا جیسے اصر و اغلال (بوجھ اور طوق یعنی احکام شدیدہ) کو جو
امم سابقہ پر تھے اس آیت سے ہلکا کر دیا۔ پس یہ مرتبہ اختیاری ہے اس میں شدت
نفی اس لئے اصر و اغلال کی ایک فرد تھی۔ باقی رہا عزم تو ہا جس اس کی طرف اس طرح سے مفضی
نہیں ہوتا بلکہ وہ قصد مستقل سے پیدا ہوتا ہے۔
پس یہ فرق ہے عزم میں اور حدیث النفس میں تو مدار عفو وہ اضطرار ہوا جو ذہول کے
سبب سے ہو اور مدار مواخذہ عزم مستقل ہوا (جب یہ بات ہے) تو اگر گناہ کا حدیث
النفس بھی عزم مستقل سے ہو۔ اگر چہ عزم معصیت نہ ہو جیسے کسی نامحرم عورت کے تصور سے
قصداً لذت حاصل کرنا سو ظاہر یہ ہے کہ اس پر مواخذہ ہوگا اور ایسا التذاذ میرے نزدیک
اس حدیث کے عموم میں داخل ہوگا کہ نفس (بھی زنا) کرتا ہے اور اس کا زنا یہ ہے کہ وہ تمنا
کرتا ہے اور اشتہا کرتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ قلب میلان کرتا ہے اور تمنا کرتا
ہے اور ظاہر ہے کہ التذاذ بدون اشتہا (میلان کے ہو نہیں سکتا پس یہ التذاذ بھی زنا
ہوا) اور اس حدیث کا مستحضر رکھنا وساوس کا علاج عظیم ہے جس کا مشائخ استعمال کرتے
ہیں، اور بعض اکابر (جیسے امام غزالیؒ) کا کلام اس مقام پر اور طرح ہے لیکن اصل مقصود
نہیں بدلتا (یعنی اختیاری پر مواخذہ اور غیر اختیاری پر عدم مواخذہ خواہ حقیقتاً غیر اختیاری
ہو خواہ حکماً (ویلقب بیان ہذا الحدیث بالحصصۃ فی حکم الوسوسۃ)
(ماخوذ اشرف السوانح حصہ اول)

حدیث نفس کے غلبہ کا علاج

حال: الحمد للہ کہ مسئلہ امور اختیاریہ کی نسبت بھی حضرت کے نسخے نے کامل شفا
بخشی اور شرح اسباب وکے ساتھ بخشی اطال اللہ بقائکم ونفعنا بہ۔
اب صرف ایک بات اور جاننا چاہتا ہوں کہ حضرت نے حرکت فکریہ کے قطع کی جو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

صورتیں تحریر فرمائیں ان میں سے یا ان کے علاوہ جو میرے لئے زیادہ موثر و مناسب حضرت کے نزدیک ہو وہ بھی تحریر فرمائی جائے میں بطور خود تو جو کچھ نماز میں پڑھتا ہوں اس کے معنی پر متوجہ رہنے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس میں کامیابی کم ہوتی ہے چاہتا ہوں کہ کم از کم جس وقت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ زبان سے ادا ہوتا ہے اس کے معنی پر توجہ ہو مگر اکثر اتنا بھی نہیں ہوتا۔ یا آگے نکل جانے کے بعد خیال آتا ہے مقتدی ہونے کی صورت میں پاس انفاس کا خیال رکھنا چاہتا ہوں، اس میں بھی زیادہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اصل یہ ہے کہ حضرت بس حدیث نفس کا بہت غلبہ رہتا ہے بہر حال اب حضرت جو صورت تجویز فرمائیں حق تعالےٰ کی طرف متوجہ رہنے کی جو صورت حضرت نے لکھی ہے اس کی کچھ تفصیل کا محتاج ہوں۔

تحقیق: اس سوال سے اس لئے دل خوش ہوا کہ ایسا سوال علامت ہے کام کرنے کی اور جو شخص کام کرے گا اس کو یہ سوال پیش آوے گا۔ تو اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس کے حل کا ذریعہ بنایا جس سے آپ بہت سے طالبین کے رفع پریشانی کے سبب ہو گئے والحمد للہ علیٰ ذالک از خط سابق تو لکھنے کے وقت میرا دل چاہتا تھا کہ یہ سوال کیا جا دے اور کئے جانے کی امید بھی تھی۔ اب جواب عرض کرتا ہوں۔ اصل میں جو توجہ خطرات کی قاطع ہے وہ دو قسم کی ہے ایک مع الخوض، اگرچہ اشیائے مختلفہ کی طرف ہو۔ دوسری شے واحد کی طرف اگرچہ بلا خوض ہو۔ اب جس شخص کو آیات واذکار کے معانی بلا خوض ذہن میں آجاتے ہوں وہاں نہ خوض ہے نہ ما فیہ الفکر شے واحد ہے اس لئے کوئی قسم توجہ کی نہ پائی گئی، پس وہ قاطع خطرات بھی نہ ہوگی بخلاف اس شخص کے جس کو سوچنے سے معنے یاد آتے ہیں اس شخص کی توجہ قاطع خطرات ہوگی اس لئے آپ کو اس تدبیر میں کامیابی نہیں ہوئی کہ آپ کو خوض کی حاجت نہیں ہوتی۔ پس ایسے شخص غیر محتاج الی الخوض کے لئے دوسری توجہ کی ضرورت ہوگی یعنی توجہ الی الشئی الواحد خواہ شے واحد کچھ ہو ذات حق یا رویت حق للعبد یا نظر الی الکعبہ یا کچھ اور سا ورجس توجہ الی الحق کی

تفصیل آپ نے دریافت فرمائی ہے وہ یہی ہے کہ یا ان کی ذات کا اجمالاً تصور رکھے جس طرح بے تکلف ذہن میں آجاوے جس پر ہر شخص قادر ہے۔ زیادہ کاوش کی حاجت نہیں یا ان کے کسی فعل کا تصور رکھے۔ مثلاً وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔

توجہ الی الشیئی الواحد کا ایک طریق میں نے تجویز کیا ہے جو غایت درجہ سہل بھی ہے اور بحمد اللہ نافع بھی ثابت ہوا۔ وہ یہ کہ اپنی تمام طاعات۔ صلوٰۃ وتلاوت واذکار، بلکہ افعال مباحہ میں بھی اس کا تصور رکھے کہ یہ سب عنقریب حق تعالےٰ کے اجلاس میں پیش ہوں گے تو ان میں کوئی ایسا اختیاری خلل نہ ہو جس سے پیشی کے قابل نہ ہوں بس اتنا ہی تصور کافی ہے۔ ابتدا میں استحضار ضعیف ہوگا۔ مگر مہارت کے بعد اس استحضار میں دوام پیدا ہو جاوے گا۔ چونکہ یہ مجھ کو نافع ہوا اور کئی موقعوں پر آپ کی طبیعت کا تناسب اپنی طبیعت کے ساتھ مشاہدہ کر چکا ہوں امید ہے کہ آپ کے لئے بھی ان شاء اللہ تعالےٰ نافع ہوگا اور اس بحث کے متعلق جو تنبیہات رقیمہ سابقہ میں عرض کر چکا ہوں وہ سب اس میں ملحوظ رہیں۔ واللہ الموفق امید ہے کہ سب اجزاء سوال پر بقدر ضرورت کلام ہو چکا ہے۔ اگر کچھ رہ گیا ہو پھر متنبہ فرما دیا جاوے۔ والسلام فقط (ماخوذ النور جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ وتربیت السالک جلد دوم ص ۱۶۹)

یک سوئی

ملفوظ: فرمایا کہ اگر ثمرات وکیفیات کی تمنا بھی ہو تب بھی ان سے یکسو ہی رہنا ضروری ہے کیونکہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں یکسوئی سے اور جب کیفیات کے ورود کی جانب توجہ رہی تو یکسوئی کہاں رہی۔ اس لئے ذہین اور ذکی آدمی کو کیفیات نہیں ہوتیں اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم، کیونکہ اس کا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے اس کو یک سوئی ہوتی ہی نہیں اور بلا یک سوئی کے کیفیت پیدا ہوتی نہیں۔ اسی وجہ سے عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں، برخلاف اس کے جن میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو ایسے آثار سے بہت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مناسبت ہوتی ہے گو اس کا عکس لازم نہیں لیکن ایسے لوگ اپنے کام کے تو خوب ہوتے ہیں مگر دوسروں کو ان سے فائدہ کم پہنچتا ہے۔ (اشرف السوانح)

یکسوئی کے اقسام

حال: بوجہ کمزوری دماغ کے بموجب حکم حضور بعد تہجد بارہ تسبیح بلا ضرب کے آہستہ کا معمول ہے مگر بوقت ذکر یکسوئی نہیں ہوتی۔

تحقیق: یکسوئی نہ ہونے کی جو شکایت لکھی ہے اپنی طرف سے دوسرے خیالات کا استحضار نہ کیا جاوے۔ اس پر بھی اگر یکسوئی نہ ہو تو وہ مضر نہیں جس یکسوئی کا نہ ہونا مضر ہے وہ یکسوئی اعتقادی ہے ایسے یکسو کو حنیف کہتے ہیں اس کی تحصیل واجب ہے اور اختیاری ہے۔ باقی خیالی یکسوئی وہ نہ اختیاری ہے نہ واجب اور اس کا نہ ہونا مضر نہیں۔ اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہیئے اس کے نہ جاننے سے بہت لوگ پریشان ہیں۔

وساوس وخطرات

وساوس وخطرات اور ان کا علاج

اکثر لوگ اس کی شکایت کرتے ہیں کہ ہم کو نماز میں وسوسے آتے ہیں اور اس کے مختلف علاج کرتے ہیں، خوب سمجھو کہ وساوس کا حاصل غیر سے مشغول ہونا ہے پس اس کا بجز اس کے کچھ علاج نہیں ہے کہ اپنے قصد اور اختیار سے خدا کے ساتھ مشغول رہو وساوس خود بخود منقطع ہو جائیں گے اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص ٹکٹکی باندھ کر ایک شے کی طرف دیکھ رہا ہے تو اگر اس کی نگاہ شبر اً بشبرٍ ا بالکل پورے طور سے اس کی طرف ہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تو دوسری شے اس کو ہرگز نظر نہ آوے گی اور اگر اس میں کمی ہے تو آنکھ کی شعاعیں دوسری طرف بھی جائیں گی اور دوسری چیزیں بھی نظر آویں گی، تو جس طرح ظاہر کی آنکھیں ہیں اسی طرح قلب کی بھی آنکھ ہے۔ اگر قلب کو تمام تر شے واحد کی طرف متوجہ کردیا جاوے گا تو قلب کی شعاعیں دوسری طرف منتقل نہ ہونگی۔ پس کسی شے کا خیال نہ آوے گا اور اگر توجہ میں کمی ہے تو ضرور دوسری چیزیں بھی اس میں نظر آویں گی۔

پس علاج یہ ہے کہ جب وساوس آویں فوراً متوجہ الی الحق ہو جاؤ اور پھر اگر آویں تو پھر اس توجہ کو تازہ کرو لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ توجہ الی الحق کے انحاءُ (اقسام) مختلف ہیں جن پر توحید و تنزیہ کی شان غالب ہے، ان کو تو براہ راست بلا واسطہ توجہ الی حضرۃ الحق (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ) حاصل ہو جاتی ہے۔ غائب کی طرف متوجہ ہونے میں ان کو کوئی شے مانع نہیں ہوتی اور جن کو یہ دولت حاصل نہیں ہے ان کے لئے توجہ الی الحق یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نام پاک کی طرف توجہ کریں اور نماز کے اندر خصوصیت کے ساتھ یہ طریق اختیار کریں کہ جو کچھ زبان سے کلمات ادا کریں اور جوارح سے جو افعال کریں ان کی طرف توجہ کریں، اور اول ہی سے اس کا قصد کرلیں اور ان کلمات اور افعال کی طرف توجہ کرنا توجہ الی الغیر (غیر کی طرف توجہ کرنا) نہ کہلائے گا۔ اس لئے کہ غیر وہ ہے جو حق سے حاجب ہو اور جو موصل ہو اس کی طرف توجہ کرنا عین توجہ الی الحق ہے اور یہ طریق میرا ایجاد کیا ہوا نہیں بلکہ اس کی دلیل موجود ہے، دیکھو حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دو رکعتیں پڑھے اور ان کی صفت یہ ہو کہ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ یعنی ان دونوں رکعتوں پر اپنے دل سے متوجہ ہو۔ اب دیکھ لیجئے کہ رکعتوں کی کیا حقیقت ہے۔ رکعت نام ہے قیام، قراءت، رکوع و سجود کا۔ پس حاصل مقبلاً علیہما کا یہ ہوا کہ مقبلاً علی القراءۃ والرکوع والسجود (قراءت و رکوع و سجود پر متوجہ ہو) پس عبادت کے اجزائے خارجہ اور ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہونا مامور بہ اور مطلوب

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہو اور یہی توجہ الی اللہ ہے، اس لئے کہ موصل الی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والی) ہے۔ پس اس کو توجہ الی غیر الحق (غیر اللہ کی طرف توجہ کرنا) نہیں کہیں گے۔ اور جن کی چشم غیرت حق تعالیٰ نے کھول دی ہے۔ ان کے لئے تو ہر شے موصل الی الحق ہے، کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

یعنی تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے، ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے، غیر کا وجود ہی نہیں بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے۔

بس جب نماز میں وسوسے آویں، ذکر کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تسبیح و قراءت یاد سے نہ پڑھو، ارادہ سے پڑھو۔ مولانا اس کی مثال دیا کرتے تھے کہ میاں ہماری نماز تو ایسی ہے جیسے گھڑی کہ جب اس کو کوک دیتے ہیں تو وہ برابر چوبیس گھنٹہ تک چلتی رہتی ہے۔ اسی طرح ہم نماز جب شروع کرتے ہیں تو ہم کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ رکوع۔ سجود۔ قیام۔ قراءت سب آپ سے آپ ادا ہوتے رہتے ہیں۔ نماز بھی ادا ہوتی رہتی ہے اور دکان و بازار کے کام بھی ہوتے رہتے ہیں۔ جب سلام پھیرتے ہیں اس وقت خبر ہوتی ہے کہ ہم نے نماز پڑھی ہے وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ ہم نماز محض یاد سے پڑھتے ہیں۔ علاج اس کا یہ ہے کہ نماز یاد سے نہ پڑھو ارادے سے پڑھو، یعنی ہر فعل کرنے اور ہر کلمہ کہنے کے وقت مستقل ارادہ کرو۔ مثلاً الحمد کہو تو اول ارادہ کرو کہ میں الحمد کہوں گا اس کے بعد للہ کہنے کا ارادہ کرو۔ اسی مثال سے تمام نماز ختم کرو۔ دیکھیں کیسے وسوسے آتے ہیں۔ البتہ نفس کو تھوڑی سی مشقت و دشواری ضرور ہوگی کہ اس کو جو عادت تھی شتر بے مہار کی طرح جہاں چاہتا تھا پھرتا تھا۔ اس کو مقید کرنا پڑے گا۔ سو اتنی دشواری اور

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مُفت کوئی منزل نہیں ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ نفس کو اتنی محنت بھی نہ کرنا پڑے
صاحبو! اگر جان بھی اس راہ میں جاکر کچھ مل جائے تو ارزاں ہے
ع متاعِ جانِ جاناں، جان دینے پر بھی سستی ہے
اور یہاں تو جان دی بھی نہیں گئی۔ جان لی گئی ہے کہ اِدھر اُدھر جو نفس مارا مارا پھرتا ہے
اس کو ایک جگہ آرام دینا ہے۔
اے صاحبو! خدا کی طلب کا دعویٰ اور اس قدر سستی اور آرام طلبی آپ چاہتے ہیں
کہ ہم کو اتنا بھی کام کرنا نہ پڑے، مُفت مُفت مل جائے۔ اتنا آسان طریق اور وہ بھی
آپ نہ کریں تو بس نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ بزرگانِ دین تو یہ فرماتے ہیں:
ے صوفی نہ شود صافی تا درنہ کشد جامی
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی
صوفی جب تک بہت مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے۔ پختگی مجاہدات کے
بعد حاصل ہوتی ہے۔ یہاں تو بسیار سفر بھی نہیں ہے۔ نہایت ہلکا کام ہے۔ غرض یہ
طریقہ ہے نماز میں جی لگانے کا۔ (البدائع ص۸۰)

وساوس کا علاج

حال: حضور والا قلب میں نہایت غیر استقلالی و ناامیدی کی حالت غالب
ہو گئی ہے۔ طبیعت میں سخت گھبراہٹ ہے۔ خلاصہ حال یہ ہے کہ دل میں رہ رہ کر یہ
خیال غالب ہوتا ہے کہ میں بالکل بچپن سے بیمار ہوں اور اب تک باقاعدہ کتنا علاج
ہوتا رہا مگر صحت کامل حاصل نہ ہوئی۔ قلب سخت غیر مطمئن اور غیر مستقل ہے برائے خدا
میرے لئے دعا فرمادیں کہ قلب مسرور و مطمئن ہو اور صحت کلی حاصل ہو اور قلب کی حالت
موجودہ سخت گھبراہٹ و ناامیدی اور غیر استقلالی کا معالجہ ارشاد فرما کر سرفراز فرمادیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کیونکہ ان حالتوں میں مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ منجملہ میرے امراض باطنی کے جو مجھے فی الحال سخت تکلیف پہنچا رہا ہے اور دینی و دنیوی امور میں نکما بنا رکھا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے ہر کام میں دینی و دُنیوی خصوصاً طہارت، وضو، غسل اور نماز میں سخت وسوسے پیدا ہوتے ہیں یعنی شبہ ہوتا ہے کہ کہیں قطرۂ پیشاب نکل آیا۔ طہارت پوری طرح نہیں ہوئی۔ نماز میں فلاں رکن چھوٹ گیا۔ فلاں واجب ترک ہو گیا، اور یہ وسوسہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے، کہ بڑے استنجے کے لئے ویسے ہی دو بڑے لوٹے صرف ہوتے ہیں اور غسل میں بھی بہت پانی خرچ ہوتا ہے۔ ایک ایک نماز کے لئے چار چار پانچ پانچ مرتبہ نیت باندھنی پڑتی ہے تب نماز ادا ہوتی ہے اور وہ بھی سجدہ سہو کے ساتھ، جس بارے میں شبہ ہوتا ہے، اس کی کئی بار تحقیق کر لیتا ہوں۔ اگر ایک بار کی تحقیق سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ شبہ بیہودہ ہے ہر بار تحقیق کئے بغیر چین نہیں ہوتا۔ ایک مولوی صاحب نے مجھے فتوٰی دیا ہے کہ اگر شبہ اس درجہ بڑھا ہوا ہو تو نماز میں اگر کسی رکن تک کے فوت ہو جانے کا بھی شبہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں نماز ہو جائیگی دوسرا یہ کہ جن نمازوں میں قرات بالجہر نہیں اس میں آہستہ اس طرح پڑھنا واجب ہے کہ پاس کا کھڑا ہونے والا بھی اس کو سُن لے اور مجھکو نماز میں اکثر اسی کا شبہ ہوتا ہے کہ میں نے جو آہستہ قرات کی اس کو میں نے خود سن لیا مگر اتنا آہستہ تو نہ ہوا کہ پاس کے کھڑے ہونے والے مصلّی نے نہ سنا ہو اس شبہ سے سجدہ سہو کرتا ہوں۔

تحقیق: حق تعالےٰ بندہ کو ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں اگر وہ بیمار بھی رکھیں تو اس میں بھی رحمت اور حکمت ہے اس پر راضی رہنا چاہیئے۔ پس پھر کچھ بھی غم نہ ہوگا اور وسوسہ کا علاج یہی ہے اس پر عمل نہ کیا جاوے۔ طہارت و نجاست میں بہت وسعت رکھی گئی ہے کسی نہ کسی کے قول پر طہارت ہو جاتی ہے اور اپنی آواز کان میں پڑنا یہ سب کا قول نہیں بعض کے نزدیک بدون اس کے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ بےفکر رہیں (تربیت السالک حصہ اول صفحہ ۲۷-۲۸ مطبع مذکور)

دیگر

حال: میرے دل پر وسوسہ جات زیادہ رہتے ہیں اور بعض وقت جب کسی بُرے کام کی طرف رغبت دلاتے ہیں تو اللہ اپنے فضل سے بچا بھی دیتا ہے اور بعض میں مغلوب بھی ہو جاتا ہوں لیکن بعد میں از حد پریشانی اور ندامت ہوتی ہے۔ اگر آں حضرت اپنے دربار فیض سے کوئی نسخہ مرحمت فرمادیں جس کی حسب ہدایت پیروی کرنے سے میری طبیعت پر اللہ کا فضل ہو ——— اور راہ ہدایت نصیب ہو تو کمال عنایت ہوگی اور امید ہے کہ میں اس سے محروم بھی نہ رہوں گا۔

تحقیق: اگر ممکن ہو تو معمولات ذیل مقرر کر لیجئے ان شاء اللہ تعالےٰ نفع ہوگا اور پھر حالات سے اطلاع دیجئے ان شاء اللہ سلسلہ تلقین کا جاری رکھوں گا معمولات یہ ہیں:

نمبر ۱: تہجد چار رکعت سے بارہ رکعت تک جس قدر سہل ہو خواہ آخری شب میں یا عشاء کے بعد۔

نمبر ۲: بعد تہجد کے یا اور کسی وقت فرصت ہو ذکر لا الٰہ الا اللہ سو سے بارہ سو تک اتنی آواز سے کہ اپنی آواز کان میں آتی رہے اور دوسروں کو پریشانی نہ ہو کبھی کبھی درمیان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا لیا جاوے۔

نمبر ۳: سوتے وقت محاسبہ نفس یعنی تنہا بیٹھ کر دن بھر کے گناہوں کو یاد کر کے یہ سوچنا کہ گویا میدان قیامت قائم ہے اور میں حق تعالےٰ کے رُو برُو حاضر ہوں اور ایک ایک گناہ پر باز پرس ہو رہی ہے اور میں لاجواب ہو ہو جاتا ہوں اور میرے لئے سزا کا حکم ہو چکا ہے، اور میں اس وقت معافی کی درخواست کر رہا ہوں بس ایسے وقت میں جس کیفیت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

معافی کی درخواست کی جاسکتی ہے، اسی طرح اس وقت استغفار میں مشغول ہوجانا چاہئے اور عہد کرنا چاہئے کہ میں پھر نافرمانی نہ کروں گا اور اسی خیال میں سو رہنا چاہئے۔ صبح اٹھتے ہی یاد کیا جاوے کہ میں شب کو کیا عہد کر چکا ہوں، اور جب کسی معصیت کا تقاضا ہو اس عہد کو یاد کر لیا جاوے اور اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا خیال کر لیا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز حالت درست ہوتی جاوے گی۔ اور پھر اطلاع دی جاوے۔ (تربیت حصہ پنجم ص ۱۳۱)

دیگر

خط ہدایۃ نمط نزد عزیزے کہ از ہجوم وساوس خطرات بعاجز و مغلوب آمدہ قصہ خودکشی کردہ بود تحریر نمودند

جواب: مگر چونکہ آپ کو ابھی علم کم ہے اس وجہ سے اندیشہ اور قلق کا ہجوم ہوگیا ہے ورنہ آپ کی حالت بڑی خوشی کے قابل ہے۔ یہ حالت وسوسے کی خواہ وہ ایک وسوسہ ہو یا ہزار ہوں، کچھ آپ کو اول پیش نہیں آئی، کوئی ایسا سالک و واصل الی اللہ نہیں ہے جس کو راستہ میں یہ گھاٹی نہ آتی ہو۔ بس ان میں جو خود عارف یا کسی عارف سے تعلق و محبت و اعتقاد کا رکھنے والا ہے اس کی نظر میں تو یہ لاشئے محض معلوم ہوتی ہے اور جو ناواقف ہیں وہ تل کو پہاڑ کر کے طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اے عزیز اصحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی عالم کا یا کسی عارف کا رتبہ نہیں ہوا ان تک کو یہ قصہ پیش آیا کہ انواع انواع وساوس نے گھیرا، اور وساوس بھی ایسے جن کو وہ زبان پر لانا جل کر کوئلہ ہوجانے سے بدتر اور سخت تر اور گراں تر و ناگوار تر جانتے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نے آخر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس کو ذکر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ذاك صريح الايمان یعنی یہ تو کھلی نشانی ایمان کی ہے ذو وجہ سے
اول اس لئے کہ چور وہاں جاتا ہے جہاں متاع پاتا ہے، پس اگر متاع ایمان اس شخص کے
قلب میں نہ ہوتا تو شیطان اس کے پیچھے نہ پڑتا یہی وجہ ہے کہ اکثر نیک لوگوں کو وساوس
آتے ہیں اور جو فساق و فجار و اشرار ہیں ان کو کبھی اس کا اتفاق بھی نہیں ہوتا کیوں کہ شیطان
ان سے جب گناہ کرا رہا ہے تو اس کو کیا ضرورت ہے وہ ایسے امر میں مبتلا کرے جس میں
کسی قسم کا گناہ بھی نہیں نرا رنج ہی رنج ہے، دوسرے اس لئے علامت ایمان کی ہے کہ
مومن نے اس کو برا سمجھا پس اگر اس شخص کے ایمان میں خلل ہوتا تو ان خیالات کفریہ کو
حق سمجھتا اور ان کو دل سے قبول کرتا اور ان پر مطمئن ہوتا اور ان میں اس کے قلب کو انشراح
ہوتا کراہت نہ ہوتی جیسا تمام کفار کو دیکھا جاتا ہے، جب اس شخص نے ان کو مکروہ
سمجھا تو ان کے اضداد کو حق سمجھتا ہے اور یہی ایمان ہے۔ غرض ان وجوہ سے یہ علامت
ایمان کی ہے، ہرگز ہرگز کفر نہیں بلکہ گناہ و معصیت بھی نہیں کیونکہ گناہ وہ فعل مذموم ہے
جو باختیار خود کرے اور چونکہ وساوس پر اختیار نہیں ہے اس لئے وہ گناہ نہیں ہو سکتا،
جب گناہ نہیں پھر اس پر پریشان ہونا فضول ہے،

یہ تو تحقیق ہے وسوسہ کے برے یا بھلے ہونے کی رہا اس کا علاج پس سب معالجات
سے بہتر علاج جس کو اکسیر اعظم کہنا چاہئے یہی ہے کہ اس کا علاج نہ کیا جاوے بلکہ جراءت و دلیری
کے ساتھ اور یقین و عزم کے ساتھ یہ سمجھے اور دل میں خیال کرے کہ جب یہ عند اللہ گناہ نہیں اور
شرعاً کوئی مرض نہیں پھر کیا غم بلکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ دلیل ایمان ہے تو اس پر الٹا اور
خوش ہونا چاہئے، اب یہ شخص خوش ہوگا تو شیطان نے وہ وسوسہ تو خاص اسی لئے القا
کیا تھا کہ یہ شخص محزون ہوگا۔ وہ دیکھے گا کہ یہ شخص تو خوش ہوتا ہے اور اس کا خوش
ہونا اس کو پسند نہیں پس وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا اور بہت آسانی سے اس سے نجات

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہو جائے گی۔ اور اگر نجات نہ بھی ہو تو بھی پرواہ نہیں کیونکہ جب یہ معصیت نہیں تو اس سے نجات کی ضرورت کیا ہے، اور جیسا بے پرواہی ودلیری اور بے توجہی سے یہ قطع ہو جاتا ہے اسی طرح اگر اس سے ڈرا کرے اور اس کے غم میں پڑ جاوے اور یہی فکر وذکر رکھے اور سوچا کرے تو یہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے گو اس کے بڑھنے سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر خواہ مخواہ ایک واہیات پریشانی ہوتی ہے۔ پس عمدہ علاج یہ ہے اور ہر وسوسے کا بالتفصیل جواب سوچنا یا کسی سے پوچھنا یہ طریقہ مضر ہے، اس میں اگر فوری تسلی بھی ہو جاتی ہے تو دو چار روز کے بعد پھر اس کے جواب میں کوئی خدشہ ہو جاتا ہے پھر وسوسہ ستانے لگتا ہے اور نفس میں اچھا خاصا ایک مناظرہ کا میدان گرم ہو جاتا ہے اس لئے اس طریق کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہئے بلکہ بجائے اس سوچ بچار کے ذکر اللہ کا شغل رکھے کہ وہ قاطع وسوسہ بھی ہے جیسا حدیث میں آیا ہے اور اس سے قلب میں بھی قوت پیدا ہوتی ہے جس سے وہ ایسے خرافات سے متاثر نہیں ہوتا پس خلاصہ تمام تر تقریر کا تین امر میں ہے:۔

۱۔ ایسے وساوس کی کچھ پرواہ نہ کریں نہ ان کے دفع کی فکر کریں۔

۲۔ اس کا جواب نہ سوچیں نہ کسی سے وجہ پوچھیں کتاب وسنت کو بلا دلیل حق سمجھیں گو کسی بات کی وجہ سمجھ میں نہ آوے گو قلب میں اس کا خطرہ آوے۔

۳۔ ادھر سے اعراض کر کے اللہ کے ذکر میں متوجہ رہیں خواہ درود شریف خواہ استغفار یا اور کچھ اس میں خیال لگائے رہیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو ایک ہی روز میں بلکہ ایک منٹ میں پوری تسکین وراحت حاصل ہو جاوے گی اور پھر کبھی عمر بھر بھی تشویش نہ ہوگی۔

والسلام، از تھانہ بھون یکم جمادی الاول ۱۳۲۱ھ (ماخوذ التکشف ص۲۱)

وسوسہ خلاف تقویٰ نہیں

تفسیر: اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف)

اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ کا آنا خلاف تقویٰ نہیں بلکہ متقی کو بھی وسوسہ آسکتا ہے اور وہ اس کے ساتھ بھی متقی رہتا ہے اس میں بڑی تسلی ہے اہلِ سلوک کے لئے پس وسوسہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔ (انفاس عیسیٰ)

وساوس کا سہل و مجرب علاج

تحقیق: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ وسوسوں سے خوش ہونا چاہئے تاکہ شیطان تمہاری خوشی دیکھ کر بھاگ جائے کیونکہ اس کو مسلمان کی خوشی گوارا نہیں وہ تو رنج دینے کے لئے وسوسے ڈالتا ہے پھر جب دیکھے گا کہ اس کو اُلٹی خوشی ہے تو بھاگ جاوے گا لیکن یہاں پر ایک بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ وساوس پر اس نیت سے خوش نہ ہو کہ اس خوشی سے وساوس دفع ہو جاویں گے کیونکہ شیطان ان نکتوں کو سمجھتا ہے جب وہ دیکھے گا کہ یہ دفع وساوس کے لئے تدبیر کر رہا ہے تو وہ کبھی نہ بھاگے گا بس اس کا سہل نسخہ یہی ہے کہ ان کی پرواہ ہی نہ کرے اور دفع کی نیت ہی نہ کرے۔ دفع وسوسہ کا قصد کرنے سے ان کی طرف اور توجہ بڑھے گی۔ گھٹے گی نہیں۔ پھر جب شیطان اس کو وسوسہ کی طرف متوجہ پائیگا تو اور زیادہ وسوسے ڈالے گا۔ بلکہ جب وسوسہ آئے اس وقت مقصود کی طرف توجہ کی تجدید کرے۔ (تربیت السالک)

دیگر

حال: یہ تو عام حالت ہے اس کے علاوہ اکثر حضرت کی زیارت کا دل میں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے اور طبیعت چاہتی ہے کہ ابھی وقت تھانہ بھون پہنچکر حضرت کی زیارت کروں اور اسی کے ساتھ ساتھ بعض ایسے ایسے وساوس آتے ہیں کہ زبان پر لاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کبھی خیال آتا ہے کہ نہ معلوم اب حضرت کی زیارت نصیب ہوگی یا نہیں کبھی گمان ہوتا ہے کہ میرے جیسے گنہگار اس قابل کہاں جو ایسے بزرگوں کی زیارت کریں۔ بلکہ مجھ ایسوں کو دیکھ کر ان کے نورانی قلوب تکدر محسوس کرتے ہوں گے کبھی خیال آتا ہے کہ حضرت اکثر علیل رہتے ہیں اور ضعف واضمحلال اب زیادہ ہوگیا ہے۔ نہ معلوم میرے پیچھے ہی کیا ہو جائے۔ غرض اس قسم کے بیسیوں وسوسے آ آ کر پریشان کرتے ہیں اور ایک بے خودی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض مرتبہ روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ جب بہت ہی بے چین ہوگیا اور صبر مشکل ہوگیا تو فلاں مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے تسلی وتشفی کا خواہاں ہوا انہوں نے بہت کچھ تسلی فرمائی، دلاسے دیئے مگر اس وقت تو عارضی سکون ہوگیا۔ پھر وہی وسوسے اور خدشے پیدا ہو کر فکرمند بنائے ہوئے ہیں۔

تحقیق: کلیہ ہے کہ جو حالت بلا اختیار ہو وہ محمود ہی ہے۔ خصوص غلبہ محبت کی حالت کہ اس کے بعض افراد یا بعض آثار ناقص تو ہو سکتے ہیں مگر مذموم یا مُضر نہیں ہوتے اس سے بے فکر رہیں اور ناقص مقابل کامل کے ہے۔ سو کامل حالت وہ ہے کہ یہ عمل پر غالب نہ ہو۔ کما کان علیہا الصحابۃ رضہ۔ سو اس کے لئے تدبیر دعا ہے۔ کہ ہر حال میں طبع پر عقل اور دین غالب رہے۔ اس دستور العمل کے بعد اس پر اجماع ہے کہ

> در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست
> بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۰۹)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دیگر

حال: یہ عرض کرتے حیا بھی آتی ہے اور خوف بھی۔ حق تعالیٰ نے حضرت کے قدوم کی برکت سے مجھ پر رحم فرمادیں کہ کچھ زمانے سے کبھی کبھی حق تعالیٰ کا وجود اور اس کی مشیت و ارادہ سب ہی مشکوک نظر آنے لگتا ہے۔ مثلاً استدلالاً نہیں بلکہ محض طبعاً و وجداناً دنیا کا نظام اور قانون بجائے ذات قدس جل مجدہٗ کے تحت امر و مشیت اور قصد و قدرت ہونے کے ایک عمومی حرکت طبعی و مادی اور محرکات اتفاقیہ سے زیادہ مہتم نہیں معلوم ہوتی استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ لیکن اس کے باوجود معصیت کی بھی جرأت نہیں۔ تجزیہ کرنے پر اس عدم جرأت کا منشا محض رسم و عادت اور قلبی ضعف معلوم ہوتا ہے۔ بیحد تاسف کے ساتھ خیال ہوتا ہے کہ اے خدا یا جس ہستی کی رہنمائی نے نصف صدی تک امتِ مرحوم کے قلوب کو آپ سے وابستہ کیا اور وہ وابستگی متجاوز ہو کر آفاق میں آج تک جاری ہے، اور قلوب کو آپ سے مربوط کئے ہوئے ہے (ارادبہ جدہ وکان ۲ کذالک) آج اس کی اولاد کے لئے کیا ہونے والا ہے وہ کس مرکز پر جاکر رکے گی اللّٰھم ارحمنا واعف عنا واھدنا۔

تحقیق: ایسے دشتِ پُر خار سے سب کو گذرنا پڑتا ہے اور یہ علامت ہے قطع مسافت کی ورنہ خانہ نشین کو بجز مامون (محفوظ) دیواروں کے کیا نظر آوے گا۔ مگر اس خارستان سے گذرنے والے کو کہدیا جاتا ہے ؎

باغبان گر پنج روزے صحبتِ گل بایدش
بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

کیا احادیث میں حضرات صحابہؓ نے اسی کی امثال خطرات کے متعلق یہ عرض نہ کیا تھا کہ جل کر کوئلہ ہو جانا ان کو زبان پر لانے سے احب (زیادہ محبوب) ہے اور کیا حضور اقدس

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

صلے اللہ علیہ وسلم نے بجائے ان کی تشدید کے ان کو تہوین کے لئے یہ فرمایا تھا:
الحمد للہ الذی رد کیدہ الی الوسوسۃ اور ذاک صریح الایمان
اور کیا یہ تعلیم دفع الوقتی تھی یا مغز تحقیق تھی اور کیا وہ تحقیق منسوخ ہو گئی یا قیامت تک باقی ہے۔ پھر نقل کے بعد کیا سوال رہا۔ اگر اس سے زیادہ گندے وساوس غیر اختیاری بھی ہوں مگر تصدیق کا اختیاری درجہ باقی ہو تو یہی فیصلہ ہوگا۔

لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ (المائدہ)
(مع انضمام قولہٗ تعالٰی) وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت)

بالکل بے فکر رہیں یہ سب خود ہباءً منثورًا ہو جاوے گا۔ (ماخوذ النور شوال ۱۳۵۹ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۰۷ و ۴۰۸)

ذکر اللہ دافع وساوس ہے

فرمایا ذکر اللہ کی یہ خاصیت ہے کہ اس کے بعد وسوسے باقی نہیں رہتے صرف مشابہ وسوسہ کا رہتا ہے اور اس کی ایک حدیث مؤید ہے اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ خَنَسَ وَاِذَا غُفِلَ وَسْوَسَ میں نے اس کی ایک مثال تجویز کی ہے کہ اگر آئینہ کے اوپر مکھی بیٹھ جائے تو ظاہر دیکھنے والوں کو گو اندر ہی معلوم ہوگی مگر حقیقتاً باہر ہی ہے اور یہ وسوسہ گو بہت ہلکا مرض ہے مگر لوگوں نے اس کو بڑا بھاری بنا لیا ہے۔ جیسے کسی کا دوڑنے میں سانس پھول جاتے اور حکیم سے آکر کہے کہ حکیم صاحب مجھے تو دمہ کی بیماری ہوگئی ہے تو حکیم ہنستا ہے کہ احمق یہ تو تیرے دوڑنے سے عارضی حرکت پیدا ہو گئی ہے۔ چند منٹ میں دفع ہو جائے گی یہ دمہ نہیں ہے۔ ایسے ہی مبتدی وسوسے سے ڈرتا ہے مگر محقق کہتا ہے تم پرواہ نہ کرو۔ التفات نہ کرو اور بے التفاتی سے بھی دفع کا قصد نہ کرو کہ یہ بھی التفات ہے، بس یوں ہی بے فکر رہو، اگر تمام عمر بھی اس میں گزر جائے کچھ پروا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خواہ اسی حالت میں موت آجائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وسوسے نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ میں کہتا ہوں عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ مثلاً یہ سمجھ لے کہ اچھا ہوا یہ مرض ابھی ہوگیا، مرتے وقت ہوتا تو بڑی پریشانی ہوتی۔ اب مرنے کے وقت بھی وساوس آئے تو یہی خیال ہوگا کہ اچھا یہ سُسرا (بد معاش) وہی ہے جو زندگی میں دق کرتا تھا اور محض ناچیز نکلا۔ وساوس سے پریشان ہونے والے اس سے مغموم ہوتے ہیں کہ یہ کلام نفس کر رہا ہے میں نے اس کا جواب دیا ہے کہ نفس متکلم نہیں ہے بلکہ سامع ہے اور متکلم شیطان ہے اور تحدیث کی اسناد نفس کی طرف مجازی ہے۔ جب یہ ہے تو مواخذہ متکلم پر ہے نہ کہ مستمع پر۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہم کسی بادشاہ کی ملاقات کو جا رہے ہوں اور راستہ میں کوئی حاسد جو حاضری دربار سے ہم پر حسد کرتا اور روکنا چاہتا ہے۔ بادشاہ کو گالی دینے لگے تاکہ ہم اس میں لگ کر جانے سے رُک جائیں تو ہم کو چاہئے کہ اس کی طرف التفات نہ کریں ایسے ہی شیطان یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص مجھ میں مشغول ہو ذکر اللہ میں مشغول نہ ہو۔ اس لئے جب کبھی وساوس آویں تو یہ سمجھے کہ شیطان کہہ رہا ہے اور میرا قلب سُن رہا ہے چنانچہ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ میں صاف دلالت ہے کہ وسوسہ شیطان کا فعل ہے۔

سلیمان دارانی نے لکھا ہے کہ جب وسوسہ آئے تو خوش ہو۔ رہا یہ کہ اس ترکیب کی بھی تو شیطان کو خبر ہے، جواب یہ ہے کہ شیطان کو ضمائر وغیرہ کی خبر نہیں وہ عالم الغیب تھوڑا ہی ہے۔ فرشتوں کو بھی جب آدمی پختہ ارادہ کرتا ہے تب خبر ہو جاتی ہے ورنہ نہیں ہوتی۔ جیسے ذکر خفی کی نسبت ایک حدیث میں ہے کہ کاتبینِ اعمال کو بھی اس کا پتہ نہیں ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیطان کو بھی دھوکا ہو جاتا ہے اسے اپنے کئے کا انجام معلوم نہیں ہوتا پس وسوسہ ڈالا تو ضرر کے لئے وہاں اُلٹا مجاہدہ کا نفع ہو کر ثواب عطا ہو گیا۔ بزرگوں کے ایسے ہی علوم کی وجہ سے حدیث ہے فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ یعنی محقق اس کے مکائد پر مطلع کر دیتا ہے جس سے یہ پریشان ہوتا ہے کہ میری ساری ترکیب کری کرائی بیکار ہو گئی، اگر وہ یہ سمجھ جاتا ——— تو وہ وقت کو خراب نہیں کرتا۔ غرض وہ وسوسہ سے مومن کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح ایک قصہ ہے مشابہ وسوسہ کے۔ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ شیطان مرنے کے وقت پیشاب پلاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر مومن جانتا ہے تو پئے گا کیوں اور اگر نہیں جانتا تو ضرر کیا ہے، بلکہ مرتے وقت ایمان بہت قوی ہو جاتا ہے۔ وسوسے سے زائل نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسے امور سے ہرگز پریشان نہ ہونا چاہئے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں اگر انسان کے ہوش و حواس درست ہیں تو مومن کفر کو کیوں پسند کرے گا اور اگر درست نہیں تو مرفوع القلم ہے معاف ہے نہ معلوم لوگ اس کم بخت شیطان سے اس قدر کیوں ڈرتے ہیں یہ تو کوئی ڈرنے کی چیز نہیں۔ ایک شاعر نے اس حدیث کا ایک شعر بنایا ہے

فَاِنَّ فَقِيْهًا وَّاحِدًا مُتَوَرِّعًا

اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ (اشرف السوانح)

خطرہ

خطرہ ہر چند مواخذہ کی چیز نہیں مگر اس کا غلبہ و ہجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے اور انتہا درجہ کا حزن و الم قلب پر طاری ہو جاتا ہے سو یہ امراض شرعیہ میں تو نہیں ہے اس حیثیت سے اس کا علاج ضروری نہیں مگر امراض طبعیہ میں سے سخت درجہ کا مرض ہے اس لئے اس کا علاج سہل و مجرب اور مختصر عرض کیا جاتا ہے وہ یہ کہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خطرے کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بری چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے چونکہ یہ مسئلہ بداہت عقل دیہ تسلیم حکماء و علماء ثابت ہے کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جب کسی بُری چیز کا خیال دل میں آوے تو اس کے دفعیہ کا قصد نہ کرے نہ اس میں اور نہ اس کے اسباب میں خوض کرے، کیونکہ اس طرح یہ اور زیادہ لپٹتا ہے بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کردے اس سے وہ بُرا خیال خود بخود دفع ہو جاوے گا، اور اگر وہ پھر خیال میں آوے پھر ایسا ہی کرے، انشاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر بلکہ خود وہ خطرہ ہی متخیلہ سے بالکل نکل جاوے گا۔ علاج کلی اس کا یہی ہے۔ حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اس سے یہ علاج مستنبط ہے۔ (التکشف ص۱۵)

شک اور تردّد کا علاج

حال: ایک صاحب نے تحریر کیا کہ حضرت اقدس اس ناچیز کی طبیعت کچھ شکی واقع ہوئی ہے مخالفین کے اعتراض سن کر طبیعت متردد ہو جاتی ہے اس لئے حضرت اقدس ہی کی تصانیف کا مطالعہ کرتا ہوں۔ جب طبیعت میں تردد و شک سا ہوتا ہے تو بفضلہ تعالیٰ عمل میں تو کوئی فرق نہیں آتا البتہ عبادت میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں رہتی اور دل رنجیدہ اور اندوہگیں سا رہتا ہے۔ ساتھ ہی دل اس شک یا تردّد کو مکروہ اور بُرا جانتا ہے مگر رہتا ضرور ہے۔ سمجھتا ہوں کہ گویا منافق ہو گیا ہوں۔ حضرت اقدس فرمادیں کہ یہ مرض کس طرح دور ہو۔

تحقیق: ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردّد پیدا ہو اور جو بلا قصد ایسی بات کان میں پڑ جائے اور یہی حالت پیدا ہو جائے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس اہتمام سے پریشانی بڑھے گی اور ہمیشہ کے لئے ایک

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مستقل شغل ہو جاوے گا۔ بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستاوے بالکل پرواہ مت کرو البتہ دعا و تضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہو جائے گی اور جب یہی عادت ہو جاوے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہو جاوے گی کہ وہ ایسی چیز دل سے متاثر نہ ہوگا یہ ہے علمی نسخہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار ہی دن ہوئے کہ عطا ہوا ہے جو بہت بڑا علم ہے والحمد للہ۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۲۵)

حزن بقدر خاص مجاہدہ ہے

حال :۔ کل میرے یہاں میرے چھوٹے بھائی کی لڑکی کا تین سال کی عمر میں انتقال ہوا اگرچہ یہ معمولی واقعہ تھا۔ مگر قصہ یہ ہے کہ اس بچی کو میرے ساتھ انس و عشق تھا۔ اور مجھکو بھی دنیا میں کسی عزیز قریب کے بچے سے اس قدر الفت نہ تھی جو اس سے تھی بلکہ اس کو اولاد کی جگہ تصور کر رکھا تھا۔ اس واقعے سے بندہ سخت محزون و مضطرب ہے حق تعالیٰ شانہٗ اپنی محبت میں تمام ماسوا سے بیزار فرمائے کہ عشق را باحی و باقیوم دار۔ حضرت بھی میری تسکین کے واسطے دعا فرمائیں۔ اس کا خیال بے اختیار اکثر اوقات آتا رہتا ہے، اور بےچین رکھتا ہے۔

تحقیق : یہ بھی باطن کو مفید ہے، اکابر طریق نے تصریح کی ہے کہ حُزن کے برابر کوئی مجاہدہ نافع نہیں بشرطیکہ اس سے کام لیا جاوے یعنی غفلت عن اللہ نہ ہو اور غیر اللہ کی بے ثباتی کا اور اپنے ضعف و عجز کا استحضار رکھے اور اس استحضار سے اخلاق میں انکساری اختیار کرے۔ مَنْ شَآءَ فَلْیُجَرِّبْ (جس کا جی چاہے تجربہ کر لے)

(تربیت حصہ پنجم ص ۱۶۷)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خوف اور احتیاط کی بھی حد ہے

حال: آج کل بندہ بہت پریشان ہے جب سے یہ حدیث شریف (بخاری) نظر سے گذری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یصلون لکم فان اصابوا فلکم وان اخطاء وا فلکم وعلیہم۔ جب نماز پڑھنے لگتا ہوں اور یہ حدیث یاد آتی ہے وان اخطاء وا فلکم وعلیہم عقابہا تو بیحد پریشانی ہوتی ہے۔ میں بھی غلطی کرنے والوں میں سے ہوں اور میرے پیچھے جمعہ و عید میں ہزاروں آدمیوں نے نماز پڑھی ان کا عقاب بھی میرے سر پر ہوگا۔ یہ خیال آنے کے وقت گریہ و خوف ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی گریہ کی وجہ سے آواز بھی نکل جاتی ہے اور آنسو ہر وقت جاری رہتا ہے اور خوف کی وجہ سے دو دن امامت نہیں کر سکا۔ اور دو دن سے کھانا بھی خوف سے نہیں کھا رہا ہوں بھوک نہیں لگتی۔ جیسا آپ کا حکم ہو اس پر فدوی عمل کرے گا۔

تحقیق: خوف و احتیاط کی بھی حد ہوتی ہے غلو اس میں بھی مذموم ہے جو سلف صالحین امامت کرتے تھے کیا وہ اپنے کو امامت کا اہل سمجھتے تھے اس کا تو گمان بھی نہیں مگر پھر بھی حکم شرعی سمجھ کر نہیں چھوڑا اور اپنی کوتاہی پر استغفار کرتے رہے بس یہی طریقہ ہم لوگوں کو اختیار کرنا چاہئے اگر اس کے بعد بھی خوف رہے وہ نعمت ہے اور اگر اس درجہ کا نہ رہے وہ بھی نعمت ہے کیونکہ یہ احوال ہیں اور غیر اختیاری اور ایسی چیزیں سب نعمت خیر ہیں۔ (تربیت السالک جلد دوم ص ۲۳۹)

موت سے ڈر ضعف قلب کی وجہ سے ہے

حال: مجھے موت سے بہت خوف معلوم ہوتا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے موت سے نفرت طبعی اس حد سے بھی متجاوز ہے جس کا ثبوت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کی حدیث سے ہوتا ہے یہاں تک کہ محلہ میں اگر کوئی مر جاتا ہے تو کئی روز تک خوف سوار رہتا ہے۔ رات کو عشاء کی نماز میں جاتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے اور کبھی کسی دوسرے کے لئے موت کو اچھا سمجھتا ہوں تاکہ میں نماز جنازہ پڑھوں اور جنازے کے ساتھ جاؤں اور ثواب حاصل کروں۔ بہر حال بہت نفرت ہے موت سے، حالانکہ وہی ذریعہ ہے خدا کی ملاقات کا اور صوفیائے کرام کے حال پر جب نظر ڈالتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں۔

تحقیق :- غلط ہے۔ بعض مسلّم بزرگوں کو میں نے موت سے ایسا ہی ڈرتے دیکھا ہے۔ منشا اس کا ضعف قلب ہے جو بالکل مذموم نہیں۔

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۵۱)

وسوسے کا علاج مسنونہ

حدیث :- حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شیطان میرے اور میری نماز وقراءت کے درمیان حائل ہو گیا ہے کہ اس میں شبہات ڈال دیتا ہے۔ (یعنی عدد رکعات و قراءت و عدم قراءت میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔) آپ نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جس کا لقب خنزب ہے۔ جب تم کو اس کا کوئی اثر معلوم ہو تو اعوذ باللہ پڑھو اور بائیں طرف تین بار تھتکار دو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس پر عمل کیا سو اللہ تعالٰی نے اس کو مجھ سے دفع کر دیا۔ (رواہ مسلم)

ف :- وسوسے کا علاج مختلف طریقے سے آیا ہے، ان میں سے ایک طریق یہ بھی ہے۔ حاصل سب کا توجہ الی اللہ و ترک التفات الی الوسوسہ ہے اور سب طریق اسی کے تحصیل کے ذرائع ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی نعوذ باللہ ذریعہ توجہ الی اللہ کا ہے اور بائیں طرف تھتکارنا ترک التفات، طریقہ ترک التفات الی الوسوسے کا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ طریق خاص نماز شروع کرنے سے قبل کا ہے اور راس طرح وسوسہ کا از المکر کے نماز میں کھڑا ہو جائے اور داخل صلوٰۃ کے صلوٰۃ کی طرف متوجہ رہنا کافی ہے۔ واللہ اعلم (التکشف)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ نفس

تشریح

نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی چیز کی خواہش کرتا ہے، خواہ وہ خواہش خیر ہو یا شر۔ اگر اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو اس وقت 'امّارہ' کہلاتا ہے۔ یعنی کثیر الامر بالسوء ہونا اسی مرتبہ کی خواہش کا نام ہے اور کبھی کبھی اس میں خیر کی بھی خواہش پیدا ہو جانا اس مفہوم کے منافی نہیں کیونکہ کثیر الامر کو دائم الامر ہونا لازم نہیں اور اگر نادم بھی ہونے لگے تو 'لوّامہ' کہلاتا ہے اور اگر اکثر خواہش خیر کی کرے اس وقت 'مطمئنہ' کہلاتا ہے، یعنی ساکن الی الخیر۔ گو اس میں شر کی بھی خواہش بلا عمل احیاناً پیدا ہو جاوے۔ کیونکہ محض انجذاب یعنی میلان منافی سکون کے نہیں۔ چنانچہ اجسام ثقیلہ باوجود میلان الی المرکز کے ساکن بھی دیکھے جاتے ہیں البتہ اس خواہش کے مقتضا پر عمل کرنا حرکت من المقر ہے، یہ البتہ منافی سکون ہے تو اس صورت میں مطمئنہ نہ رہے گا۔ غرض دونوں خواہشیں خیر کی بھی، شر کی بھی نفس ہی کے متعلق ہیں البتہ اسباب ہر خواہش کے جدا جدا ہیں بعض تو مشاہد ہیں جیسے نصیحت وصحبت نیک، خواہش خیر کے لئے اور اغواء وصحبت بد خواہش شر کے لئے اور بعض اسباب غیر مشاہد ہیں جیسے القاء ملک (فرشتہ) خواہش خیر کے لئے اور القاء شیطان خواہش شر کے لئے۔ اسی کو حدیث میں لمۃ الملک ولمۃ الشیطان اور ایعاد بالخیر اور ایعاد بالشر سے تعبیر فرمایا ہے اور بزرگوں کا مباحات کو چھوڑنا اس بنا پر نہیں کہ مباحات کی خواہش ہوائے نفسانی ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ مفضی الی الھویٰ نہ ہو جائے۔ اس تقریر میں تامل کرنے سے امید ہے کہ سب شبہات زائل ہو جائیں گے، کیونکہ اس میں منشاء اشتباہ کا مرتفع ہو گیا۔ (التکشف)

حقیقت اخلاق

اخلاق سب فطری و جبلی ہیں اور وہ جو فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے نہ محمود بلکہ مواقع استعمال سے ان میں مدح و ذم آجاتی ہے۔ مَنْ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (یعنی جس نے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے روکا تو اس کا ایمان مکمل ہوا) اس میں اعطاء و منع دونوں کے ساتھ لِلّٰہِ کی قید ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں، نہ بخل مطلقاً مذموم، بلکہ اگر خدا کے لئے ہوں تو دونوں محمود۔ ورنہ دونوں مذموم۔ (انفاس عیسیٰ ص۱۸۷)

نیت

حقیقت نیت

دل کا ایسی چیز کی طرف ابھرنا جس کو اپنی غرض و نفع کے موافق سمجھتا ہے اس کو نیت کہتے ہیں۔ اور اس کے معنیٰ ارادہ و قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے اور علم کے بعد اس کے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے، اور اس کے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اس کام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے، گویا قدرت قصد و ارادہ کی خادمہ ہے۔ مثلاً ہمارے اندر ان لذتوں کی خواہش رکھی ہوئی ہے جو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جن کا علم عقل و شرع کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش اور میلان کی بھی خادم ہے لہٰذا وہ اعضاء کو حرکت دے گی۔ اور خواہش کو پورا کرے گی۔ بس وہی عزم اور پختہ میلان جس نے ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا نیت کہلاتا ہے۔ مثلاً جہاد میں جانے والا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو اس کو گھر سے نکلنے والا باعث و محرک کیا چیز ہے، اگر اس کا باعث مال غنیمت ہے، یا شہرت و نیک نامی کا حاصل کرنا ہے تو اسی کو اس کی نیت کہیں گے۔ (تبلیغ دین)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نیّت وارادہ

(جب کام شروع کرے تو شروع میں ایکبار نیّت کر لینا کافی ہے، اگر ہر بار نیّت کی ضرورت ہو تو کوئی بھی فعل اختیاری نہ ہو سکے گا۔

دیکھئے مسجد کی طرف نماز کی نیّت سے چلنا موجب ثواب ہے مگر ہر ہر قدم پر نیّت مشی وارادہ رفع قدم ضروری نہیں۔ اس طرح تو چلنا بھی دشوار ہو جائے گا۔ غرض افعال اختیاریہ کے لئے حدوث میں تو ارادہ کی ضرورت ہے، مگر اس کے بقا میں ضرورت نہیں ایک دفعہ نیّت کافی ہے۔ پھر جتنی دیر تک وہ فعل کرتے رہو گے وہی نیّت مستمر (یعنی جاری) رہے گی۔ (العید والوعید ص۳۴)

نیّت یہ ہو کہ ہمیں راستہ نظر آجاوے اور رہبر بننے کی نیّت شرک فی الطریقہ ہے، بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیّت نہ ہونی چاہئے۔ اگر یہ نیّت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے۔ خود کچھ تجویز نہ کرے۔ (کمالات اشرفیہ ص۱۲۴)

اِخلاص

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ

اور ان کو حکم نہیں ہوا مگر اس بات کا کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی، خالص کرنیوالے ہوں اس کے واسطے، دین کو دوسری طرف سے منہ پھیرتے ہوئے ہوں۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى نِيَّاتِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ

حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کی طرف نظر نہیں فرماتے لیکن حق تعالیٰ تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ اخلاص

اپنی طرف سے صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب و رضا کا قصد رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی اور رضامندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کی آمیزش نہ ہونے دینا اخلاص ہے۔

اخلاص کے وجوداً اور عدماً تین درجے ہیں ایک یہ کہ فعل کے وقت غایت صحیح کا قصد ہو، یہ تو غایت اخلاص ہے اور یہی مقصود اور مرتبہ کمال کا ہے۔ دوسرے یہ کہ غایت فاسد کا قصد ہو۔ یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے، ایک یہ کہ کچھ بھی قصد نہ ہو۔ نہ غایت صحیح کا نہ غایت فاسدہ کا، بلکہ یونہی معمول کے موافق ایک کام کر لیا یہ درجہ بَین بَین ہے اس کو اخلاص سے اتنا بُعد نہیں جتنا دوسرے درجہ کو بُعد ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہوں گے۔ اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہو۔ یہ تو اخلاص کا درجۂ کمال ہے۔ ایک صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے شخص کے دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے خضوع و خشوع کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جاوے گا۔ یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے، ایک تیسری صورت ہے کہ ہم معمول کے مطابق نماز پڑھ لیں، نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو۔ یہ مرتبہ بین بین ہے۔ یہ اگر اخلاص کا درجۂ کمال نہیں تو اخلاص کے زیادہ منافی بھی نہیں۔ اس کو اخلاص سے قرب ضرور ہے، مگر ظاہر ہے کہ فعل اختیار، فاعل مختار سے بدون کسی غرض کے تصور کے نہیں ہو سکتا تو اس کی کیا وجہ کہ بعض دفعہ ہم ایک فعل کرتے ہیں مگر نیت کچھ نہیں ہوتی۔ یہ محض عادت کی برکت ہے۔ جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے اس کے لئے بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز کی نیت بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی غایت پر نظر نہیں ہوتی۔ تکرار کی وجہ سے عادت ہو گئی ہے،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور عادت کے بعد غایات کا لحاظ نہیں ہوا کرتا پس معلوم ہوا کہ جس کام میں تکرار ہو اس میں اخلاص سے من وجہ قرب ہے، اور جس میں تکرار نہ ہو، اس میں اخلاص اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک غایت صحیح کا تصور اور اس کا قصد نہ ہو۔ (اشرف المسائل ص۹۱)

عدم اخلاص کا شبہ اور اس کا علاج

حال: حضرت اپنے متعلق جب تک بے خیالی میں پڑا رہوں جب تک تو خیر لیکن غور و خیال کے بعد سخت اضطراب و کشمکش میں پڑ جاتا ہوں۔ عام عبادات و فرائض کا تو ذکر ہی نہیں کہ وہ تمامتر ایک عادت کے ماتحت محض رسم کے طور پر جوں توں ادا ہوتے رہتے ہیں بغیر کسی قسم کی تازگی ایمان و بیداری و تعلق مع اللہ کے، خود ان چیزوں پر جب بعد کو غور کرتا ہوں جنہیں اپنے نزدیک خاص ولولۂ دینی و حرارت ایمانی کے ساتھ انجام دیا تھا۔ مثلاً ملاحدہ کا جواب یا ترجمہ و تفسیر قرآن مجید وغیرہ تو بعد غور انہیں بھی اخلاص سے معرا پاتا ہوں، اور ان کی تہہ میں بھی رضائے خالق سے کہیں زیادہ رضائے مخلوق ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ بار بار یہ جرح کرتا ہوں کہ اگر کہیں سے مطلق داد ملنے کی توقع نہ رہے تو جب بھی فلاں فلاں خدمت کا عزم و حوصلہ باقی رہے گا۔ بار بار جی میں الجھن حسرت بلکہ یاس تک پیدا ہو جاتی ہے کہ کہیں یہ سب اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کا مصداق نہ ٹھہر جائے اور کہیں کا بھی نہ رہوں۔ جب کبھی جناب والا کے مواعظ و تصانیف میں ریا وغیرہ کا بیان دیکھ لیتا ہوں تو وقتی طور پر تسکین ہو جاتی ہے لیکن پھر کہتا ہوں کہ کہیں یہ بھی دھوکا تو نہیں ہے کہ خواہ مخواہ دوسروں کا اور بھولا بھالا اپنے اوپر منطبق کر رہا ہوں۔ کئی دن سے اس کیفیت کا زیادہ زور رہے، اس لئے بے اختیار یہ عریضہ لکھنے بیٹھ گیا۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تحقیق: کسی ایسے شخص کو طبیب سمجھ کر اپنا مرض بتلانا جو خود اپنے کو اس مرض میں مبتلا دیکھتا ہو یا سمجھتا ہو گو اس کے الوان کسی قدر مختلف ہوں اس معنی پر تو کم مفید ہے، رائی العلیل علیل لیکن اس معنی پر زیادہ مفید ہے کہ ایسا شخص اپنے لئے بہت ہی غوض وفکر واہتمام سے تدبیر تجویز کرے گا تو دوسرے کو وہ تدبیر بلا تکلف ہاتھ آئے گی۔ اس وقت اسی اصل کے ماتحت عرض کر رہا ہوں۔ میرے نفس نے مجھ سے یہی شکایت کی۔ میں نے جواب دیا کہ ان سب مقدمات کو تسلیم کر کے تجھ سے پوچھتا ہوں کہ آیا اس کوتاہی کا تدارک اختیاری ہے یا غیر اختیاری، ظاہر ہے کہ اختیاری ہے۔ ورنہ شکایت اور تعلق ہی بے معنی ٹھہرتا ہے، جب اختیاری ہے تو اب ماضی پر حسرت انفع و اہم ہے یا مستقبل میں تدارک سو ظاہر ہے کہ شق ثانی ہی متعین ہے، بس تو اس کے اہتمام میں مشغول ہونا چاہئے، اور شاید کسی پریشانی میں یہ وہم ہو کہ کوتاہی کی عمر تو اتنی دراز اگر تدارک کے لئے اتنا دراز وقت نہ ملا تو تدارک کیسے ہوگا۔ سو حل اس کا یہ ہے کہ تدارک کا کمیت میں تماثل ضروری نہیں۔ قوت میں تماثل کافی ہے۔ اور وہ بھی اختیاری ہے اور اختیاری کے ساتھ سہل بھی۔ اب اس تدارک کی تعیین باقی رہی اور اس میں کوئی کلام بھی نہیں ہو سکتا کہ عدم اخلاص کا تدارک صرف اخلاص ہے۔ پس ماضی پر استغفار کر کے مستقبل میں اخلاص اختیار کیا جاوے جو نہایت سہل تدبیر ہے۔ بلا ضرورت مشقت و تعب میں کیوں پڑا جاوے، یہ جواب ہو گیا تمام سوالات کا، اب اگر اخلاص کے متعلق کوئی سوال ہو تو بے تکلف ظاہر فرمایا جاوے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اس میں سہولت مشاہد ہو گی وفی مثل ہذا قال الحافظؒ ؎

گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئے طبع
سخت می گیرد جہاں بر مرداں سخت کوش

وکانہ ترجمۃ الحدیث من شاق شاق اللہ علیہ۔ واللہ اعلم

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تحدث بالنعمۃ

میں نے تو جواب لکھنے کے بعد ہی بتوفیق حق کام شروع کر دیا جو بالکل سہولت سے ہونے لگا اور چونکہ آپ تنبہ کا واسطہ بنے آپ کے لئے بھی خوب دعا کی تحصیل کی بھی تکمیل کی بھی، تعدیل کی بھی تسہیل کی بھی۔ ومن اللہ التوفیق۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص۸۳ تا ۸۴)

حال: سیدی ومطاعی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جواب گرامی حسب توفیق جامع بھی تھا اور شافی بھی۔ اب عرض یہ ہے کہ خود اخلاص کا معیار کیا ہے یعنی قلب کو یہ اطمینان کیسے ہو کہ فلاں عمل خالصتاً لوجہ اللہ صادر ہوا ہے۔

تحقیق: مشفقی السلام علیکم۔ جواب کے پسند آنے سے جی خوش ہوا اس کے ساتھ ہی معیار اخلاص کے متعلق سوال کرنے سے ایک مشہور شعر یاد آگیا ؎

با سایہ ترا نمی پسندم　　عشق است و ہزار بدگمانی

انطباق کی تقریر یہ ہے کہ اخلاص کی حقیقت معلوم ہے چنانچہ خود سوال میں بھی اسی کو ظاہر کر دیا گیا ہے کہ فلاں عمل خالصاً لوجہ اللہ صادر ہوا ہے؟ پھر وہ حقیقت چونکہ مثل صفات نفس کے ہے جن کا علم حضوری ہوتا ہے۔ ادنیٰ التفات سے اس کا اثباتاً و نفیاً علم ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی پوچھے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ میرا مسلمان رہنا خاص لوجہ اللہ ہے یا کسی غرض و مصلحت سے ہے، سو جو اس کا جواب ہوگا وہی اس کا جواب ہے، وہ جواب یہ ہوگا کہ ایمان کی نہ حقیقت مخفی تھی نہ اس کا داعی مخفی۔ پھر سوال کیا۔ ایسے سوال کا منشا صرف غلبۂ ہیبت ہے کہ شواہب موہومہ پر حقائق واقعیہ کا شبہ اور وسوسہ ہو جاتا ہے اور اس کا خیالی وجود بھی ناگوار ہوتا ہے، جیسے سایہ کوئی معتد بہ وجود نہیں رکھتا مگر کوئی بدگمان عاشق اپنے وہم سے اس کو معتد بہ سمجھ کر مقصود کا مصاحب دیکھ کر اس سے کراہت کرتا ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اسی طرح یہاں غلبۂ ہیبت سے جو کہ اثر ہے محبت و عشق کا غیر مقصود کے درجہ کو مشابہ حقیقت کے سمجھ کر اس پر شبہ مشوب ہونے کا کرنے لگتا ہے اور یہ ہیبت بھی وسوسہ بجائے خود ایک امر محمود بلکہ مطلوب ہے کما اشیر بقولہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ لیکن جس طرح ضیف المعدہ غذائے قوی کا تحمل نہیں کر سکتا اس کے نافع ہونے کے لئے کسی ایسے جزو کے ساتھ اس کو مرکب کرنے کی بلکہ کبھی غالب کرنے کی ضرورت ہے، جس سے اس میں اعتدال ہو کر مفید ہو اور اس انضمام کا طریق یہ حکم لگانا ہے کہ جب ہم اپنے اختیار سے اس عمل میں کسی غرض مذموم کا قصد نہیں کرتے تو بس وہ خالص لوجہ اللہ ہے اور یہ حکم لگانا ہے کہ اگر بلا قصد اس کے کسی دوسری غرض کے مشوب کا خطرہ محسوس ہو (اور منشا اشتباہ کا اسی خطرے کا احساس ہے) تو وہ محض وسوسہ ہے جس پر ذرا مواخذہ نہیں بلکہ ناگواری کے سبب اجر بڑھ جاتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جب کسی غرض کا وسوسہ ہو اُسی کے ساتھ فی الفور ابتغاءً مرضات اللہ کی نیت کی تجدید کرلی جاوے پھر وہ وسوسہ خواہ دفع ہو یا نہ ہو اس کے درپے نہ ہو، وہ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ واللہ اعلم۔ (شریعت و طریقت، تربیت السالک جلد دوم)

حقیقتِ صدق

جس مقام کو حاصل کرے اس کو کمال کو پہنچادے، اس میں کسر نہ رہے صدق کہلاتا ہے اور اس کے معنی پختگی کے ہیں۔ اور اسی سے ولی کامل کو صدیق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام احوال و افعال و اقوال میں مرتبہ رسوخ حاصل کر چکتا ہے۔ شریعت میں صدق عام ہے۔ افعال کو بھی، اقوال کو بھی، احوال کو بھی۔

اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات پکی ہو یعنی واقعے کے مطابق ہو۔ جو شخص اس

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

صفت سے موصوف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں۔

اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر (بحکم الٰہی) ہو۔ حکم شرعی کے خلاف نہ ہو پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں، اس کو صادق الافعال کہا جاتا ہے۔

اور احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے موافق ہوں۔ پس جو احوال خلاف سنت ہوں وہ احوال کاذبہ ہیں اور جس شخص کے احوال و کیفیات سنت کے موافق ہوتے ہیں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں۔ نیز صدق احوال کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ احوال ایسے ہوں جن کا اثر صاحب حال پر باقی رہے، یہ نہ ہو کہ آج ایک حالت پیدا ہوئی پھر زائل ہو گئی اور اس کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا۔ یہ مطلب نہیں کہ احوال کا غلبہ ہمیشہ رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا اثر ہمیشہ رہنا چاہیئے کہ جو حالت طاری ہو وہ مقام ہو جائے (الکمال فی الدین ص۳۸، شریعت و طریقت)

حقیقتِ تقویٰ

تقویٰ کا امر اور فضیلت قرآن مجید میں جس قدر ہے غالباً کسی اور چیز کا اتنا نہیں۔ اس سے اس کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوا۔

حقیقت اس کی یہ ہے کہ تقویٰ کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے۔ ایک "ڈرنا" دوسرے "بچنا" اور تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو (معاصی سے) بچنا ہی ہے مگر سبب اس کا ڈرنا ہے کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے جبھی اس سے بچا جاتا ہے۔

تقویٰ کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک تقویٰ یہ ہے کہ کفر اور شرک سے بچے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو ترک نہ کرے اور محرمات کا ارتکاب نہ کرے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

پھر جیسے جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی تقویٰ پیدا ہوتا رہے گا اور تقویٰ کے کمال سے ایمان بھی کامل ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ درجۂ "احسان" حاصل ہو جائے گا جو کہ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہی تقویٰ کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اور یہی درجہ مطلوب ہے۔

(الکمال فی الدین ص ۴۱۔ ۸۳۔ ۸۵۔ ۸۷)

نیز خیال رہے کہ ہر شے اور اعضاء کا تقویٰ ہے، آنکھ کا تقویٰ یہ ہے کہ بری نگاہ سے کسی عورت یا امرد کو نہ دیکھے۔ زبان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے جھوٹ نہ بولے کسی کو ستائے نہیں اسی طرح ہاتھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے شہوت سے مس نہ کرے پاؤں کا تقویٰ یہ ہے کہ بری جگہ چل کر نہ جاوے، کان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سُنے۔ راگ باجے سے بچے۔ وضع میں بھی تقویٰ ہے، کہ خلاف شریعت وضع نہ رکھے، پیٹ کا تقویٰ یہ ہے کہ حرام مال نہ کھاوے (وغیرہ) حاصل یہ ہے کہ صادق اور متقی یہی لوگ ہیں جن کے یہ اوصاف ہیں (جو مذکور ہوئے) اور ان اوصاف میں تمام اجزائے دین کا ذکر اجمالاً آگیا دین کا کوئی جز ان سے باقی نہیں رہا اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صادق اور متقی وہی شخص ہے جو دین میں کامل ہو۔ پس صدق اور تقویٰ کی حقیقت "کمال دین" ہونا ثابت ہوگیا۔

جو کام کریں اس میں یہ دیکھ لیں کہ ہم خلاف شریعت تو نہیں کرتے خواہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ دین کے کام میں تو یہ دیکھ لیں کہ شریعت نے اس کی کامیابی کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ کیا ہے اسی کے موافق کریں، اور دنیا کا جو کام کریں اس میں صرف یہ دیکھ لیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔

اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کو یاد کرنا اور سوچنا اس کا طریق تحصیل ہے۔

(وعظ الصوم ص ۱۹)

حقیقتِ عبدیت

ایمان و عمل کے کمال کا نام عبدیت یا غلامی ہے (یعنی خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو بے چون و چرا ماننا اور عمل کرنا اور ان کی رضا اور خوشی میں اپنی خواہش و مرضی کو فنا کر دینا) اگر غور کیا جائے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہم کو حقیقی غلامی کا تعلق ہے۔ انسانی غلامی سے تو آدمی آزاد بھی ہو سکتا ہے۔ برخلاف خدا تعالیٰ کی غلامی کے کہ اس کا طوق ہماری گردن سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ اس غلامی سے آزادی کی صورت یہی ہے کہ نعوذ باللہ ہم بندے نہ رہیں۔ اور خدا، خدا نہ رہے:

انسان کو جس بات کے حاصل کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ یہی عبدیت کی حالت ہے یعنی دنیا میں انسان کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اوامر و نواہی کو پورا کر کے عبدیت حاصل کرلے (اور اوامر و نواہی کا تعلق ہی زیادہ تر افعال و اعمال سے ہے۔ خواہ وہ اصطلاحی عبادات ہوں یا معاملات و معاشرات و اخلاق سب کو پورا کرنا ہی عبدیت یا بندگی ہے) (تصوف و سلوک ص ۱۹۵)

اور کمال عبدیت یہ ہے کہ بندہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور حق تعالیٰ جو تصرف اس کے اندر کرے اس پر راضی رہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۲۵)

غرض تفویض کلی عبدیت ہے اور اپنی تجویز سے امتیازی شان بنانا عبدیت کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً جب حق تعالیٰ کھانے پینے کو اچھا دیں اس وقت خستہ حالت میں رہنا ناشکری، نعمت کی بے قدری اور خلاف اطاعت ہے۔ کیونکہ جیسے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے نوکروں کو تنخواہ دو۔ کھانا کپڑا دو، ویسے ہی یہ بھی حکم دیا ہے کہ اپنی جان کو بھی راحت دو۔ پس جیسے نوکر خدا تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے تمہاری جان بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے، اس لئے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تم کو اپنے اندر بھی بدون اجازت کسی تصرف کا حق نہیں۔ اگر نوکر کو حکم الٰہی سے کھانا کپڑا دیتے ہو تو اسی آقا کے حکم سے تم اپنی خدمت بھی کرو، کیونکہ تمہاری جان بھی خدا تعالیٰ کی ہے۔ غرض عارف اس اعتبار سے حقوق نفس ادا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔
(تصوف و سلوک ص ۱۰۴۔ ۱۰۵ ملخصاً۔ شریعت و طریقت)

علامتِ عبدیت

حال : ظہر کی نماز کے بعد جب میں ذکر کرنے لگا تو مجھے دو باتوں کی فکر ہوئی ایک یہ کہ خاتمہ میرا کس حالت پر ہوگا کیونکہ اس وقت تو خدا کے فضل سے ہوش و حواس درست ہیں۔ پھر بھی مجھ کو وسوسے ہوتے ہیں اور اس وقت تو نہ ہوش رہے گا اور نہ حواس درست رہیں گے۔ اس وقت کیا حالت ہوگی دوسرے یہ کہ آخرت میں انجام معاملہ کس طرح ہوگا کیونکہ اپنے اعمال کی طرف نظر کرنے سے سوائے اعمال بد کے اعمال نیک نظر نہیں آتے۔

تحقیق : یہ عبدیت کی علامت ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی حالت ہے۔

(تربیت حصہ دوم ص ۲۶)

حقیقتِ محبّت

طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو (محبت کہتے ہیں) یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے اس کو عشق کہتے ہیں۔ محبّت کا یہ درجہ طبعی ہے اور غیر مامور بہ ہے مگر نعمت ہے اور وہبی ہے، پھر اس میلان کے آثار میں سے رضائے محبوب کو رضائے غیر محبوب پر ترجیح دینا ہے اور یہ محبت عقلی ہے، (جو فرض اور واجب ہے) پھر اس ترجیح کے باعتبار محل ترجیح کے اقسام ہیں چنانچہ ایک قسم ایمان کو کفر پر ترجیح دینا ہے،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور یہ محبت کا ادنیٰ درجہ ہے۔ بدون اس کے بندہ مومن نہیں ہے اور دوسرے اقسام میں دوسرے احکام کو غیر احکام پر ترجیح دینا ہے اور احکام کے درجات کے اعتبار سے اس کے درجات ہیں۔ کوئی اوسط اور کوئی واجب کوئی اعلیٰ و مستحب (تعلیم الدین۔ کمالات اشرفیہ ص)

محبت کی دو قسمیں ہیں۔ محبت طبعی اور محبت عقلی۔ محبت طبعی اختیاری نہیں۔ اس کا حدوث و بقا بالکل غیر اختیاری ہے اور امر غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا بخلاف محبت عقلی کے کہ اس کا حدوث و بقا اختیاری ہے تو اس پر دوام بھی ہوتا ہے اس لئے محبت عقلی افضل اور راجح ہے، محبت طبعی کا منشا جوش طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ رہا نہیں کرتا۔ (شریعت و طریقت ص ۱۷۵)

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا :۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (الآیہ)	آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم (بزعم خود) اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

محبت گو غیر اختیاری ہے مگر اس کا طریقہ اختیاری ہے جس پر محبت کا پیدا ہونا عادتاً ضروری ہے اور اختیاری کاموں میں خدا تعالےٰ نے ہر کام کی تدبیر بتلائی ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ چند باتوں کی پابندی کریں۔ انشا اللہ تعالےٰ تھوڑے دنوں میں خدا تعالےٰ سے کامل محبت ہو جائے گی (جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی جائے) اس کا طریقہ یہ ہے کہ :۔

۱۔ دین کا علم سیکھیں۔

۲۔ اعمال میں ہمت کر کے ظاہراً بھی اور باطناً بھی شریعت کے پابند رہیں۔

۳۔ شق راحت کو اختیار کریں بشرطیکہ کوئی محذور شرعی لازم نہ آجائے کیونکہ راحت میں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔
۴. خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری طرح اطاعت کریں کیونکہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے۔
۵. نیک عمل میں بہ نیت افزدیاد محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہیں۔
۶. تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھکر اللہ اللہ کر لیا کریں۔
۷. محبان خدا تعالیٰ سے علاقہ پیدا کریں اور ان کی صحبت اختیار کریں اور یہ بہت ضروری ہے۔ اگر آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی رکھیں۔
۸. تنہائی میں کسی وقت خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کریں۔ پھر اپنے برتاؤ پر غور کیا کریں۔
۹. خدا تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ محبت عطا فرمائیں۔
۱۰. یہ مراقبہ کیا کریں کہ حق تعالیٰ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور مجھ کو چاہتے ہیں، اس سے بندے کے قلب میں بھی محبت پیدا ہوگی اور بندہ خواہ کیسی ہی مصیبت اور پریشانی میں ہو ساری پریشانی دور ہو جائے گی۔ (شریعت اور طریقت ص۱۸۱)

حصولِ محبت کا طریقہ

توضیح لقدر ضرورت یہ ہے کہ اول انجذاب الی اللہ کے اسباب مہیا کرے، جیسے کثرتِ ذکر یا وہ اشغال جن میں بالخاصہ جمع خواطر و نفائے وساوس و اشغال حرارت کا اثر ہو یا جن پر عشق کا طبعاً غلبہ ہے ان کی صحبت اختیار کرنا یا ایسے مضامین نثر یا نظم کا مطالعہ میں رکھنا اور اس کے ساتھ غذا میں تقلیل کرنا جس سے نہ گرانی و کسل ہو اور نہ ضعف ہو، یہ اسباب ہیں انجذاب کے، اسی انجذاب کا نام عشق ہے۔ اور اس کے اسباب کا قصداً جمع کرنا توجہ و ہمت کہلاتا ہے، اور اس توجہ و ہمت کے ساتھ طالب اور شیخ دونوں متصف ہو سکتے ہیں، یعنی طالب نے اگر جمع کیا تو کہیں گے کہ اس نے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

توجہ وہمت کی اور اگر شیخ اس جمع کا طالب کے لئے اہتمام کرتا رہا اور وقتاً فوقتاً طالب کو اس کا امر کرتا رہا تو کہیں گے کہ شیخ نے ہمت و توجہ کی اور القاء نسبت یہی کہلاتا ہے مگر اس کے ساتھ صرف شیخ ہی متصف ہوتا ہے جس کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اپنی قوت خیالیہ سے طالب میں کسی اثر کے پیدا ہونے کا قصد کرے اور اگر یہ اسباب علاً جمع کر دیئے گئے لیکن قصد اس جمع سے یہ نہ تھا کہ یہ انجذاب پیدا ہو تو اس کو ہمت نہ کہیں گے، گو اتفاقاً اس پر بھی انجذاب مرتب بھی ہو جاوے اور گو یہ مشہور معمول ہے کہ القائے نسبت اس طرح ہوتا ہے کہ شیخ و مرید تمام خطرات سے خالی ہو کر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں، مگر القائے نسبت اسی میں منحصر نہیں۔ باقی یہ بھی ایک طریق ہے جیسا اوپر ذکر کیا گیا۔ اور غالباً اس میں کچھ مفاسد بھی ہیں۔ اسی لئے بعض محققین متبعین سنّت نے ترک کر دیا ہے اور اس مذکور جمع اسباب کا اثر جو انجذاب الی اللہ ہے، یہ اثر ہر شخص میں مختلف درجہ میں بقدر استعداد پیدا ہوتا ہے، یہ نہیں کہ ہر شخص میں سوزش و شورش و اضطراب و التہاب ہی کے رنگ میں پیدا ہو۔ ہاں گاہے ایسا بھی ہو جاتا ہے مگر نفس انجذاب سب میں ہوتا ہے، خواہ قوی خواہ ضعیف اور یہ انجذاب طبعی ہوتا ہے اور اسی قید سے یہ ایک مستقل طریق ہے جو مقابل ہے طریق عمل و سلوک کا ورنہ مطلق انجذاب تو طریق عمل میں بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ عقلی و اعتقادی ہوتا ہے اسی طرح اس انجذاب مذکور کے جو آثار ہیں تعلق و یکسوئی وغیرہ یہ سب انجذاب کے لئے لازم ہیں مگر یہ نہیں کہ ان آثار کا ہر درجہ اس انجذاب کے لئے لازم ہو بلکہ اس میں بھی استعداد کے اختلاف سے اختلاف ہو جاتا ہے یعنی یہ تعلق و یکسوئی کبھی قوی درجہ کی ہوتی ہے کبھی اس کا ضعیف درجہ ہوتا ہے تو طالب غیر مبصر سمجھتا ہے کہ مجھکو وہ تعلق و یکسوئی نصیب نہیں ہوتی اور بقاعدہ انتفاء اللازم یستلزم انتفاء الملزوم سمجھتا ہے کہ مجھ کو انجذاب بھی حاصل نہیں ہوا اور اس سے اس پر یاس کا غلبہ ہو جاتا ہے جو کہ طریق کیلئے مضر ہے اور اس تحقیق کے استحضار سے حقیقت واضح ہو گئی اور یاس سے محفوظ رہے گا۔ (ماخوذ بوادر النوادر ص ۸۴-۸۳)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

وصول بطریق جذب

فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں جو اس قدر جلد وصول الی اللہ ہو جاتا ہے حالانکہ نہ یہاں کچھ زیادہ ریاضات ہیں نہ مجاہدات تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وصول بطریق جذب ہوتا ہے، بطریق سلوک نہیں ہوتا اور یہ جذب برکت ہے، اتباعِ سنت کی کیونکہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبیہ بالمحبوب کے محبوبیت عند اللہ ہے، اور محبوبیت کے لئے جذب لازم ہے۔ (اشرف السوانح ص ۲۳۸ حصہ دوم)

محبتِ الٰہی کا غلبہ

حال: پہلے مجھے حضرت شیخ کے ساتھ اور کچھ عرصہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت غلبۂ محبت رہا۔ حضرت شیخ کی صورت دیکھ کر تاب نہ رہتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیکر رو دیا کرتا اور درود شریف کا بہت خیال رہتا تھا اب تو صرف تصورِ ذاتِ بسیط میں دل لگتا ہے دل میں اسی کی دُھن ہے سب محبتیں مغلوب معلوم ہوتی ہیں۔

تحقیق: مبارک ہو یہی ہے غلبۂ توحید، یہی ہے غلبۂ تنزیہ اور یہ غلبہ ظاہراً تو ان پہلی محبتوں کا ضعیف کرنے والا ہے لیکن درحقیقت ان محبتوں کا بھی قوی کرنے والا ہے چنانچہ مواقع امتحان میں اس کا امتحان ہوتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ وہی محبتیں تو موصل ہوئیں اس دولت کی طرف اور ظاہر ہے کہ مقصود جتنا عظیم ہوگا اس کے وسائل کی بھی اسی قدر وقعت ہوگی البتہ خود مقصود کے مقابلہ میں وسائل مغلوب ہوں گے، پس مقصود کے اعتبار سے تو ضعیف اور وسائل کے تعلق سابق کے اعتبار سے موجودہ تعلق قوی ہو گا (تربیت السالک ص ۱۹۲)

حُبِّ حق و حُبِّ نبوی میں تلازم

حال : دیگر یہ عرض ہے کہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک احقر کے سامنے لیا جاتا ہے تو فوراً بدن میں لرزہ سا پیدا ہو جاتا ہے اور درود مبارک فوراً زبان پر آجاتا ہے اور بہت دیر تک رہتا ہے اور یہ حالت رہتی ہے کہ اگر نعوذ باللہ من قصداً درود شریف نہ پڑھنا چاہوں تو اس پر بالکل قدرت نہیں ہوتی ، اور جس وقت خدا تعالے کا نام مبارک لیا جاتا ہے تو محسوس بھی نہیں ہوتا۔ یہ تعدی فی الدین تو نہیں ہے اگر ہے تو کیا علاج ہے۔

تحقیق : اس میں طبعاً مذاق مختلف ہے ، بعض پر آثار حُبِّ حق کے غالب ہوتے ہیں اور بعض پر آثار حُبِّ نبوی کے غالب ہوتے ہیں ، اور چونکہ دونوں محبتوں میں تلازم ہے لہٰذا دونوں مذاق مقبول و محبوب ہیں۔ صرف لون کا اختلاف ہے۔ حقیقت دونوں جگہ محفوظ ہے ۔ جو کہ مقصود ہے ۔ اس واسطے کچھ تردّد و فکر نہ کریں نہ یہ تعدی ہے نہ اس کے علاج کی ضرورت ہے ۔ مبارک حالت ہے جب جس کا غلبہ ہو اسی کی اتباع کرنا چاہیئے البتہ اعتقاد عقلی امر اختیاری ہے اس کا تعلق واجب اور ممکن کے ساتھ بالذّات و بالعرض ہونے میں متفاوت ہونا چاہیئے ۔ والسلام

(تربیت السالک جلد اول ص ۱۹۵)

ایمان اور محبّت اور اس کی زیادتی مطلوب ہے ولیکن وہ مقصود

و زیادتی ایسی لطیف ہے جیسے بچّے کی نشو و نما — !

حال : جناب والا نے کشف حقیقت و شرح صدر فرمائی۔ واقعی اصل شئے بس ایمان و محبت اور اسی کی زیادتی کی طلب ہے ۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالے کی طرف

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جس اعتبار و جہت سے بھی توجہ نصیب ہو اس میں لذت کیسے نہ ہو گی۔ حضرت نے خوب فرمایا کہ میلا کپڑا مکروہ معلوم ہوتا ہے لیکن محبوب کا میلا کپڑا بھی محبوب ہوتا ہے مگر حضرت اس کو کیا کروں کہ نہ ایمان میں کوئی قابل لحاظ ازدیاد معلوم ہوتا ہے اور محبت زہرے سے مفقود ہی معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق: ازدیاد مطلوب کی رفتار ایسی لطیف ہے جیسے بچے کی نشو و نما، کہ کسی دن بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پہلے سے بڑھا ہے۔ البتہ بعد فصل بعید کے قبل اور بعد کی حالت میں موازنہ کے بعد پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح قبل التزام اعمال کی حالت کا بعد التزام کی حالت سے موازنہ کر کے دیکھا جاوے تو ازدیاد مشاہد ہو گا مگر کماً نہیں بلکہ کیفاً لایمزید ولا ینقص کا محمل کم ہے اور یزید و ینقص کا محمل کیف اور احیاناً اس کا بھی ادراک نہیں ہوتا لیکن عدم ادراک، عدم وقوع کی دلیل نہیں خصوصاً جب خشیت کا غلبہ ہو اس وقت وہ کیفیت ہوتی ہے۔ اور کعت سبعین بدریا کلہم یخاف النفاق علی نفسہ رواہ البخاری۔ اور ہمت فی نفسہٖ مقصود نہیں آلہ عمل ہے۔ اگر عمل کا صدور ہو جاوے مقصود حاصل ہے گو اس میں قوت نہ ہو۔ (ماخوذ از تربیت السالک حصہ دوم ص ۷۰-۶۹)

حقیقتِ خشوع

کسی نیک عمل میں بطور مقصودیت کوئی غیر اللہ کا خیال قلب میں حاضر نہ ہونا اور قلب کا التفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہونا (خشوع ہے)، خشوع لغۃً مطلق سکون ہے اور شرعاً سکون جوارح، جس کی حقیقت ظاہر ہے اور سکون قلب، جس کی حقیقت، حرکتِ فکریہ کا انقطاع ہے اور جس طرح سکون جوارح کی تکلیف بقدر ضرورت ہے مثلاً صحیح قوی سوی اس پر قادر ہے کہ نماز میں کوئی حرکت نماز کے علاوہ صادر نہ

ہونے دے، وہ اس کا مکلّف ہوگا۔ اور جو کسی درد میں مبتلا ہے، غلبۂ درد کے وقت اس پر قادر نہیں۔ جب درد اٹھے گا بے چین ہوکر پیچ وتاب کھائے گا۔ اس لئے وہ اس درجۂ سکون کا مکلّف نہ ہوگا۔ البتہ جب درد نہ ہو، پھر وہ از سرِ نو اس سکون کا مکلف ہوگا اسی طرح سکونِ قلب کی تکلیف بقدرِ قدرت ہوگی۔ مثلاً جو شخص تشویش کے تمام اسباب سے محفوظ ہو وہ حرکاتِ فکریہ کے کلّی انقطاع پر قادر ہے اس لئے وہ اس کا مکلف ہوگا اور جو تشویش کے اسباب میں مبتلا ہو وہ ایسے جمع خاطر پر قادر نہیں۔ اس لئے وہ اس درجہ کا مکلّف ہی نہ ہوگا۔ البتہ جتنا وقت تشویش سے سکون کا میسّر ہوگا یعنی وہ تشویش تخیلہ پر غالب نہ ہو اس وقت میں اس کا مکلّف ہوگا۔ یہ تو کلام کلی ہے۔ اب اس مقام پر ایک دقیق جزئی ہے۔ وہ زیادہ قابلِ اعتناء ہے اور اس میں زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے۔ اگر صاحبِ معاملہ کو ایسی بصیرت نہ ہو تو کسی مصلح تجربہ کار سے مشورہ کی حاجت ہے۔ وہ یہ کہ اس قطعِ حرکت فکریہ کا طریق کیا ہے؟ کیونکہ یہ قطع براہِ راست حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ اپنے قلب کو کسی محمود چیز کی طرف قصداً متوجہ کردیا جائے جو وضعِ صلوٰۃ کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً ذاتِ حق کی طرف برابر متوجہ رہے۔ اگر خیال نہ جمنے کی وجہ سے اس پر قادر نہ ہو تو یہ تصور کرے کہ میں کعبۂ حسنیٰ کی طرف رُخ کئے ہوئے ہوں۔ یا نماز میں جو اذکار وقراءت پڑھ رہا ہے ان کی طرف توجہ رکھے کہ میں یہ الفاظ پڑھ رہا ہوں یا ان کے معانی کی طرف توجہ رکھے۔ چونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا، اس لئے یہ توجہ دوسرے خطرات کے آنے سے مانع ہو جاوے گی۔

یہ ہے وہ طریق، اب اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ ہر شخص کی استعداد جدا ہے۔ کسی شخص کے لئے ایک تصور نافع ہے، دوسرے شخص کے لئے دوسرا تصور۔ بعض اوقات صاحبِ معاملہ بوجہ عدم بصیرت وعدم تجربہ کے اپنے لئے

ایک طریق کو اختیار کرتا ہے اور وہ طریق اس کی طبیعت کے مناسب نہیں ہوتا اس لئے اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور بار بار کی ناکامی سے مایوس ہو کر اس غلط گمان میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خشوع فعل اختیاری نہیں اس لئے بالکل اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے اور اس مامور بہ کی برکت سے محروم رہتا ہے اس لئے اپنے مناسب طریق کی تعیین کے لئے سخت اہتمام کی حاجت ہے۔ دوسری غلطی اس سے اشد یہ ہوتی ہے کہ تعیین کے بعد جس طریق کو اختیار کیا گیا ہے اس میں کاوش زیادہ کرنے لگتا ہے اور اس کا منتظر اور متوقع رہتا ہے کہ دوسرا کوئی خیال اصلاً نہ آنے پائے اور اس کے لئے طبیعت پر زور ڈالتا ہے حتیٰ کہ نوبت کلال و ملال کی پیش آتی ہے جس کا نتیجہ وہی یاس کے بعد عمل ترک کر دینا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے ترک کاوش کی۔ بس سرسری معتدل توجہ کافی ہے اگر اس توجہ کے ساتھ دوسرا کوئی خطرہ آجاوے تو وہ غیر اختیاری ہوگا اور مضر نہ ہوگا جیسے کسی خاص صفحہ میں سے کسی خاص لفظ پر قصداً نظر کی جاوے تو یقینی بات ہے کہ وہ شعاعیں بلا قصد دوسرے کلمات پر پہنچ جاتی ہیں۔ مگر وہ نظر قصدی نہیں ہوتی اور ایک غلطی سب سے بڑھ کر یہ ہوتی ہے کہ دوسرے خیال کے آنے کے ساتھ یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ خیال قصداً آیا ہے یا بلا قصد۔ سو یہ فیصلہ محض بیکار ہے۔ اگر فرضاً یہی تحقیق ہو جاوے کہ قصداً آگیا تو اب گذشتہ کا تو اعدام (معدوم ہونا) ہو نہیں سکتا۔ آئندہ کے لئے یہی تدارک کیا جائے گا۔ سو اگر اس فیصلہ کے بدون بھی اس تدارک میں مشغول ہو جاوے تو کیا ضرر ہے۔ اور وہ تدارک بعد تنبیہ کے تجدید ہے اس توجہ مقصود کی اور نیت و ارادہ جو کہ مترادف ہیں قبل اختیار کے ہوتے ہیں، جو مامور بہ کو اختیار کئے بغیر کافی نہیں، جیسے نماز کی نیت کرے مگر فعل صلوٰۃ کو اختیار نہ کرے یہ ناکافی ہے لیکن جن اشکالات کا حل اس فرق کی تحقیق کو سوچا تھا اب بدون اس تحقیق کے بحمد للہ حل ہو گئے یعنی فرق ہونے پر بھی اور نیت کے کافی نہ ہونے پر بھی اشکال نہیں رہا کیونکہ اختیار کے درجات میں ایسی گنجائش نکل آئی کہ کسی درجہ پر بھی خلجان اور مشقت کا احتمال نہیں رہا وللہ الحمد۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

طریق خشوع فی الارادہ

خشوع کے لئے عمل کی ابتداء میں توجہ کافی ہے۔ ہر ہر لفظ پر ضروری نہیں۔ مثلاً قرآن شریف کی تلاوت سے پہلے یہ خیال کریں کہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے تلاوت کرتا ہوں یہ کافی ہے۔ ہر ہر حرف پر ایسی توجہ ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ تکلیف مالایطاق ہے۔ مگر اس میں یہ قید بھی ہے کہ جب تک اس کی مضاد توجہ محقق نہ ہو اس وقت تک اسی پہلی توجہ کو حکماً باقی سمجھا جائے گا۔ جیسا انسان چلنے سے پہلے یہ ارادہ دل میں کر لے کہ جامع مسجد کی طرف چلتا ہوں بس اتنا کافی ہے ہر ہر قدم پر یہ ارادہ ضروری نہیں ورنہ چلنا دشوار ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی دوسری طرف ایسی توجہ، جو اس توجہ کے مضاد ہو، پائی جاوے تو پھر پہلی توجہ معدوم ہو جائے گی۔ (الکلام الحسن ص ۸۴)

طریق خشوع فی الاعمال

اس خشوع کا طریقہ یہ ہے کہ (پختہ) حافظوں کی طرح نماز نہ پڑھا کریں، بلکہ ایسے ناظرہ خواں یا حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خواں یا حافظ ہر لفظ کو دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے۔ اسی طرح نماز میں ہر ہر لفظ پر مستقل توجہ اور ارادہ کیا کریں۔ (الیواد الیتامیٰ ص ۲۳)

اور جو قول و فعل نماز میں صادر ہو، وہ توجہ اور قصد سے ہونا چاہئے محض مشق اور یاد سے نہ ہو۔ مثلاً زبان سے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہا تو اس کی طرف مستقل توجہ ہو کہ میں زبان سے کہہ رہا ہوں، پھر وَبِحَمْدِكَ کہا تو اسی طرح اس کی طرف توجہ اور قصد ہو۔ اسی طرح آخر نماز تک، پس اس طرح کرنے سے برابر ساعات نماز میں توجہ الی الطاعت رہی اور ایک طرف توجہ ہوتی ہے تو دوسری طرف نہیں ہوتی۔ پس لامحالہ اس سے غیر صلوٰۃ کی طرف توجہ نہ ہو گی پس حضور کامل میسر ہو گا۔ اور حضور کے لئے کف جوارح بھی ضرور ہے ورنہ چہرہ پھیرنے سے بواسطہ نگاہ خیالات منتشر ہوں گے۔ (التکشف ص ۴۱۴-۴۴۴)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ خوف

قلب کا دردناک ہونا، ایسی چیز کے خیال میں جو ناگوارِ طبع ہو، اور آئندہ واقع ہونے کا اندیشہ ہو اس کو خوف کہتے ہیں اور شریعت کے اعتبار سے خوف کی حقیقت، احتمالِ عذاب ہے کہ انسان کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور یہی مامور بہ ہے اور اسی کا بندہ مکلف کیا گیا ہے۔ یہ تو شرطِ ایمان ہے، اور اس کا نام خوفِ عقلی ہے۔ اس میں ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ تقاضائے معصیت کے وقت وعید اور عذابِ خداوندی کو یاد کر کے سوچ سوچ کے گناہوں سے بچا جائے۔ یہ درجہ فرض ہے اس کے فقدان سے کفر تو نہ ہوگا، ہاں گناہ ہوگا، اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ مراقبات واشغال سے آیاتِ وعید اور عظمت وجلالِ حق کو ہر دم مستحضر اور پیشِ نظر رکھا جائے یہ درجہ مستحب ہے اور سب درجات مکتسب ہیں جو کسب سے حاصل ہو جاتے ہیں اور ان کے آگے ایک درجہ اور ہے جو اختیار سے باہر ہے وہ یہ کہ آثارِ خوف اس قدر غالب ہو جائیں کہ اگر ان کو کم کرنا یا بھلانا بھی چاہیں تو اختیار و قدرت سے باہر ہو۔ یہ محض وہبی ہے، جو درجاتِ سابقہ مکتسبہ کو حاصل کرنے کے بعد محض عطائے حق سے بعض کو حاصل ہو جاتا ہے (جو اگرچہ محمود تو ہے مگر مقصود نہیں۔ (شریعت وطریقت ص ۱۸۱، اشرف المسائل)

خوفِ مطلوب اور اس کی ضرورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں فرماتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ	اے اللہ ہم آپ سے خوف میں سے اس قدر مانگتے ہیں کہ اس سے آپ ہم میں اور معصیت میں حائل ہو جائیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے بالذات مطلوب نہیں ورنہ خشیتک (تیرا خوف) مطلق فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں خوف کی حد بیان فرما دی کہ اس قدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو۔ معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے تو محمود نہیں، خوف مع الرجاء یہی ہے، اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجا نہ رہے اور نا امیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے (شریعت و طریقت ص ۱۴۳۔ وعظ میرٹھ)

الغرض خشیت مومن کے لئے لازم ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو مآل میں احتمال کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی فی الحال ہو گئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہو سکتا تھا اور التفات میں کوتاہی ہوئی ہو کہ یہ بھی اختیاری ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

طریق کار

اس کا طریق مراقبہ یہ ہے کہ پندرہ بیس منٹ دیر میں سو یا کریں، اور بیٹھ کر یا لیٹ کر یاد کیا کریں کہ آج کیا کیا گناہ کئے، فہرست گناہ تیار کریں۔ پھر دل میں خیال جمائیں کہ میدانِ قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی ہے۔ اپنا مددگار کوئی بھی نہیں۔ دشمن بہتیرے ہیں۔ حیلہ کوئی چل نہیں سکتا۔ زمین تانبے کی طرح کھول رہی ہے آفتاب سر پر ہے دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے۔ کوئی جواب معقول بن نہیں پڑتا جب یہ حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کریں گے کہ بیشک خطاوار ہیں کہیں ٹھکانہ نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور کے رحم و کرم کا۔ اسی کو استغفار کہتے ہیں۔ رات کو یہ کریں اور صبح اٹھ کر یاد رکھیں کہ فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان کا استغفار اور عہد کیا ہے سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائیں

اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک لخت نہ چھوٹ جائیں گے تو کمی تو ہو ہی جائے گی۔ غرض یہ تدبیر ایسی ہے کہ چند ہی روز کرنے سے آدمی معاصی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(شریعت و طریقت ص ۱۴۴ تا ۱۴۵، وعظ میرٹھ)

رَجَا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ — اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ أَبَدًا۔ (متفق علیہ) — اگر کافر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حال جانے تو اس کی جنت سے ناامید نہ ہو۔

حقیقت رَجَا

محبوب چیزوں یعنی فضل و مغفرت اور نعمت و جنت کے انتظار میں قلب کو راحت پیدا ہونا، اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کی تدبیر اور کوشش کرنا (رَجَا ہے) سو جو شخص رحمت و جنت کا منتظر رہے اور اس کو حاصل کرنے کے اسباب یعنی عمل صالح و توبہ وغیرہ کو اختیار نہ کرے، اس کو مقامِ رَجا حاصل نہیں وہ دھوکے میں ہے جیسے کوئی شخص تخم پاشی نہ کرے اور غلّہ پیدا ہونے کا منتظر رہے یہ صرف ہوس خام ہے۔

رَجَا کے درجات

جیسے خوف کی حقیقت اور درجات ہیں، اس کے مقابلے میں رجا کے بھی درجات

ہیں۔ ایک شرطِ ایمان یعنی احتمالِ نجات، اور یہ درجہ فرض ہے، اور ایک درجہ مستحب ہے
ایک درجۂ رجا میں بھی ایسا ہے جو اختیار سے خارج ہے، مکتسب نہیں بلکہ محض وہبی ہے
عطا ہوتا ہے (جو مطلوب نہیں تفصیل کے لئے خوف کی حقیقت ملاحظہ ہو)
(شریعت و طریقت ص ۱۵۲۔ تعلیم الدین۔ اشرف المسائل)

خوف و رجا کی حالت

سوال: ایک صاحب اجازت نے اپنے مفصل حالات لکھے جن میں یہ حال بھی تھا کہ اب اللہ تعالٰی کا خیال بالکل بے کیف دل میں آتا ہے اور اس سے اس قدر انشراح قلب میں ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ میری اعمال کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے یہ انعامات الٰہی اور حضور کے فیوض لامتناہی میرے شاملِ حال ہو سکتے ہیں؟ یا میرے نفس نے یہ خیالات تراشے ہیں؟

جواب:۔ تحریر فرمایا کہ قلب میں دونوں احتمالوں کا جمع ہونا بھی بڑی دولت ہے جس کا حاصل "الایمان بین الخوف و الرجاء" ہے، مبارک ہو۔ (اشرف السوانح۔ تربیت السالک جلد اول)

حقیقتِ تواضع

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:۔

"اور رحمٰن یعنی اللہ تعالٰی کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں"

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"جو اللہ تعالٰی کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالٰی اس کو بلند کرتا ہے"

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تواضع (الٰہیہ کی حقیقت) یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشئے سمجھے، اور ہیچ
سمجھ کر تواضع کرے۔ اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد
کرے۔ اس کی اصل مجاہدۂ نفس ہے، کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے
خاکسار، نیازمند، ذرۂ بے مقدار کہہ دیا۔ بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرۂ بے مقدار
سمجھ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور تم اپنے نفس کو
سمجھا لو کہ واقعی تو ایسا ہی ہے۔ پھر کیوں برا مانتا ہے، اور کسی کی برائی سے کچھ رنج
بل ذرا نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ
عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی (کیونکہ غیر اختیاری ہے) البتہ
اختیاری امور میں تواضع اختیار کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ۔

(حضرت) لقمان (علیہ السلام) نے یہ نصیحت کی۔ بیٹا لوگوں سے اپنا رخ
مت پھیر اور زمین پر اترا کے مت چل (بے شک) اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے
والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے اور اپنی رفتار میں اعتدال
اختیار کر (یعنی بے تکلف اور متوسط رفتار تواضع و سادگی کے ساتھ
اختیار کر اور بولنے میں) اپنی آواز کو پست کر (یعنی گفتگو میں بھی عاجزی
اور تواضع اختیار کر) (بیان القرآن ج ۹)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رفعت عطا کریں گے۔
(ب) اتفاق کی اصل تواضع ہے۔ جن دو شخصوں میں تواضع ہوگی ان میں نااتفاقی
نہیں ہو سکتی۔ تواضع میں جذب و کشش کی خاصیت ہے۔ متواضع کی طرف
خود انجذاب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ صحیح تواضع ہو۔ (انفاس عیسیٰ)

طریق کار: ۔

یہ سمجھ کر تواضع اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ ان کے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سامنے پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائیں اور اپنے کو لاشئے سمجھیں۔

لباس اور وضع سے یا اہلِ دُنیا کے طرزِ گفتگو سے طلب عزت کرنا انسان کا کام نہیں یہ تو نہایت بھدّا پن ہے جس جماعت میں شمار ہے اسی کی اصطلاح وضع اور طرز کو اختیار کریں۔ عزت اسی میں ہے۔ اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ بھی ہوئی تو کیا پرواہ ہے۔ خالق کے نزدیک تو ضرور عزت ہوگی۔ ظاہری اسباب عزت کی ضرورت نہیں۔ انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہو گو ظاہر میں فقیر ہو۔ عارف فرماتے ہیں۔

مبین حقیر گدایانِ عشق راکیں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلاہ اند

اگر کوئی لباس پر طعن کرے، کرنے دیں۔ طرز میں عیب نکالے۔ نکالنے دیں کسی کی تحقیر کی پرواہ نہ کریں تمہارے لئے اللہ تعالےٰ کی رضا کافی ہے۔ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں۔ اور یہ یاد رکھیں کہ عشق و محبت میں تو ملامت ہوا ہی کرتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے محبّ بننا چاہتے ہیں تو ملامت سننے کے لئے تیار رہیں ؎

نازد عشق را کنجِ سلامت
خوشا رسوائی کوئے ملامت (وعظ المرغبہ المرغوبہ)

لیکن جس جگہ تواضع کرنے سے دوسرے شخص کو تکلیف ہوتی ہو وہاں قصداً اتنی تواضع نہ کریں کیونکہ بعض طبائع کو بلکہ اکثر کو واقعی زیادہ تواضع سے ندامت اور تکلیف ہوتی ہے۔ باقی اگر حال ہی غالب ہو جائے یا اس طرف التفات ہی نہ ہو وہ اور بات ہے۔ (تعلیم الدین)

تواضع اور بغض فی اللہ

سوال: ایک سوال معرض خدمت ہے اس کے جواب سے بھی سرفراز فرمائیں،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فتوح الغیب میں تحریر فرماتے ہیں تواضع کی حقیقت میں ھو أن لایلقی العبد احداً من الناس إلا رآی لہ الفضل علیہ۔ اور آگے تحریر فرماتے ہیں کہ خواہ جاہل ہو یا فاسق ہو یا کافر ہو کسی سے اپنے کو بہتر نہ سمجھے۔ سو اوّلاً تو عرض ہے کہ بندے نے جو اپنے آپ کو دیکھا تو میرے اندر بالکل یہ صفت نہیں پائی جاتی سو نہایت ادب کے ساتھ یہ استدعا ہے کہ حضور بندے کے واسطے دعا فرمائیں، اور کوئی آسان تدبیر ایسی تحریر فرمائیں جس سے بسہولت یہ صفت حاصل ہو جائے اور کبر و عجب کا نام نہ رہے۔ ثانیاً گذارش ہے کہ تواضع کا مقتضا تو یہ ہے کہ ہر ایک کو بہتر سمجھا جاوے اور اس کے ساتھ نرمی کی جائے اور بغض فی اللہ کا مقتضا یہ ہے کہ عاصی کو بُرا سمجھا جائے اور اس پر سختی اور خفگی کی جائے سو دونوں کیسے جمع ہوں؟

جواب: اچھا برا سمجھنا درجہ احتمال میں کافی ہے یعنی یہ سمجھے کہ گو اس وقت ظاہراً یہ شخص ہم سے کمتر ہے لیکن ممکن ہے کہ اسی وقت اس کے باطن میں کوئی خوبی ہم سے زیادہ ہو یا مآل میں یہ ہم سے اچھا ہو۔ بس اس کا یہ اثر ہو گا کہ اپنے کو یقیناً افضل نہ سمجھے گا، اور رفع کبر کے لئے اتنا کافی ہے اور اس طرح سے احتمالاً کسی کو اچھا سمجھنا مستلزم نرمی و الفت کو نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کا مآل میں ہم سے اچھا ہونا محتمل ہو بالفعل اس کی کوئی ایسی حالت ہو کہ اس پر نظر کر کے شریعت سے ہم اس کو مبغوض رکھنے کے مامور ہوں تو ان دونوں میں کیا تنافی ہوئی اور اس احتمال کا استحضار عجب و کبر کو دفع کرے گا۔

(بوادر النوادر)

غلبہ تواضع و وُسعت رحمت و عظمت حق تعالیٰ

حال: قبل ازیں کسی کو خلاف سنت پر دیکھنے سے سخت بار معلوم ہوتا تھا اور دیر تک دل میں غصہ رہتا تھا اور وہ حالت اب نہیں ہے بلکہ کسی کی طرف توجہ کرنے کو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کبھی جی نہیں چاہتا ہے اور کوئی شخص اگر خلاف شریعت کوئی کام میرے سامنے کر گزرے دل میں فوراً یہ خیال آجاتا ہے کہ شاید یہ شخص اللہ کے پاس مجھ سے اچھا ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ کسی منکرات کو دیکھ کر دل سے برا سمجھنا یہ اضعف ایمان ہے تو کیا میرے ایمان میں تو کوئی نقص نہیں آیا نعوذ باللہ، اور پھر جب جلال اور کبریائی خدا پر نظر پڑتی ہے تو دل پر اور بھی زیادہ پریشانی ہوتی ہے۔

تحقیق :۔ منکر کو دل سے برا سمجھنا یہ اعتقاداً ہے گو طبعاً نہ ہو طبعی انکار پر بعض دوسرے اسباب غالب آجاتے ہیں اور ان ہی میں سے وہ کیفیت ہے جو آپ پر غالب ہے جس کا ماحصل تواضع اور وسعت رحمت وعظمت حق پر نظر ہے کہ عین مطلوب ہے، پس ان اسباب کے غلبہ سے اگر طبعی انکار کا غلبہ نہ ہو کوئی محل تردد نہیں اطمینان رکھیں۔

(تربیۃ حصہ پنجم۔ تربیت السالک صفحہ ۱۶۵)

اپنے کو سب سے بدتر سمجھنا

حال : اکثر خیال دل میں رہا کرتا ہے کہ مجھ سے تمام دنیا والے اچھے ہیں حتیٰ کہ ہندوؤں کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ ہزار درجے مجھ سے اچھے ہیں کچھ کام تو دنیا ہی کا صحیح کر لیتے ہیں اور میں تو کسی کام کا نہیں رہا خیال بعض مرتبہ ہو جاتا ہے کہ خود کشی کر لوں مگر حرمت کا خیال آجاتا ہے کہاں تک عرض کر دل نظر توجہ فرما دیں ورنہ خوف میرے خراب ہو جانے کا ہے ؎

گو برا ہوں یا بھلا جیسا ہوں میں
سگ تیرے در کا کہلاتا ہوں میں

تحقیق : یہ حالت ازبس رفیع ہے یہ کمال شکستگی ہے جس کے ثمرات ازبس رفیع ہیں۔ جن کی طرف حدیث "من تواضع للہ رفعہ اللہ" میں اشارہ ہے۔ عارفین

نے نصیحت فرمائی ہے ؎ "مومن مومن نباشد تا آنکہ خود را از کافر فرنگ بدتر نہ پندارد"

یعنی حالانکہ اعتقاد اً ایسا شخص انشاء اللہ تعالےٰ گمراہ نہیں ہوتا۔ اصل ضلالت کی عُجب ہے

جو اس کی طرف چنداں التفات نہ کیجئے۔ کام میں لگے رہئے کہ التفات مضر ہے کہ

اس سے کبھی یاس اور کبھی کبر تواضع کا پیدا ہو جاتا ہے۔ وہذا اشد من الکبر المحض۔

(النور ص۲۱۹، تربیت السالک ص۱۵۶)

حقیقتِ شکر

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:-

وَاشْكُرُوْا لِيْ (الآیۃ) اور میرا شکر کرو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ (رواہ مسلم) اگر اس کو خوشی پہنچی شکر کیا۔

نعمت کو منعم حقیقی کی طرف سے سمجھنا اور اس سمجھنے سے دو باتیں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔

ایک منعم سے خوش ہونا اور دوسرے اس کی خدمت گذاری اور امتثال اوامر میں سرگرمی

کرنا (تعلیم الدین ص۱۲۴)

یعنی جو حالت طبیعت کے موافق ہو خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو، اس حالت کو دل

سے خدا تعالےٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زیادہ سمجھنا، اور

زبان سے خدا تعالےٰ کی تعریف کرنا۔ اور اس نعمت کا (جوارح یعنی اعضاء وغیرہ سے)

گناہوں میں استعمال نہ کرنا۔ (انفاس عیسیٰ ص۲۱۱)

(بلکہ اس) نعمت کو اس کی رضامندی میں استعمال کرنا شکر ہے) اور یہ اس وقت

ہو سکتا ہے جبکہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا کیا

چیز کس کس کام کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً آنکھ اللہ تعالےٰ کی ایک نعمت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالےٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے دیکھنے اور آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوق کے اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو، اور خالق برتر کی عظمت و کبریائی سے آگاہی ہو، نیز شرک دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے (اور دیگر ممنوعات) سے روکے رکھے، اسی طرح کان ایک نعمت ہیں اور اس کا شکریہ ہے کہ اس کو ذکر الٰہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دیں اور ہجو، لغو اور فضول کلام سننے سے روکے۔ زبان کو یاد خدا حمد و ثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور تنگدستی یا تکلیف میں شکوہ و شکایت سے باز رکھے۔ کہ اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت کا کلمہ نہ نکلنے پائے، کیونکہ شاہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل و بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکالنی جو کچھ نہیں کرسکتا بالکل فضول اور معصیت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ نکل گیا تو طاعت میں شمار ہوگا۔ (تبلیغ دین صہ ۱۰۴)

یہ (زبانی) الحمد للہ کہنا محض درجۂ عنوان میں ہے یہ چھلکا ہے جس میں گری (مغز) نہیں یعنی الفاظ شکر ہیں معنی شکر نہیں، اور جب معنی شکر نہیں، جیسے کوئی بادام خرید لے اور اس میں مغز نہ نکلے اور نرا چھلکا ہو تو بادام نہ کہیں گے۔ اسی طرح ہر عمل کا ایک مغز اور روح ہے، اور ایک پوست اور صورت ہے۔ پس شکر کی روح یہ ہے کہ منعم اور نعمت کی دل سے قدر کرو۔ ابتدائی درجہ تو مرتبۂ عقلی ہے کہ حق تعالےٰ کو منعم حقیقی جانے اور عقلاً اس کی قدر پہچانے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس کا اثر طبع اور جوارح اور حرکات و سکنات میں نمایاں ہو (یعنی تمام اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت وغیرہ شریعت کے مطابق ہوں)۔

شکر کا محل نعمت ہے اور نعمت کی حقیقت یہ ہے۔ اَلنِّعْمَةُ حَالَةٌ مُلَائِمَةٌ لِلنَّفْسِ (نعمت وہ حالت ہے جو کہ نفس کے لئے خوشگوار ہو) حالات

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جاس کی مرضی کے موافق ہیں موقع ہیں۔ یہ کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ کی طرف سے جانے
اپنا کمال نہ سمجھے۔ غافل اور ناسی (بھولنے والا) نہ ہو، اور نعمت میں
مشغول ہو کر رب نعمت کو نہ بھولے بلکہ یہ نعمت اس کے لئے زیادہ موجب تذکر ہو جاوے
یہ نعمت عام ہے خواہ کھانا ہو یا پانی ہو یا کوئی کپڑا ہو یا یہ کہ کوئی ناگوار حالت نہ ہو۔
(الشکر ص ۴-۱۱-۱۲)

صبر و شکر وغیرہ

حال :۔ صبر و شکر و تفویض و توکل کی حالت زیادہ تر بے بسی و بے چارگی سی معلوم ہوتی ہے۔
تحقیق :۔ یہ بھی نعمت ہے جو اضطراراً عطا کر دی گئی۔ قصد افعال اختیاریہ میں شرط اجر ہے نہ کہ امور اضطراریہ میں، اس میں بلا قصد بھی اجر عطا ہوتا ہے
(بوادر النوادر)

حقیقتِ صبر

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ ایک دین پر ابھارتی ہے، دوسری ہوائے نفسانی پر
سو محرک دینی کو محرک ہوائی پر غالب کر دینا صبر ہے۔ (تعلیم الدین ص ۱۴۷)
اور اس کی حقیقت ہے حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ یعنی ناگوار بات پر
نفس کو جانا اور مستقل رکھنا۔ آپے سے باہر نہ ہونا اور وہ ناگوار امر خواہ کچھ ہو (الشکر ص)
اب کہیں تو حبس (روکنا) کے ساتھ کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے اور کہیں محض حبس (روکنا)
ہی حبس (روکنا) ہوتا ہے اور کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ تو اس عنوان سے ناگواری کے
اقسام پر شرعاً صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر علی العمل (۲) صبر فی العمل (۳) صبر عن العمل۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا یعنی اس پر جم جانا اور قائم رہنا مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرنا اور بلاناغہ ان کو ادا کرتے رہنا۔

اور صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا۔ طاعات بجالانے کے وقت ان کے حقوق و آداب کو سکون واطمینان سے ادا کرنا اور ہمہ تن متوجہ ہوکر کام کو بجالانا۔ مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ تم اتنی دیر تک سوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کرسکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے۔ اتنی دیر تک تجھ کو نماز یا ذکر الٰہی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔

تیسری قسم ہے صبر عن العمل یعنی نفس کو ما نہی اللہ عنہ (جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ ان) سے روکنا، اور شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رُکنا۔ (اس کے علاوہ) ہر ممنوع امر سے رکنے کو صبر ہی کہا جاوے گا۔ (مثلاً) صبر عن الشہوت، شہوت میں شہوتِ رجال ونساء وشہوتِ لباس وشہوت طعام و شہوت کلام (وغیرہ) بھی داخل ہے۔ اسی طرح تمام معاصی سے نفس کو روکنا، یہ بھی صبر میں داخل ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	وہ صبر کرنے والے ہیں باساء میں
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ	اور ضرّاء میں اور بأس کے وقت،

بأساء سے مراد فقر و تنگ دستی۔ حاصل یہ کہ فقر اور تنگدستی میں صبر کرے، یعنی خدا تعالیٰ پر نظر رکھے۔ مخلوق کے مال و دولت پر نظر نہ کرے، نہ ان سے توقع رکھے۔ اس میں قناعت و توکل کی تعلیم ہوگئی اور ضرّاء سے مراد مطلق بیماری۔ خواہ ظاہری ہو یا باطنی۔ ظاہری بیماری میں صبر یہ ہے کہ لوگوں سے شکایت نہ کرتا پھرے خدا تعالیٰ سے دل میں مکدّر نہ ہو۔ اس میں تسلیم و رضا کی تعلیم ہوگئی اور باطنی بیماریوں میں صبر یہ ہے کہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

امراض قلبیہ (رذایل) کے مقتضاء پر عمل نہ کرے بعمل سے ان کا مقابلہ کرے اور بأس سے
مراد مطلق شدت و پریشانی جو بھی لاحق ہو، اور اس میں مستقل مزاج رہے، جس کا ایک
فرد صبر عند الحرب بھی ہے کہ جہاد کے وقت لڑائی میں ثابت قدم رہے۔ پس اب صبر
کا حاصل یہ ہوا کہ موحد کامل بن جائے۔ جب مقام صبر کامل ہو جاتا ہے تو توحید بھی کامل
ہو جاتی ہے۔ پس یہ ایسا جامع خلق ہے کہ بہت سے اخلاق اس کے اندر داخل ہیں۔
اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ (یعنی صبر نصف
ایمان ہے۔ (وعظ الکمال فی الدین ص ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲ ملخصاً)

توصبر فی نفسہ تمام اعمال شرعیہ کو عام ہے (الجمعین ص۲۱)

یعنی جس وقت جس کام کا امر ہو اس پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ پس اگر کسی وقت
معمولات کے ترک کا امر ہو تو اس وقت ترک معمولات ہی صبر ہوگا (وعظ ما علیہ الصبر ص۹)

حالات دو قسم کے ہیں نعمت اور مصیبت۔ نعمت سے مسرت ہوتی ہے اور مسرت
کی وجہ سے منعم کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے۔ بخلاف مصیبت کے کہ اس میں ناگواری ہوتی
ہے (وعظ الصبر بالصبر ص۳)

اور صبر کا موقع مصیبت ہے اور مصیبت کہتے ہیں حَالَۃٌ غَیْرُ مُلَائِمَۃٍ
لِّلنَّفْسِ (مصیبت وہ حالت ہے جو نفس کو ناگوار ہو) (وعظ الشکر ص۳)

اس کی دو قسمیں ہیں، ایک صورت مصیبت اور ایک حقیقت مصیبت، جس مصیبت
سے انقباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے (اور حقیقت میں مصیبت ہے)
اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو، تسلیم و رضا زیادہ ہو۔ وہ حقیقت میں
مصیبت نہیں گو صورت اس کی ہو۔ (وعظ اکبر الاعمال ص ۱۴۔ ۱۵)

عارفین کو مصیبت کا احساس تو ہوتا ہے بلکہ بوجہ ادراک لطیف ہونے کے
دوسروں سے زیادہ احساس ہوتا ہے مگر ان کا رنج و غم حد سے نہیں بڑھتا۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کیونکہ اس میں ان کی نظر اللہ تعالےٰ پر ہوتی ہے، اور ان حکمتوں پر بھی جو خدا تعالےٰ نے مصائب میں رکھی ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان کو جو ایک کانٹا لگتا ہے وہ بھی اس کے لئے حسنہ ہے۔

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چراغ گُل ہوگیا۔ آپ نے اِنّا لِلّٰہ پڑھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بھی مصیبت ہے، فرمایا ہاں جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو، وہ مصیبت ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ (وعظ السبر بالصبر ص ۴-۱۲)

حال : صبر کے متعلق دریافت کرنا ہے کہ صبر پر جو وعدہ ثواب کا ہے، وہ کسی صورت میں یعنی کوئی شخص کسی انتقام یا تکلیف کے دور کرنے پر قادر ہو اور نہ کرے اور صبر کرے تب اجر ملے گا یا قادر نہ ہو پھر صبر کرے اس پر بھی اجر ملے گا مثلاً کسی نے زید کے تھپڑ مارا اور وہ انتقام پر قادر نہیں یا زید کا لڑکا مرگیا اس پر کہا جاتا ہے کہ صبر کرو یا اس کا مال چوری ہوگیا لوگ کہتے ہیں کہ صبر کرو، اس صورت میں وہ مجبور ہے اس کے دفع کرنے یا انتقام پر قادر نہیں ایسی صورت میں صبر کس طرح کیا جا سکتا ہے ایسی صورت میں بھی ثواب ملے گا یا نہیں۔ یا مثلاً ایک بینا شخص کہے کہ میں خدا کے خوف سے اور اس کے حکم کی وجہ سے کسی نامحرم عورت پر نظر نہیں ڈالتا، اور ایک نابینا بھی یہی کہے تو صاف ظاہر ہے کہ نابینا کے پاس وہ آلات ہی نہیں جس سے وہ گناہ کرے، تو نابینا کا یہ کہنا فضول ہے۔ البتہ وہ بینا قابل ثواب ہے کہ وہ قادر ہے اس بات پر کہ نامحرم کو دیکھے لیکن نہیں دیکھتا۔

تحقیق :۔ بے صبری کی متعدد صورتیں ہیں۔ انتقام بالمثل لینا اس کا ترک کرنا صبر ہے، یہ مشروط ہے قدرت کے ساتھ، دوسری [illegible] ت زبان سے بُرا بھلا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کہنا سامنے یا پس پشت بددعا دینا غیر قادر علی الانتقام بھی اس پر قادر ہے۔ اس کے لئے اس کا ترک کرنا صبر ہے اسی طرح اہل میت کو مدافعت پر قادر نہیں لیکن نوحہ وشکایت پر تو قادر ہیں، ان کی یہ بے صبری ہے اور اس کا ترک کرنا صبر ہے اور جو کسی فعل پر بھی قادر نہ ہو جیسے اندھا کہ دیکھنے پر بالکل قادر نہیں مگر تصور یا عزم بصورت ابصار تمنا ابصار لِلاَ بصار پر تو قادر ہے اس کی بے صبری یہ ہے اور اس کا ترک صبر ہے اور ہر شخص کو اس کے مناسب صبر پر اجر ملتا ہے۔

یہ تفصیل تو اجر صبر میں ہے اور ایک اجر خود تکلیف پر بھی ہوتا ہے اس میں صبر کی قید نہیں اگر صبر کیا تو دو اجر ملیں گے ایک صبر کا دوسرا تکلیف کا، اور اگر صبر نہ کیا تو تکلیف کا اجر ملے گا اور بے صبری کا گناہ ہوگا جیسے ایک شخص نماز پڑھے اور روزہ نہ رکھے، تو نماز کا ثواب ملے گا اور روزہ نہ رکھنے کا گناہ ہوگا امید ہے کہ سب سوالات حل ہو گئے ہوں گے۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۲۲۰)

بیماری میں اضطراب کا ہونا خلاف صبر و توکل نہیں

حال: اپنے اس بشری اضطراب کو دیکھ کر (جو لڑکیوں کی بیماری سے اوپر مذکور تھا) بار بار یہ خیال آتا ہے کہ میرا یہ حال صبر و توکل کے خلاف ہے مگر اس کا علاج نظر نہیں آتا۔

تحقیق: علاج تو مرض کا ہوتا ہے۔ یہ اضطراب طبعی غیر اختیاری خود مرض ہی نہیں جو ضرورت علاج ہو۔ اسی غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے یہ صبر و توکل کے بھی خلاف نہیں کیونکہ یہ دونوں اختیاری ہیں۔ پس دونوں جمع ہو سکتے ہیں، پھر تخالف کہاں رہا۔ جیسے آپریشن کوئی رضا سے کرالے اور نشتر لگنے کے وقت زور سے آہ نکلے اور اس کے بعد جراح کو انعام بھی دے جو صریح علامت ہے رضا کی۔ یہاں اضطراب اور صبر و رضا جمع ہو گئے البتہ اس مثال میں اگر کلوروفارم دیا جاوے تو الم محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح حکمت مقتضی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہوتی ہے تو کسی ایسے حال کو منجانب اللہ غالب کر دیا جاتا ہے جس سے اضطراب طبعی بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ ناقص کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات پر آنسو نکلے جو دلیل ہے کمال کی۔ (تربیت السالک حصہ سوم)

تواصی بالحق و تواصی بالصبر

ملفوظ: تواصی بالحق و تواصی بالصبر کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان فرمایا۔ یہ ناگواری مخاطب کو گو تبلیغ عقائد میں زیادہ ہوتی ہے مگر جب وہ ایک مرتبہ اپنے عقائد سابقہ کی غلطی سمجھ کر عقائد حقہ کو قبول کر لیتا ہے تو اس کے لئے بار بار تبلیغ کی ضرورت نہیں رہتی بخلاف اعمال کے کہ ان کی تبلیغ ابتداء میں تو دشوار نہیں نہ مخاطب کو اس میں زیادہ ناگواری ہوتی ہے۔ مگر اس میں بار بار تبلیغ کی حاجت ہوتی ہے کیونکہ انسان اپنے اعمال فاسدہ کو ایک بار چھوڑ کر بھی لذات نفسانی کی وجہ سے پھر اختیار کر لیتا ہے تو اس میں ابتدائی تبلیغ کافی نہیں ہوتی بلکہ بقائے تبلیغ کی بھی حاجت رہتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ عقائد کی ابتداء دشوار مگر بقا سہل اور تبلیغ اعمال میں ابتدا آسان مگر بقا دشوار اس لئے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں ایسا عنوان اختیار فرمایا گیا جس میں مبلغ کو بھی صبر و استقلال کی تعلیم ہے (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ كَلَامِهٖ)

ایک اور دقیق بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر کیوں بڑھایا؟ وجہ یہی ہے کہ اعمال صالحہ جوہر ایمان کے محافظ ہیں اور گناہ و معاصی اس دولت کے دشمن ہیں، جو شخص خود گناہ کرتا یا کسی دوسرے کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر نصیحت نہیں کرتا، رفتہ رفتہ اس کے دل سے گناہوں کی نفرت کم ہو جاتی ہے پھر زائل ہو جاتی ہے اور گناہ کو ہلکی اور معمولی بات سمجھنے لگتا ہے اور یہی کفر ہے۔

(تجدید تعلیم و تبلیغ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ توکّل

اقسام واحکام توکّل

توکل کی دو قسمیں ہیں. علماً وعملاً. علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی ومدبر تحقیقی حق جلّ علا شانہٗ کو سمجھے، اور اپنے کو ہر امر میں ان کا محتاج اعتقاد کرے یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور جزو عقائد اسلامیہ ہے قسم دوم توکل عملاً اس کی حقیقت ترک اسباب ہے پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ اسباب دینیہ اور اسباب دنیویہ۔ اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کو ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران وحرمان ہے اور شرعاً یہ توکل نہیں اگر لغتاً توکل کہا جاوے تو یہ توکل مذموم ہے۔

اور اسباب دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو تو اس نفع کی دو قسمیں ہیں حلال یا حرام اگر حرام ہو تو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے اگر حلال ہو تو اس کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔یقینی ۲۔ظنی اور ۳۔وہمی

اسباب وہمیہ جن کو اہل حرص وطمع اختیار کرتے ہیں جس کو طول امل کہتے ہیں ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض وواجب ہے۔

اور اسباب یقینیہ جن پر وہ نفع عادۃً ضرور مرتب ہو جاوے جیسا کھانے کے بعد آسودگی ہو جانا پانی کے بعد پیاس کم ہو جانا اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً یہ توکل ہے اور لغتاً توکل کہا جاوے تو یہ توکل ناجائز ہے اور اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع مرتب ہو جاوے مگر بار بار تخلف بھی ہو جاتا ہو جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا یا نوکری

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مزدوری کے بعد رزق ملنا۔ ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں۔ اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے تو جائز نہیں، اور قوی النفس کے لئے جائز ہے۔ بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کے لئے مستحب بلکہ کسی قدر اس سے بھی مؤکد ہے پس خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ توکل علمی تو مطلقاً اور عملی میں بمعنی ترک اسباب حرام و ترک اسباب نفع دنیوی موہوم فرض اور بمعنی ترک اسباب دینیہ و بمعنی ترک اسباب دنیویہ مباحہ یقینیہ حرام و مذموم و بمعنی اسباب مباحہ دنیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی النفس کو مستحب۔ پس تین قسمیں فرض اور دو قسمیں حرام۔ ایک بعض اوقات میں حرام اور بعض اوقات میں مستحب۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ جو توکل شرعاً ناپسند ہے اس میں اور طاعت میں تنافی ہے ورنہ کوئی منافات نہیں واللہ اعلم۔

فائدہ:۔ اس مضمون کی تکمیل کے لئے ایک دوسرا مضمون مثنوی سے نقل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تدبیر میں دو مرتبے ہیں۔ ایک اس کا نافع ہونا اور دوسرا اس کا جائز ہونا۔ سو نافعیت میں تو یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ تقدیر کے موافق ہو گی تو نافع ہو گی ورنہ نہیں اور اس کے جواز میں یہ تفصیل ہے کہ اس میں دو مرتبے ہیں ایک مرتبہ اعتقاد کا یعنی اسباب کو مثل حکماء طبعیین و منکرین قدر کو مستقل بالتاثیر سمجھا جاوے سو یہ اعتقاد شرعاً حرام و باطل ہے۔ البتہ تاثیر غیر مستقل کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا ہے جس کا انکار اور نفی کرنا جبر مذموم ہے دوسرا مرتبہ عمل کا یعنی مقاصد کے لئے اسباب اختیار کئے جاویں۔ سو اس کا حکم یہ ہے کہ اس مقصد کو دیکھنا چاہئے کیسا ہے، سو اس میں تین احتمال ہیں یا وہ مقصد دینی ہے یا دنیوی مباح، یا معصیت ہے۔ اگر معصیت ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مطلقاً ناجائز ہے اور اگر دین ہے تو دیکھنا چاہئے کہ امر دین واجب ہے یا مستحب، اگر واجب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔ اگر مستحب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مستحب ہے اور اگر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دنیائے مباح ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ دنیائے مباح ضروری ہے یا غیر ضروری۔ اگر
وہ دنیا ضروری ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے، اور اگر غیر یقینی ہے تو ضعفا
کے لئے اختیار اسباب اور اقویاء کے لئے گو جائز ہے مگر ترک افضل ہے، اور اگر وہ دنیائے
مباح غیر ضروری ہے تو اگر اس کے اسباب کا اختیار کرنا مضر دین ہو تو ناجائز ہے ورنہ جائز مگر ترک
افضل ہے۔

یہ کل دس صورتیں ہیں اور ہر ایک کا خاص حکم ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہو جاوے گا
کہ کس مرتبہ پر توکل جائز یا ناجائز ہے۔

ان دونوں تقریروں کے جمع کرنے سے اس مسئلہ میں پوری شفاء ہو سکتی ہے۔

(ماخوذ بوادر النوادر ص ۲۸۸ - ۲۸۷)

سوال: ایک طالب نے لکھا کہ میں معمولی سے خطرے پر پریشان ہو جاتا ہوں معلوم
ہوتا ہے کہ مجھ میں توکل نہیں ہے اس معصیت سے بچنے کا علاج تحریر فرمادیں۔

جواب: ۔ تحریر فرمایا کہ نہ یہ معصیت ہے نہ یہ توکل کے خلاف ہے کیوں کہ توکل کی حقیقت
ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا اور یہ قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے اور عملاً اسباب
ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے، اور جو اسباب عادتاً یقینی یا مثل یقینی کے
ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے، بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے اور
یہ سب تفصیل اسباب دُنیویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔

(اشرف السوانح)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقت تفویض

تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ تدبیر کے بعد ہر تصرف حق پر راضی رہنا، اور اس پر ایک شبہ کا جواب۔

ارشاد: بعض دفعہ یہ بات دیکھی کہ اگر باوجود احتیاط کے مالی نقصان ہو گیا تو زیادہ قلق نہیں ہوا لیکن اگر بے احتیاطی سے کچھ نقصان ہو گیا تو قلق زیادہ ہوتا تھا۔ ایک دن مجھے شبہ ہوا کہ یہ ناقص حالت ہے آخر نقصان مال پر اتنا زیادہ قلق کیوں۔ اس وقت یہ علاج وارد ہوا کہ یہ بھی حق تعالیٰ کا تصرف ہے کہ بے احتیاطی کی حالت میں یہ نقصان ہو گیا بس یہ تصور کرتا تھا کہ ایک ہی جلسہ میں مرض کی اصلاح ہو گئی۔ شاید کوئی یہ کہے کہ پھر ازالہ نقص کی تدبیر ہی کی کیا ضرورت ہے۔ مجاہدہ وریاضت کی کیا حاجت ہے بس جیسا خدا نے دے دیا اسی پر راضی رہنا چاہئے۔ تکبر دیا تو اس پر راضی بخل دیا تو اس پر خوش کیونکہ تصرف حق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ترک تدبیر کی تم کو اجازت نہیں۔ تم تدبیر کرنے کے لئے مامور ہو اس لئے تدبیر کرنا واجب ہے ہاں تدبیر کے بعد بھی اگر نقص رہے گا تو یہ تصرف ہے اس پر راضی رہو۔ یہاں سے یہ شبہ بھی دفع ہو گیا کہ گناہوں پر بھی راضی رہنا چاہئے کیونکہ یہ بھی تصرف حق ہے اور موافقت ہے تقدیر کی تو سمجھ لو کہ عین گناہ کے وقت یا گناہ سے پہلے عزم کے وقت اس تصور سے کام نہیں لے سکتے۔ کیونکہ تم کو ابھی سے کیا خبر ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے یہ تصرف مقدر کیا ہے کہ فلاں گناہ کرو گے پھر جس وقت گناہ کرتے ہو اس وقت موافقت تقدیر کی نیت کب ہوتی ہے اس وقت تو اپنی خواہش کو پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ قبل از وقوع مقدر کی خبر کس کو ہے یہی جواب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دیا تھا جبکہ شیطان نے کہا تھا کہ آپ نے تو میرا سجدہ نہ کرنا مقدر ہی کیا تھا۔ تو اگر میں نے تقدیر کے موافق سجدہ نہ کیا تو مجھ پر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بعد اور غضب کیوں ہوا۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ موافقت تقدیر کا علم تو بعد وقوع کے تجھ کو ہوا۔ وقوع کے وقت تو تو نے اس کا قصد نہیں کیا۔

بہر حال گناہ کے وقت اس مراقبے سے کام نہیں لے سکتے ہاں گناہ کے بعد توبہ نصوح کر کے بھی جب قلق زائل نہ ہوا اور اس قلق سے تعطل فی الاعمال کا اندیشہ ہو تو اس وقت اس مراقبہ سے کام لو اور زیادہ قلق میں نہ پڑو۔ (انفاس عیسیٰ)

طریق کار

اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا کہ جو وہ چاہیں اس میں تصرف کریں اور اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرنا (تفویض ہے) جو تمام حالات کو شامل ہے خواہ وہ حالات آفاقیہ ہوں خواہ انفسیہ ہوں۔ پھر انفسیہ میں خواہ احوال حسیہ ہوں جیسے مرض و صحت اور قوت و ضعف، خواہ باطنیہ ہوں جیسے قبض و بسط، ہیبت و انس اور محبت و شوق و امثالہا۔

تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے۔ تدبیر کرے اور تدبیر کے نتیجہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے اور جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق و دخل نہیں۔ ان میں تو ابتداء ہی سے تفویض و تسلیم اختیار کرے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۲۲ - ۲۲۱ - ۲۳۰)

اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرے۔ تجویز ہی تمام تر پریشانیوں کا سبب ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہئے۔ پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے۔ غیر اختیاری ہوتا ہے تو غیر اختیاری امور کے لئے نظام تجویز کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ اسی لئے اہل اللہ نے تجویز قطع کر کے یہ

مذہب اختیار کر لیا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(وعظ الجبر بالصبر ص ۲۶)

طریق حصول

جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے اس وقت اس کو فوراً ذہن میں حاضر کر لیا جاوے کہ یہ حق تعالٰی کا تصرف ہے ابتدا میں تو اہل اللہ کو یہ حالت تکلف کے ساتھ حاصل ہوتی ہے خدا تعالٰی کی حکمت و قدرت کو سوچ سوچ کر اپنے ارادہ و تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے پھر یہ حالت ان کے لئے امر طبعی بن جاتی ہے۔ (انفاس عیسٰی)

تفویض عقلی مطلوب ہے

حال: جناب والا نے سعادت بخشی تھی مسئلہ تفویض کے بارے میں الحمدللہ کہ حضرت کے ارشادات سے یہ بالکل سمجھ میں آ گیا کہ مطلوب تفویض عقلی ہے خواہ اس سے طبعی قرار نہ بھی نصیب ہو بلکہ طبعی قرار و تسلی کی صورت میں واقعی اخلاص کی کمی کا شبہ ہو سکتا ہے۔

تحقیق: لیکن خواہ مخواہ شبہ بھی نہ کیا جاوے۔ اگر اللہ تعالٰی طبعی قرار بھی عطا فرما دے تو اس کو مستقل سمجھ کر اس پر شکر کیا جاوے اور یہ توفیق شکر علامت اخلاص کی بھی ہو گی، اور بالفرض محال اگر اس میں کمی بھی ہو گئی تو اس شکر سے اس کی کمی کی تلافی بھی ہو جاوے گی۔ اس کلیہ کے تحت میں ان الحسنات یذھبن السیّات

حال: لیکن حضرت عقلی تفویض کیا ذہنی تجویز سازیوں اور ان کے لئے دوا دوش کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے؟

تحقیق: ہو سکتی ہے دو شرط سے، ایک وہ تجویزیں مشروع ہوں دوسرے اگر وہ

تجویزیں ناکام ہوں تو اعتقاداً اس ناکامی کو خیر سمجھے گو اس کے ساتھ غیر اختیاری ضیق بھی ہو وہ اس کے منافی نہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس غیر اختیاری ضیق کو ثابت فرمایا ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ (حجر) اور اختیاری ضیق سے نہی فرمائی ہے وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ (نحل) اور اس سے حضور اقدس سے اختیاری ضیق کے وقوع کا توہم نہ کیا جاوے کیونکہ نہی کا تعلق ماضی سے نہیں ہوتا مستقبل سے ہوتا ہے کقول لقمان علیہ السلام لابنہ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۴۰)

منصوص دعاؤں کا اثر نہ ہوتا اس میں عبدیت وتفویض کا امتحان ہے

حال: منصوص دعائیں اور اوراد پڑھ رہا ہوں مگر ان کا کچھ اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

تحقیق:۔ اس انتشار کا منشا یہ ہے کہ ادعیہ کے اثر کو ادویہ کے اثر پر قیاس کیا جاتا ہے اور یہی غلطی ہے۔ سنۃ اللہ دونوں جدا جدا ہیں۔ دوا کی تاثیر کے شرائط وموانع کم ہیں، دعا کے زیادہ ہیں جس میں بہت حکمتیں ہیں۔ ایک بیّن حکمت یہ ہے کہ دعا عبادت ہے جس کی روح عبدیت ہے، اگر یہ فوراً قبول ومؤثر ہو جاتی تو اس میں عبدیت وتفویض کا امتحان نہ ہوتا۔ واللہ اعلم۔ اور اگر وہ اثر آخرت میں موعود ہے تو پھر یہ سوال ہی متوجہ نہیں ہوتا۔ (النور ربیع الاول ۱۳۵۹ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۶۶)

توکل وتفویض میں فرق

سوال:۔ ایک طالب نے توکل وتفویض کا فرق دریافت کیا۔

جواب:۔ تحریر فرمایا کہ توکل بعض کے لئے مطلق تدبیر ظنی کو ترک کرنا ہے اور بعض کے لئے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کر دے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور تفویض یہ کہ اس کے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالےٰ پر اعتراض نہ کرے (اشرف السوانح)

جمعیت و تفویض

ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا اور انتظار نہ رکھیں کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت و تفویض ہے اور جمعیت و تفویض ہی وصول کی شرطِ عادی ہے اس کو خوب راسخ کرلیں کہ یہ رُوح سلوک ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ذکر و طاعت میں مشغول ہونے کے لئے دلچسپی اور سہولت کا منتظر نہ رہے بلکہ بہ تکلف عمل شروع کر دے پھر اسی سے رفتہ رفتہ سہولت بھی ہونے لگتی ہے اور دلچسپی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک بار فرمایا: کہ لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب دلچسپی پیدا ہو تب کام شروع کریں اور دلچسپی اس انتظار میں رہتی ہے کہ جب کام شروع ہو جائے تب میں پیدا ہوں (اشرف السوانح)

اپنی رائے اور تجویز کے فنا کرنے کے برکات

فرمایا کہ کوئی اپنی رائے اور تجویز کو فنا کر کے تو دیکھے پھر اللہ تعالےٰ وہ دولتیں عطا فرماتے ہیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ اسی میں اتباعِ شیخ بھی داخل ہے جس کی سخت ضرورت ہے۔ اپنی رائے سے کچھ نہ کرے اور علاوہ ادب طریق کے شیخ کے اتباع میں ہر قسم کی سہولت اور راحت اور بے فکری بھی تو ہے لہٰذا بہت جلد جلد اپنے حالات کی اطلاع اور شیخ کی تجویزات کی اتباع کا سلسلہ جاری رکھے اور شیخ جس امر کے متعلق جو تجویز کرے اس کو بے چون و چرا مان لے اور اسی کے مطابق کامل اعتماد کے ساتھ عمل میں مشغول رہے، خواہ کتنا ہی نفس دشوار ہو۔ (اشرف السوانح)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تفویض ترک اعتراض علی الحق ہے

حال: ایک بات احقر کو یہ پیش آئی ہے کہ احقر جو کام کر رہا ہے اس میں عرصہ سے نقصان ہو رہا ہے اب تک آئندہ فائدہ کی امید پر دل تنگی سے نقصان برداشت کرتا رہا مگر اب کچھ دنوں سے قلب میں ایک نئی حالت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نقصان سے جو ہوا ہے دل میں تنگی معلوم نہیں ہوتی (جو احقر کو پہلے معلوم ہوتی تھی) بلکہ دل میں یہ بات سما گئی ہے کہ ہم کو تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اپنی تجویز کو اللہ تعالیٰ کی تجویز میں فنا کر دینا چاہئے ہمارے لئے وہی بہتر کریں گے جو ہمارے لائق ہوگا۔ ہمیں جو نقصان ہوا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت ہی ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے جو ہمارے لئے بہتر ہی ہے، جب یہ بات دل میں سمائی ہے دل اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں کیا بلکہ ہر حالت میں راضی ہے تنگی وغیرہ سب دور ہو گئی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فاضل آمدنی کم کر کے استغنا عطا فرمایا۔ تحقیق: یہ تفویض ہے۔

حال: ایک عرض یہ ہے کہ بعض وقت مالی نقصان سے طبیعت پر رنج بھی ہو جاتا ہے یہ تفویض کے منافی تو نہیں ہے (گو احقر زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کہتا) اگر ہے تو کیا تدبیر کروں؟

تحقیق: اگر رنج طبعی ہو مگر حق تعالیٰ پر اعتراض نہ ہو تو وہ تفویض کے منافی نہیں۔

حال: ایک عرض یہ ہے کہ احقر تفویض کو یہ سمجھا ہے کہ بندہ اپنی تجویز کو اللہ تعالیٰ کی تجویز میں فنا کر دے اور اپنے سے کچھ تجویز نہ کرے۔

تحقیق: یہ معنی نہیں بلکہ ترک اعتراض علی الحق ہو۔

حال: اور توکل کو یہ سمجھا ہے کہ تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔

تحقیق: تدبیر کے محل میں یہ ٹھیک ہے اس میں ایک اور شرط ہے کہ وہ تدبیر مباح ہو اور اس میں انہماک نہ ہو۔

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۷۵۴)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

رضا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ (رواہ الترمذی واحمد)

آدمی کی سعادت سے ہے راضی رہنا اس پر جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہو۔

رضا کی حقیقت

تَرْكُ الْاِعْتِرَاضِ عَلَى الْقَضَاءِ (یعنی) قضائے الٰہی پر اعتراض نہ کرنا (رضا کی حقیقت ہے) نہ زبان سے نہ دل سے، بعض اوقات اس کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی ہے پس اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضائے طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضائے عقلی ہے۔ اول حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے۔

قضا پر راضی رہنے کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہو مگر چونکہ عقل نے اس کے بہتر انجام یعنی ملنے والے ثواب پر مطلع کر دیا ہے اس لئے طبیعت اس تکلیف کو بلا تکلف گوارا کرتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کے لئے تلخ دوا بتائے یا (آپریشن کرانے) یا فصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا (یا آپریشن کرانا) فصد کھلوانا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اس کے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ساتھ ہی عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے۔ لہذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتانے والے طبیب سے راضی بلکہ اس کا احسان مند و ممنون رہتا ہے۔ اسی طرح جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالٰی کی طرف سے اجر و رحمت ہوگا اور ہر مصیبت و صدمہ پر اس قدر ثواب عطا ہوگا جس کے مقابلے میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو وہ ضرور مسرور و شاداں ہوگا۔

جس وقت مولائے حقیقی سے جو عطا ہوتا ہے اس وقت کے لئے وہی مناسب ہوتا ہے اس کے خلاف کی تمنا نہ چاہئے جب اللہ تعالٰی بظاہر ہمارے نقصانات ہی کو بہتر سمجھ رہے ہیں تو ہم کو اس میں صدمہ کی کون سی بات ہے، جس کو اللہ تعالٰی نے جیسا بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا۔ گو ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھے اور سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ میرے لئے مناسب وہی حالت ہے جس میں خدا تعالٰی نے مجھ کو رکھا ہے۔ البتہ دعا کرنا خلاف رضا نہیں۔ اہل اللہ محض حکم کی وجہ سے اظہار عبدیت کے لئے دعا کرتے ہیں اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو ہم نے مانگا ہے وہی مل جائے۔ بلکہ ہر حال میں اللہ تعالٰی کی رضا پر راضی رہتے ہیں خواہ قبول ہو یا نہ ہو (قبول نہ ہونے سے شاکی اور تنگدل نہیں ہوتے، یہی رضا کی علامت ہے۔ دعا کی حقیقت دعا کے بیان میں ملاحظہ ہو اور اگر اس جگہ صبر کا بھی بیان دیکھ لیا جائے تو مفید ہوگا۔ (کمالات اشرفیہ)

حق تعالٰی کو بندے کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق ہو جانا جس کا خاصہ ایک خاص انجذاب ہے، جس کے لوازم میں سے سہولت طاعت اور حضور دائم ہے۔ اور یہ محض موہوب ہے کیونکہ کسی عمل صالح میں یہ قابلیت نہیں کہ وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کافی ہوسکے گو عادت اللہ یہ ہے کہ محض اپنے فضل سے اپنی رضا کو اعمال صالحہ پر مرتب فرما دیتے ہیں جیسا حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جائے گا۔ بلکہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے جائے گا، اور یہ نسبت مع اللہ عادۃً پھر کبھی زائل نہیں ہوتی جیسے بالغ ہونے کے بعد صفت بلوغ کبھی زائل نہیں ہوتی (انفاس عیسیٰ)

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ یہاں رضا کو اکبر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہی (رضا) بڑی چیز ہے۔ اس اکبر کی تحصیل کا ذریعہ بھی اکبر ہونا چاہیئے فرماتے ہیں وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (اور اللہ کا ذکر اکبر ہے) معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے اور تمام احکام پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔

(اشرف المسائل ص ۱۸)

جب بندہ اعمال صالحہ اختیار کرتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی توجہ اس پر منعطف ہوتی ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں :-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ الآیہ	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش رہیں گے
(شریعت و طریقت)	

رضا بالقضاء

حال : نماز کے بعد دعا مانگتے وقت فوراً ہی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ایسا مقدر نہیں کیا ہے اور میں مانگ رہا ہوں تو رضا بالقضاء کہاں رہا۔ ایسے مانگنے میں گستاخی نہ سمجھی جائے بہرحال میری تسکین فرما دیجئے۔

تحقیق :- اس میں تنافی کیا ہوئی عین مانگنے کے وقت یہ عزم رکھا جاوے کہ اگر مطلوب نہ ملا تو نہ ملنے پر بھی راضی رہوں گا دعا اور رضا دونوں جمع ہوگئیں۔

(تربیت السالک جلد دوم ص ۳۰۲)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ زہد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ — تاکہ فوت شدہ چیز پر افسوس نہ کرو اور جو
وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ — تم کو دیا ہے اس پر خوشی سے اترا نہ جاؤ

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اول صلاح ھذہ الامۃ الیقین والزھد
واول فسادھا البخل والامل (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے آخرت کی رغبت کرنا زہد ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زہد فی الدنیا یہ نہیں ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کر لیا جاوے اور نہ یہ ہے کہ مال کو اڑا دیا جائے لیکن زہد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز ہے اس پر اپنا اعتماد اور وثوق بہ نسبت اس چیز کے زیادہ ہو جو کہ تمہارے قبضہ میں ہے اور نیز زہد یہ ہے کہ جب تم پر کوئی مصیبت آوے تو تم کو اس کے ثواب کی زیادہ رغبت ہو بہ نسبت اس کے کہ مصیبت باقی نہ رہے۔ (ترمذی شریف)

اس حدیث میں زہد کی حقیقت کی شرح ہے جو کہ اخلاق میں سے ہونے کے سبب علامات میں سے بھی ہے اور اس میں بڑی غلطی رفع کر دی ہے۔ اکثر عوام اپنے اعتقاد میں زاہد اسی کو سمجھتے ہیں جو تمام لذاتِ مباحہ سے اس طرح مجتنب ہو جیسے ان کو حرام سمجھتا ہو اور اس کے پاس جو کچھ آتا ہو سب کو فوراً خرچ کر ڈالے۔ گو غیر مصرف ہی میں سہی۔ اور جو بلا و مصیبت کے زوال کی تدبیر نہ کرتا ہو بس ان کے نزدیک بزرگی کی شرط یہی ہے۔ اس

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حدیث میں بتلا دیا گیا ہے کہ یہ امور شرط نہیں بلکہ اپنے مقبوض سے زیادہ حق تعالیٰ پر اعتماد ہونا اور مصیبت گو خود مرغوب فیہ نہ ہو مگر ثواب مرغوب فیہ ہونا یہ ضروری ہے پس مصیبت پر خوش اس لئے ہے کہ وہ ثواب کا سبب ہے اور آیت سے استدلال ظاہر ہے۔ (التکشف ص ۳۳۶)

زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر اور آخرت ہی بہتر اور پائیدار ہے جس وقت یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلے میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کسی بیش قیمت جواہر کے مقابلے میں پھٹے پرانے چیتھڑے کی ہوا کرتی ہے۔ اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت و کفایت دنیا پر قناعت حاصل ہو جائے۔ پس زاہد اتنی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ (تبلیغ دین ص ۹۷)

حاصل کلام یہ ہے کہ زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیل لذاتِ زہد کے لئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو نفیس نفیس کھانوں اور کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ زہد کے منافی ہے ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کچھ لذات میسر ہو جائیں تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے، شکر کرنا چاہیئے نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اس سے کام بھی لے۔

ع مزد و رخوش دل کند کار بیش

(کمالات اشرفیہ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ توبہ

خطا (گناہ) کو یاد کر کے دل کا دکھ جانا اور اس کے لئے لازم ہے اس گناہ کا ترک کر دینا اور آئندہ کو پختہ ارادہ رکھنا کہ اب نہ کریں گے اور ناجائز خواہش کے وقت نفس کو روکنا توبہ کہلاتا ہے۔

ضرورتِ توبہ

توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہو گیا ہوگا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ:

"اے ایمان والو! تم سب توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ"

چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو اُخروی زندگی کے لئے سمّ قاتل اور مہلک سمجھے اور ان کے چھوڑنے کا عزم کر لے اور اتنا مضمون ایمان کا جزو ہے اس لئے ہر مؤمن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے۔ (تبلیغ دین ص ۸۵)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ (الآیۃ)

یعنی جو شخص (موافق قاعدۂ شریعت کے) اپنی اس زیادتی (یعنی گناہ) کرنے کے بعد توبہ کرلے اور (آئندہ کے لئے) اعمال کی درستی رکھے (یعنی تمام برائیوں کو چھوڑ دے، شریعت کے مطابق کام کرے اور اپنی توبہ پر قائم رہے) تو بیشک اللہ تعالیٰ اس (کے حال) پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائیں گے (توبہ سے پچھلے گناہ معاف فرمائیں گے اور مسامحت علی التوبہ سے مزید عنایت فرمائیں گے۔) (بیان القرآن ص [illegible])

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے اگر زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ لے کر میرے پاس آئیں اور مجھ سے مغفرت چاہیں تو میں سب کو بخش دوں گا اور گناہوں کی کثرت کی پرواہ نہ کروں گا۔

پس عمر گذشتہ کے ضائع ہونے کا بھی علاج موجود ہے لا علاج کوئی مرض نہیں وہ علاج یہ ہے کہ توبہ کرو اور توبہ کے بعد اگر ادائے حقوق کا موقع نہ ملے تو توبہ سے اس کے حقوق العباد بھی معاف ہو جاویں گے یعنی اللہ تعالیٰ مظلوم کو خوش کر کے ظالم کی مغفرت فرمائیں گے حدیث شریف میں ہے:۔ انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲ - ۱۹۳)

"گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا وہ شخص جس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو"

(الجمعین ص ۳۲)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"بیشک میں ہر روز ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں"

عصمت انبیاء (یعنی انبیاء کا گناہوں سے پاک ہونا) ایک مسلّم مسئلہ ہے، پھر بھی آپ استغفار فرما رہے ہیں۔ یہ انبیاء اور اکابرین مقبولین کی حالت ہے تو ہم کس شمار میں ہیں۔

(دعوات عبدیت ص ۳۲ ج ۱)

اس کی پرواہ نہ کریں کہ توبہ ٹوٹ جائے گی۔ جب توبہ ٹوٹ جائے تو فوراً دوبارہ پھر توبہ کر لیں مگر شرط یہ ہے کہ توبہ دل سے ہو یعنی توبہ کے وقت یہ عزم پختہ ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے اس طرح توبہ کرکے اگر سو مرتبہ بھی توبہ ٹوٹے کچھ پرواہ نہیں۔ ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں اور اہل طاعت میں سے شمار ہوں گے۔

(وعظ الجمعین ص ۳۳)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

طریقۂ توبہ

۱۔ گذشتہ گناہوں سے ندامت، معذرت ظاہر کریں اور جو حقوق العباد واجب الادا ہیں فی الحال ان کے ادا کرنے کا عزم و اہتمام کریں یا اہل حقوق سے معاف کرائیں جو نماز روزہ اور فرائض چھوٹ گئے ہوں ان کی قضا کا اہتمام کریں۔

۲۔ اگر گناہ صادر ہو جائے تو فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں پھر توبہ کریں زبان سے بھی توبہ کریں اور رونے کی شکل بنا کر اللہ تعالٰے سے خوب معافی مانگیں اس طرح توبہ کرنے میں بظاہر متعدد مصلحتیں ہیں:۔

۱۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ
(نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں)

۲۔ نماز میں توبہ کرنے سے دل حاضر ہوگا اور قبول توبہ کے لئے حضور قلب ضروری ہے۔

۳۔ چونکہ نفس کو نماز شاق ہے اس لئے نفس گناہوں سے گھبرائے گا کہ کہاں کی علت سر لگی بلکہ شیطان بھی گناہ کرانا چھوڑ دے گا۔ کیونکہ وہ دیکھے گا کہ میں اس سے مثلاً اگر دس گناہ کراؤں گا تو یہ بیس رکعت پڑھے گا۔ گناہ تو توبہ سے معاف ہو جائیں گے اور یہ بیس رکعتیں اس کے پاس نفع میں رہیں گی۔

۴۔ توبہ کے لئے تو گناہوں کو یاد کرے اس کے بعد جی بھر کے توبہ کرلے لیکن ان کو سوچ سوچ کر یاد نہ کرے کیونکہ اس سے بندے اور اللہ تعالٰے کے نزدیک حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے جو محبت اور ترقی سے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مانع ہے جس کا اثر یہ ہوگا کہ وہاں سے بھی عطا میں کمی ہوگی کیونکہ جزا اور ثمرات کا ترتب ہونا عمل پر ہوتا ہے۔ توبہ نصوح کے بعد اگر خود پرانا گناہ یاد آجائے تو پھر تجدید توبہ کر کے کام میں لگے اس سے زیادہ کاوش کرنا غلو ہے (انفاس عیسیٰ)

۵۔ استغفار اور توبہ کے وقت معاصی کے تذکر و استحضار میں ایک قسم کا توسط ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں کہ سب گناہوں کی پوری فہرست پڑھنے بیٹھ جائے صرف اجمالی طور پر سب گناہوں سے توبہ کرلے۔ ہر گناہ کا نام لینا ضروری نہیں حدیث شریف میں ہے وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ (اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جس کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور فرمایا واتوب الیہ من الذنب الذی اعلم ومن الذنب الذی لا اعلم (اور اس کی طرف اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جس کو میں جانتا ہوں اور اس گناہ سے بھی جس کو میں نہیں جانتا) اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے، اس میں سب گناہ آگئے اگرچہ یاد نہ آئیں۔ کیونکہ اس سوچ میں وقت ضائع کرنا مطالعہ محبوب سے غافل ہونا ہے۔ البتہ جو خود یاد آجائے اس سے بالخصوص توبہ کرلیں۔ خواہ مخواہ کرید کرید کر تلاش کرنا یہ خود ایک مشغلہ مانع حضوری ہے۔ پس سب گناہوں سے اجمالاً مغفرت مانگ لیں اور توبہ کر کے اپنے کام میں لگیں کیونکہ مقصود بالذات اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ گناہوں کی یاد سے توبہ مقصود ہے، جب وہ حاصل ہے تو اب قصداً گناہوں کو یاد کر کے اس کی یاد کو مقصود بالذات نہ بنائیں اور خود بخود یاد آجائے تو پھر توبہ و استغفار کر لیں جیسے حدیث شریف میں ہے کہ مصیبت خود بخود یاد آجائے۔ تو انا للہ پڑھ لیں کہ اس وقت انا للہ پڑھنے کا وہی ثواب ملے گا جو عین مصیبت کے وقت پڑھنے کا ثواب تھا۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: "مصیبت کو مقصود بالذات نہ بنائیں کیونکہ اس سے یہ خیال ہوتا ہے

کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں اور یہ خیال خطرناک ہے۔

۵. قرآن مجید و حدیث شریف میں گناہوں پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کرنا اور سوچنا اس سے گناہ پر دل میں سوزش پیدا ہوگی یہی توبہ ہے۔

(سیرۃ الصوفی۔ مقالاتِ حکمت۔ الصبر بالصبر۔ تعلیم الدین)

توبہ کی حد

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں ان خاص لوگوں کے لئے فرمایا جو خالص توبہ کر کے ذکر و شغل میں مشغول ہوں کہ بار بار گناہ کا یاد کرنا ان لوگوں کی حالت کے مناسب نہیں کیونکہ توبہ تو ہو چکی ہے۔ جس کی قبول کی امید غالب ہے اب پھر بار بار گناہ کے یاد کرنے سے ذکر میں ایک قسم کا حجاب حائل ہو جاتا ہے اور ذکر میں نشاط نہیں رہتا ہر چند کہ گناہ کا یاد کرنا فی نفسہٖ امر محمود ہے مگر اس کی بھی ایک حد ہے، حد سے آگے کیسا ہی امر محمود ہو محمود نہیں رہتا دیکھئے طبیب اگر کسی بیمار کے نسخہ میں ۶ ماشہ سنا لکھے اور مریض یہ خیال کر کے کہ یہ چیز مفید ہے جب ہی تو طبیب نے لکھی ہے تو جتنی مقدار بڑھائی جائے گی فائدہ ہوگا۔ تولہ بھر یا اس سے زیادہ ڈالی جائے تو ظاہر بات ہے کہ سنا فائدے کی چیز تھی اور طبیب نے مفید سمجھ کر لکھی تھی مگر ایک خاص مقدار ہی تک مفید ہے اور اس سے زائد مریض کے لئے سخت مضر ہوگی یہی حال احوال باطنی کا ہے نصوص میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے چنانچہ اس بنا پر حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ارشاد ہے کہ قبول توبہ کی علامت گناہ کا بھول جانا ہے یعنی اس کا اس خیال پر غالب نہ رہنا۔ مگر یہ بات بعد توبہ کے ہو، اگر قبل ہے تو وہ غفلت ہے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ جن دوستوں میں کبھی مخالفت رہ چکی ہو اگر دوستی میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے دل پر میل آ جاتا ہے اور عورتوں میں یہ عادت زیادہ ہے کہ اتفاق و محبت کی حالت

میں دشمنی کے زمانے کے تذکروں کو لے بیٹھتی ہیں جس سے محبت مکدر ہو جاتی ہے اور وہ نصوص جن میں غور و فکر کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے، یہ ہیں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اس میں ایک تو یہ بحث ہے کہ ذنب کا اطلاق کیا گیا صاحب نبوت کے حق میں جو کہ معصوم ہے یہ بحث جداگانہ ہے اس کو مسئلہ مذکور سے کوئی تعلق نہیں یہاں پر مقصود اس کے ذکر سے یہ ہے کہ پہلے گناہوں کی معافی تو سمجھ میں آسکتی ہے لیکن اگلے گناہوں کی معافی جو ابھی تک ہوئے ہی نہیں کیا معنی تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ خشیت کا غلبہ تھا اگر آپ کو آئندہ گناہوں کی معافی دے کر تسلی نہ دی جاتی تو اندیشہ تھا کہ غلبۂ شوق سے اسی فکر میں آپ پریشان رہتے کہ کہیں آئندہ کوئی امر خلاف مرضی نہ ہو جائے اس لئے آپ کو آئندہ کے لئے بھی مطمئن کر دیا گیا۔ اس سے زیادہ خوف ان کے حق میں مضر ہے اس لئے ان کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا وارد ہے:۔ وَمِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ یعنی اے اللہ اس قدر خشیت چاہتا ہوں کہ مجھ میں اور تیری نافرمانی میں آڑ ہو جائے معلوم ہوا کہ خشیت مقصودہ کی بھی ایک حد ہے اس سے زیادہ یا تو مضر بدن ہے کہ آدمی مر جائے یا مضر روح ہے کہ مایوس ہو جائے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق کی بھی ایک حد بیان فرمائی ہے اسئلك شوقا الی لقاءك فی غیر ضراء مضرة ولا فتنة مضلة چونکہ شوق اور عشق کا غلبہ کبھی ہلاکت اور مضرت کی نوبت تک پہنچاتا ہے جس سے اعمال میں خلل پڑ جاتا ہے در اصل مقصود اور ذریعہ قرب اعمال اور امتثال اوامر ہی ہے اور کبھی غلبہ شوق میں آدمی

ادب کی حد سے گذر جاتا ہے، اور جس طرح غلبہ حال میں عشاق بے ادب گستاخانہ کہتے ہیں یہ بھی ویسا ہی کلام کرنے لگتا ہے۔ اور بے ادبی موجب ضرر دین ہے کلام ہے گو غلبہ کی حالت میں عفو ہو مگر کمال نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع ہیں ادب واطاعت ومحبت کے اس لئے دعا میں فرماتے ہیں کہ اسئلك شوقًا الی لقائك فی غیر ضراء مضرة اس سے تو ضرر اول کی نفی ہوگئی جو سبب انقطاع اعمال ہو جاوے اور اس کے بعد فرمایا ولا فتنة مضلة اس سے ضرر ثانی کی نفی ہوگئی جو بے ادبی کی طرف مفضی ہو جاوے اب سب آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ ہر چیز محمود اپنی خاص حد تک ہے حد سے بڑھ جائے تو محمود نہیں رہتی پس شیخ اکبر کی تحقیق کا ماخذ در حقیقت غور اور تعمق سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث ہی ہے البتہ سخن شناسی اور فہم صحیح کی ضرورت ہے ؎

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست

سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

(ایضًا ملفوظ ص ۲۳۔ مقالات حکمت)

ارشاد:۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ماضی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بس ایکبار اچھی طرح توبہ کرکے پھر گناہوں کے غم میں نہ رہے بلکہ کام میں لگے ورنہ گناہوں کا تصور اور غم بھی اس کے اور محبوب حقیقی کے درمیان طبعی طور پر حجاب ہو جائے گا۔ جیسا کہ شاہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ع "ماضی ومستقبلت پردۂ خداست"

بندہ اپنے محبوب حقیقی کے مشاہدۂ دائمی کے لئے پیدا ہوا ہے نہ کہ گناہوں کے مراقبہ کے لئے۔ گناہوں کے استحضار کی کیا ضرورت رہی کیونکہ گناہوں کا استحضار مقصود بالذات تھوڑا ہی ہے۔ بلکہ مقصود بالغیر ہے۔ توبہ کے بعد بھی گناہوں کا قصداً استحضار رکھنا ان کو مقصود بالذات بنانا ہے۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بجائے اس کے کہ اس کے غم کو لیکر بیٹھ جائے اور اس کمی کا افسوس ہی کرتا رہے، بس ایک بار خوب اچھی توبہ و استغفار کرکے بات کو ختم کردے اور اپنے کام میں لگے کام میں لگ جانے ہی سے خود کمی کا بھی تدارک ہو جائے گا۔ کثرتِ استغفار میں جس کی بہت فضیلت وارد ہے محض یہ اجمالی استحضار کافی ہے کہ گنہگار رہوں، اپنے سب گناہوں سے استغفار کرتا ہوں، باقی اللہ تعالیٰ کو ان گناہوں کا علم ہے ہی ان کے تفصیلی استحضار کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا طبعی اثر حجاب ہے کیونکہ گناہوں کا ہمیشہ تفصیلی استحضار رکھنے سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے، کہ جب ایسے ایسے اور اتنے سارے گناہ ہیں تو کیا بخشش ہوگی اللہ میاں کیسے راضی ہوں گے اور جب کسی کی ناراضی کا بار بار تصور کیا جاتا ہے تو اس کا طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ خود بھی طبیعت میں اس کی طرف سے انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔

جب بندہ توبہ (خالص کرتا ہے (جو مقبول ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ملائکہ حافظین اعمال کو بھی بھلا دیتا ہے اور اس کے جوارح کو اور زمین کے نشانات کو بھی بھلا دیتا ہے (یعنی جس جگہ وہ معصیت کی تھی جو قیامت میں گواہی دیتی) یہاں تک کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی گواہی دینے والا نہیں ہوتا۔ (اشرف السوانح (حصہ دوم) ص ۲۰۱ - ۲۰۰)

توبہ کے بعد ادائے حقوق کا موقع نہ ملے تو اس کے لئے توبہ ہی سے حقوق العباد معاف ہو جائیں گے

ارشاد: جو شخص توبہ کرکے مر جاوے اور اس کو توبہ کے بعد ادائے حقوق کا موقع نہ ملے تو توبہ سے اس کے لئے حقوق العباد بھی ان شاء اللہ تعالیٰ معاف ہو جاویں گے جس قدر ہو سکے اس کے ادا کرنے کا عزم رکھے اگر کچھ باقی رہ گئے اور وہ مر گیا تو اللہ تعالیٰ سے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

امید ہے کہ اللہ تعالٰی مظلوم کو خوش کر کے ظالم کی مغفرت فرما دیں گے۔ توبہ نہ کرنے کی حالت میں حق تعالٰی کو اختیار ہے خواہ اس کو سزا دیں یا بدون سزا ہی بخش دیں اور مظلوم کو جنت کی نعمتوں سے خوش کر دیں۔ (انفاس عیسیٰ)

اعتقاد عدم قبولیت توبہ کا مذموم ہونا

حال: اب تکلیف اس قدر بڑھ گئی ہے کہ صبر نہیں ہو سکتا ہر وقت استغفار پڑھتا ہوں، توبہ کرتا ہوں روتا ہوں مگر نہ رونا قبول ہو رہا ہے اور نہ توبہ قبول ہو رہی ہے۔

تحقیق: ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے کیا قبول ہونا یہی ہے کہ تکلیف رفع ہو جاتی اگر اس سے اچھی چیز مل جاوے مثلاً اجر و ثواب تو کیا اس کو قبول نہ کہیں گے جیسے کوئی کسی سے پیسہ مانگے اور وہ روپیہ دیدے تو کیا یوں کہہ سکتے ہیں کہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔ (تربیت السالک ص ۱۸۱)

بالاسحارھم یستغفرون

فرمایا کہ چونکہ لذت طاعات بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالغیر ہے عارف کو بعض دفعہ شبہ ہو جاتا ہے کہ کہیں میں تہجد و ذکر اس لذت ہی کے واسطے نہ کر رہا ہوں اس لئے وہ اس لذت پر التفات کرنے سے بھی استغفار کرتے ہیں اب سمجھ میں آ گیا ہو گا۔

وبالاسحارھم یستغفرون کا ربط کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون سے۔

ظاہر میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رات کو تہجد پڑھنے سے استغفار بالاسحار کو کیا تعلق ہے بعض مفسرین نے تو یہ کہا کہ وہ معاصی سے استغفار کرتے ہیں اور اسحار کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ وقت اجابت دعا کا ہے اور تہجد سے استغفار کا تعلق یہ ہے کہ وہ جلب منفعت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہے اور یہ دفع مضرت ہے اور بعض نے کہا کہ وہ تہجد پڑھ کر خود اس طاعت ہی سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ طاعات بھی کما حقہٗ ادا نہ ہو سکنے سے معاصی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ زیادہ سہل اور ظاہر یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں اور اخیر شب میں لذت طاعات یا اس لذت کے آثار سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ ؎

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

اور وصل کی لذت جیسی ہوتی ہے معلوم ہے۔ اس لذت میں کبھی انہماک ہو کر اس کی مقصودیت کا شبہ ہو جانا بعید نہیں اور اس دولت وصل سے مشرف ہو کر عجب کا پیدا ہو جانا بھی جو آثار لذتِ طاعات میں سے ہے ایسی لذت ہونے لگتی ہے کہ اس کے مقابلے میں سلطنت بھی ہیچ ہو جاتی ہے۔ (اشرف السوانح)

رضائے الٰہی معلوم کرنے کی صورت

حال۔ رضائے الٰہی معلوم کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

تحقیق۔ ان کا وعدہ اور شرائط وعدہ کا تحقق اور اس پر بھی جو خشیت مومن کیلئے لازم ہے اس کی دو وجہ ہیں ایک تو مآل میں یہ احتمال کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی فی الحال ہو گئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہو سکتا تھا اور التفات میں بھی کوتاہی ہوئی ہو کہ یہ بھی اختیاری ہے۔ (بوادر النوادر)

اصل طریق تصوّف

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث میں جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے ہیں یہ بھی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ بتلائیے کہ احسان کیا چیز ہے (اس کے لغوی معنی ہیں حسن کردن یعنی عبادت کا اچھی طرح بجا لانا۔ یعنی اس طرح عبادت کرنا کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو، یعنی اس طرح کہ وہ ریا و غفلت سے منزہ ہو۔ حاصل اس کا حضور اور اخلاص ہے) آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

طرح عبادت کرنا کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر اللہ تعالیٰ نظر آتے تو جس طرح کی عبادت اُس وقت کرتے ایسی کرو اور لامحالہ ایسے وقت میں عبادت اخلاص و حضور کے ساتھ ضرور ہوگی۔ پس اسی طرح کی عبادت کرنا چاہئے اور گو تم اس کو دیکھتے نہیں ہو مگر اس طرح کی عبادت کا داعی پھر بھی موجود ہے) اس لئے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھتا ہے۔ اور یہ بھی داعی کافی ہے (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ)

ف۔ یہ سوال بعد دریافت حقیقت ایمان و اسلام کے تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ عقاید و اعمال ظاہرہ سے زاید کوئی اور امر بھی قابل تحصیل ہے جس کو احسان کہا گیا ہے اور حقیقت اس کی بیان کی گئی۔ یہی خلاصہ ہے اس طریق کا۔ پس حدیث مثبت ہے اس طریق کی صحت کی۔ (التکشف)

عبدیت کا مقصود

حال: گذارش یہ ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ عبد کو بحیثیت عبد ہونے کے اس کو کوئی مجاز نہیں کہ اپنی خدمات مفوضہ کے صلہ میں کسی خاص بات کا منتظر رہے یا ان کو اس نیت سے بجالاوے بلکہ اس کو محض اپنے معبود کا حکم اور اپنے کو عبد سمجھ کر جان و دل سے منقاد رہنا چاہئے حتیٰ کہ رضا اور عدم رضا کا بھی طالب نہ ہونا چاہئے یہ دوسری بات ہے کہ محبوب حقیقی محض اپنے فضل سے اس کے صلہ میں مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَىٰ قَلْبِ بَشَرٍ عنایت فرمادیں اور دعا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی منجملہ عبادات کے ایک بہت بڑی عبادت ہے، اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ اس کو بھی محض یہ سمجھ کر نا چاہئے کہ ہمیں اس کا امر ہے قبولیت اور عدم قبولیت پر بالکل نظر نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کا کام ہے اور ہمیں اپنا کام کرنا چاہئے ؎ لئے جاؤں گا عمر بھر نام تیرا
ہے سننا نہ سننا تمہارا کام تیرا

حضرت والا یہ بات صحیح ہے یا نہیں حضرت والا دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت و معرفت کامل نصیب فرمادیں اور اپنا مطیع و فرمانبردار بندہ بنالیں اور اپنی معیت و قرب تام و

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حضور تام ہر رگ اور ریشہ میں اپنے بسا دیں اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا

تحقیق: مقدمہ میں قدرے فروگذاشت ہوئی ہے قولہ اپنی خدمات مفوضہ کے صلہ پر
اس میں تنی قید اور ہے کہ اپنی رائے اور خواہش سے ورنہ عبد کو بحیثیت عبد ہونے کے یہ
بھی مجاز نہیں کہ ان خدمات پر جس صلہ کے انتظار اور طلب کا اس کو حکم کیا گیا ہے اس کا انتظار نہ
کرے اور ثواب (وَمِنْهُ الْمَرْضَا) مامور بالسؤال ہے نَطَقَتْ بِهِ نُصُوْصٌ صَرِيْحَةٌ
كَثِيْرَةٌ تو اس کا طلب نہ کرنا خلاف عبدیت ہے، وَمِنْ ثَمَّ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ
يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ اور دعا کے باب میں جو لکھا ہے کہ قبول و عدم قبول پر نظر نہ
کرے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ عدم قبول کی حالت میں بھی ترک نہ کرے تو ٹھیک ہے اور اگر
یہ مراد ہے کہ قبول کی طلب نہ کرے تو صحیح نہیں کیونکہ قبول کا مطلوب ہونا خود منصوص ہے
كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنْ شِئْتَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمِ الْمَسْئَلَةَ
وَالْقَوْلُ عَامٌّ لِمَا بِاللِّسَانِ وَلِمَا بِالْجَنَانِ وَلِلّٰهِ دَرُّ الْعَارِفِ الرُّوْمِيِّ مِنْ قَوْلِهٖ ؎

چوں طمع خواہد ز من سلطان دین — خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اور راز اس میں یہ ہے کہ طاعات میں طلب ثواب اور دعا میں طلب اجابت بہ افتقار ہے کہ ہم کو کوئی
درجہ استغناء کا حاصل نہیں حتی کہ جن چیزوں کا آپ نے ہم کو محتاج بنا دیا ہے ہم ان کے محتاج
ہو کر ان کو بھی طلب کرتے ہیں اور یہ محض عبدیت ہے، وَمِنْ ثَمَّ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَمْدِ
بَعْدَ الطَّعَامِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ عَنْهُ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى
بَعْدَ ذِكْرِ نَعِيْمِ الْجَنَّةِ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ وَمَا نُقِلَ عَنْ بَعْضِهِمْ
مِمَّا يُوْهِمُ الْاِسْتِغْنَاءَ فَنَاشٍ عَنِ الْحَالِ النَّاقِصِ وَلَيْسَ بِحُجَّةٍ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ مَعْذُوْرًا
وَشَتَّانَ بَيْنَ مَنْ هُوَ مُلَامٌ وَبَيْنَ مَنْ هُوَ غَيْرُ مُلَامٍ ہاں اس معنی کر استظہار اجر خلاف
عبدیت ہے کہ ان بات کا وعدہ نہ ہوتا اور اعمال کا امر ہوتا اور طاعات کو کوئی ترک کر دیتا (النور ص ۲۹۹)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

رذائل فطری چیزیں ہیں

فرمایا کہ نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے کہ رذائل سے خالی نہ ہو چنانچہ کم و بیش رذائل سب میں موجود ہیں اِلّا ما شاء اللہ۔ لیکن جب تک وہ رذائل قوت سے عمل میں نہ لائے جائیں اور ان کا ظہور بذریعہ صدور اعمال نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں۔ جیسے دیا سلائی میں سب مادّے جل اٹھنے اور بھڑک اٹھنے کے موجود ہیں لیکن اگر اس کو رگڑا نہ جائے تو چاہے جیب میں لئے پھریئے کوئی اندیشہ نہیں ہاں اس کی ہر وقت سخت احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ رگڑ نہ لگنے پائے۔ (انفاس عیسیٰ)

اخلاق ذمیمہ کا امالہ

فرمایا کہ ریاضت سے اخلاق ذمیمہ کے اصول کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصولوں کے آثار کا امالہ ہو جاتا ہے۔ یعنی ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے مثلاً کسی شخص میں منجملہ اخلاق رذیلہ کے بخل اور غضب موجود ہو تو ریاضت سے اس کی جڑ نہیں جاتی کہ غضب و بخل ہی نہ رہے بلکہ تہذیب اس طرح ہو جاتی ہے کہ پہلے مواقع خیر میں بخل کرتا تھا اور بندگان نیک پر غصہ کرتا تھا اب نامشروع جگہ بخل کرے گا۔ اور مغضوضان الٰہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا تو اسباب بعد اس طرح اسباب قرب بن گئے۔ ھکذا اقال مرشدی، اور اس سے اس اختلاف کا فیصلہ ہو گیا کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ تبدیل اصول تو نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے اذا سمعتم برجل زال عن جبلتہ فلا تصدقوہ اور تبدیل آثار و مصارف ہو سکتی ہے اس لئے حکم ہے مجاہدہ و ریاضت کا۔ (التکشف ص ۵۹۔ اشرف المسائل)

اخلاق ذمیمہ کا علاج

اخلاق ذمیمہ کے دو علاج ہیں۔ ایک جزئی یعنی خاص وہ یہ ہے کہ ہر ہر خلق کا جدا جدا علاج کیا جائے۔ جیسا احیاء العلوم وغیرہ میں لکھا ہے اس کو طریق سلوک کہتے ہیں۔ دوسرا کلی یعنی عام، وہ یہ کہ ذکر و شغل سے یا جس طرح شیخ کامل تجویز کرے، حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا کی جاوے جب اس کا غلبہ ہوگا اپنی ہستی و خودی مضمحل ہونا شروع ہوگی اور سب اخلاق ذمیمہ کہ اس خودی و دعوائے ہستی سے پیدا ہوتے ہیں زائل ہو جاویں گے۔ اس کو طریق جذب کہتے ہیں اور طریق اول گو بے خطر ہے مگر طویل ہے اور طریق ثانی گو خطرناک ہے مگر قریب ہے اور ہر شیخ کا مذاق مختلف ہوتا ہے۔ (تکشف ص ۷۰۵۔ اشرف المسائل)

کسی گناہ کو صغیرہ سمجھ کر کرنا جہل ہے

امراض کے درجات ہیں۔ امراض جسمانی میں بھی جیسے بخار ایک مرض ہے اس کے درجات مختلف ہیں کوئی شدید ہے کوئی اشد ہے جیسے دق کا بخار اور کوئی معمولی ہے اس طرح امراض نفسانی میں بھی درجات ہوتے ہیں۔ غفلت کے بھی مختلف درجات ہیں ایک غفلت شدید اور قوی ہے اور ایک اشد و اقوای ہے جو درجۂ شدید و قوی ہے وہ اقوای و اشد کے مقابلہ میں تو گو ضعیف ہے مگر فی نفسہٖ ضعیف نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے گرم پانی دو طرح کا ہو، ایک تو وہ جو بدن پر ڈالنے کے قابل نہیں بہت تیز ہے مگر آبلہ بھی نہیں ڈالتا۔ اور دوسرا وہ ہے جو پڑتے ہی بدن پر آبلہ ڈال دیتا ہے۔ تو جو تیز پانی بدن پر آبلہ نہ ڈالے وہ آبلہ ڈالنے والے کے مقابلے میں گو ضعیف ہے مگر اس قدر ہلکا بھی نہیں کہ بے تکلف منہ پر ڈال لیا جائے اب اگر کوئی اس کو دوسرے درجہ

کے مقابلے میں ہلکا سمجھ کر کسی کے ہاتھ منہ پر ڈال دے تو وہ دوسرا شخص چلّائے گا اور جھلائے گا اور یہ بھی کہے گا کہ تم اندھے ہو تم کو نظر نہیں آتا کہ پانی کتنا تیز ہے اس کے جواب میں اگر وہ یہ کہے کہ حضور میں تو دوسرے پانی سے ہلکا لایا تھا تو آپ کیا کہیں گے یہی کہ اس کے اعتبار سے یہ ہلکا ہی مگر فی نفسہٖ تو ہلکا نہیں بلکہ پھر بھی شدید اور قوی ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

آسمان نسبت بہ عرش آمد فرود
لیک بس عالی ست پیش خاک تود

یعنی آسمان عرش ہی کے مقابلے میں چھوٹا اور پست ہے ورنہ واقع میں زمین سے تو بہت بڑا اور بلند ہے۔ یہیں سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ گناہوں کی جو دو قسمیں ہیں صغیرہ و کبیرہ یہ فرق اضافی ہے کہ کبیرہ کے مقابلے میں بعض صغیرہ ہیں۔ ورنہ حقیقت میں صغیرہ کوئی نہیں کیونکہ گناہ کی حقیقت ہے خدا کی نافرمانی، پھر یہ فعل چھوٹا اور ہلکا کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیسا افسوس ہے: جب بعض لوگ کسی امر کی بابت استفسار کرتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ گناہ ہے تو اس کے بعد وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ صغیرہ ہے یا کبیرہ۔ گویا اگر صغیرہ ہونا معلوم ہو گیا تو اس سے نہ بچیں گے، حالانکہ وہ محض کبیرہ کے مقابلے میں صغیرہ ہے باقی قصرِ دین کے سوختہ کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ صاحبو اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ تیرے چھپّر میں چنگاری لگ گئی ہے تو کیا وہاں بھی یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ چھوٹی چنگاری ہے یا بڑی۔ ہرگز نہیں بلکہ فوراً پریشان ہو جاتے ہیں اور اس کے بجھانے کی فکر کرتے ہیں معلوم ہوا کہ ہم لوگ گناہ کو مضر نہیں سمجھتے اور چنگاری کو مضر سمجھتے ہیں۔ اگر ہم گناہ کو مضر سمجھتے تو اس کے ادنیٰ درجہ سے نفرت کرتے اور اس کے ارتکاب سے پریشان ہو جایا کرتے کیونکہ مضر کا کوئی درجہ بھی انسان کو گوارا نہیں ہوتا مگر یہ بے فکری بتلاتی ہے کہ ہم اس کو مضر نہیں سمجھتے۔ گو اعتقاداً مضر سمجھتے ہوں مگر عملاً تو یہی حال ہے اور صوفیا تو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اس اعتقاد کو جس کے مقتضا پر عمل نہ ہو اس کو یقین ہی نہیں کہتے ان کے نزدیک اعتقاد
یقینی وہی ہے جس کے موافق عمل بھی ہو اور یہ حکم محض اصطلاحی نہیں کہ صوفیاء نے دوسروں
سے الگ ایک اصطلاح گھڑلی ہے بلکہ صوفیاء نے اس حکم کو نصوص سے سمجھا ہے جس کا نتیجہ
یہ ہے کہ نجات فی الجملہ کے لئے گو اعتقاد بلا عمل بھی کافی ہو جائے مگر نجات کاملہ کے لئے
کافی نہیں۔ اسی کو نصوص سے اس طرح سمجھا ہے حق تعالیٰ یہود کے بارے میں فرماتے ہیں
وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ)
(یعنی وہ جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو یعنی سحر کو اختیار کرے اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ
نہیں کاش وہ جانتے) یہاں لقد علموا کے بعد جس میں اثبات علم کا لو کانوا یعلمون
کہا؟ جس میں نفی ہے علم کی اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کا عمل علم کے خلاف تھا اس لئے
حق تعالیٰ نے ان کے علم کو جہل شمار کیا تو صوفیا نے نصوص کو اور احکام کو دیکھ کر یہ اصطلاح
مقرر کی ہے غرض یقین مطلوب ہے اور یقین کامل بدون عمل کے حاصل نہیں ہوتا اور
نہ اس کے ثمرات مطلوبہ حاصل ہو سکتے ہیں یقین و اعتقاد کا ثمرہ مطلوبہ نجات مطلقہ
بدون تعذیب ہے اور یہ اعتقاد بلا عمل سے حاصل نہیں ہوتا یعنی غالب الوقوع یہی ہے
کہ بدون عمل نجات کامل نہیں ہوتی۔ گو کسی فرد میں تخلف ہو جائے۔ نیز محاورات بھی اسی
اصطلاح کے موافق ہیں یعنی اس اعتقاد کو جس کے موافق عمل نہ ہو اعتقاد شمار نہیں کیا
جاتا مثلاً ایک شخص اپنے باپ کے ساتھ گستاخی کرتا ہو تو کہتے ہیں ارے کم بخت یہ تیرا
باپ ہے حالانکہ یہ علم اس کو پہلے سے حاصل ہے کہ یہ میرا باپ ہے۔ مگر چونکہ اس کا عمل
اس علم کے خلاف تھا اس لئے علم کو بمنزلہ عدم علم کے سمجھ کر کہا جاتا ہے یہ تیرا باپ
ہے۔ نیز حدیث میں ہے مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ۔ اس
کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز کا عمداً ترک کرنا یہ بتلاتا ہے کہ اس شخص کو اس کی فرضیت
کا اعتقاد نہیں یعنی کامل اعتقاد نہیں بلکہ اعتقاد میں نقص ہے۔ اسی نقص کی وجہ سے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اس پر کفر کا اطلاق کیا گیا جو مقابل ہے ایمان کا جب ایمان اعتقاد کامل کا نام ہوگا تو اس کا ارتفاع کفر سے مسمی ہوگا۔ نیز ایک حدیث میں ہے لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن (زانی کو زنا کرنے کی حالت میں ایمان کا ہوتا نہیں ہوتا) یہ سب نصوص صوفیاء کی اصطلاح کے مویدات ہیں تو صوفیا کے نزدیک تو گویا اعتقاداً ابھی ہم گناہ کو مضر نہیں سمجھتے کیونکہ عمل اس کے خلاف ہے اور جس اعتقاد کے خلاف عمل ہو وہ ان کے یہاں اعتقاد ہی نہیں البتہ فقہا کے نزدیک یعنی ان کی اصطلاح کے موافق ہمارا ان کو مضر سمجھنا یہ اعتقاد ہے مگر عملاً و حالاً ان کے نزدیک بھی لوگوں کو مضر ہونے کا اعتقاد نہیں ہے جبھی تو صغیرہ پر جرأت ہے تو غفلت کا ایک درجہ تو یہ ہوا جس کو درجہ ضعیفہ کہا جاتا ہے مگر وہ اقویٰ کے مقابلے میں ضعیف ہے ورنہ فی نفسہ یہ بھی قوی ہے، اور دوسرا درجہ کفر جحود یا عناد ہے یہ اقویٰ و اقبح ہے ہرچند کہ اس درجہ سے بحمد اللہ خدا تعالیٰ نے ہم کو محفوظ رکھا ہے مگر دوسرا درجہ معصیت کا جس میں ایسی غفلت ہو کہ مطلوب کا استحضار نہ ہو اس میں ہم بھی مبتلا ہیں اور اس سے خالی نہیں ہیں اب جس درجہ کی غفلت ہوگی اسی درجہ کی مذمت ہوگی۔ (البدائع)

معصیت کو مضر نہ سمجھنا شیطانی کید ہے

حال: ایک بات قابل عرض یہ ہے کہ احقر کو صدور معاصی سے محبت و تعلق مع اللہ کم نہیں ہوتا بلکہ اگر کبھی نفس میں کسی قدر حجاب آتا بھی ہے تو یہ خیال اس حجاب کو رفع کر دیتا ہے کہ کیا اس تعلق کو اپنے افعال حسنہ کا ثمرہ سمجھتا ہے جو افعال قبیحہ سے اس میں کمی ہو جائے نہیں جو کچھ ہے بلا سعی کے محض موہوب ہے نہ کسی فعل صالح پر اس کا ترتب موقوف تھا نہ قلت عمل صالح سے اس میں کمی ہونی چاہئے؟ اس کی بابت کیا ارشاد ہے کہیں یہ حالت موجب جرأت علی المعاصی تو نہیں؟

تحقیق: یہ حالت بد ہے نیک نما، کلمۂ حق اُرید بہا الباطل ہے یہ شیطان کا دھوکا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ محبت عبد مع الحق ظل ہے۔ محبت حق مع العبد کی اور معصیت سے ثانی میں کمی ہوتی ہے للمنافاۃ بین الرضا و السخط پس اول میں بھی کمی لازم ہے اور جو چیز کم نہیں معلوم ہوتی ہے وہ حقیقت تعلق کی نہیں وہم اور خیال تعلق کا ہے۔ پس یہ حالت سبب جرأت ضرور ہے۔ غرض معصیت کو علت سخط ضرور سمجھے لیکن طاعت کو موثر فی الرضا نہ سمجھے، کیونکہ ہماری طاعت میں ایسا اثر نہیں ہے لیکن معصیت میں ضرور یہ اثر ہے۔ (فلا تزل قدمك) (تربیت السالک جلد اوّل ص ۲۵۵)

نفس کے مکائد کی تحقیق

حال: اس شرح میں امراض روحانی مثلاً ریا و کبر و فخر و حب جاہ و مال وغیرہ سے پاک ہونے کی بھی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب معاملہ ہے اس بے استحقاق کے ساتھ، کہ خاکسار نے کبھی کسی منصب یا عہدہ کے لئے یا کسی اعزاز کے لئے کبھی جد و جہد نہیں کی بلکہ اکثر اشراف نفس بھی نہیں ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے خلق میں ظاہری قومی و علمی مناصب کے اعزاز بلا طلب مرحمت فرمائے، اب تک مجھے اس بارے میں صرف اسی قدر اہتمام رہا کہ میری طلب اور اشراف نہ ہو اور مل جائے تو قبول کرلیا۔ اب اس باب میں حضرت کی ہدایت کا منتظر ہوں کیونکہ ایسے موقعے پیش آتے رہتے ہیں۔ شرم و حیا کو کچھ دیر نظر انداز کرکے یہ بھی عرض کردوں کہ بحول اللہ تعالیٰ و فضلہ یہ چیزیں نفس میں فخر و کبر کا موجب اب تک نہیں بنیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ورنہ بندے کی کیا مجال جو کچھ کہہ سکے یا کرسکے۔ حضرت سے اپنے کسی عیب کو چھپانا طبیب سے اپنی بیماریوں کا اخفا ہے اس لئے عرض کی ضرورت ہوتی۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تحقیق: مشورے میں تو برکت ہی برکت ہے جو تفصیل تحریر فرمائی ہے، اپنی ذات میں تو یہی کافی ہے اور اخیر حالت منتہی اور کامل کی یہی ہوسکتی ہے، لیکن چونکہ یہ طریق غامض بہت ہے اور اس کا پورا مصداق ہے ع

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است

اس لئے احتیاطِ بلیغ سے اس میں کام لیا گیا ہے اور مصرعہ اولیٰ کے ساتھ دوسرا مصرعہ اس پر ترتب کے طور پر لگا یا گیا ہے ع

ہشدار گوش را بہ پیام سروش (وحی) دار

اور وحی بتلاتی ہے کہ فقیہٌ واحدٌ اشد علی الشیطان من الف عابد جس سے دو امر پر صاف دلالت ہے ایک یہ کہ اس کے مکائد دقیق ہیں، دوسرا یہ کہ ان مکائد پر فقیہ کو اللہ تعالیٰ مطلع فرما دیتا ہے اس لئے اس کی ہستی شیطان پر شاق ہے، پس ان مکائد میں ایک مکیدہ یہ ہے کہ سالک پر تلبیس کر دیتا ہے یعنی کسی مقدمۂ معصیت سے جلدی کام نہیں لیتا۔ سالک جب اس میں رنگ معصیت نہیں پاتا تو اس کے مقدمہ ہونے سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے، پھر اس سے ایسے وقت کام لیتا ہے کہ وہ لا یدری ولا یحتسب کے درجے میں آجاتا ہے اس لئے مصلحین شبۂ ضعیفہ میں بھی معالجہ کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس شبہ میں ائمہ طریق نے یہ تدبیر کی ہے کہ افعال مباحہ جو صورتاً ذلت ہوں اختیار کرتے ہیں مگر اس نادان نے اس میں بھی ایک فتنہ سمجھا ہے یعنی شہرت۔ اس لئے ایک دوسرا علاج تجویز کیا ہے، یعنی ایسے اعزازو امتیازات کے اوقات میں استحضار اپنے ذنوب وعیوب ونقائص ورذائل کا اور ساتھ ساتھ تکرار استغفار کا اس مدتِ طویلہ تک التزام رکھا جاوے، جب تک مبصر شہادت صحت کے راسخ ہونے کی اور علاج کے ضروری نہ ہونے کی سند نہ دیدے۔ فقط (تربیت السالک حصہ دوم ص ۹۰ و ۹۱)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ایک ایسا مراقبہ جس سے اپنے عیوب نظر آئیں

ایک شخص نے رقعہ میں یہ مضمون لکھ کر حضرت والا کو دیا کہ مجھ کو کسی تدبیر سے اپنا کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ اس کو زبانی جواب ایک مبسوط تقریر میں دیا جس میں ایک مراقبہ بھی بتایا کہ اپنے افعال و اقوال کے متعلق سوچے کہ آیا یہ حق تعالیٰ کے روبرو پیش کرنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ پھر سب عیب نظر آنے لگیں گے وہ شخص یہاں سے چلے گئے اور حسب ذیل خط بھیجا۔

حال: گذارش یہ ہے کہ جس روز سے میں تھانہ بھون سے آیا ہوں اس روز سے برابر غور و فکر کے ساتھ ہر کام میں اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کر رہا ہوں اور جس مراقبہ کو جناب نے مجلس مبارک میں ذکر فرمایا تھا کہ یوں سوچے کہ یہ کام یا یہ بات حق تعالیٰ کے سامنے ہو تو کر سکتا ہوں یا نہیں۔ تو اس مراقبہ سے معلوم ہوا کہ میری جتنی باتیں اور کام ہیں سب بیکار ہیں۔ میری کوئی بات اور میرا کوئی کام اس قابل نہیں کہ باری تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاوے۔ پہلے سے جو اپنی غلطیاں نظر نہیں آتی تھیں ان کی وجہ محض بے پروائی اور بے توجہی تھی۔ حضور کی تنبیہ سے پہلے میں اپنے قلب کو مثل ایک ایسی صندوقچی کے سمجھتا تھا۔ جس پر وارنش کیا ہوا ہو اور جس کے اندر عمیب و غریب اشیا ورکھی ہوں۔ مگر جناب کی تنبیہ کے بعد جواب اس صندوقچی کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر تو گوہ در گوہ ہو رہا ہے، لہٰذا احقر نے اپنے خیال سے کہ مجھکو اپنا کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا تھا۔ توبہ کی، اور حضور کی تنبیہ کا یہ اثر ہوا کہ اب مجھ کو اپنے عیوب اس قدر صاف نظر آنے لگے ہیں کہ میں اپنے عیوب پیش کر کے ان کے علاج دریافت کروں۔

تحقیق: مبارک ہو، یہ گوہ خاکساری کی خاک سے مل کر کھاد کا کام دے گا،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور ایسی اجناس پیدا ہوں گی کہ روحانی غذا ہو جاویں گے۔ دعا کرتا ہوں اور عریضہ پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں. مگر ایک خط میں ایک بات سے زیادہ نہ ہو۔
(النور شعبان ۱۳۵۲ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۸۷)

حقیقتِ دُنیا

جس چیز میں فی الحال حظِ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی ثمرہ مرتب نہ ہو وہ دنیا ہے۔

دُنیا لغۃً نزدیک کی چیز کا نام ہے اور عرفاً مطلق اس حالت کا نام ہے جو موت سے پہلے ہے اور شرعاً خاص اس حالت کا نام ہے جو مانع عن الآخرت ہے، اور مجازاً ان اموال وامتعہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جو اس کی مانعیت کے اسباب بن جائیں پس جو احوال از قسم اقوال ہوں یا از قبیل افعال و اعمال یا عقاید و علوم ہوں یا اسی طرح جو اموال کہ آخرت کے، واجب التحصیل سے مانع ہوں گے وہ سب دنیائے حرام و مذموم میں داخل ہیں اور ان کے مذموم ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا (تعلیم الدین ص۸۳)

دنیا کے تمام جھگڑوں، بکھیڑوں اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلّق رکھنے کا نام دنیا کی محبت ہے، البتہ علم و معرفتِ الٰہی اور نیک کام جن کا ثمرہ مرنے کے بعد ملنے والا ہے، ان کا وقوع اگرچہ دنیا میں ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ دنیا سے مستثنیٰ ہے اور ان کی محبت دنیا کی محبت نہیں بلکہ آخرت کی محبت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان پر فریفتہ ہو کر آخرت کو ضائع کرتا ہے اور کون بقدر ضرورت سفر کا توشہ سمجھ کر اپنی آخرت کو سنوارتا ہے۔

(تبلیغ دین ص ۵۶)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حبِّ دُنیا

یاد رکھیں کہ دُنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشہ ہے اور اسی سے اکثر باطنی امراض مہلکہ مثلاً غرور و نخوت، کینہ، حسد، ریا، تفاخر اور بڑھوتری کی حرص پیدا ہوتی ہے اور جب انسان کو حیاتِ دُنیوی کی درستی اور آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے، تو صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ آگے پیچھے مبداء یا معاد کی اس کو کچھ خبر ہی نہیں رہتی۔ اور ظاہر و باطن دونوں دنیا ہی کے ہو رہتے ہیں۔ قلب محبتِ دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور بدن اس کی اصلاح و تدبیر میں مصروف۔ حالانکہ دُنیا توشۂ آخرت ہے اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافرانِ آخرت بآسانی اپنا سفر ختم کر سکیں۔ مگر بے وقوف لوگوں نے اسی کو مقصودِ اصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشغلوں اور قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے کہ آنے والے وقت کو بالکل بھول گئے۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ ہو اور جنگلوں میں پہنچ کر سواری کے گھاس دانہ اور اس کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں لگ جائے اور ہمراہیوں سے پیچھے رہ جائے۔ افسوس ہے اس کی حالت پر کہ تنِ تنہا جنگل میں رہ گیا اور قافلہ کوچ کر گیا جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی گیا گذرا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندوں نے سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا اور اس کو بھی منہ کا نوالا بنا گئے۔ یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم جسم خاکی پر سوار ہو کر سفرِ آخرت کر رہے ہو اس لئے تم کو چاہئے کہ اپنی سواری کا گھاس دانہ بقدرِ کفایت اٹھاؤ اور سفری ضرورتوں میں کام آنے والا سامان مہیا کر کے وہ بیج بوؤ جس کو آخرت میں کاٹو۔ اور پھر دائمی زندگی آرام سے گزار سکو اور اگر اس ماتحت سواری کی پرورش و فربہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کوچ کر جائے گا اور تم منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکو گے۔ (تبلیغ دین ص ۵۷ تا ۵۹ ملخصاً)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ حُبّ جَاہ

ارشاد: لوگوں کے دلوں کا مسخر ہو جانا جس سے وہ لوگ اس کی تعظیم کریں، جاہ کہلاتا ہے، حبِ جاہ ایسا مرض ہے کہ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے۔ جب کوئی واقعہ پیش آوے اور گرانی ہو تب پتہ چلتا ہے کہ افوہ! ہم میں بھی حبِ جاہ کا مرض ہے۔ یہ محض وہمی انتزاعی کمال ہے اور انتزاعی بھی ایسا کہ جو دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے کیونکہ جاہ دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا نام ہے۔ جس کا مدار دوسرے کے خیال پر ہے وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر طالبِ جاہ خوش ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔ جس جاہ سے ضرر ہوتا ہے یہ وہ جاہ ہے جو طلب سے حاصل ہو۔
(کمالات اشرفیہ ص ۱۰۲، ۲۹۰، ۱۷۹، ۱۸۰، ۸۴)

یہ وہ بلا ہے جو کہ دین و دنیا دونوں کو مضر ہے۔ دینی ضرر تو یہ ہے کہ جب آدمی دیکھتا ہے کہ دنیا مجھ پر فدا ہے تو اس میں عجب و کبر پیدا ہو جاتا ہے آخر کار یہی عجب و کبر کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے۔ بہت لوگ اس میں آکر ہلاک ہو گئے۔

یہ تو دین کا ضرر ہوا اور دنیا کا ضرر یہ ہے کہ مشہور آدمی کے حاسد بہت پیدا ہو جاتے ہیں بس صاحبِ جاہ کا دین بھی خطرے میں رہتا ہے اور دُنیوی خطرات کا اندیشہ رہتا ہے۔ ہاں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بدون طلب کے جاہ حاصل ہو، وہ نعمت ہے۔ (کیونکہ) (تعظیم العلم ص ۹۴)

مال کی طرح انسان جاہ کا بھی بقدر ضرورت محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور بے خوف ہو کر باطمینانِ قلب عبادت میں مشغول رہ سکے لہٰذا اتنی طلب جاہ میں مضائقہ نہیں ہے (تبلیغ دین ص ۵۵)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حُبِّ دُنیا اور حُبِّ جاہ کا علاج

حالؔ: مکائدِ نفس اور رذائل سے بچنے کا بھی لحاظ رکھتا ہوں کبھی کبھی اچھے کھانے کپڑے اور عمدہ مکان بنانے کی طمع ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ زیادہ روپیہ پیسہ پاس ہو اس سے حبِ دنیا کا شبہ ہوتا ہے جب کسی قدر اس خیال کا غلبہ ہوتا ہے تو کتاب تبلیغ دین وغیرہ میں حبِ دنیا کی مذمت اور زہد وغیرہ کا بیان دیکھ لیتا ہوں اس کے استحضار سے طمع مضمحل ہو جاتی ہے نفس یہ بھی چاہتا ہے کہ کوئی شخص بُرا نہ کہے اور اعزہ و احباب کے متعلق اس کا خیال بھی ہوتا ہے کہ وہ جائز تقریبات میں مجھ کو فراموش نہ کریں اس کے خلاف پیش آنے سے طبیعت میں پریشانی محسوس ہوتی ہے ہمیشہ سے اکثر تقریبات میں مَیں خود نہیں شریک ہوتا ہوں مگر اس سے ضیق ہوتی ہے کہ اہلِ تعلق میں سے کوئی یاد نہ کرے اس سے بھی حبِ جاہ کا شبہ ہوتا ہے اس کے متعلق بھی جب کتاب تبلیغ دین وغیرہ میں کچھ مضمون پڑھ لیتا ہوں تو طبیعت میں سکون ہو جاتا ہے۔ طالبِ حق کے واسطے اس قسم کے خیالات نہایت شرمناک معلوم ہوتے ہیں۔ براہ شفقت و کرم حضور دعا و تدبیر سے میری دستگیری فرمائیں۔

تحقیقؔ: دعا بھی کرتا ہوں اور تدبیر یہ ہے کہ اقتضائے نفس کی مخالفت کی جائے اور اقارب کی شکایت کی جو بناء ہے یعنی اپنا استحقاق، اس کی ضد کا استحضار اس طرح کیا جاوے کہ اپنے نقائص و نااہلی کا استحضار استمرار کے ساتھ کیا جاوے۔

(ماخوذ النور، رجب ۱۳۵۶ھ، تربیت السالک جلد دوم ص ۱۶۰)

حُبِّ مال

سوال: ایک طالب نے حبِ مال کے کچھ آثار دیکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور مفسدہ تو نہیں۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جواب: تحریر فرمایا کہ الحمدللہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے یہ سب آثار حب مال کے تو ہیں مگر یہ حب طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حب اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح فارس و مشاہدہ غنائم کے وقت یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ آپ کا ارشاد ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ (الآیۃ)
جب آپ نے یہ حُبّ پیدا کی ہے تو فطری ہوئی اس لئے ہم اس کے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جبلیات نہیں بدلا کرتے۔ البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حُبّ کو اپنے حُبّ میں معین فرما دیجئے تاکہ یہ اسباب طاعت میں سے ہو جاوے اور موانع طاعت کے لئے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سدِ باب ہو جاوے کہ جبلیات کا ان کے مصرف میں صرف ہو جانا یہی ان کی تعدیل ہے۔ اور یہی مامور بہ ہے (اس میں اپنے ضعف اور حکمت تخلیق مال کی طرف بھی اشارہ فرمایا) اور یہی امر مصرح ہے۔ دوسری آیت میں قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ الیٰ قولہ تعالیٰ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ البتہ اس حب طبعی کے آثار بعض اوقات منجر ہو جاتے ہیں بعض غوائل کی طرف ان کا تدارک کر لیا جائے فهنيئا لكم العلم والعمل واللہ اعلم۔ (اشرف السوانح)

حُبِّ مال کا علاج

حال: دوران ملازمت بفضلہ تعالیٰ میں نے نہایت ایمانداری سے کام کیا حتی کہ تحفہ جات کے قبول کرنے سے بھی احتراز کیا اور آمدنی کا بیشتر حصہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا بلکہ دوسروں کی ذات پر صرف کیا۔ میری نہ کوئی اولاد ہے نہ بی بی اور میرا ذاتی خرچ بہت کم رہا اس بناء پر میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ مجھکو الفتِ زر نہیں مگر ایک واقعہ سے یہ محسوس ہوا کہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فی الواقع بے حد الفت زر میرے قلب میں ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ایک مکان
خرید کیا۔ خریداری کے کچھ عرصے کے بعد ایک شخص جو میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ بائع
نے تم کو (یعنی مجھ کو) دھوکا دے کر اور مکان کا کرایہ زیادہ بتلا کر زیادہ قیمت وصول کر لی
اس گفتگو سے میرے قلب کو بہت صدمہ پہنچا۔ مجھ کو اس وقت علم ہوا کہ محبت زر میرے
قلب میں شدت سے موجود ہے ورنہ یہ صدمہ نہ پہنچتا۔ اس حالت کا علاج میں نے اپنے طور پر
جو حضور والا کے مواعظ پڑھنے کی وجہ سے غالباً میرے ذہن میں آیا۔ یہ تجویز کیا اول
یہ کہ میں نے نماز تہجد شروع کر دی دوم یہ کہ بار بار موت کو یاد کرنے کی کوشش کی۔
سوم یہ کہ اپنے نفس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر بائع نے دھوکا دیا ہے تو وہ میرے لئے
یوں مفید ہے کہ بروز حشر اس کی نیکیاں کثیر تعداد میں میرے نامہ اعمال میں لکھ دی جائینگی
اور فی الحال یہ نتیجہ ظاہر طور پر مرتب ہو گیا کہ میں نماز تہجد پڑھنے لگا جس کے پڑھنے کی توفیق پہلے
نہایت کم ہوتی تھی۔ پنجم یہ کہ میں نے قلب کو یوں مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ میں اور میرا مال
کل ملک الٰہی ہے۔ اگر کچھ روپیہ جو بظاہر میرے قبضہ میں تھا کسی کو پہنچا دیا تو مجھ کو کیا اعتراض
ہو سکتا ہے۔ ششم۔ میں نے یہ سوچا کہ مکان کو وقف کر دوں مگر اس صورت میں میرے
وہ اعزہ جن کی میں اپنی زندگی میں مدد کرتا ہوں میری وفات کے بعد بالکل محروم ہو جائیں
گے، اب حضور والا سے استدعا یہ ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میرے قلب کی حالت
درست ہو جائے اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے جو عمل مناسب ہو تجویز فرمائیں
میں معافی چاہتا ہوں کہ خط طویل ہو گیا مگر حالات تحریر کرنا علاج کے لئے ضروری معلوم ہوا

تحقیق: فکر اصلاح سے بیحد مسرت ہوئی اور بے ساختہ دعا نکلی اللہ تعالیٰ
فہم و فکر میں زیادہ برکت فرمائے۔

اب حقیقت عرض کرتا ہوں جس خسارے سے رنج ہوا یہ رنج مال کے حب طبعی
سے ہے جو اگر اس سے بھی زیادہ ہوتا مذموم نہ تھا بلکہ بعض اوقات وہ عدل و حکمت کا اثر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہوتا ہے۔ مذموم حب عقلی ہے۔ سو رنج اس کی دلیل نہیں باقی جو معالجات تجویز کئے گئے ہیں حالت موجودہ میں تو ان کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جب مرض نہ ہو تو دوا کیا مگر مدت لیکن نافع پھر بھی ہیں۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ معالجات بجائے خود طاعات مستقلہ ہیں اور موجب ثواب ہیں دوسرے اس وجہ سے کہ حب طبعی کبھی منجر اور مفضی ہو جاتی ہے حب عقلی کی طرف جو کہ مضر ہے سو ان معالجات میں اس کا انسداد ہے، جیسے بعض ادویہ بطور حفظ ماتقدم استعمال کرلی جاتی ہیں اور وقف کی ایک شرعی صورت ایسی ہو سکتی ہے کہ اعزہ مستحقین بھی انتفاع سے محروم نہ رہیں وہ یہ کہ وقف نامہ میں ان کے انتفاع کی شرط لکھدی جاوے لیکن آخری جہت مساکین کو ہر حال میں قرار دینا لازم ہے امید ہے کہ سب شبہات کا جواب ہو گیا ہو گا۔ اگر کوئی بات باقی ہو تو بے تکلف مکرر دریافت فرمالیا جاوے باقی دعا کرتا ہوں۔

(ماخوذ النور ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۸۳)

حقیقتِ کبر

کبر کے اقسام اور ان کا علاج

سوال: ایک طالب نے کبر کے متعلق بہت سی تفصیلات و جزئیات لکھ کر درخواست کی کہ اگر مجھ میں تکبر ہے تو اس کا علاج تجویز فرمائیں۔

جواب: تحریر فرمایا کہ اس کا نام بھی بمناسبت نام سائل رکھدیا یعنی شمس الفضائل لطمس الرذائل۔

جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

جواب: یہاں کئی چیزیں ہیں متشابہ جن میں کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

۱۔ کبر ۲۔ عجب ۳۔ حب جاہ ۴۔ ریا اور ۵۔ خجلت

پھر ہر ایک میں دو دو درجے ہیں ۱۔ حقیقت و ۲۔ صورت۔ تو یہ دس چیزیں ہیں اور ہر ایک میں کلام طویل ہو سکتا ہے۔

مگر مختصر بقدر ضرورت جس سے تھوڑی مناسبت والے کو ہر درجے کے سمجھنے میں ضروری بصیرت ہو سکتی ہے اور واقعات جزئیہ کو اس پر منطبق کر سکتا ہے وہی لکھتا ہوں باقی جس کو مناسبت ضروری بھی نہ ہو اس کے لئے نہ کلیات کافی ہیں نہ جزئیات کے لئے تحریر کافی ہے۔ بلکہ اس کو ضرورت ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آئے اسے کسی محقق کے سامنے پیش کرے اگر تنقیح کی ضرورت ہو اس کا بھی جواب دے پھر جو وہ فیصلہ کرے اس کو علماً عملاً قبول کرے۔

وہ مختصر کلام یہ ہے کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جز ہوں گے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تو اس کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے، اس کے بھی بہت اجزاء ہیں۔ بجز ایک جز یعنی اختیار کے۔ یعنی بلا اختیار ان اجزاء کا خیال آگیا یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اس کے بعد اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا۔ یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہو گی اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے، یہ اس لئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھوٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچہ کو سمجھے کہ یہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے یا ایک ہدایہ پڑھنے والا طالب علم نحو پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہ سمجھتا ہو تو وہ کبر نہیں۔ البتہ اگر یہ تفاوت واقعے کے خلاف ہو تو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ایسا اعتقاد کذب ہوگا۔ مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔ مگر ایسی بڑائی چھوٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال ہو تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی کبر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس لئے سد باب کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہیے جو حقیقت کبر کا علاج ہے، اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے، جس کی ایسے ہر وقت میں تجدید (تکرار) کی جاوے، جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو، وہ مراقبہ یہ ہے، کہ:۔

(الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے

(ب) اور عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت و رحمت ہے۔ پھر

(ج) عطا کے بعد بھی اس کا بقاء میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں اور

(د) گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ کمال اس کو حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں اور

(ہ) اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو حق تعالیٰ کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعے سے اکمل ہو۔ اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آوے تو اس احتمال کو ذہن میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں۔ یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھوں اور

(و) یہ خیال کرے کہ اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے جیسے مریض کا تندرست پر، ضعیف کا قوی پر، فقیر کا غنی پر، تو مجھ کو چاہیئے کہ اس پر شفقت و ترحم کروں، اس کی تکمیل میں کوشش کروں، اور اگر کسی طرح

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

قدرت نہ ہو یا ہمت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سے سہی اور اس خیال کے
بعد تکمیل میں سعی شروع کر دے، تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جائے
گا اور طبعی خاصہ یہ ہے کہ جس کی تکمیل و تربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے
اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔ اور
(ز) یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا
کرے اس کا مزاج پوچھ لیا کرے، اس سے جانبین میں تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق
کے بعد تحقیر دور ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے،
تو تدابیرِ مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جائے گا۔ مگر بعض کا پھر
بھی بغض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے، ان بعض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا اور عجب میں ایک قید کم ہے، باقی سب اجزاء
وہی ہیں۔ یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اس میں بھی
حقیقت و صورت کے ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکور میں
سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں وہ سب معالجات اس میں بھی ہیں۔

اور ایک چیز اشیائے خمسہ مذکورہ میں حبِّ جاہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا
اپنے آپ کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا
سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ کریں۔ چونکہ اس کا منشاء بھی
تکبر یا عجب ہی ہے اس لئے اس کے اقسام و احکام و درجات و معالجات وہی ہیں
جو کبر میں گذرے ہیں اور اشیائے خمسہ مذکورہ میں سے ایک چیز ریا ہے۔ اس کا حاصل
یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دے۔ اشیائے
اربعہ مذکورہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی عجب اور کبر ہی سے پیدا ہوتا
ہے اس میں بھی سب وہی درجات و اقسام و احکام و معالجات ہیں اور سب احکام

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

گئی ہیں۔ کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معالجات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مربی (شیخ) کی رائے پر متعین کئے جاتے ہیں۔ سب سے اخیر کی ایک قسم خجلت ہے وہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے۔ اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر شبہ ہو جاتا ہے۔ کبر وغیرہ کا مگر واقعے میں وہ کبر نہیں ہوتا، اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دنی یا خسیس (کمینہ و ذلیل) کام کرنے سے شرماتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو خجلت ہے ورنہ کبر یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں۔ اور ایک صورت ہے کہ واقعہ میں تو کبر وغیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کر کے اس کو خجلت میں داخل کر کے تسلی حاصل کر لی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے بھی اشنع (بری) ہے کیونکہ تاویل کر کے غیر مباح کو مباح بنایا ہے، جو اعلیٰ درجہ کی تلبیس و تدلیس ہے تو اور اقسام میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اس میں بالعکس جیسا مع الدلیل (دلیل کے ساتھ) گزر چکا۔ چونکہ واقعات ثمانیہ میں سب اقسام کے اجزاء مذکور ہیں اس لئے سب احکام کی تحقیق کی گئی (طالب کے خط میں کبر کی آٹھ مثالیں مذکور تھیں جن کے بارے میں تحقیق مطلوب تھی) اب اخیر میں ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ معالجات مذکورہ وقتی تھے، جن سے اثر کا رسوخ نہیں ہوتا۔ الّا نادراً اور مبتدی کو ایک معتد بہا مدت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بہ تکلف اوضاع (وضع) و اطوار و حالات قلیل الجاہ (کم مرتبہ) لوگوں کے اختیار کرے حتیٰ کہ تواضع راسخ ہو جاوے۔ مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دنانت (کمینہ پن) اور خسیت (ذلت) کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع شر کی صورت اختیار کر لے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور اختیار کئے جائیں جن سے اک گونہ نفس کو انقباض ہو مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ ہوں جس سے شہرت تواضع کا احتمال ہو۔
(تربیت السالک جلد دوم ص ۱۰۵۔ النور ربیع الاول ۲ ۱۳۵ھ)

کبر کا علمی اور عملی علاج

۱۔ ارشاد: تکبر کا علمی علاج تو یہ ہے کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور یوں سمجھے کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسرے کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو شخص معیوب یقینی ہو وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا چاہیے اور عملی علاج یہ ہے کہ جس کو تم اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آؤ اور یہ عملی علاج جزو اعظم ہے بدون اس کے علمی علاج تنہا کافی نہیں تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک عملی علاج نہ کیا جاوے گا تکبر دور نہ ہوگا۔
(انفاس عیسیٰ)

۲۔ حال: آج کل ایک اور نہایت شرمناک امر لاحق ہوا جس کے اظہار سے طبیعت انکار کرتی ہے اور حیا مانع ہوتی ہے مگر اسی خیال سے کہ اس طرح سے شاید زیادتی ہوتی چلی جاوے یا اس سے کوئی دوسرا نقصان پیدا ہو جائے کوئی چارہ نہیں دیکھا۔ اس لئے عرض ہے کہ کچھ عرصہ سے اپنے اندر آثار ترفع کے پاتا ہوں۔ چھوٹی عمر کے یا نیچے درجہ کے طالب علموں سے سلام و کلام کرتے ہوئے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے عار سی آتی ہے اور وہ تمام امور جو پہلے بآسانی اور بلا تکلف جیسا کہ طلباء کا طرز عمل ہونا چاہئے انجام پاتے تھے اب وقت سے پورے ہوتے ہیں اور ان کے کرنے میں شرم سی آتی ہے۔ اکثر باتوں میں اپنی وقعت کا خیال رہتا ہے اور ایسے امور کے ارتکاب کی طرف رغبت ہوتی ہے جس سے ایک امتیاز پیدا ہو۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تحقیق : انسان صرف مکلف اس کا ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے۔ رہا یہ کہ اقتضایات ہی زائل یا ضعیف ہو جاویں اس کا نہ انسان مکلف ہے نہ یہ بسہولت میسر ہو سکتا ہے۔

ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لئے اس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلف ہیں آپ اس پر اکتفا کیجئے یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں۔ اور اس اعتقاد کے لئے اپنے معائب کا استحضار معین ہوگا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آوے ان کی خوب تکریم کیجئے اور تکلف سے ان سے سلام کیجئے۔ گو نفس کو ناگوار ہو، ناگواری غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے، اس میں خلل موجب مواخذہ ہے انشاء اللہ اس سے خود فساد کا منشا بھی ضعیف ہو جاویگا۔ واللہ الموفق (تربیت السالک جلد اول ص ۲۴۳)

حجاب اور کبر میں فرق

حال : فدوی ایک مرتبہ قرابت مندی میں گیا ہوا تھا (اور وہاں اس کو خرید و فروخت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی) تو گوشت کی دوکان پر جانے کی ضرورت ہوتی تھی مگر نہیں گیا تھا۔ اک گونہ حجاب محسوس کیا تھا۔

تحقیق : حجاب اور چیز ہے اور کبر اور چیز ہے۔ حجاب کی حقیقت خجلت ہے جس کا سبب مخالفت عادت ہے حتیٰ کہ اگر اس شخص کی تعظیم کا سامان عادت کے خلاف کیا جاوے اس سے بھی شرماوے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۱۳)

انقباض کبر نہیں

حال : گذارش یہ ہے کہ حضرت والا نے ایک شخص کو کبر کا علاج یہ بتایا تھا کہ مسجد

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

یا ہر نماز کے بعد اعلان کرے کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے سب لوگ دعا کریں کہ مجھ سے یہ مرض جاتا رہے۔ اس پر مجھے خیال ہوا کہ تجھ سے یہ کہا جائے تو کیا کرے گا تو میں اپنے اندر دیکھتا ہوں تو اس کی ہمت نہیں معلوم ہوتی اور نہ جی اس کو خوشی سے قبول کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں میرے اندر تو کبر نہیں۔ پھر دل کبھی کہتا ہے کہ یہ حیا کی وجہ سے ہے اب حضرت اگر یہ کبر ہونے کی وجہ سے ہے تو علاج ارشاد فرمادیں۔

تحقیق: ایسا احتمال دلیل خشیت ہے مبارک ہو۔ کبر کے لئے صرف یہی علامت کافی نہیں کیونکہ کبھی اس انقباض کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ مرض نہ ہونے کے سبب علاج کی ضرورت نہیں اور کبھی کبر بھی سبب ہوتا ہے تو اب معیار اس کا دو امر ہیں ایک یہ کہ دوسری علامات بھی پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ دوسرا امر یہ کہ اگر احتمال ہی پر مصلح اس کو تجویز کرے تو اس پر عمل کیا جائے یا نہیں۔ گو عمل کراہت طبیعہ ہی سے ہو جیسے تلخ دوا طبعاً مکروہ ہے مگر مریض اگر طالب صحت اور طبیب کا مطیع ہے تو عمل میں موافقت کرے گا۔

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۱۲)

عجب کا علاج

حال: مجھ میں کچھ عجب کا مادہ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی بعض اوقات دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں حج کر چکے ہیں اور اب راہ طریقت میں اگر پیر بھی بے نظیر شہرہ آفاق اور متبع سنت پالیا۔ وکالت اور زمینداری کا کام بھی خوب چلا رہے ہیں۔ بعض اوقات یہ بھی جی چاہتا ہے کہ لوگوں کی زبان سے دنیوی دینوی امور کے بجالانے کی تعریف سنتا رہوں بالخصوص اس بات کو سن کر بڑا مسرور ہوتا ہوں کہ حضور نہ سونا چھڑاتے ہیں نہ کھانا نہ وکالت نہ زمینداری تو ایسا شیخ تو شاید ہی کسی نے پایا ہو بلکہ وکالت و زمینداری رکھ کر ہر طرح کی اصلاح کا سامان بتادے اور اس قدر شفقت رکھے میں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تو یہ سمجھتا تھا کہ جب تک انسان اپنے کو ان ہر دو پیشہ سے علیحدہ نہ کرے اس وقت تک اصلاح ناممکن ہے، وجوہ بالا کی بنا پر مجھ کو خود پسندی معلوم ہوتی ہے اور کبھی کبھی دوسرملا کی لینی ہو اپنے ہم جنس ہیں ان کی تحقیر معلوم ہوتی ہے اور افسوس معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور کے دربار میں حاضر ہونا نصیب نہ ہوا۔

تحقیق: اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کر لیا جاوے کہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہیہ ہیں اگر وہ چاہیں ابھی سلب کرلیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اس کا استحضار کر لیا جاوے کہ اگرچہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہیں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالےٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سرور رہ جائے گا وہ عجب نہ ہوگا یا تو فرح طبعی ہوگی جو مذموم نہیں اور یا شکر ہوگا جبکہ منعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا۔

(ماخوذ النور صفر ۱۳۵۴ھ و تربیت السالک حصہ دوم)

خود بینی و بد بینی کا علاج

حال: جملہ حالات باطنہ قابل شکر ہیں کسی مرض کی شکایت نہیں مگر دو عارضوں کی جڑ ہنوز قلب کے اندر بخوبی باقی ہے جس سے گاہ گاہ جمعیت میں پورا خلل واقع ہو جایا کرتا ہے ایک تو بر خویش خود بینی اور دوسرے بر غیر بد بینی۔ بس اب صرف دو کدورتوں سے نہایت تنگی رہتی ہے اور میری تدبیر ان میں بخوبی کارگر نہیں ہوتی لہٰذا اب حضرت والا سے رجوع کرتا ہوں۔ امید کہ اس خلش کی بیخ کنی کے لئے دعا و توجہ فرمائی جاوے گی اللہ تعالےٰ آنحضرت قبلہ کو اس کا اجر عطا فرما دیں آمین۔

تحقیق: انسان نہ اس کا مکلف ہے کہ ذمائم کا مادہ ہی فنا ہو جائے اور نہ اس کا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مکلف ہے کہ اس کا وسوسہ بھی نہ آوے، بلکہ صرف اس کا مکلف ہے کہ اس کا قصد نہ کرے اور اس کے مقتضا پر عمل نہ کرے۔ اسی پر مداومت کرنے سے اس کا مادہ بھی اور وسوسہ بھی ضعیف و کالعدم ہو جاتا ہے البتہ ذکر مطلقاً اور مراقبہ اپنے عیوب کا اس اضمحلال میں معین ہوتا ہے۔ عمل کر کے اگر ضرورت سمجھی جائے پھر اطلاع دی جائے۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۲۸۰)

حقیقتِ شہوت

خلافِ شریعت امور کو پسند کرنا شہوت یا خواہش نفسانی ہے اس کا جو اعلیٰ درجہ ہے یعنی کفر اور شرک وہ تو اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے اور جو ادنیٰ درجہ ہے وہ کمالِ اتباع سے ڈگمگا دیتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

اول۔ بدعت، جو علوم اور عقائد سے متعلق ہے۔

دوسری۔ معصیت، جو اعمال کے متعلق ہے اور

تیسری قسم رائے جو احکام تکوینیہ کے متعلق ہے، اور ہر ہوا (یعنی خواہش نفسانی) میں یہ خاصیت ہے کہ راہ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الآیۃ)

اور خواہشات نفسانی کا اتباع مت کرو یہ تم کو اللہ کے راستہ سے بے راہ کر دے گی

خواہش نفس ایسی بری چیز ہے کہ دنیا کی بھی خرابی اور دین کی بھی صدہا معصیتیں ان جملہ اشرار کی جڑ اگر ہے تو خواہش نفسانی ہی ہے یہی روکنے کی چیز ہے دیکھئے اگر نفس کو روکا نہ جائے تو کیا انجام ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سب نے سمجھا ہے۔ حتیٰ کہ حاکم جس کو مذہب سے ملاقہ بھی نہیں بعض افعال سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے جن افعال سے روکتا ہے وہ وہی تو ہیں جن کو لوگ کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے نزدیک باعث مضرت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہیں۔ دُنیاوی مصلحتوں کا مقتضا بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اگر حاکم ان افعال سے نہ روکے تو دیکھیے کیا ہو۔ ڈاکوؤں کو ڈاکہ ڈالنے دے، چوروں کو چوری کرنے دے۔ زبردستوں کو زیردستوں پر ظلم کرنے دے۔ غرض ہر شخص کو مخلی بالطبع کردے کہ اپنی خواہش کے موافق جو چاہو کرو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حالت میں کس لطف سے زندگی بسر ہوگی۔ قانون کیا ہے مالک کے احکام کی ایک حد قائم کرنے والی چیز ہے۔ فرض کرو کسی کو روپے کی ضرورت ہے کسی سے چھیننے کو جی چاہتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے ہو اور اگر چھین لے تو چالان کیوں ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اجازت دینے میں کوئی ایسی مضرت ہے کہ اس کے مقابلہ میں ضرورت کا خیال بھی نہیں کیا جاتا اسی طرح دُنیوی انتظاموں کو دیکھ کر یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ خواہش نفسانی روکنے کی چیز ہے۔

دیکھئے نافرمانی ہوتی کیوں ہے اگر غور کیا جائے تو سبب اس کا ضرور ایسا نکلے گا کہ منجملہ افرادِ خواہش نفسانی کے ہوگا۔ فرض کیجیے نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ نیند آرہی تھی عشاء کا وقت ہوا مگر آرام میں خلل گوارا نہ ہوا، سو کر صبح کردی آرام اور تن پروری خواہش نفسانی ہی ہے۔ تاخیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی کسی دوسرے کام میں لگا ہوا ہے اس کے ادھورا رہ جانے سے نقصان مال کا اندیشہ ہوتا ہے اس نقصان کو گوارا نہ کیا اور نماز میں تاخیر کردی یہ حبّ مال ہے کہ منجملہ خواہشات نفسانی ہے اسی طرح نماز میں بے توجہی بھی جب ہی ہوگی کہ دوسری طرف توجہ ہو۔ توجہ کا ایک طرف نہ رہنے دینا بھی نفس ہی کی خواہش سے ہوتا ہے غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا ارتکاب معصیت تو صرف نفسانی خواہش سے اس کے اندر سبھی کچھ ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ ... شریعت کا اتباع کیجیے اور ان جاہلوں

الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الجاثیہ) کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے۔

اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ جو شریعت کے مقابلہ میں کام ہوں وہ خواہشیں اور ہوائے نفسانی ہیں لَا یَعْلَمُوْنَ کا مفعول ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہاں مطلق علم کی نفی کر دی کہ خواہشات اس لئے مذموم ہیں کہ وہ ایسوں کا فعل ہے جو بالکل جاہل ہیں :

طریق کار ، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (الحدیث)

کوئی شخص ایماندار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جس کو حق تعالےٰ کے پاس سے میں لایا ہوں یعنی شریعت

لہٰذا ہم تن اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع بنائیں عقائد ہوں تو شریعت کے موافق اور اعمال اخلاق معاشرت و معاملات کی اصلاح کریں کہ سب شریعت کے تابع ہوں اور ہر چیز میں خیال رکھیں کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں۔ جب اس پر کوئی محافظت کریگا تو ممکن نہیں کہ معصیت اس سے سرزد ہو سکے۔ تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے۔ ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کریں کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے یا نہیں۔ اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیں کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت ہے۔ پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جائیں اور اس کی مضرت کو پیش نظر رکھیں۔ نفس کو خواہشات سے روکیں۔ مرض کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے مادّے اور سبب کو قطع کیا جائے جب سبب جاتا رہے گا مرض بھی نہ رہے گا جو کام کیا جائے پہلے سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالےٰ (کی منشا) کے خلاف تو نہیں اور یہ میرے لئے مفید ہے یا مضر نیز اس کے ترک کے لئے خوف معین ہے اس لئے خوف الٰہی کی تحصیل ضروری ہے،

(شریعت و طریقت)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

عشقِ مجازی

بعض مشائخ نے جو بعض طالبین کو قصداً عشق مجازی پیدا کرنے کا مشورہ دیا ہے مراد اس سے عشق حلال ہے نہ کہ حرام کیونکہ معصیت تو موصل الی اللہ ہو ہی نہیں سکتی اور جو اس مشورے سے غرض ہے وہ عشق حلال مثلاً اولاد۔ بیوی وغیرہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ عشق میں گو وہ مجازی ہو یہ خاصیت ضرور ہے کہ اس سے قلب میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے باقی تعلقات قلب سے دفع ہو جاتے ہیں اور خیال میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اب صرف ایک کام رہ جاتا ہے کہ اس تعلق کو حق تعالےٰ کی طرف پھیر دیا جائے تو بہت آسانی سے قلب فارغ ہو جاتا ہے، غرض اصل مقصود ترک تعلقات یا قلب میں سوز و گداز پیدا کرنا ہے مگر چونکہ اس زمانے میں اس طریق میں خطرہ شدید ہے کیونکہ نفس میں شہوت پرستی اور لذت جوئی زیادہ ہے اس لئے قصداً ایسے طریق کا ابتلانا جائز نہیں ہاں اگر کوئی اتفاقاً مبتلا ہو جائے تو تدابیر سے اس کا امالہ عشق حقیقی کی طرف کر دینا چاہئے اور طریقوں کا بدل جانا زمانہ کے بدل جانے سے کوئی تعجب کی بات نہیں اور غضب یہ ہے کہ بعض لوگ اس کو ذریعہ قرب الٰہی سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی پناہ۔ اگر معصیت ذریعہ قرب الٰہی کا ہو تو سارے اوباش اور رنڈی بھڑوے کامل ولی ہوا کریں۔

(الستکشف)

عشق مجازی کی مضرت سے بچنے کی ترکیب

اگر ایسا ہو کہ کوئی عشق مجازی میں مبتلا ہو جاوے تو اول عفّت و پارسائی اختیار کرے یعنی کوئی امر خلاف شرع اس کے ساتھ نہ کرے حتیٰ کہ اس کو قصداً نہ دیکھے نہ اس سے باتیں کرے نہ اس کی باتیں سنے نہ دل میں قصداً اس کا خیال کرے کیونکہ شرع کی مخالفت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

عشق حقیقی کے منافی ہے اور منافی کے رہتے ہوئے کب امید ہے کہ عشق حقیقی حاصل ہو۔ دوسرے اس سے ظاہراً دوری اختیار کرلے اس طرح کہ اتفاقاً و مفاجاۃً بھی اس پر نظر نہ پڑے نہ اس کی آواز کان میں پہنچے تاکہ اس کے قلب میں سوز و گداز پیدا نہ ہو، اور اگر قصداً و اتفاقاً اس سے متمتع رہا تو عمر بھر اسی شغل میں رہے گا کبھی نوبت نہ آئے گی کہ ادھر سے مطلوب حقیقی کی طرف توجہ ہو۔ تیسرے یہ کہ خلوت و جلوت میں یہ سوچا کرے کہ اس شخص کا کمال یا حسن و جمال کہاں سے آیا اور کس نے عطا کیا۔ جب موصوف مجازی کی یہ دلربائی ہے تو موصوف حقیقی کی کیا شان ہوگی ع

سیہ باشد آن نگار خود کہ بندد ایں نگارہا

اس سے اس کا عشق مخلوق سے خالق کی طرف مائل ہو جائے گا یہی معنی ہیں اس قول کے کہ شیخ کامل عشق مجازی کا ازالہ نہیں کرتا امالہ کردیتا ہے (یعنی اس کا مصرف بدل دیتا ہے) (التکشف)

دوسری تدابیر اس کے دفعیہ کی یہ ہیں :۔

۱۔ ایک وقت خلوت کا مقرر کرکے اور غسل تازہ کرکے صاف کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر تنہائی میں روبقبلہ ہو کر اوّل دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کے روبرو خوب استغفار اور توبہ کرے اور اس بلا سے نجات کی توبہ کرے، اور پانچسو سے لیکر ایک ہزار مرتبہ تک لا الٰہ الا اللہ کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ لا الٰہ کے ساتھ تصور کیا جائے کہ میں نے سب غیر اللہ کو قلب سے نکال دیا اور الا اللہ کے ساتھ خیال کیا جائے کہ میں نے محبت الٰہی کو قلب میں جمالیا یہ ذکر جہر کے ساتھ ہو۔

۲۔ کوئی حدیث کی کتاب یا ویسے ہی کوئی کتاب جس میں دوزخ کے عذاب اور غضب الٰہی جو نافرمانوں پر ہوگا اس کا ذکر ہو کثرت سے مطالعہ کیا جائے۔

۳۔ ایک وقت معین کرکے خلوت میں یہ تصور باندھا جائے کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

میدان قیامت میں حساب کے لئے کھڑا ہوں اور حق تعالٰی فرما رہے ہیں کہ اے بے حیا کیا تجھ کو شرم نہیں آتی کہ ہم کو چھوڑ کر ایک مردار کی طرف مائل ہوا۔ کیا تجھ پر ہمارا یہی حق تھا کیا ہم نے تجھ کو اسی لئے پیدا کیا تھا اے بے حیا ہماری ہی دی ہوئی چیزوں کو۔ آنکھ کو۔ دل کو ہماری نافرمانی میں تو نے صرف کیا۔ کچھ شرم بھی نہ آئی۔ اسی طرح بہت عرصے تک اسی مراقبہ میں غرق اور مشغول رہنا چاہیئے۔

تنبیہ :۔

اگر ان تدبیروں سے کچھ فائدہ نہ ہو یا دیر لگے تو پریشان نہ ہونا چاہیئے، اس کوشش میں اجر ملتا ہے جو اصل مقصود ہے۔ حتٰی کہ اگر اس میں جان بھی جاتی رہے تو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔

یعنی جو شخص عاشق ہو اور پاک دامن رہا اور اس کو چھپایا اور صبر کیا پھر وہ مر گیا تو وہ شخص شہید ہے (حدیث)

اور جو یہ مشہور ہے کہ بغیر عشق مجازی کے عشق حقیقی حاصل نہیں ہوتا یہ قاعدہ کلیہ نہیں حظوظ نفسانیہ اور لذات شہوانیہ حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال کو آڑ بنا رکھا ہے، اور دل کا حال تو اللہ تعالٰی کو خوب معلوم ہے اور خود ان سے بھی پوشیدہ نہیں انصاف اور حق پرستی ہو تو سب کچھ امید ہے۔ (بوادر النوادر)

حسن پرستی

میلان کے دو درجے ہیں۔ ایک تو کسی شے کی طرف توجہ اور ایک محبت یعنی توجہ تقاضے کے درجے میں۔ اول درجہ تو امر طبعی ہے۔ حق تعالٰی نے مرد کی طبیعت میں میلان رکھا ہے، نہ یہ کسی تدبیر سے جا سکتا ہے اور نہ اس کے کھونے کا انسان مکلف ہے اور دوسرا درجہ اختیاری ہے۔ یعنی اختیار کو وجود و عدم میں دخل ہے۔ انسان کسی چیز میں اتنا انہماک

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کر سکتا ہے کہ اسی کا ہو رہے اور کسی چیز سے اتنا بچ سکتا ہے کہ محبت کا درجہ نہ رہے جب یہ اختیاری ہے تو انسان اس کا مکلف بھی ہے۔ (بوادر النوادر)

شہوات دنیا موجب نقص نہیں بلکہ یہی موجب کمال ہیں ٹماٹ کا بڑھئے اگر زانی نہ ہو تو کیا کمال ہے۔ اندھا نظر بد نہ کرے تو کیا کمال ہے۔ بلکہ کمال تو یہ ہے کہ حسن کا ادراک ہو اور اس کی طرف طبیعت کا بھی میلان ہو۔ پھر بھی نامحرم کو نظر اٹھا کر نہ دیکھے کشش و میلان کا بالکل زائل ہو جانا تو عادتاً غیر ممکن ہے البتہ تدابیر سے اس میں ایسا ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت میں تکلیف نہیں ہوتی اور وہ تدبیر صرف اس میں منحصر ہے کہ عملاً اس کشش کے تقاضے کی مخالفت کی جائے خواہ کتنی ہی کلفت ہو۔ اس کو برداشت کیا جاتے۔ اسی تدبیر سے کسی کو جلدی اور کسی کو دیر میں طبیعت کے اختلاف کے موافق کشش میں ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور رکنے کے لئے ہمیشہ قصد و ہمت کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں آسانی کے ساتھ کامیابی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ توقع رکھنا محض آرزوئے خام ہے۔ مگر یہ خارق ہو تو اور بات ہے۔ اس اصل سے تمام فطریات میں کام لینے سے پریشانی بالکل کافور ہو جاتی ہے (کمالات اشرفیہ)

شہوت رانی میں جب اس پر عمل کیا جائے لذت آتی ہے اور بعد میں بھی لذت رہتی ہے۔ اس تقاضے کو پورا کرنے کے بعد کچھ کوفت نہیں ہوتی۔ اگر کسی کو روحانی کوفت ہو تو ہو سکتی ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں۔ عام حالت یہی ہے کہ شہوت رانی کے بعد چسکا پڑ جاتا ہے۔ پہلے سے زیادہ آگ بھڑک جاتی ہے، گو تھوڑی دیر کے لئے سکون مل جاتا ہے اور شہوت بالنساء سے بھی زیادہ اشد شہوت بالامارد ہے۔ آج کل امردوں سے ابتلا بہت عام ہو رہا ہے۔ یہ فعل

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حرام ہونے میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ شہوت سے پاک صاف ہیں مگر ان میں اکثر نظر بد کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ حالانکہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے۔ اس میں بہت کم لوگ احتیاط کرتے ہیں۔ حالانکہ نظر فعل کا مقدمہ ہے اور فقہ کا مسئلہ ہے کہ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہے۔ اس لئے نظر کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے۔ (وعظ الاکمال فی الدین)

معالجہ

یہ بدنظری کا گناہ ایسا ہے کہ اپنے اثر سے تمام طاعات کے نور کو تاریک کر دیتا ہے اس لئے اس کا علاج اہتمام سے کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ مادہ خلقی ہے پس وہ شر نہیں بلکہ اس میں بہت سے مصالح ہیں۔ البتہ اس مادّے کے تقاضے پر عمل کرنا شر ہے اور وہ اختیاری ہے۔ اور اختیاری کی ضد بھی اختیاری ہے۔ بس فعل سے رکنا اختیاری ہوا۔ اس میں کوئی معذوری نہیں۔ یہ خیال کرو کہ اگر اس عورت کے شوہر کو اس خیال کی اطلاع کر دوں تو کتنی رُسوائی ہو تو حق تعالےٰ تو بے کہے مطلع ہیں۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ وہ اس ارادہ کو دیکھ رہے ہیں اور اسی سلسلہ میں جہنم کے عذاب کا بھی تصور کرے یا نفس سے یہ کہے کہ جس طرح تو مجھے دوسری عورتوں سے مزا حاصل کرنے کو کہتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص میری بیوی سے مزا حاصل کرنا چاہے اور مجھے اس کا علم ہو جائے تو میں اس حالت میں کیا کر دوں گا۔ ظاہر ہے کہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاؤں گا۔ اسی طرح کیا دوسروں کو غیرت نہ آئے گی، کہ اگر ان کو خبر ہو جائے تو وہ بھی مجھے مار ڈالیں۔ ہر طرح کا نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو جائیں اور کیسی رسوائی ہو۔ پھر جہنم کا نقشہ پیش نظر کرے۔

بغیر ہمت کے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل علاج نظر بد کا یہی ہے کہ جس وقت ایسا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

موقع ہوا کرے یہ خیال کر لیا جائے کہ حق تعالےٰ اس وقت اس کو دیکھ رہے ہیں اور قیامت میں بھی باز پرس کریں گے۔ اگر سزا کا حکم فرما دیا تو پھر کیا گذرے گی۔ بار بار اس خیال کو مستحضر کرنے سے انشا اللہ تعالےٰ کامیابی ہوگی۔ بس ہمت کرو۔ یہی اس کا علاج ہے۔ کچھ روز تو ضرور تکلیف ہوگی۔ پھر انشا اللہ تعالےٰ عادت ہو جائے گی اور پھر اس میں جو لذت و فرحت ہوگی اس کا اندازہ کیا کیا جا سکتا ہے (انفاس عیسیٰ)

رغبت اضطراریہ الی الاجنبیہ کا علاج

حال: ایک صاحب نے غیر محرم کی طرف شدید رغبت کا ہونا تحریر کیا جس پر ارشاد فرمایا:

تحقیق: رغبت اضطراریہ الی الاجنبیہ پر مواخذہ نہیں بلکہ مواخذہ قصد پر ہے اگر عمداً کسی امرد یا عورت کی طرف توجہ کرے گا تو گناہ ہوگا۔ اس کا علاج بے التفاتی برتنا اور توجہ الی اللہ کرنا ہے۔ اگر یہ تدبیر ظاہراً کافی نہ معلوم ہو تب بھی چاہیئے کہ غم نہ کرے۔ انشا اللہ تعالےٰ اسی طرح رفتہ رفتہ ایک دن دفع ہو جاوے گا، اور اگر عمر بھر بھی دفع نہ ہو تو اس تدبیر کرنے کے بعد سبکدوش ہو گئے۔ اب تم کو اس خیال سے کچھ ضرر نہیں بلکہ نافع ہوگا کیونکہ تم مجاہدے میں مشغول ہو چنانچہ حدیث میں ہے، من عشق فعف دکتم فمات فھو شھید۔ یعنی جو کسی پر عاشق ہو گیا پھر اس نے عفت اختیار کی اور اپنے عشق کو چھپایا وہ شہید ہے عفت کی قید میں عفت جوارح و عفت قلب سب داخل ہیں اور عفت قلب سے مراد یہی ہے کہ بالاختیار اور بالقصد خیال نہ لائے اور شہید ہونا بھی عقلاً ظاہر ہے کہ جب تپ دق کا گھلا ہوا شہید ہے تو تپ عشق کا مارا تو ضرور ہی شہید ہوگا کیونکہ حرارت حمیٰ (بخار کی حدت) سے حرارت عشق اشد ہے۔ (اشرف السوانح)

بدنظری کی شکایت پر دعا کی درخواست

حال: (خلاصہ سوال) ایک طالب علم نے جو زیر تربیت ہیں کچھ حوادث سے پریشانیاں اور کچھ بدنظری کی شکایت لکھ کر دعا اور اصلاح کی آسان صورت کی درخواست کی تھی، اور یہ بھی لکھا تھا کہ ہر شئے حسین کو دیکھنے کو طبیعت میں اس قدر تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ باوجود یہی نظر کر لینے کے پھر نظر اٹھ جاتی ہے، حالانکہ حضرت والا کے فرمان کے بموجب عذاب دوزخ وغیرہ کو سوچتا ہوں مگر طبیعت کچھ ایسی مجبور ہوتی ہے جس کا رکنا دشوار اور شاق نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر سے کوئی دل کو پکڑ کر ابھار رہا ہے۔ حضرت والا کیا کروں نہایت ہی اس فعل بد سے مجبور ہو گیا ہوں جس پر خط کھینچ دیا گیا ہے اس کا جواب حسب ذیل دیا گیا۔

تحقیق: خط حرفاً حرفاً پڑھا غیر اختیاری مصائب پر تو اجر ملتا ہے ان کے ازالہ کی بھی دعا کرتا ہوں لیکن مصائب اختیاریہ یعنی معاصی پر نہ اجر ملتا ہے اور نہ اس کے ازالہ کی دعا ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا ازالہ تو خود عبد کا فعل ہے۔ اس دعا کی تو یہ مثال ہے کہ اے اللہ فلاں شخص فلاں کھانا کھانے لگے۔ فلاں کھانا نہ کھا دے۔ اس دعا کے کیا معنی البتہ توفیق کی دعا ہو سکتی ہے وہ بھی جبکہ فاعل اسباب کو جمع کرے اور اعظم اسباب قصد و ہمت ہے اور اس کے متعلق جو عذر خط کشیدہ عبارت میں لکھا ہے بالکل غلط ہے۔ سوچو کہ اگر ایسے موقعے پر کہ نفس میں تقاضائے شدید ہو تمہارا کوئی بزرگ موجود ہو جو تمہاری اس نظر اٹھانے کو دیکھ رہا ہو تو کیا اس وقت تم ایسی بے حیائی کر سکتے ہو؟ اگر کر سکتے ہو تو تمہارا علاج ہو اور اگر نہیں کر سکتے تو معلوم ہوا کہ نظر از خود نہیں اٹھتی نہ مجبوری ہوتی ہے نہ رکنا شاق ہوتا ہے نہ کوئی ابھارتا ہے۔ سب کچھ تم ہی کرتے ہو تو اس کے خلاف پر بھی تم قادر ہو سو تمہارا یہ عذر ہی بیہودہ ہے۔

(ماخوذ النور رمضان ۵۲ھ ۱۳، تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۴۲)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حسن کا دیکھنا اختیاری ہے

حال: حضرت نے دریافت فرمایا ہے کہ حُسن کا دیکھنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری. جواباً عرض ہے کہ بندہ کا دیکھنا اختیاری ہے مگر استعمال اختیار دشوار معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق: کیا دشوار ہے کیا نفس کے روکنے سے کوئی بیماری ہو جاتی ہے یا سانس گھٹنے لگتا ہے یا اور کوئی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔

بدنظری کا علاج

حال: چلتے پھرتے کسی لڑکے یا کسی عورت کی طرف نظر پڑ جاتی ہے تو بندہ اس وقت نظر کو فوراً ہٹا لیتا ہے اب حضرت والا سے یہ دریافت کرنا ہے کہ نظر اول معصیت کا سبب ہے یا نہیں۔

تحقیق: اس نظر اول میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر حدوث میں قصد نہ ہو تو اس کے ابقاء میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر ابقاء میں بھی قصد نہ ہو تو اس نظر سے جو صورت ذہن میں پیدا ہوتی ہے اس کے ابقاء یا اس کے التذاذ میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔

(ماخوذ النور جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۵۵ھ. تربیت السالک جلد دوم ص ۱۴۸)

گانے بجانے کی طرف میلان ہونے کا علاج

حال: ایک مرض لکھتا ہوں وہ یہ کہ اگرچہ گانے بجانے کو عقیدتاً بُرا جانتا ہوں مگر گانے اور باجے کی طرف میری طبیعت کو بہت کشش ہوتی ہے چلتا رہتا ہوں تو سن کر رک جاتا ہوں پھر کچھ خیال آتا ہے تو آگے بڑھ جاتا ہوں. یہاں مسجد خانقاہ میں بھی شب کو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جب کوئی اچھے لحن سے ذکر کرتا ہے تو میں خود اپنا بھول جاتا ہوں۔ کبھی کبھی کسی بانسری بجانے والے کو بلوا کر بانسری بھی سنی ہے۔ ہدایت فرمائیے۔

تحقیق: کشش و میلان کا بالکلیہ زائل ہو جانا تو عادتاً ممتنع ہے البتہ تدبیر سے اس میں ایسا ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت ضعیف نہیں رہتی اور وہ تدبیر صرف اس میں منحصر ہے کہ عملاً اس مقتضیٰ کی مخالفت کی جاوے۔ گو کلفت ہو اس کو برداشت کیا جاوے۔ اسی سے کسی کو جلدی کسی کو دیر میں علیٰ اختلاف الطبائع اس کشش میں ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور کف کے لئے قصد و ہمت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں بسہولت کامیابی ہو جاتی ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص۱۴۱)

حقیقتِ ریا

ارشاد: اللہ تعالےٰ کی طاعت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو جاتے (ریاء کہلاتی ہے) اس کی حقیقت اراءۃ الخلق للغرض الدنیوی ہے یعنی عبادت کا اظہار کسی دنیوی غرض سے کیا جاوے۔ یا کسی فعل مباح کا اظہار کسی معصیت کی غرض سے کیا جاوے۔ اگر عمل میں دنیائے فاسد یعنی معصیت کی نیت ہو تو وہ یقیناً ریاء ہے اور اگر دنیائے مباح کی نیت ہو تو اگر عمل دنیوی ہے تو وہ ریاء نہیں اور اگر عمل دینی میں ہے تو وہ بھی ریاء ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲)

ریاء کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت و منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالےٰ کی رضامندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہو گیا کہ رضائے خلق اور حصول منزلت مقصود ہے لہذا اس کا نام شرک اصغر ہے۔ (تبلیغ دین ص ۶۸)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

طاعات میں رضائے خلق کا مقصود ہونا ریا ہے

حال: حضرت کے مواعظ میں سے کبھی اگر اپنے پاس بیٹھنے والوں سے کوئی بات کرتا ہوں تو دل میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ریاء ہے چونکہ اپنے نفس میں ریاء کا احساس ہے ہر وقت یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ جو کچھ کہتا ہے وہ تیرے افعال کے خلاف ہے دل ہی دل میں طے کر لیتا ہوں کہ آئندہ نہ کرونگا۔ لیکن ریاء کا اس درجہ غلبہ ہے کہ پھر شروع کر دیتا ہوں اور یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ گویا خلاف منصب وعظ گوئی ہے جو کہ میرے لئے مضر ہے اس کا جو مناسب علاج ہو تجویز فرمایا جاوے۔

تحقیق: ریاء ہر خیال کا نام نہیں بلکہ جس خیال کی بناء قصد رضائے خلق بذریعہ دین ہو اور یہ اختیاری امر ہے۔ جب اس کا قصد نہ ہو وہ ریاء ہی نہیں۔ اگرچہ وہم ریاء ہو وہم ریاء وسوسہ ریاء ہے جس پر مواخذہ نہیں ایسے وہم سے عمل صالح کو ترک نہ کیا جاوے

(ماخوذ النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۶۱)

ریا کے خیال سے نیت کا بدلنا معتبر نہیں

سوال: ایک طالب نے لکھا کہ بعض مرتبہ کسی اچھے کام میں مصروف ہوتا ہوں، اور اچانک کسی شخص پر نظر پڑ جاتی ہے تو اکثر و بیشتر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کام کو اور اچھی طرح کریں مجھے اتنا تو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ریا ہے لیکن یہ سمجھ کر کہ انسان کیا چیز ہے جو اس کو دکھلا کر کام کریں۔ فوراً اپنی نیت کو حق تعالےٰ کی طرف پھیر لیتا ہوں کیا اس طرح نیت ٹھیک کر لینے سے وہ ریا ریا نہ رہے گی۔

جواب: تحریر فرمایا کہ میرا مذاق اس میں یہ ہے کہ صرف تصحیح نیت اس میں کافی نہیں کیونکہ یہ تصحیح نیت اس شخص کے نزدیک مقصود بالذات نہیں بمقصود

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بالذات تحسین عمل للخلق ہے اور تصحیح نیت اس تحسین کا آلہ، تاکہ غائلۂ ریا سے بھی بچا رہوں اور مقصود نفس بھی حاصل ہو جاوے، تو جس اخلاص سے تحسین ریا مقصود ہو وہ مقدمہ ریا ہونے کے سبب ریا ہی ہے۔ اس صورت میں ریا سے حفاظت کی صورت صرف یہ ہے کہ اس خطرے کے بعد عمل میں تغیر نہ کرے، اور اسی کے ساتھ نیت خالص رکھے مجھے معلوم نہیں کہ دوسرے اطبائے باطن کی اس میں کیا تحقیق ہے اگر اس کے خلاف بھی ہو تب بھی میں اپنی رائے پر قائم ہوں۔ ذوقیات میں ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں۔ (اشرف السوانح)

ریا میں قصد کو بدل لینا کافی نہیں بلکہ اس کا استحضار ضروری ہے

حال: ریا اختیاری ہے لہذا اس کا علاج بھی اختیاری ہوگا مثلاً کسی کام میں ریا کا قصد ہو تو اس میں اس قصد کو بدل کر اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کا قصد کروں گا۔ اگر ریا سے خارج ہونے اور خلوص حاصل کرنے کے لئے یہ کافی ہو تو اور علاج کی ضرورت نہیں یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

تحقیق: یہ طریقہ صحیح اور کافی ہے مگر محض اس کا جاننا اور اس پر قدرت ہو جانا کافی نہیں۔ اکثر اہل طریق کو یہ دھوکا ہو جاتا ہے، بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ مدت دراز تک اس کا استحضار اور اس کا استعمال رہے تاکہ اس میں رسوخ اور تمکین ہو جائے۔ اور ریا حدیث النفس میں بھی نہ رہے واصلہ قولہ تعالےٰ فی الانفاق۔ ومثل الذين ينفقون اموالهم ابتغاء مرضات الله وتثبيتا من انفسهم۔ فعلم ان التثبيت مطلوب مع تحقق الاخلاص فی النية

(النور۔ محرم ۱۳۵۱ھ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

آفات لسانی

گالی دینا

حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے جو شخص کسی شخص کو عیب لگانے کے لئے ایسی بات کہے جو اس میں نہیں تو اللہ تعالےٰ اس کو جہنم کی آگ میں اس وقت تک روکے رکھیں گے جب تک وہ اپنے کہے کی سزا نہ بھگت لے۔

لعنت کرنا

لعنت کے معنی ہیں کسی کو اللہ تعالےٰ کی رحمت سے دور یا غضب و قہر میں مبتلا یا دوزخی کہنا۔ یا بطور بددعا کے یہ کہنا کہ اس کو اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے دور کردے یا اس پر غضب الٰہی نازل ہو۔ یا دوزخ میں جائے وغیرہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص پر لعنت کی جاتی ہے اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو یہ لعنت اس کہنے والے پر لوٹتی ہے، اور فرمایا مومن پر لعنت کرنا ایسا ہے جیسے اس کو قتل کردیا۔ (بخاری، مسلم۔ ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ۔ شریعت و طریقت ص ۱۸۳-۱۸۴)

دل لگی و تمسخر کرنا

قرآن کریم میں حکم ہے۔

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۔ الآیہ

کوئی جماعت کسی جماعت کے ساتھ ٹھٹھا نہ کرے شاید وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ اور عورتیں عورتوں سے تمسخر نہ کریں شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تمسخر کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی کی اہانت وتحقیر اور اس کے عیب کا اظہار اس طرح کیا جائے جس سے لوگ ہنسیں یا دل لگی کرنا جس سے دوسرے کو ایذا پہنچے اس میں بہت سی صورتیں داخل ہیں مثلاً۔

۱۔ کسی کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، بولنے ہنسنے وغیرہ کی نقل اتارنا یا قدوقامت یا شکل وصورت کی نقل اتارنا۔

۲۔ اس کے کسی قول وفعل پر ہنسنا۔

۳۔ آنکھ یا ہاتھ پیر کے اشارے سے اس کے عیب کا اظہار کرنا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں آخرت میں ان کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اس کی طرف بلایا جائیگا جب وہ سرکتا سسکتا وہاں تک پہنچے گا تو بند کر دیا جائے گا اسی طرح برابر جنت کے دروازے کھولے اور بند کئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ مایوس ہو جائے گا اور بلانے پر دروازۂ جنت کی طرف نہ جائے گا۔

چغلخوری

کسی کا عیب یا ایسا قول وفعل جس کو وہ چھپانا چاہتا ہو، دوسروں پر ظاہر کرنا چغلی ہے۔ چغلی کھانا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر اگر وہ عیب واقعی اور صحیح بات ہے تو صرف چغلی کا گناہ ہوگا اور اگر واقعے کے خلاف ہے یا اپنی طرف سے اس میں کمی یا زیادتی کی یا بُرے عنوان یا بُرے طرز سے نقل کیا تو افترا، اور بہتان بھی ہے جو مستقل کبیرہ گناہ ہے اور جس کی طرف سے چغلی کی گئی ہے اگر اس کے کسی عیب کا اظہار بھی ہے تو غیبت بھی ہے جو تیسرا گناہ کبیرہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چغلی لے کر اِدھر سے اُدھر جاتے ہیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جو دوستوں میں باہم فساد ڈلواتے ہیں اور جو بے قصوروں کے عیب ڈھونڈتے ہیں، بدترین انسان ہیں اور فرمایا کہ چغلخور جنت میں نہیں جائے گا اور چغلی عذاب قبر ہے
(شریعت و طریقت ص ۱۸۹)

مدح سرائی

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع میں اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی، مطلب یہ ہے کہ اس کے نفس میں خود پسندی اور بڑائی پیدا کر کے اس کو ہلاک کر دیا (دوسرے) نفس اپنی تعریف سن کر پھولتا ہے اور اعمال خیر میں سست پڑ جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان بھائی کو کند چھری سے ذبح کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے اس لئے کہ ممدوح مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ یہ اس کی ہلاکت و تباہی کی جڑ ہے۔

اکثر دنیادار مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ مالدار اور صاحب جاہ لوگوں کی تعریف کرتے ہیں (اس میں) اکثر باتیں ایسی بیان کی جاتی ہیں جو واقعہ کے خلاف ہوتی ہیں یہ صریح جھوٹ اور کبیرہ گناہ ہے۔ (شریعت و طریقت ص ۱۸۹)

کذب (جھوٹ)

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ — اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ — ہمیشہ سچ بولو اور جھوٹ مت بولو۔
(متفق علیہ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خلاف واقعہ بات کہنا کذب ہے، بے تحقیق کسی بات کا نقل کرنا اور سُنی سُنائی بات کو بدون تحقیق کے فوراً زبان سے نکال دینا بھی گناہ ہے۔ (انفاس عیسٰی)

کفیٰ بالمرءِ کذباان یحدث بکل ما سمع — آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات سُنے بیان کردے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ بولنے سے بچو کہ جھوٹ اور فجور ساتھ ساتھ ہیں اور یہ دونوں جہنم میں ہیں اور فرمایا جھوٹی شہادت تین مرتبہ شرک کے برابر ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے (چمٹے کے مانند ایک آلہ جس کے اگلے سرے مُڑے ہوئے ہوتے ہیں) اور اس بیٹھے ہوئے کے کلّے کو چیر رہا ہے یہاں تک کہ گدّی تک جا پہنچتا ہے۔ پھر وہ کلّا درست ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھی (حضرت جبریل علیہ السلام) سے پوچھا تو کہا کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے رہیں گے (یعنی قبر میں عذاب ہوتا رہے گا۔ (نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ بہشتی زیور جلد اول)

جھُوٹ کا عِلاج

سوال: ایک طالب علم نے حضرت والا کے اس استفسار پر کہ جھُوٹ اختیار سے بولتے ہو یا بالاضطرار، یہ لکھا کہ یہ جھوٹ بولنا ہے تو اختیاری لیکن کثرت انہماک سے اضطراری جیسا ہو چکا ہے۔ حضرت اس کا علاج فرمادیں۔

جواب: حضرت والا نے پھر جواب تحریر فرمایا کہ جب ہمت و اختیار سے چھوڑ دو گے اور بہ تکلف اس کی عادت کرلو گے تو اسی طرح عدم صدور اضطراری جیسا ہو جائے گا۔ یہی علاج ہے۔ (اشرف السوانح)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

روکھی یا کرخت بات کرنا

حال: ایک یہ ہے کہ گفتگو نرم اور شیریں نہیں ہوتی۔ روکھی سخت اور کرخت ہوجاتی ہے جس سے دوسروں کو اذیت یقیناً پہنچتی ہوگی خواہ کسی معاملے میں یا ویسے۔ جی یوں چاہتا ہے کہ گفتگو ایسی ہوجائے جس سے سننے والے کو دلچسپی اگر نہ ہو تو کم سے کم اذیت بھی نہ ہو۔ طبیعت حاضر جواب نہیں، اس لئے فوراً جواب نہ سوجھنے کی وجہ سے لہجہ یا آواز سخت ہوجاتی ہے، ورنہ روکھے تو ہو ہی جاتے ہیں۔ اس کا احساس اور ندامت ہے مگر تدبیر ارشاد ہو تو یہ رفع ہو۔

تحقیق: ایسے امور میں اکثر عادت اور فطرت کا خلط ہوجاتا ہے اور اس لئے ایک پر دوسرے کا اشتباہ ہوجاتا ہے۔ تدبیر سے عادت کی اصلاح ہوجاتی مگر فطرت باقی رہتی ہے۔ احیاناً اس کو عادت سمجھ کر علاج کو ناکام سمجھا جاتا ہے یا احیاناً عادت کو فطرت سمجھ کر اس کا علاج بھی نہیں کیا جاتا لہٰذا ضرورت ہے کہ معالجہ سب کا جاری رکھا جائے جو جزو مضمحل ہوجائے شکر کرے اور اس میں استقامت کی سعی رکھے اور جس میں اضمحلال نہ ہو اس میں فطری ہونے کا احتمال سمجھ کر مایوس نہ ہو اور اس میں بلا انتظار اضمحلال کے اس کے مقتضاء پر عمل نہ کرنے پر اکتفا کرے یہ سب تمہید تھی۔ اب تدبیر لکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس خصلت کے مضار کا وقت پر استحضار رکھے اور بہ تکلف عمل میں اس کی مقاومت کرے اور اس پر استمرار رکھے اس سے کسی جزو میں اضمحلال ہوجاوے گا اور کسی میں تکلف کی ضرورت رہے گی جس پر قدرت یقینی ہے اور اس تکلف کی سہولت کے لئے دعا بالخاصہ موثر ہوگی۔

(ماخوذ النور ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۷۷)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فضول گوئی کا علاج

سوال : ایک طالب نے فضول گوئی کا مرض لکھا اور اس کا سبب یہ لکھا کہ جب کوئی مجھ کو خوشی ہوتی ہے یا کوئی فکر نہیں ہوتا تو ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے اور اس میں بہت باتیں کرتا ہوں یہاں تک کہ فحش اور غیبت تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور جب تک یہ نوبت نہیں آتی وہ جوش کم نہیں ہوتا۔

جواب : علاج تحریر فرمایا کہ علاج کی حقیقت ہے ازالہ سبب مرض۔ جب مرض کا سبب جوش ہے خوشی کا۔ اس کا علاج اس جوش کا کم کرنا اور اس خوشی کو اس کی ضد یعنی فکر وغم سے مغلوب کرنا ہے۔ اور سب سے زیادہ فکر وغم کی چیز موت کے احوال بعد الموت ہیں یعنی واقعات برزخ ومحشر وصراط وعقوبات معاصی (لگتا ہوں پر عذاب) پس ایسے وقت میں ان واقعات کو مستحضر کر لیا جاوے۔ اگر ویسے استحضار ضعیف نہ ہو تو کوئی کتاب اس مضمون کی لیکر مطالعہ شروع کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ فوراً خلوت میں جاکر مراقبہ یا مطالعہ کر لیا جائے اس کا علاج تو فوراً ہو جائے گا۔

پھر اگر ضعف طبیعت سے ہیبت کے غلبہ سے تکلیف ہونے لگے تو رحمت و رجا کی حدیثوں کو مستحضر کر لیا جائے۔

پس اعتدال ہو جائے گا اور اصل خوشی رہ جائے گی جو مامور بہ ہے۔

قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالك فليفرحو۔

اور یہ فضول حصہ خوشی کا زائل ہو جائے گا جو منہی عنہ ہے۔

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ

(اشرف السوانح)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

زبان پر قابو نہ ہونے کا علاج

حالؔ: مجھ میں ایک زمانے سے یہ مرض ہے کہ حق بات بولنے یا صاف کہنے میں سختی ہو جاتی ہے اور اس سے لوگوں کے قلب کو تکلیف ہو جاتی ہے کوئی تو بالکل رنجیدہ ہو جاتا ہے اور کوئی وقتی طور پر رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو بڑی کلفت ہوتی ہے کہ بیکار ایک شخص کے دل کو تکلیف پہنچی۔ بسا اوقات تو اس شخص سے معافی چاہتا ہوں مگر اپنے قلب کو ایک رنج رہتا ہے کہ ایک شخص کو تکلیف دی۔ بسا اوقات نماز کے بعد دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو زبان پر قابو دے دیں تاکہ زبان سے فضولیات نہ نکلیں۔ حضرت والا کو بہت زمانے سے اس مرض کا حال لکھنے کو تھا مگر کل مجلس میں بعد ظہر جو حدیث حضرت والا نے مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ کی بیان فرمائی تو اپنا مرض یاد آگیا حضور سے دست بستہ التجا ہے کہ اس مرض کا جو مناسب علاج حضور تجویز فرمادیں اس پر عمل کروں۔

تحقیقؔ: چند روز اس کا التزام کرلیا جائے کہ کسی کو بالکل ہی نصیحت نہ کی جائے اور یاد رکھ کر ہمت سے اس پر عمل کیا جائے۔ چند روز ایسا کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ اعتدال پیدا ہو جائے گا اور اگر کوئی موقع نصیحت کا ایسا ہو کہ آپ کے علم میں فوراً ہی کہنا واجب ہو تو کسی دوسرے شخص کے واسطے سے کہدیا جاوے تاکہ واجب فوت نہ ہو۔ (ماخوذ النور ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۶۸)

لغو عمل کی بے برکتی

فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنے فضول کاموں میں غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ لغو اور فضول کاموں سے ضرور بطور اختصار کے گناہ تک قریب ہوگیا ہے۔ مثلاً مجھے خود یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ بعض دفعہ کوئی شخص آکر بلا ضرورت پوچھتا ہے کہ آپ فلاں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جگہ کب جائیں گے۔ اس سوال سے مجھ پر گرانی ہوتی ہے اور مسلمانوں کے قلب پر گرانی تو الناخود معصیت ہے۔ اگر سوال کرنے والا مخلص ہو جب بھی مجھ پر گرانی ہوتی ہے کہ اس کو ہمارے ذاتی افعال کی تفتیش کا کیا حق ہے غرضیکہ کوئی لغو اور فضول کام ایسا نہیں جس کی سرحد معصیت سے نہ ملی ہو۔ بس لغو اور فضول ابتداءً تو مباح ہے مگر انتہاءً معصیت ہے۔ (اشرف السوانح)

ذکر اللہ سے لغو مجالس کا تدارک

فرمایا کہ جب زبان کو ذرا بھی وسعت دی جاتی ہے تو گناہ میں ضرور مبتلا ہو جاتی ہے اس کی ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے، یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں ختم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر رسول بھی کر لیا کریں۔ اس کی ضرورت حدیث سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ (ترمذی)

یعنی جس مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی اور کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہی کہہ لیا کرو۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یہ جملہ جامع ہے ذکر اللہ اور ذکر رسول دونوں کو علماء نے لکھا بھی ہے کہ یہ کفارۂ مجلس ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

غیبت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا الآیہ   اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا   غیبت زنا سے سخت تر ہے

(وعظ التصدی للغیر ص ۹)

کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو اگرچہ وہ بات اس کے اندر ہی موجود ہو، اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے تو وہ غیبت سے بڑھ کر بہتان ہے۔ اسی طرح کسی کی نقل اتارنے سے، مثلاً آنکھ دبا کر دیکھنا۔ لنگڑا کر چلنا بھی (غیبت ہے) بلکہ یہ زیادہ بُرا ہے۔

غیبت کا مذموم ہونا (قرآن اور حدیث سے) ظاہر ہے، اس کی مضرت دین و دنیا میں ہے۔ دنیا کی مضرت تو یہ ہے کہ اس سے باہمی تشویش و نا اتفاقی ہوتی ہے آپس میں فساد ہو جاتا ہے اور دین کی مضرت یہ ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کو مل جائیں گی جس کی غیبت کی تھی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غیبت حق العبد ہے جب وہ معاف کرے گا تب معاف ہوگا۔ (تعلیم الدین ص ۱۰۲)

غیبت کا علاج

حال: حضرت والا کے فیض اور توجہ سے غیبت وغیرہ سے بڑی حد تک بچا ہوں لیکن بے تکلف دوستوں میں بیٹھنے کی نوبت جب کبھی بھی آتی ہے تو ضرور کسی نہ کسی کی غیبت و شکایت ہو جاتی ہے بعد میں افسوس ہوتا ہے لیکن دوسری مجلس

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

میں پھر یہی حرکت سرزد ہوتی ہے، اس کا علاج چاہتا ہوں۔

تحقیق: استحضار دہمت اور بعد صدور صاحب حق سے معاف کرا کر تدارک اور یہ جزو اخیر سب اجزاء سے زیادہ ضروری اور موثر ہے۔

(ماخوذ النور ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۸۲)

حال: نیز اگر کسی کی غیبت سنی ہو تو اس کا تدارک اس کے حق میں دعا کرنے سے ہو جائے گا یا نہیں۔ نیز خود جن جن حضرات کی غیبت کی ہے اب ان کی بھلائیاں بیان کر دیتا ہوں کہ ہر شخص میں کچھ نہ کچھ بھلائی تو ہوتی ہی ہے اور ان کے اور اپنے حق میں دعائیں بھی کرتا ہوں کیا یہ معالجہ کافی ہے یا نہیں۔ اگر کافی نہ ہو تو تدارک کی سبیل ارشاد فرمائی جائے انشاءاللہ عمل کروں گا۔

تحقیق: مغتاب کے محاسن بیان کرنا مستقبل میں مستقل معالجہ ہے۔ ماضی کا تدارک نہیں۔ اس کے لئے دعا کرنا بروئے حدیث ایک درجہ میں تدارک ہے لیکن کلیات سے ذوقاً اس کا تدارک ہو جانا عجز من التحلل کے ساتھ مقید معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ عجز کی بنا معتد بہ ہو اور احوط و ازجر للنفس اس حال میں یہی ہے کہ اس سے معاف کرالے اس سے آئندہ کے لئے ایک رادع قوی ہو جائے گا۔ (ماخوذ النور صفر ۱۳۶۲ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۲۰۰)

غیبت کا ایک عجیب عملی علاج

تہذیب۔ غیبت کا ایک عجیب و غریب عملی علاج یہ ہے کہ جس کی غیبت کرے اس کو اپنی اس حرکت کی اطلاع کر دیا کرے۔ تھوڑے دن اس پر مداومت سے انشاءاللہ یہ مرض دفع ہو جائے گا۔ (انفاس عیسیٰ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

غیبت اور بسیار خوری کا علاج

حال : دو بڑے مرض یہ ہیں، ایک زبان کا غیبت اور جھوٹ میں مبتلا رہنا دوسرے کھانا انداز سے زاید کھایا جانا جو بے تعداد امراض ظاہری و باطنی کا سبب ہے اس سے پہلے اپنی طرف سے کوشش کر چکا ہوں لیکن رہائی نصیب نہیں ہوئی مگر اب امید ہو گئی ہے کہ جناب کے تجویز فرمودہ علاج و دعا سے اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں گے۔ ان دو مرضوں کے ہاتھ سے سخت مصیبت اور ہلاکت میں ہوں۔

تحقیق : اول مرض کا علاج یہ ہے کہ بے سوچے ہرگز کوئی کلام نہ کیا جاوے اگرچہ بعض اوقات یہ بھی یاد نہ رہے گا کہ سوچ کر بولوں مگر خیال رکھنے سے اکثر اوقات یاد رہے گا اور رفتہ رفتہ پھر انشاء اللہ تعالیٰ ذہول نہ ہوگا پس جب سوچ کر بولا جاوے گا تو ہر کلام سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ اس کلام سے گناہ تو نہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بہت کچھ اصلاح ہو جائے گی اور دوسرا مرض اس وقت مرض ہے جب شبع یعنی سیری سے بھی زیادہ کھایا جائے اور سیری تک کھانا مباح ہے کچھ مرض نہیں، سو اگر سیری سے زیادہ کھالیا جاوے تو اس کا علاج بھی وہی سوچنا ہے کہ زاید سے ضرر ہوگا پس اس سوچنے سے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۴۱۴)

غیبت کے وقت کلام سے رکنا مستحسن ہے

حال : اس خط کے بعد (اس سے پہلے ایک خط آیا تھا) یہ حال ہے کہ اب کسی مجلس میں کسی کی نسبت کوئی ایسی بات کہنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے جو غیبت میں داخل ہو سکتی ہے تو فوراً یہ تصور ہوتا ہے کہ اس سے معاف کرانا پڑے گا۔ یہ تصور آتے ہی زبان رک جاتی ہے بسا اوقات بولنا شروع کر دیتا ہوں۔ ساتھ ہی یہ تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے اور

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بجائے اس بات کے کوئی دوسری بات کہہ دیتا ہوں ۔

تحقیق : عمل احسن ہے اور اس سے احسن یہ ہے کہ دوسری بات بھی نہ کہی جاوے بلکہ خاموش ہو جائیں۔ اس میں نفس کا زجر بھی زیادہ ہے، نیز دوسروں کے لئے تنبیہ ہے، کہ جب کلام کا نامناسب ہونا مستحضر ہو جائے، اس طرح سے رُک جانا چاہئے دوسری بات کی طرف منتقل ہونے میں یہ تنبیہ نہیں جو کہ نفع متعدی ہے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۸۵)

حقیقت غضب و غصہ

مضمون : خونِ قلب کا بدلہ لینے کے لئے جوش مارنا غضب ہے اس کے درجات شریعت اور اخلاق کے بیان میں ملاحظہ ہوں ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑا پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ قوی اور پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے ۔ ایک روایت میں ہے کہ قوی وہ ہے جو غصہ کا مالک ہو یعنی غصہ پر غالب ہو یہ نہ ہو کہ غصہ کے منشا کے مطابق فوراً عمل کرے بلکہ اس کو شریعت کی تعلیم کے موافق استعمال کرے اس لئے غصہ میں جوش پیدا ہونا طبعی امر ہے ، اس میں ملامت نہیں ۔ مگر انسان کو خدا تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اس کو روکنا چاہیئے ۔ اس اختیار کو صرف نہ کرنا انسانیت کے خلاف ہے ۔ غصہ کو بھی حق تعالیٰ نے بہت سی مصلحتوں سے انسانیت کی تربیت میں داخل کیا ہے ، اس سے بہت سے کام نکلتے ہیں لیکن اختیار کو بھی ساتھ ساتھ رکھ دیا ہے کہ جس جگہ غصہ کا کام (شرعاً مامور) ہو وہاں کام لے اور جو جگہ غصہ کے کام کی نہیں وہاں کام نہ لے ۔ (وعظ غوائل الغضب)

غصہ فی نفسہ غیر اختیاری ہے لیکن اس کے اقتضاء پر عمل کرنا اختیاری ہے اس لئے اس کا ترک بھی اختیاری ہے ، اور اختیاری کا علاج بجز استعمال اختیار کے کچھ نہیں ۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اگر اس میں کچھ تکلف و مشقت بھی ہو اس استعمال کی تکرار و مداومت سے وہ اقتضاء
ضعیف ہو جاتا ہے اور اس ترک میں زیادہ تکلف نہیں ہوتا البتہ اس اختیار کے استعمال
میں کبھی قدرے تکلف ہوتا ہے ۔

طریق کار :-

حدیث شریف میں ہے لَا يَقْضِيَنَّ قَاضٍ بَيْنَ اِثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ
یعنی حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کبھی نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ ملتوی کر دے
اور تاریخ بڑھا دے یہاں حاکم سے مراد وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو اس میں
معلم، استاد اور گھر کا مالک بھی شامل ہے ۔ لہذا غصہ میں بچوں یا دیگر ماتحتوں اور کمزوروں
کو کسی جرم پر بھی سزا دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ غصہ فرو ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی
جائے اور یاد رکھیں کہ جس حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف
سے ہوگا، یہاں تک کہ اگر کافر ذمی پر کوئی حاکم ظلم کرے تو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے مطالبہ کریں گے لہذا سزا دینے کے
وقت احتیاط لازمی ہے ۔ (انفاس عیسیٰ ۔ کمالات اشرفیہ)

اگر طبعی طور پر غصہ زیادہ ہو اور ذرا سی بات پر حد سے زیادہ غصہ آجاتا ہو ۔
اگر اس وقت عقل نہ رہتی ہو، تو جس پر غصہ کیا جاوے بعد غصہ فرو ہو جانے کے مجمع میں
اس کے سامنے ہاتھ جوڑیں پاؤں پکڑیں بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھ لیں، ایک دو
بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی ۔ قول اور فعل میں ہرگز تعجیل نہ کریں ۔ بہ تکلف
تقاضے کی مخالفت کریں ۔ جب کبھی کوتاہی ہو جائے استغفار کریں اور اگر کسی شخص کے
حق میں زیادتی و تجاوز حدود شرعی سے ہو گیا ہو تو اس سے معاف کرائیں ۔ زبان سے
اعوذ باللہ پڑھیں اگر کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اگر بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں اور ٹھنڈے
پانی سے وضو کر لیں اور ٹھنڈا پانی پی لیں ۔ فوراً کسی کام میں لگ جائیں ۔ بالخصوص مطالعہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کتب میں۔ اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو اس شخص سے علیحدہ ہو جائیں یا اس کو علیحدہ کردیں جیسا موقع ہو۔

طریق علاج

یہ یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر زیادہ قدرت ہے اور میں اس کی نافرمانی بھی کیا کرتا ہوں۔ اگر وہ بھی مجھ سے یہی معاملہ کریں تو کیا ہو اور یہ سوچیں کہ بدون ارادۂ خداوندی کے کچھ واقع نہیں ہوتا۔ سو میں کیا چیز ہوں کہ مشیت الٰہی سے مزاحمت کروں۔
(تعلیم الدین ص ۸۱)

غصہ کا علاج

حال: احقر اپنا ایک مرض کہ وہ غصہ ہے اس کا مقتضا دیر گا ہے عمل بھی ہو جاتا ہے عرض کرتا ہے یہ غصہ گاہے گھر والوں پر ہوتا ہے جبکہ وہ کسی امر میں احقر کے خلاف کرتے ہیں۔ بالخصوص جب اپنی زوجہ پر غصہ آتا ہے تو اکثر اس کے مقتضی پر عمل ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی محکوم اور تابع ہے اور گاہے ایسے مخاطب پر بھی آتا ہے جو ظاہر اور حق بات کو تسلیم نہ کرے اور کبھی طلباء پر بھی آتا ہے جبکہ وہ سبق یاد کرنے اور مطالعہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔

تحقیق: غصہ کے مقتضیٰ پر عمل کرنے کا ہر درجہ مذموم نہیں مگر چونکہ اکثر درجہ مباحہ سے تجاوز ہو جاتا ہے اس لئے بطور علاج کے بعض درجات مباحہ سے بھی روکا جاتا ہے اس بناء پر ان سب صورتوں میں مشترک علاج یہ ہے کہ غصہ کے وقت کلام بالکل نہ کیا جائے۔ جب ہیجان بالکل ضعیف ہو جائے اس وقت ضروری خطاب کا مضائقہ نہیں اور اگر اس خطاب سے پھر ہیجان عود کر آئے، پھر ایسا ہی کیا جائے۔ (ماخوذ النور ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۳۱)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ بغض وکینہ

ارشاد : جب غصہ میں بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہو جاتی ہے۔ اس کو حقد یعنی کینہ (اور بغض) کہتے ہیں۔ (تعلیم الدین ص ۸۱)

اس کا منشاء غصہ ہے اور میٹھے غصہ میں ہوتا ہے اور میٹھے غصہ میں دو عیب ہیں۔ ایک عیب تو خود وہ غصہ تھا اور دوسرا عیب یہ کینہ ہے تو کینہ صرف ایک عیب نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے۔ جب غصہ نکلا نہیں تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بڑھتی اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ (غوائل الغضب)

کینہ وہ ہے جو اختیار اور قصد سے کسی کی برائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے اور اس کو ایذا پہنچانے کی تدبیر بھی کرے۔ اگر کسی سے رنج کی کوئی بات پیش آوے، اور طبیعت اس سے ملنے کو نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباض طبعی ہے جو گناہ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کینہ پرور بخشا نہیں جاتا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ پیر اور جمعرات کو جب بندوں کے نامۂ اعمال اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو ہر استغفار کرنے والے کی مغفرت کر دیتا ہے لیکن اہل کینہ کی نجات نہیں ہوتی۔ نیز فرمایا۔ ان دو آدمیوں کی بخشش نہیں ہوتی جن کے درمیان عداوت اور کینہ ہو بشرطیکہ عداوت کا منبع دنیاوی امور ہوں لیکن اگر کسی مسلمان کو کسی سے دین کے متعلق خدا تعالیٰ کے واسطے دشمنی ہو تو یہ عداوت مستحسن اور قابل اجر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں اَلحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کا امر ہے (انفاس عیسیٰ ص ۱۴۱)

ایسا ہی بُغض کا حال ہے کہ حق تعالیٰ کے نافرمان بندوں سے عداوت ہونی چاہئے جن کو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے ان کی یہ حالت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نا فرمان بندوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور ان سے بات کرنا تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ان کی صورت نظر آتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہے کہ "خداوندا کسی فاسق شخص کا مجھ پر احسان نہ کرائیو۔ کہ اس کے احسان کی وجہ سے میرے دل میں اس کی محبت آجائے۔" حُبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ اسی کا نام ہے اور جس مسلمان میں یہ نہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کے ایمان میں ضعف ہے۔
(تبلیغ دین ص ۲۶)

طریق کار

اپنے مخالف کو کوئی نقصان کسی سے پہنچ جائے اور قلب میں فرحت محسوس ہو تو عقلاً اور اعتقاداً اس کا استحضار کیا جاوے کہ یہ فرحت قابل دفع ہے، اور دعا بھی کی جائے کہ اس فرحت کو اللہ تعالےٰ دفع فرمائیں (اس لئے کہ) ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۱)

بعض اوقات کسی سے اتنا انتقام لینا جیسا کہ کسی سے کوئی رنج پہنچا ہو تو انتقاماً یہ کہدینا کہ ہاں تمہاری اس حرکت سے مجھے رنج ضرور ہے اچھا ہے۔ اس سے دل صاف ہو جاتا ہے البتہ زیادہ پیچھے پڑنا نہ چاہیئے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۴۷)

جس شخص سے کینہ ہو اس کا قصور معاف کر کے اس سے میل جول شروع کریں گو بہ تکلف سہی۔ چند روز میں کینہ دل سے نکل جائے گا۔ (تعلیم الدین ص ۸۱)

حقیقت حسد

ارشاد: کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے (یہ حسد ہے) اس کے تین درجے ہیں۔ ایک تو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کیفیت انانیہ ہے جس میں انسان معذور ہے۔ ایک اس کے مقتضا پر عمل ہے۔ اس میں
امال ا روز (یعنی گنہگار) ہے ایک اس کے مقتضاء کی مخالفت ہے، اس میں انسان ماجور
(یعنی ثواب پانے والا) ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۹)

حسد کے باعث یا تو تکبر و غرور ہوتا ہے یا عداوت و خباثت نفس، کہ بلا وجہ خدا تعالیٰ
کی نعمت میں بخل بھی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح
حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے، البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا
کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہو جائے غبطہ اور
رشک کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے۔ (تبلیغ دین ص ۴۷)

طریق کار اور علاج

حسد کا مقصود تو یہ ہے کہ محسود (یعنی جس پر حسد کیا جائے) کی عیب جوئی کریں
اور رنج و غم کے گھونٹ رات دن پئیں لہذا نفس پر جبر کریں اور قصداً اس کے منشاء کی
مخالفت کر کے اس کی ضد پر عمل کریں یعنی محسود کی تعریفیں بیان کریں، گو نفس کو ناگوار ہو
مگر زبان پر تو اختیار ہے اس کے ساتھ نیاز مندی کے ساتھ ملاقات و کلام کریں اور اس کے
مزید زبان سے رنج ظاہر کیا کریں۔ اس کے سامنے بھی اور دوسروں کے سامنے بھی، اور
کبھی کبھی اس کو ہدیہ دیا کریں اس سے اعراض کو دل چاہے تو اس سے ملیں اگر وہ سامنے آجائے
تو اس کی تعظیم کریں اس کو ابتداء بالسلام کریں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۹-۱۷۰)

اس کے ساتھ احسان، سلوک اور تواضع سے پیش آئیں۔ ان معاملات سے اس
شخص کے قلب میں تمہاری محبت پیدا ہوگی۔ پھر وہ تم سے اسی طور سے پیش آئے گا۔
اسے تمہارے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگی اور حسد جاتا رہے گا۔ (تعلیم الدین ص ۸۱)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کِبر اور حسد کا علاج

حال : احقر قبل مغرب مصلّے کے قریب بیٹھا تھا کہ ایک صاحب جو کہ یہاں سب رجسٹرار ہیں مسجد میں تشریف لائے، ان سے احقر کا کچھ تعارف نہیں ہے، انہوں نے ایک اور مولوی صاحب سے مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اس پر احقر کو یہ خیال ہوا کہ مجھ سے نہیں ملے اور ان صاحب سے ملے۔ فوراً ہی اس کے معنی سمجھ میں آئے کہ یہ حسد ہے، اس پر احقر نے نفس کو ملامت بھی کی مگر عریضہ ہذا کا مضمون لکھتے وقت یہ بھی خیال ہوا کہ شاید یہ کبر ہو، چونکہ خود کو بڑا سمجھ کر یہ خیال ہوا کہ مجھ سے کیوں نہیں ملے۔ جو واقعہ نفس پر گذرا تھا عرض کر دیا۔ اس پر حضرت والا ارشاد فرمائیں۔

تحقیق : احتیاطاً دونوں مرضوں کا علاج ضروری ہے۔ حسد کا اس طرح کہ محسود کے لئے ہر نماز کے بعد دعا کی جائے اور معاملات میں اس کی تعظیم کی جائے اور مجمع میں اس کی مدح کی جائے اور کبر کا علاج بھی اس میں شامل ہو گیا۔ (ماخوذ النور، شوال ۵۱ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۲۱)

حقیقتِ اسراف

بے ضرورت کوئی چیز خریدنا یا خرچ کرنا اسراف ہے (دعوات عبدیت ص ۱۲۳)

اور اس کی حقیقت تجاوز عن الحد (یعنی حدِ ضرورت سے بڑھ جانا) ہے (کمالات اشرفیہ ص ۴۴)

اور ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک واقعی اور ایک فرضی۔ واقعی ضرورت وہ ہے جس کے بغیر دینی یا دنیوی کام رک جاتے۔ یا اس میں سخت دقت یا پریشانی ہو یہ تو اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق مباح ہے اور بعض صورتوں میں ضروری بھی ہے، مگر اس کی تو انتہا ہو سکتی ہے اور فرضی ضرورت (جس کا دوسرا نام حرص ہے اس کی

کوئی انتہا نہیں (اس کو پورا کرنے کے لئے) دنیا میں جو بھی رقم لی جائے گی متناہی ہوگی پھر متناہی لامتناہی کے برابر کیسے ہوسکتی ہے (مطلب یہ کہ کبھی پوری نہیں ہوسکتی تو یہ) اسراف معصیت ہے اور وبال اخروی تو آخرت میں ہوگا، مگر دنیا میں بھی نتیجہ دیکھ لیجئے کہ خاندان کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہوگئے۔ (وعظ میرٹھ ص ۱۸)

حقیقتِ بُخل

بخل کا علاج

حال: احقر میں عرصہ سے ایک بات یہ ہے کہ کوئی چیز کھاتا ہوتا ہوں اس وقت اگر کوئی شخص آگیا تو اس خیال سے کہ اس کو بھی کھلانا پڑے گا بہت گرانی ہوتی ہے چنانچہ بلاتا بھی کم ہوں بعد میں بسا اوقات ایسے فعل سے بڑی ندامت ہوتی ہے معلوم نہیں کہ اس کا منشا کیا ہے امید ہے کہ علاج سے مطلع فرمائیں گے۔

تحقیق: جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مروتاً ضروری ہو اس میں تنگدلی کرنا بخل ہے اس کے دو درجے ہیں ایک خلاف مقتضائے شریعت اور یہ معصیت ہے۔ دوسرا خلاف مقتضائے مروت اور یہ معصیت نہیں (لیکن خلافِ اولیٰ ہے) فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ اس مقتضا کی مخالفت کی جائے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی فکر کی بات نہیں (اور اگر باوجود استطاعت کے اس پر عمل کیا تو بعض کے نزدیک یہ بھی بخل ہے اس لئے کہ) (کمالات اشرفیہ ص ۹۴)

جو ضرورتیں اتفاقیہ پیش آجائیں ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے حدیث میں آیا ہے کہ جس مال کے ذریعہ آدمی اپنی آبرو کو بچائے وہ صدقہ ہے۔ مثلاً کسی مالدار کو اندیشہ ہو کہ یہ شاعر (یا ڈوم وغیرہ) میری ہجو کرے گا اور اگر میں اس کو کچھ دیدوں تو اس کا منہ بند ہوجائے گا، اور باوجود اس علم کے اگر اس کو کچھ نہ دیا تو وہ شخص بخیل سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے اپنی آبرو محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی اور بدگو کو بدگوئی کا موقع دیا۔ (تبلیغ دین ص ۹۵)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حقیقتِ حرص

توجہ اور میلان الی الدنیا (یعنی) قلب کا مال وغیرہ کے ساتھ مشغول ہونا حرص ہے اگر اس توجہ کو کسی دوسری طرف پھیر دیا جائے تو توجہ الی الدنیا نہ رہے گی۔ پھر جس چیز کی طرف توجہ کو پھیرا جاوے اگر وہ طبعاً بھی محبوب ہو تو اس کی طرف توجہ اشد ہوگی اور اس سے توجہ الی الدنیا کا ازالہ بھی قوی ہوگا پس اپنی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دو، اور چونکہ حق تعالیٰ سے طبعی تعلق ہے۔ اس لئے یہ توجہ اشد و اکمل ہوگی تو جتنی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوگی اتنی ہی توجہ دنیا سے ہٹے گی۔ (کمالات اشرفیہ ص ۹۴)

حرص تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو ام الامراض کہنا چاہئے کیونکہ اسی کی وجہ سے جھگڑے فساد ہوتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں۔ اگر لوگوں میں حرص مال نہ ہو تو کوئی کسی کا مال نہ دبائے۔ بدکاری کا منشا بھی لذت کی حرص ہے، اخلاق رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے۔ کیونکہ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاق رذیلہ کی اصل کبر ہے اور کبر ہوس جاہ ہی کا نام ہے پس کبر کا منشا بھی یہی حرص ہوا۔ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کے دو جنگل بھی ہوں جس میں سونا چاندی پانی کی طرح بہتے ہوں پھر بھی وہ تیسرے کا طالب ہوگا جتنا ہوس کو پورا کریں گے اتنا ہی بڑھے گی۔ جیسے خارش والا جتنا کھجلاتا ہے خارش بڑھتی رہتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی بھلا انسان کی ہر آرزو پوری ہو سکتی ہے (یعنی کبھی پوری نہیں ہو سکتی) یہی وجہ ہے کہ حریص کو کبھی راحت نہیں مل سکتی۔ اس کے ہوس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی ۔

گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاک گور (کمالات اشرفیہ ص ۹۵،۸۰)

(کیونکہ) ایک آرزو ختم نہیں ہوتی دوسری شروع ہو جاتی ہے اور تقدیر پر راضی ہے نہیں تو

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہر کام میں یوں دل چاہتا ہے کہ یہ بھی ہو جائے اور وہ بھی ہو جائے اور سب امیدوں کا پورا ہونا دشوار ہے، اس لئے نتیجہ اس کا پریشانی ہی پریشانی ہے، گو ظاہر میں اولاد اور مال سب کچھ ہے مگر اندرونی حالت سب کی پریشان ہے۔ (نجات کا طریقہ ص ۱۶)

طریق کار اور علاج

خرچ کو گھٹائیں تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو اور آئندہ کی فکر نہ کریں کہ کیا ہوگا اور یہ سوچیں کہ حریص و طامع ہمیشہ ذلیل و خوار رہتا ہے (یہاں حبِّ دنیا کا بیان بھی مطالعہ میں رکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگا) (تعلیم الدین ص ۸۲)

کسی کے پاس اچھی چیز دیکھ کر دل چاہنے کا علاج

حال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گذارش ہے کہ احقر جب بھی کوئی اچھی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہے تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اگر میرے پاس ہو تو اچھا ہو اور اس سے یہ کام لوں پھر کوشش کرتا ہوں کہ وہ چیز مجھے کسی طرح سے حاصل ہو جائے اس شخص سے زائل کرنے کو نہیں چاہتا ہوں بلکہ صرف اپنے پاس رکھنا مقصود ہوتا ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں حرص دنیا ہے اگر یہ خیال صحیح ہو تو علاج ارشاد فرمایا جاوے تو عین عنایت ہوگی اور حضرت والا دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کو اپنی مرضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین ثم آمین

تحقیق: مرض تو نہیں مگر مفضی الی المرض ہونے کا احتمال ہے، علاج اس کا یہ ہے کہ بمجرد اس تمنا کے یہ عزم کیا جاوے کہ اگر یہ چیز مجھ کو مل بھی گئی تو فوراً کسی کو ہبہ کر دونگا خصوص اس شخص کو جس کے پاس ایسی چیز پہلے سے موجود ہے یا اگر اس سے بے تکلفی نہ ہوئی تو کسی دوسرے کو دیدوں گا اور اگر وہ چیز اتفاق سے اپنی ضرورت کی ہوئی تو اس کے دام مساکین کو دے دوں گا جب تک ایسی تمنا زائل نہ ہوگی اس وقت تک ایسا ہی کروں گا۔ یہ تدبیر نافع ہوگی دعا بھی کرتا ہوں۔ (ماخوذ النور شعبان ۱۳۵۴ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۴۰)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اشراف النفس

حال: ایک بات دریافت طلب ہے کہ میں نے ایک درزی کی آنکھ کا علاج کیا اس نے ایک چھتری دینے کا وعدہ کیا لیکن ابھی اس نے نہیں دی تھی کہ میں نے بوجہ ضرورت ایک پرانی چھتری پر غلاف چڑھالیا جس سے وہ مثل نئی کی ہوگئی اور ایک دوسری پرانی چھتری پر پرانے غلاف کی مرمت کرلی۔ اس کے بعد وہ مریض نئی چھتری نہایت خوبصورت لایا مجھے اس کے دیکھتے ہی بہت خوشی ہوئی اور وہ چھتری لے لی یہ اشراف النفس ہے یا نہیں۔ میں نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ کسی کو دے دوں ۔

تحقیق: اشراف النفس انتظار بمعنی احتمال کو نہیں کہتے بلکہ خاص اس انتظار کو جس کے یہ آثار ہوں کہ اگر نہ ملے تو قلب میں کدورت ہو اس پر غصہ آئے اور اس درجہ کا اشراف بھی اہل توکل کے لئے مذموم ہے اور اہل حرفہ (پیشہ ور) کے لئے مذموم نہیں مثلاً طبیب کے لئے یہ نقص نہیں ہے۔ (بوادر النوادر)

بدگمانی کا علاج

حال: احقر کی یہ حالت ہے کہ بدگمانی کا مرض ایک مدت دراز سے قلب میں پیوستہ ہے ذرا ذرا سی باتوں میں دوسرے بھائی بہنوں سے بدگمان ہوتا ہے۔ اپنی فہم ناقص کے موافق تدابیر بھی کیں مگر یہ مرض دور نہیں ہوا لہٰذا علاج تجویز فرمایئے کہ یہ بدگمانی کا مرض خبیث دور ہو۔

تحقیق: جب ایسی بدگمانی قلب میں آجائے۔ اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا، اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کریگا یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کردے اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین بار ایسا کرے اگر پھر بھی اثر رہے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دوسرے تیسرے دن بھی ایسا ہی کرے، اگر پھر بھی اثر رہے۔ اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلاوجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہوگئی تم معاف کر دو، اور میرے لئے دعا کرو کہ یہ دور ہو جائے۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۱۱۔ النور ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

تصفیۂ نفس وقلب

اخلاق رذیلہ مثل ریا، عجب، شہوت وغضب کے دفع کرنے کے دو درجے ہیں۔

۱۔ یہ کہ اپنے اختیار سے ان کا قصد نہ کرے اور جو پیش آئے اس کو برا سمجھے اور اس کے مقتضا کے موافق عمل نہ کرے گو خطرات و وساوس کا ہجوم رہے یہ امر اختیاری اور فرض ہے اور خطرات کا ہجوم غیر اختیاری ہے کچھ مضر نہیں

۲۔ یہ کہ ان اخلاق ذمیمہ کی بیخ و بن ہی کا استیصال ہو جائے یعنی نفس میں ان کا تقاضا اور میلان بھی نہ رہے اور یہ ایسے ہی مبغوض ہو جائیں جیسے گندگی مبغوض اور مکروہ ہوتی ہے سو اس کی تحصیل مستحب ہے، اور موجب کمال ہے اور عادتاً مجاہدہ، ریاضت اور خلوت طویلہ پر موقوف ہے اور یہی دو مرتبے ہیں نماز میں حضور قلب کے، اول یہ کہ نماز یا کسی نیک عمل میں بطور مقصودیت کے کوئی غیر اللہ قلب میں حاضر نہ ہو یعنی عبادت سے مقصود کسی مخلوق کی رضا یا اس سے مال وجاہ کا حاصل کرنا نہ ہو، یہ حضور قلب فرض ہے اور بغیر اس کے نماز قبول نہیں ہوتی اور عذاب ریا کا مستحق ہوتا ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ کہ نماز میں بجز اللہ تعالیٰ کے قلب کا التفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہو۔ پھر اس میں بھی دو مرتبے ہیں، ایک یہ کہ باختیار خود کسی غیر کا خیال قلب میں نہ لائے اس کو خشوع کہتے ہیں اور آیات واحادیث سے یہ امر بھی موکد معلوم ہوتا ہے گو درجۂ فرض میں نہ ہو دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ بلا قصد بھی کسی کا خیال نہ آئے یہ بغیر فنائے نفس وقلب کے نصیب نہیں ہوتا اور اس کی تحصیل مستحب ہے (التکشف)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حق تعالیٰ سے غافل کرنیوالی چیز سے نفرت ہو جانا محمود ہے

حدیث: عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک دبسی (ایک پرندہ یا جنگلی کبوتر) اڑا اور چاروں طرف پھرنے لگا نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا تھا اور راستہ نہ ملتا تھا۔ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ امر خوشنما معلوم ہوا (کہ میرا باغ ایسا گنجان ہے کہ پرندہ کو نکلنے میں تکلف ہوتا ہے) اور تھوڑی دیر تک ان کی نگاہ اس کے ساتھ ساتھ رہی پھر اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی نماز پڑھی۔ اپنے دل میں کہا کہ میرے اس مال کے سبب توجہ کو بڑا فتنہ پہنچا (کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا) پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا جو نماز میں ان کو پیش آیا تھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ باغ فی سبیل اللہ جہاں چاہے صرف فرمائیے۔ (رواہ مالک)

ف: مراقبۂ قلب کی عادت صوفیائے کرام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اس وقت کیا حالت ہے جب تغیر پاتے ہیں اس کی تلافی کرتے ہیں۔ ان صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو جائز رکھنے سے اس کی محمودیت ظاہر ہے کیونکہ ان کا یہ انتباہ اسی مراقبہ کا اثر ہے کما لا یخفیٰ۔

ف۔ حق تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیز سے نفرت ہو جانا یہ ایک حال محمود ہے جس کو غیرت کہتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف۔ اکثر بزرگوں کی حکایتیں مشہور ہیں کہ طالب کے قلب کو جس چیز سے زیادہ وابستہ دیکھا اس کے جدا کر دینے کا حکم فرمایا۔ اس معالجہ کی اصل اس حدیث سے نکلتی ہے کہ ان صحابی نے یہ علاج تجویز کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا جس کو اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔ (التکشف)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نافعیت تربیت السالک

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب تربیت السالک کے مقدمہ میں بطور خطبہ حسب ذیل مضمون ارقام فرمایا ہے

اما بعد۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيّٖنَ الآیۃ وَھُوَ الَّذِیْ یُرَبِّی النَّاسَ بِصِغَارِ الْعُلُوْمِ قَبْلَ كِبَارِھَا كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

آیت بنا بر تفسیر مذکور تربیت دینیہ کو بلحاظ استعداد مامور بہ بتلا رہی ہے۔ جس کے مختلف ومتعدد شعبوں میں ایک خاص قسم تربیت کی علماً وعملاً قریب مفقود ہو رہی ہے اور وہ تربیت باطن کی ہے۔ باعتبار مقامات واحوال وافعال وآثار وواردات وخطرات کے اور تجربہ ہے کہ بدون اس تربیت خاص کے اصلاح باطن کی نہیں ہوتی اور جس کو بدون اس کے اصلاح سمجھا جاتا ہے وہ خود حالت غیر مقصود ہے اور اس غلطی میں بکثرت مستفیدین ومفیدین مبتلا ہیں۔

الحمد للہ والمنۃ کہ شیخین جلیلین حضرت مولانا ومرشدنا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ صاحب تھانوی ثم المکی اور ان کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا وہادینا الحافظ الحاج رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہما دعم برہما کی خدمات بابرکات کی حاضری وکثرت لزوم کی بدولت اس تربیت کے اصول صحیحہ جو گوش ہوش تک پہنچے وہ اپنے لئے بھی اور دوسرے طالبین کے لئے بھی غلطیوں سے نکالنے والے اور تشویش وکلفت سے بچانے والے اور رام حق تک پہنچانیوالے اور شفا وجمعیت کے بخشنے والے ثابت ہوئے اس لئے اپنا بھی دل چاہا اور بعض

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

احباب نے بھی تحریک فرمائی کہ اس قسم کے جو خطوط آیا کریں اور ان کے
جواب جایا کریں اگر وہ نقل کر لئے جایا کریں اور جب کچھ معتد بہ حصہ ہو جایا کرے
وقتاً فوقتاً شائع کر دیئے جایا کریں تو مبتلی بہ کے لئے ایک نہایت کار آمد
دستور العمل تیار ہو جاوے، چنانچہ شوال ۱۳۲۹ھ سے اس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے،
اللہ تعالیٰ سے دعائے تمام کرتا ہوں اور اس کا نام تربیت السالک رکھتا ہوں۔
اور ان مضامین میں بعضے سوال و جواب کی شکل میں ہیں۔ اس کی علامت س اور
ج ہے، اور بعضے جو اپنے حال کی اطلاع دیتے ہیں اور اس پر رائے ظاہر کی جاتی
ہے اس کو بلفظ حال و تحقیق لکھا گیا ہے اور گو یہ مضامین دقیق اور لذیذ
نہیں ہیں مگر نسخہ طبیہ میں نہ غموض ہوتا ہے اور نہ کسی کو اس پہ وجد ہوتا ہے۔
ایسے مضامین غامضہ علمیہ کی امداد الفتاوی میں نقل ہونے کا التزام کیا گیا ہے،

تربیت السالک کے جوابات کا الہامی ہونا

ایکبار جب تربیت السالک کے منتخب مضامین بغرض اصلاح حضرتؒ کے
سامنے پیش کئے جارہے تھے تو نہ صرف حاضرین مجلس بلکہ خود حضرت والا بھی متاثر ہو
جاتے اور بے اختیار فرماتے کہ بھلا یہ مضامین میں اپنی معلومات سے لکھ سکتا تھا ہرگز نہیں
یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ طالبین کی اصلاح کے لئے میرے قلم سے بوقت ضرورت ایسے
مضامین نافعہ لکھوا دیئے چنانچہ اس وقت جب میں سوالات کو سنتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ
ان کا جواب کیا ہونا چاہئے تو بالکل سمجھ میں نہیں آتا اور ہر سوال کو سن کر تحیر ہوتا ہے کہ
ایسے مشکل سوال کا کیا جواب دیا ہوگا اور جب جواب سنتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ میرا
ہی لکھا ہوا جواب ہے کیونکہ ایسے جوابات واقعی میری معلومات سے کہیں زیادہ بالاتر ہیں۔
اگر یہ جوابات میری معلومات کا نتیجہ ہوتے تو میری معلومات تو اس وقت بھی وہی ہیں اس وقت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کیوں جوابات ذہن میں نہیں آتے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی تائید تھی ورنہ میری کیا حقیقت ہے کہ میں ایسے جوابات لکھ سکوں۔

یہ بھی تحدثاً بالنعمۃ (نہ کہ فخراً) ارشاد فرمایا کہ اگر انہیں سوالات کو دوسرے اہل طریق کی خدمت میں پیش کرکے جوابات حاصل کئے جائیں تب ان جوابات کی قدر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فن کے تمام ضروری مسائل کی تحقیق و تدوین کئی صدی تک کے لئے ہوگئی ہے اور ایسی تعمیم کے ساتھ کئی صدی سے نہ ہوئی تھی یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور بڑے میاں (یعنی حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی برکت ہے (تربیت السالک جلد اول)

منتخب مضامین

طریق الوصول الی اللہ بعد انفاس الخلائق

سوال: حضور مولانا و مرشدنا مولوی محمد اشرف علی صاحب قبلہ دام برکاتہم۔ السلام علیکم۔ بحمد للہ بخیریت ہوں اور صحت ذات والا دام در گاہ خدا سے مستدعی۔ حضور والا در حیرتم کہ سر انجام ما چہ خواہد بود۔ اس مرتبہ بعد علالت کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ جب دو تین روز جم کر نماز تہجد و دوازدہ تسبیح کا شغل کرتا ہوں طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر شغل مذکور چھوٹ جاتا ہے، رمضان شریف میں ہر چند چاہا کہ حسب معمول ورد وظائف کو شروع کروں لیکن وہی حالت پیش آئی جو عرض کر چکا ہوں۔ اخیر عشرہ رمضان میں نہایت مستعدی سے چاہا کہ ۲۱ر ماہ مذکور سے اعتکاف کروں اور تلافی مافات کروں لیکن ۲۰ر ماہ مذکور سے طبیعت خراب ہوئی اور ۸ر شوال تک اس علالت کا سلسلہ رہا۔ ۹ر شوال سے پھر نماز تہجد کو اٹھا تین روز تک محنت کی تھی کہ کل ۱۱ر شوال کو پھر حرارت پیدا ہوگئی معلوم نہیں کہ کیا منظور خدا ہے۔ تعلقات دنیوی سے قطع کرکے چاہا تھا کہ اللہ اللہ کروں لیکن میری بدقسمتی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بھی کرنے نہیں دیتی۔ ان واقعات سے طبیعت ایسی متوحش اور پریشان ہے کہ کیا عرض کروں
ہی نہیں ہوئی کہ نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے، آج طبیعت کو بے حد قلق اور افسوس
ہوا لہٰذا خدمت بابرکت میں عرض کیا گیا۔ اگرچہ شکایت تنفس تابعدار کو عرصہ سے ہے۔ لیکن باوصف
اس شکایت کے اوراد و وظائف کو انجام دیتا تھا۔ دوسرے آواز اس قدر پست ہوگئی ہے
کہ ذکر جہر نہیں کر سکتا۔ البتہ ایسی آواز سے کہ خود سن سکوں، جب افاقہ ہوتا ہے کرتا ہوں، اور
بحالت نادرستی طبیعت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ باقی خیریت ہے اور حالت بدستور ہے۔

جواب: مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بزرگان دین کا ارشاد ہے طرق الوصول الی اللہ
بعدد انفاس الخلائق یعنی جس قدر مخلوقات کے سانس ہیں خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے
ہی رستے ہیں اور اصل مقصود وصول الی اللہ ہے بمعنی ضعف نسبت مع الخلق وقوت نسبت
مع الخالق خواہ کسی طریق سے ہو پس جس طرح اوراد و نوافل کی کثرت اس کا ایک
رستہ ہے اسی طرح مرض اور حزن و انقباض اور ضیق قلب و تاسف و ندامت و
خجلت و انکسار بھی ایک رستہ بلکہ اقرب رستہ ہے پس حالت مرقومہ خط سامی میں گو نفسانی
اور جسمانی کلفت و صعوبت ہے لیکن روحانی ترقی و نفع ہے بالکل مطمئن رہیے اور جس
قدر ہو سکے اور جس طرح ہو سکے کر لیا کیجئے اور نہ ہو سکے نہ کیا کیجئے۔ ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست
بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

البتہ نفس یوں چاہتا ہے کہ مجھ کو ذکر و شغل کا ثمرہ عاجل دنیا میں مل جاوے، سو یہ خطائے
عظیم ہے۔ اصل موقع مشاہدہ ثمرہ کا آخرت ہے جس نے یہ نکتہ پختہ کر لیا اس کو رضا و تفویض
کی حلاوت نصیب ہوئی اور جو اس نکتہ سے غافل ہے عمر بھر مشوش رہے گا۔ مخدوما جو کچھ
میں نے لکھا ہے گو مختصر ہے مگر نہایت جامع اور تجربہ کی بات ہے آپ شک نہ لائیے والسلام

(ماخوذ التکشف ص ۲۵)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

قول مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ کی شرح

حال: براہ کرم آگاہ فرمایا جاوے کہ حدیث شریف مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ میں کس طرح پہچاننا اپنے نفس کا وارد ہے کہ جس سے پہچان رب کی حاصل ہو جاتی ہو۔ اس شناخت نفس کا کیا طریقہ ہے اور حصول شناخت و معرفت خدا تعالیٰ سے کیا مراد ہے؟

تحقیق: اول تو اس کے حدیث ہونے میں کلام ہے ثانیاً اس میں معرفت رب کے طرق میں سے ایک طریق کی تعلیم ہے اور اس کے علاوہ اور طرق بھی ہیں غرض معرفت مقصود اس طریق پر موقوف نہیں پس اس حدیث کی تحقیق حصول مقصود کی شرط نہیں بلکہ محض حل مراد مقصود ہوگا جو مشابہ ہے مقالات کی تحقیق کے جس کے متعلق میں پہلے مشورہ دے چکا ہوں کہ غیر ضروری ہے، مقصود تربیت میں محض حالات کی اطلاع اور معالجہ کا استفسار ہے۔ معلم جس طریق سے چاہے معالجہ کرے سو معرفت مقصود وہی ہے جس کا شارع نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کا عقیدہ رکھو اور ان کے تصرفات کا استحضار رکھو یہ تصرفات تمام مخلوقات میں ہیں جن میں انسان کے اندر تصرفات زیادہ عجیب ہیں پھر ان میں بھی اپنے نفس کے اندر تصرفات زیادہ مستحضر و مشاہد ہو سکتے ہیں اس بناء پر نفس کی تخصیص کر دی گئی ورنہ نفس مقصود نہیں سب تصرفات کا استحضار برابر ہے اسی لئے تفکر کا محل قرآن مجید میں اَنْفُس اور آفاق دونوں کو فرمایا ہے۔ فی قولہ تعالیٰ سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۲۵۷)

تصور حق خود مقصود نہیں ذریعہ مقصود ہے

حال: تصور ذات حق کے بعد خشیت اور اہتمام طاعات کا نہ ہونا جو عرض کیا تھا اس پر

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حضرت والا کا ارشاد کہ تصور خود مقاصد سے ہے اور خوف و خشیت اس کے مقدمات ہیں۔ مقصود کے بعد اس کے مقدمات سے مستغنی ہونا چاہئے۔ قلت فہم کے باعث سمجھ میں نہیں آیا صحیح یہی ہے جو حضرت کا ارشاد ہے مگر فہم ناقص اب تک یہ سمجھا تھا کہ رضا ہی مقصود ہے جو منحصر ہے طاعات اور اس کے اہتمام پر اور تصور مقدمہ ہے، خوف خشیت کا جس کے بعد اہتمام طاعات میسر ہوتا ہے اور اسی پر نتیجہ رضا مرتب ہو جاتا ہے۔ بار خاطر والا نہ ہو تو کچھ توضیح فرما دیں اگر ضرورت بھی خیال فرما دیں ورنہ بہتر۔

تحقیق: معلوم ہوتا ہے میری پوری عبارت پر غور نہیں کیا گیا۔ میں نے یہ نہیں لکھا کہ تصور خود مقاصد سے ہے میری عبارت یہ ہے کہ خوف و خشیت و اہتمام بدرجہ خاص خود مقدمات انہیں مقاصد کے ہیں جن کو میں نے دولت سے تعبیر کیا ہے اور اوپر گذشتہ عبارت میں جس کو دولت کہا ہے وہ مجموعہ ہے ان چیزوں کا فرائض و واجبات و موکدات کا التزام قیام مسجد، درود شریف۔ تصور ذات حق جس کا حاصل ماموراتَ کا (کہ وہ اعمال و طاعات و ذکر و فکر کا مجموعہ ہے) التزام ہے اور ان کا مقصود ہونا ظاہر ہے۔ اور خوف و خشیت اور مرضیات کے اہتمام کو جو ان کا مقدمہ کہا گیا ان کا مطلق درجہ نہیں بلکہ وہ درجہ جو آپ کے ذہن میں ہے یعنی درجہ غلبۂ طبعی، اسی لئے میں نے اس میں خاص کی قید لگائی ہے اور یہ ثابت ہے کہ خوف و خشیت طبعی یا اہتمام طبعی یعنی داعیہ طبعیہ یہ مامور بہا نہیں ہیں گو محمود ہیں اور اگر حاصل ہو جائیں تو ان سے اعانت ہوتی ہے ماموراتَ ہیں۔ باقی خوف و خشیت عقلی و اہتمام ارادی یہ خود مامور بہ ہیں اور آپ کو حاصل ہے، اس کے فقدان کے آپ بھی شاکی نہیں ان کو مقدمہ نہیں کہا گیا۔ باقی ان کا مقصود ہونا مقصودیت رضا کے منافی نہیں۔ رضا مقصود المقصود ہے اور یہ چیزیں اپنے مقدمات کے اعتبار سے مقصود ہیں۔ اگر اب بھی خلجان ہو بے تکلف لکھ دیا جائے۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۱۶ تا ۲۱۷ و النور ربیع الاول ۱۳۵۰ھ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

حضورؐ کی شدتِ سکرات کا راز

حال: ایک روز شبہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکرات موت کی زیادہ تکلیف کیوں ہوئی اور آپ کو بخار کی شدت دوگونہ کیوں ہوا کرتی تھی۔ حضرت والا کے مواعظ سے ایک دو وجہ معلوم ہو کر تسلی ہوئی پھر خود بخود دل میں یہ بات آگئی، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم افضل الرسل وخاتم الانبیاء ہیں اس لئے آپ کے مقامات بھی خاتم المقامات ہیں شدت بخار اور شدت سکرات موت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام صبر کی اکملیت اور ترقی حق تعالے کو منظور ہوگی اس بات کے سمجھ میں آنے سے دل میں سرور سا محسوس ہو رہا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ مفہوم کیسا ہے۔

تحقیق: شدت وعک کی حکمت تضاعف اجر یہ تو خود حدیث میں منصوص ہے اس پر شدت سکرات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی لکھی ہوئی توجیہ اور یہ حکمت منصوصہ یا مقیسہ علی المخصوص متقارب ہیں اور اس مقیسہ میں ایک اور احتمال بھی ہے مگر وہ حکمت نہیں علت ہے، اور وہ علت شدت وعک کی بھی ہو سکتی ہے اور حکمت وعلت میں کچھ تنافی نہیں دونوں صدق ہیں اور مجتمع ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ علت وجود میں متقدم ہوتی ہے اور حکمت متاخر بس اپنے اپنے زمانے میں دونوں موجود ہو سکتی ہیں وہ علت قوت مزاج و شدت تعلق بالامتہ ہے قوت مزاج میں حرارت تیز ہوگی اور شدت تعلق بالامتہ سے روح کے تعلق کا انفکاک شدید ہو گیا۔ واللہ اعلم (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۸۳)

عدم ایمان کی حقیقت

حال: میں تو حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب بالکل ہی ڈوب رہا ہوں، اور

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دستگیری کا سخت محتاج ہوں کبھی کبھی اپنے ایمان میں شک تو ہوتا ہی رہتا تھا لیکن اب تو بار بار
عدم ایمان کا یقین ہونے لگتا ہے اور کوئی تاویل بن نہیں آتی خصوصاً ایمان بالآخرت
کے عذاب و ثواب کی فکر نہیں معلوم ہوتی نہ جنت و جہنم کی ترغیبات و ترہیبات کا دل پر
مطلق کوئی اثر محسوس ہوتا ہے۔ پھر آخر یہ کس قسم کا ایمان ہے البتہ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی
تھی کہ پھر احکام یا اوامر و نواہی کا آخر کیوں خیال رہتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں ایمان و یقین سے خالی ایک منافقانہ دینداری ہے اور اکثر
اپنے نفاق کا وہم نہیں بلکہ یقین ہوتا رہتا ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ
آخرت کا خیال ایک احتمال عقلی کے درجہ میں ہے اور جو کچھ کرتا ہوں وہ احتمال ضرر کی
بنا پر نہ کہ ایقان آخرت کی بنا پر البتہ اتنا ضرور ہے کہ اپنی اس حالت کو پسند نہیں کرتا ہوں۔
اور دل یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح کامل ایمان و اخلاص حاصل ہوتا اور روزانہ اس کی
دعا بھی کرتا رہتا ہوں لیکن خواہش و دعا واقعہ تو بہر حال نہیں ۔ ۔ ۔ حضرت اپنے
ظاہر و باطن دین و دنیا سب کی ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے۔

جواب: خط ہی میں جواب موجود ہے مگر غور نہیں فرمایا گیا وہ جواب خط کشیدہ
عبارت میں مصرح ہے (یعنی البتہ اتنا ضرور ہے کہ اپنی اس حالت کو پسند نہیں کرتا
ہوں) کیونکہ کوئی شخص جو (واقعاً) خالی عن الایمان ہو اس خلو عن الایمان کو ناپسند نہیں
کرتا بلکہ اتصاف بالایمان کو ناپسند کرتا ہے اور متبعین بالایمان سے عداوت رکھتا
ہے بس یہ ہی کافی دلیل ہے۔ (تجدید تصوف و سلوک)

فرق دعویٰ و تحدث بالنعمۃ

سوال: زید کہتا ہے کہ انا خیر منہ مطلقاً تکبر نہیں۔ نمازی کو اس نیت سے
اپنے کو بہتر سمجھنا اور بے نمازی پر ترجیح دینا کہ یہ نماز کی توفیق نعمت خداوندی ہے جو مجھے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دی گئی ہے اور اس شخص سے روکی گئی ہے مبغوض تو کیا ہو محمود بلکہ مقصود و مامور ہے
غرض کسی نعمت کو من اللہ سمجھ کر اپنے کو اس شخص سے بہتر سمجھنا جو اس نعمت سے محروم ہے تکبر نہیں
البتہ اس سے قطع نظر کر کے یا ناز کو اپنا فضل ذاتی اور کار گزاری سمجھ کر دوسرے سے بہتر سمجھنا
تکبر ہے بلکہ دوسرے کی جانب بالنسبت یہ بھی ہو مذموم و منہی عنہ ہے جس کا نام عجب و خود ستائی
ہے یہ صحیح ہے یا غلط۔

جواب۔ زید نے جو تفصیل کی ہے صحیح ہے بلکہ جبکہ صرف مرتبہ عنوان میں نہ ہو بلکہ
معنون کا مرتبہ بھی اس کو حاصل ہو جس میں اکثر دھوکا ہو جاتا ہے بالخصوص مبتدیوں کو اس
کی باطنی پہچان جو وجدان سے معلوم ہو سکتی ہے یہ ہے کہ اگر قلب میں اپنے دوسرے
عیوب سے ذہول اور خود اس کمال کے زوال سے بے فکر ہے اور دوسرے کے کمالات
سے بھی ذہول اور اس میں اس کمال کے پیدا ہو جانے سے بے التفاتی اور اپنے اس طاعۃ
کے عدم قبول کے احتمال سے اور اس کی معصیت کے خوف احتمال سے بے فکری ہو تو مرتبہ
معنون کا حاصل نہیں ہے اور اگر سب امور پیش نظر ہوں اور لرزاں ترساں ہو تو معنون
حاصل ہے فقط والسلام۔ (ماخوذ التکشف ص ۳۲-۳۳)

ایمان کے معنی پر شبہ کا ازالہ

حال: حضرت ایمان کے معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ جو شے خود اپنے علم و مشاہدے
میں براہ راست نہیں آتی اس میں دوسرے کے علم کی تصدیق یا اس کے بیان پر اعتبار کر کے
مان لینا۔ اللہ تعالٰی۔ ملائکہ۔ کتاب (کلام اللہ) رسالت۔ قیامت سب اسی قبیل کی غیبی باتیں
ہیں جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کی بنا پر مانا جا سکتا ہے بلکہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو بھی جبرائیل علیہ السلام یا (کوہ) طور کی طرح کی کسی آواز وغیرہ کا اعتبار کر کے ایمان

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہی لانا پڑتا ہے۔ بظاہر ایسے ایمانی علم سے صدق وکذب کا عقلی احتمال تو مرتفع ہوتا نہیں اب اگر کسی مومن کے دل میں اس قسم کا احتمال بطور وسوسہ کبھی کبھی خطور کرے تو کیا یہ اس کے ایمان کے منافی ہوگا یا مذبذبین والا نفاق ہوگا یا محض ضعف ایمان؟

تحقیق: نہ ایمان کے منافی ہے نہ تذبذب ہے نہ نفاق ہے نہ ضعف ایمان جبکہ احتمال کذب کو جزواً باطل سمجھا جاوے بلکہ بروئے حدیث صریح الایمان ہے اور قواعد طریق سے من وجہ ایسے اعتقاد سے اجر میں زیادہ ہے جو ایسے خطرات سے خالی ہے کیونکہ اس میں مجاہدہ نہیں گو دوسری وجہ سے وہ افضل ہے کہ اقرب الی المقصود ہے کیونکہ مجاہدے سے خود مقصود مشاہدہ ہے اور زیادت اجر اور زیادت فضیلت میں کسی جانب سے لزوم نہیں

كَمَا فِیْ جَمْعِ الْفَوَائِدِ عَنْ اَبِیْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیْ قَوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِلْعَامِلِ فِیْهِنَّ (فِیْ اَیَّامِ الْفِتَنِ) مِثْلُ اَجْرِ خَمْسِیْنَ رَجُلًا یَعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنَّا اَوْ مِنْهُمْ قَالَ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْكُمْ اَلْحَدِیْثَ قُلْتُ فَالصَّحَابَةُ اَفْضَلُ وَالْعَامِلُ فِی الْفِتْنَةِ اَكْثَرُ اَجْرًا

بہرحال جس کو جو عطا ہو جائے اس کے لئے وہی اصلح ہے اس کو نعمت سمجھ کر اس پر شکر کیا جائے۔ (ماخوذ النور جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ، تربیت السالک جلد دوم ص ۲۹۶)

نجات اعمال پر ہے ایمان پر نہیں اس کا جواب

حال: احقر کچھ عرصے سے ایک خلجان میں پڑ گیا ہے اس کا دفعیہ کسی طرح نہیں ہوتا۔ لاچار بندگان والا کے حضور میں پیش کر کے دفعیہ چاہتا ہے اور اس خیال سے کہ حضرت والا کا وقت خراب نہ ہو بہت اختصار کے ساتھ عرض کیا جائے گا۔ وہ خلجان یہ ہے کہ میں نے بار بار بروقت تلاوت قرآن پاک غور کیا کہ نجات اخروی یا دہ فضائل

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

جو مسلمانوں کے لئے موعود ہیں یا رضائے باری تعالیٰ، ایک ہی مضمون کو جس عنوان سے بھی تعبیر کیا جائے اس کے لئے قرآن میں ہر جگہ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی قید ضرور لگی ہوئی ہے کہیں اس کو تقوی سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہیں دیگر عنوانات سے مگر صرف ایمان پر وعدہ کچھ بھی نہیں۔ جیسے

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (یونس) اور ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ اور وَلَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ۔

(اس کو طول دینا حضرت والا کا وقت ضائع کرنا ہے۔) اس سے آگے اپنا خُلُوْعَنِ الْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ تحریر کرکے قلق شدید ظاہر کیا ہے۔ اسی لئے یہ مضمون تربیت السالک میں درج کیا گیا اور جواب ذیل علیٰ تقدیر تسلیم الخط ہے۔

تحقیق: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں کون سی قید ہے، اور وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِھِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْھِمْ میں بعض اعمال کی کمی پر بھی کیا وعدہ ہے اور ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا (الیٰ قولہ) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَھُمْ نَارُ جَھَنَّمَ (میں) اَلَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا کی خصوصیت کس اعتبار سے ہے اور جنات کا وعدہ کس لئے ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا کس کے لئے ہے اور وان زنیٰ وان سرق کی کس عموم پر دلالت ہے۔ اس وقت تتبع کی فرصت نہیں اس لئے فی الحال اس پر اکتفا کیا گیا۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

غیر مومن ہونے کا شبہ

حال: اب تک حضور والا غفلت وانہماک فی الدنیا بہت تھا اب روز بروز نفسہٗ غفلت کم ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت نہ میں مومن ہوں نہ مسلم ہوں نہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے نہ واسطہ۔ میرا ایمان اور اسلام محض ایک رسم اور اتفاق ہے۔ قیل وقال اور ایک فرضی خیال اور دھوکہ ہے بلکہ حالاً دیکھا جائے تو مجھ میں اور ایک دہریہ میں کچھ فرق نہیں۔

تحقیق:۔ مریض کو اپنی صحت و مرض کی کیا تشخیص۔ یہ کام طبیب کا ہے اور مریض کا کام صرف اعتماد علی الطبیب ہے اگر میں طبیب ہوں تو تشخیص کرکے کہتا ہوں کہ یہ سب علامات ہیں ایمان کامل کی۔ مگر مع الہیبۃ جو ایک رفیع حالت ہے اور صحابہ میں بعض کی یہی حالت تھی ان کی مشابہت مبارک ہو اور ایسے شخص کا خاتمہ بفضلہ تعالیٰ مع الایمان ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ ان کیفیات پر جو کہ مصائب کی اعظم افراد ہیں اتنا ملے گا کہ آپ تمنا کریں گے کہ کاش ان کیفیات میں اور اشتداد ہوتا۔ (تربیت السالک جلد دوم ص ۳۹۹)

اتّباعِ سنّت نعمتِ عظمیٰ ہے

حال: یہ ہے کہ احوال و کیفیات و اشارات و نکات و لطائف مشہورہ تصوف میرے نزدیک اس سے بہت ہی کم مرتبہ میں معلوم ہوتے ہیں کہ ایک قدم جناب رسالتمآب آفتاب رسالت و معدن نبوت کی متابعت میں چلا جاوے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام انوار و کیفیات اور تمام علوم کا وجود آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی ہے۔ اگر آفتاب رسالت کی شعاعیں نہ ہوتیں تو یہ تمام انوار و علوم مبدل بہ ظلمت ہوتے۔ مشکوٰۃ نبوت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کے فیضان کو چھوڑ کر دوسرے علوم وغیرہ کی طرف متوجہ ہونا عین ضحیٰ (روشنی) میں آفتاب کو چھوڑ کر شُہا کو تلاش کرنا ہے۔ واتعم ما قال

مصطفیٰ اندر جہاں انگہہ کسے گوید ز عقل
آفتاب اندر جہاں انگہہ کسے گوید سُہا

یہ معلوم ہوتا ہے کہ طریق سنت کبریت احمر ہے لیکن زمانے میں طریق غیر سنت اس قسم کا غالب ہو گیا ہے کہ متبع سنت سینہ بہ غلبہ حال پکار اٹھتا ہے:

روئے زمیں ز تاریکیٔ منکرانِ عشق
محتاج شست و شوی دگر شد کجاست نوح

عجب العجاب یہ ہے کہ متبع سنت کو کافر کہا جاتا ہے لیکن وہ بزبانِ حال کہتا ہے۔

کافران رہ عشقیم اگر انصاف است
صد مسلماں تو اے خواجہ دیک کافرما

لیکن باوجود اس حالت کے میں اپنے آپ میں اعمال سنت کی بہت کمی پاتا ہوں

ظلمت سنة من احیاء الظلام الی
ان اشتکت قدماه العز من ورم
یبیت یجافی جنبه عن فراشه
اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

البتہ اس بات کی تسلی ہے کہ حضور روحی فداہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ضعفائے امت پر ترحم ہے

دلا خوش باش کان محبوب جاں را
بدردیشان و مسکیناں سرے ہست

تحقیق: ماشاء اللہ نعمت عظمیٰ و غنیمت کبریٰ ہے اللّٰھم احینا علیہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دامتنا علیہ واحشرنا علیہ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۰۶)

اتباع سنت سب مصالح پر غالب ہے

حال: خادم پیشتر بوقت تہجد آٹھ رکعت پڑھتا تھا اور ہر رکعت میں مختلف سورتیں پڑھتا تھا عرصہ ہوا کہ ایک روز خادم کتاب مبارک ضیاء القلوب مصنفہ جناب حضرت دادا پیر صاحب قدس سرہ کا مطالعہ کر رہا تھا کتاب موصوف میں لکھا دیکھا کہ تہجد کے وقت بارہ رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھے اس روز سے بہ تقاضائے قلب اس پر عمل ہے اگر یہ عمل میرے مخدوم حضور اقدس کی رائے عالی و طریقہ تعلیم کے خلاف ہو تو ارشاد فرمائیں۔

تحقیق: مشائخ نے یہ طریقہ ان پڑھ لوگوں کیلئے تجویز فرمایا ہے ورنہ افضل بوجہ موافقت سنت کے یہی ہے کہ کوئی سورت معین نہ کریں اور ظاہر ہے کہ اتباع سنت کو سب مصلحتوں پر ترجیح ہے۔
(تربیت السالک حصہ ششم ربع اول ص ۵۷)

صدور اعمال کے وقت ایک قسم کی نورانیت محسوس ہونا نعمت عظمیٰ ہے

حال: چار روز سے یہ حالت نئی پیدا ہوئی کہ گاہ گاہ بلا قصد رحمت حق کا استحضار قلب پر ہوتا ہے اس استحضار رحمت حق سے قلب کے اندر بوقت صدور اعمال ایک خاص قسم کی نورانیت محسوس ہوتی ہے جو کبھی اس سے قبل محسوس نہ ہوئی تھی مگر اعمال کی ادائیگی کے وقت کسی وقت کسل یا کم ہمتی ہوتی ہے تو جیسے پہلے حضرت حق کی عظمت و ہیبت کا استحضار ہو کر عمل میں سہولت پیدا ہو جاتی تھی اب اس حالت میں بہت ہی کمی پیدا ہو چلی ہے اور اس حالت میں بھی کمی پاتا ہوں کہ نفس اس عمل کو عطائے حق سمجھ کر ادا کرنے کو غنیمت سمجھتا تھا۔ اب احقر حضرت والا کی دعا کی برکت سے قوت میں ہمت، سے کام لیتا ہے اور اس قوت و ہمت کو بھی عطائے حق ہی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سمجھتا ہے۔ یہ میرا سمجھنا کیسا ہے اور یہ میری کیا حالت ہے اگر یہ میری حالت قابل اصلاح ہے تو للہ حضرت والا میری دستگیری فرماتے ہوئے جو تدبیر یا علاج ہو مشرف فرمائیں۔

تحقیق: حق تعالیٰ کی نعمتوں سے جو مجھ پر ہیں جتنا مسرور ہوتا ہوں اتنا ہی دوستوں پر جو نعمتیں ہیں ان پر بھی۔ الحمد للہ الحمد للہ۔ یہ حالات سب نعمتیں ہیں اور عظیم نعمتیں اللھم زد فزد۔ اخیر میں جس تغیر کا بیان کیا ہے تو جیسے موسم کے تغیرات ایک تندرست آدمی کے لئے بھی لازم ہیں اسی طرح یہ تغیرات بھی۔ یہ ایسے ہی تغیرات ہیں امراض نہیں ہیں۔ موسم کے بدلنے سے یہ خود معتدل ہو جاتے ہیں کسی تدبیر مستقل کی ضرورت نہیں نہ کچھ فکر کرنا چاہئے البتہ جو تغیر اسباب اختیاری سے ہو وہ قابل اعتناء ہے (النور ۱۲ ۵۵ھ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۰۷ و ۲۰۸)

حدیث لَاخَيْرَ مَنْ لَا يَأْلِفُ وَلَا يُؤْلَفُ پر شبہ اور اس کا جواب

حال: ایک خاص عرض ہے کہ احقر اپنے کو اس کا مصداق پاتا ہے:

لاخیر من لا یألف ولا یؤلف۔ اور یہ مرض پاتا ہوں اور بہت روز سے ہے کہ میری طبیعت کسی سے مانوس نہیں اور غالب شبہ ہے اور لوگ بھی احقر سے مانوس نہیں۔ بہر حال حضرت مجھے تو اپنا فکر ہے۔

تحقیق: الفت کے اصل معنی اجتماع کے ہیں جو مقابل ہے تفرق کا۔ آیت قرآنی وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ میں لَا تَفَرَّقُوا کی علت میں اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فرمانا اس مقابلہ کا موید ہے۔ تصنیف کو تالیف اسی لئے کہتے ہیں اس کے لئے انس ہونا لازم نہیں کبھی مع الانس بھی ہوتا ہے چنانچہ بعض اوقات تالیف بمعنی ایناس بھی مستعمل ہوتا ہے۔ پھر اجتماع کبھی محمود ہوتا ہے۔ جب دنیائے مباح یا دین کے لئے نافع ہو کبھی مذموم، اور کلیات شرع کا مذموم کے مراد لینے سے

مانع ہونا ظاہر ہے۔ بس اجتماع محمود کا مراد ہونا متعین ہوگیا۔ اب حدیث کا حاصل یہ
ٹھہرا کہ مومن اجتماع محمود سے نفور نہیں ہوتا۔ ورنہ صحبتِ ضارّہ سے تعذیر خود وارد
ہے اور اکابر طریق نے توحش عن الخلق کو انس باللہ کے لوازم سے فرمایا ہے۔ اس حالت
میں افادہ و استفادہ ضروریہ سے جو آبی نہ ہو وہ اس حدیث کی وعید کا مصداق نہیں ہو سکتا
(تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۷۶)

تخیلات کے ہجوم کا علاج

حال: احقر کی حالت اس قدر الجھی ہوئی اور مشتبہ ہے کہ میں اکثر پریشان ہی
رہتا ہوں اور حضرت والا سے عرض کرنے کے متعلق حیران ہی رہتا ہوں۔ اس حالت کا
خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اندر جملہ رذائل پاتا ہوں اور ایسی بُری قسم کے کہ مجھ کو قریب بہ یقین ہے،
کہ کسی انسان کے اندر نہ ہوں گے مسلمان کا تو کیا ذکر ہے۔ لیکن ساتھ ہی ملکاتِ محمودہ کا
احساس بھی الحمد للہ اپنے اندر پاتا ہوں۔ غیر اختیاری کے مسئلہ نے میری کسی قدر ڈھارس
بندھا رکھی ہے لیکن اس میں بھی سخت اشتباہ رہتا ہے کہ اس قسم کے تخیلات اختیاری
ہیں یا غیر اختیاری۔ مجھ میں قوت تخیل بلکہ فساد متخیلہ بہت ہی زیادہ ہے، جو منشاء بہت
سے خیالی گناہوں کا ہوتا ہے گو حضرت اقدس کے طفیل میں اس وقت جبکہ رذائل ابھرتے
ہیں۔ فوراً احساس ہونے لگتا ہے اور عمل نہیں ہونے دیتا۔ لیکن خیال کے درجہ میں تو گناہ
ہو ہی جاتا ہوگا۔ بلکہ ہو جاتا ہے۔ ایسے خیالی گناہوں سے بچنا نہایت مستبعد نظر آرہا ہے،
جیسے کبر، عجب، سوء ظن، شہوانی خیالات وغیرہ۔ کیونکہ ان میں یہی پتہ نہیں چلتا کہ یہ
حد گناہ تک کب پہنچتے ہیں اور کس حد تک گناہ ہی میں داخل نہیں ہوتے۔ جب خیالات
فاسدہ کا ہجوم ہوتا ہے تو بالکل مردودیت کا گمان ہونے لگتا ہے، ایسی خراب حالت
میرے باطن کی ہے کہ ہر امر میں منافقت ہی نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی آخرت میں شرم

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

رکھے۔ اکثر حزن ہی طاری رہتا ہے اور یاس کا غلبہ رہتا ہے، باوجود ان سب ردی حالتوں کے حضرت والا کی توجہ کا بھی بدیہی اثر محسوس کرتا ہوں۔ ذکر میں الحمدللہ غایت درجہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے مگر اس میں یہ شبہ رہتا ہے۔ کہ یہ کیفیات تو مقصود ہی نہیں ایسی غیر مقبولین بلکہ کفار کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ غرض غالب حزن و یاس ہی رہتی ہے۔ لیکن اس لکھنے میں بھی متردد ہوں۔ کیونکہ اکثر بوجہ استحضار حق و دلچسپی ذکر مسرور رہتا ہوں پس گریہ چنیں بناید دگہ ضدایں، کا مضمون ہو رہا ہے۔ پس حضرت والا سے علاج کا خواستگار ہوں للہ دستگیری فرمائیں اور ہلاکت سے بچائیں۔

تحقیق: اس کا تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف متوجہ ہونا اور متوجہ رہنا چاہئے۔ اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں ان کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے۔ پس اشتباہ رفع ہو گیا۔ اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جاوے تو جب تنبیہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے اور پھر اس تدبیر پر استحضار سے کام لیا جاوے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۹۷-۳۹۸)

درود شریف چھوٹا یا بڑا پڑھنا بہتر ہے جس میں دلچسپی ہو

حال: درود شریف بہت سے ہیں کوئی چھوٹا کوئی بڑا کسی درود شریف کی بڑی بڑی فضیلتیں معلوم ہوتی ہیں۔ چھوٹا درود شریف تعداد میں زیادہ پڑھا جاتا ہے بڑا درود شریف تعداد میں کم پڑھا جاتا ہے معلوم کرنا یہ ہے تعداد میں زیادہ پڑھنا بہتر ہے یا بڑا درود شریف پڑھنا بہتر ہے چاہے تعداد میں کم ہو۔

تحقیق: درود شریف چھوٹا ہو یا بڑا جس سے دلچسپی ہو وہ پڑھنا بہتر ہے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

لِهٰذَا اَجَابَ الْمَوْلَى الْاَعْظَمُ وَالشَّيْخُ الْاَفْخَمُ اُسْتَاذِيْ مَوْلَانَا مُحَمَّدُ يَعْقُوْبُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَمَّا سُئِلَ عَنْ طُوْلِ الْقِيَامِ وَكَثْرَةِ السُّجُوْدِ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ وَجَمْعُ الْخَاطِرِ اَشَدُّ مَطْلُوْبٍ فِي الطَّرِيْقِ كَمَا هُوَ كَالْمُجْمَعِ عَلَيْهِ عِنْدَ الشُّيُوْخِ وَقَدِ اعْتَنٰى بِهِ الشَّارِعُ كَمَا صَرَّحَ بِهٖ فِي النَّصِّ حِيْنَ خَفَّفَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَمَّا سَمِعَ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فِيْ قَوْلِهٖ خِفْتُ اَنْ تُفْتَتَنَ اُمُّهٗ وَحِيْنَ قَدَّمَ الْعَشَاءَ عَلَى الْعِشَاءِ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى مَا عَلَّمَنِيْ فِي الْمَسْئَلَةِ وَفَهَّمَنِيْ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ (النور صفر ۱۳۵۹ھ)

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۶۹)

زیادت انجذاب الی الشیخ بہ نسبت انجذاب الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حال: یہ امر قابل گذارش ہے کہ فدوی کو بفضلہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کا خیال لگا رہتا ہے اور اُدھر کشش بھی رہتی ہے۔ اسی طرح جناب والا کا خیال لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اکثر اوقات خیال نہیں رہتا اور نہ اُدھر کشش رہتی ہے، اور کبھی زیارت سے مشرف بھی نہیں ہوا، اور نہ چنداں اس کی جستجو ہے۔ زیارت کے نہ ہونے پر چنداں حسرت نہیں، لیکن اس کی تلاش و جستجو نہ ہونے پر البتہ بے حد غم اور حسرت ہے جیسے اور لوگوں کو اس کا بالطبع خیال ہے۔ احقر کو نہیں۔

تحقیق: بالکل غلط وہم ہے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عالم ظاہر میں تشریف رکھتے تو کیا اس دوسرے سے اشتیاق زیادہ نہ ہوتا اور اگر یہ دوسرا اشتیاق والا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

عالم ظاہر میں نہ ہوتا تو کیا اس کی قبر کا اشتیاق قبر نبوی سے زیادہ ہوتا۔ موازنہ کا یہ طریقہ ہے۔ (بوادر النوادر ص ۶۶)

عافیت طلب کرنا تفویض و رضا کے خلاف نہیں

حال: حضرت والا میرا اس طرح دعا کرنا کہ ابھی عافیت عطا فرمایئے۔ مجھ میں سہار نہیں یہ تفویض و رضا کے خلاف تو نہیں مگر دل میں حق سبحانہٗ تعالیٰ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ بلکہ جب کبھی دورے (مرض) ہوئے یہ خیال کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں، اپنے بندوں پر مہربان ہیں جو کچھ فرماتے ہیں۔ اس میں بندے کی مصلحت ہے۔ اگر یہ میری حیات تک بھی رہے تو میں راضی ہوں۔

تحقیق: اس حالت کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ابھی عافیت عطا فرمائیے تفویض و رضا کے خلاف نہیں۔ وردفی حدیث الاستسقاء اللّٰھم اسقنا غیثاً مغیثاً مریئاً مریعاً نافعاً غیر ضار عاجلاً غیر آجل (رواہ ابوداؤد) وفی روایۃ عاجلاً غیر رائث (جمع الفوائد عن الکبیر والبزار) ماخوذ النور ربیع الاول ۱۳۶۲ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۹)

حال: اس موقع پر اپنے ایک اور وسوسہ کا جو بہت دنوں سے دل میں ہے ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ رات کو سوتے وقت دعا میں جب فوضت امری الیک پڑھتا ہوں تو سہم جاتا ہوں کہ تفویض کا لفظ زبان سے ادا کرتا ہوں۔

تحقیق: ۱۔ اخبار یا انشاء کوئی غیر مسلم جب اسلام قبول کرتا ہے اور اٰمنتُ یا اَسلمتُ کہتا ہے اس کا نہ سمجھنا صحیح ہے یا نا صحیح لیس جو معنی اٰمنت کے ہیں وہی فوضت کے، ھذا اذا کانت الصیغۃ من صورۃ الدعوی اذا لکلام کما یشعر بہ قولکم کہ اللہ تعالیٰ کی شان الخ فجوابہ ما سیاتی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نی نفولی جیسے یحکم مایشاء

حال: مگر دل میں یہ خطرہ موجود پاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو یحکم مایشاء و یفعل ما یرید ہے۔ وہ میری ذاتی خواہشوں اور مصلحتوں کی رعایت کیوں فرمائیں گے۔

تحقیق: جیسے یحکم مایشاء و یفعل ما یرید دلائل سے ثابت ہے۔ اسی طرح رؤف بالعباد اور ان ربی رحیم ودود بھی ویسے ہی دلائل سے ثابت ہے تو دونوں میں تضاد کیا ہوا۔ اور جہاں بندہ کی مصلحت کے خلاف کسی امر کا وقوع ہوا ہے۔ اس کا سبب اولین خود بندہ ہوا ہے کہ قصداً اپنی مصلحت کے خلاف کوئی اختیار یعنی کفر و معصیت و ابتغاء عوج پھر اگر اس پر اہلال اور منافع کا اخلال مرتب فرما دیا گیا تو سوال کا محل کون ہوا۔ وھو معنی قولہ تعالے ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم (النساء) وقولہ تعالے وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھداھم حتی یبین لھم ما یتقون (التوبہ) قولہ تعالے وما ظلمناھم ولٰکن کانوا انفسھم یظلمون (وغیر ھا من الآیات) پس ثابت ہو گیا کہ جو شخص اپنی مصلحتوں کی رعایت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف کا ارادہ نہیں کرتے اگرچہ اس پر قادر ہیں۔ وھذا حاصل یفعل مایشاء (ماخوذ النور ربیع الاول ۱۳۶۲ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۹۵)

تحقیق توحد و تعدد نسبت باطنہ

سوال: اکثر بزرگوں کو متعدد سلاسل سے اجازت حاصل ہوتی ہے تو کیا ان حضرات کو متعدد نسبتیں، مثلاً نسبت چشتیہ و نقشبندیہ مجیزین سے حاصل ہوئی تھیں یا محض

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اجازت ہی ہوتی تھی اور کیا متعدد نسبتوں کا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح ایسا شخص جس کو متعدد سلاسل سے اجازت ہے جس شخص کو اجازت دے تو اس شخص کو بھی متعدد نسبتیں حاصل ہونا چاہئے۔ لیکن حضرات چشتیہ میں آثار دیگر سلاسل کے معلوم نہیں ہوتے اور اگر ہیں تو کس طرح تعدد نسبت کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

جواب: نسبت ایک حقیقت واحدہ ہے اختلاف استعداد سے اس کے الوان مختلف ہوتے ہیں جس میں چشتیت وغیرہ کی خصوصیت نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک چشتی اور ایک نقشبندی کی نسبت ایک لون کی ہو اور ممکن ہے کہ دو چشتیوں کی نسبت کا لون مختلف ہو۔ اسی طرح اختلاف اوقات سے اس لون میں اختلاف ہو سکتا ہے پس صاحب اجازت کے لئے نسبت کا حصول شرط ہے۔ خواہ اس کا لون کچھ بھی ہو اور خواہ مجیز اور مجاز کے الوان بھی مختلف ہوں۔ اس تحقیق کے بعد کوئی اور سوال متوجہ نہیں ہوتا۔ (بوادر النوادر ص ۶۱)

عذر کی وجہ سے ناغہ کا بدل مجاہدۂ اضطراریہ یعنی تشویشات وغیرہ ہیں

حال: اس مرتبہ سفر میں کچھ ایسی صعوبتیں پیش آئیں کہ اکثر معمولات ناغہ ہو گئے تھانہ بھون واپس آنے پر بھی پریشانیوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ دو بچے بیمار ہیں جو وقت مدرسے بچتا ہے ان کی تیمارداری میں صرف ہو جاتا ہے۔ ابھی تک پورے معمولات جاری نہیں ہو سکے۔

تحقیق: جس طرح وضوء کا بدل تیمم ہے اور اجر میں اس سے کم نہیں۔ اسی طرح مجاہدۂ اختیاریہ یعنی اعمال و اوراد کا بدل مجاہدۂ اضطراریہ یعنی تشویشات و بلیات ہیں اور اجر میں ان کے برابر بلکہ بعض منافع میں ان سے اقوی ہیں۔ ان کو نعمت سمجھ کر اطمینان سے کام میں بقدر وسع مشغول رہنا چاہئے۔ البتہ دعا کرتے رہیں کہ وہ مبدل بہ راحت و جمعیت ہوں کہ دعا مسنون ہے۔ غرض جب تک وہ باقی رہیں تفویض

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فرض ہے اور دعا مسنون ہے ———— اور جب وہ زائل ہو جاویں تو شکر واجب ہے اور دونوں حالتوں میں بقدر وسع کام میں مشغول رہنا ادب طریق ہے۔ (النور جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۶۶)

نماز و جماعت پر آمادہ کرنے میں سختی کا علاج

حال: لوگوں کو نماز و جماعت پر آمادہ کرنے کے لئے میرے گزشتہ عریضہ کے جواب میں حضرت نے صرف وعظ کو پسند فرمایا۔ اپنی سختیاں چھوڑ کر عمل تو حضرت ہی کے پسندیدہ طریقے کے مطابق شروع کر دیا ہے، لیکن یہ خود میرے لئے بہت جید مجاہدہ ہو گیا ہے میری طبیعت میں ذرا سختی ہے۔

تحقیق: صحیح ہے مگر جی کو سمجھانے سے اس کا توزال (تیزی) بہت کم ہو سکتا ہے۔

حال: پہلے تو کافی نرمی سے کام لیتا ہوں لیکن جب بار بار کی تفہیم یا دیگر تدابیر کارآمد نہیں ہوتیں تو بس سخت مزاجی کا ظہور ہوتا ہے۔

تحقیق: تو بار بار کہنا ہی ضروری نہیں حق تبلیغ ایک بار کہنے سے ادا ہوتا ہے بہت ہی زیادہ شفقت ہو دو بار، حد تین بار۔ اس سے زیادہ درپے ہونا تصدّی ہے جس پر وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى فرمایا گیا ہے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۴۸)

آرام کی چیزوں میں بے رغبت نہ ہونا چاہئے

حال: حضرت میں تو اکثر دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ ہمارے اعمال حال و قال کی حفاظت فرما۔ بظاہر کھانا پینا اور آرام کی چیزوں سے رغبت نہیں۔ یوں خیال آتا ہے کہ احباب پھٹے پرانے کپڑوں میں کفنا کر پرانی قبر میں اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں اگر وہ اپنے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

فضل سے کچھ دیں تو بجائے اپنی مرغوبات کے بس ان ہی کے لئے خرچ ہو۔

تحقیق: سب حالات وخیالات محمود ومطلوب ہیں البتہ رغبت کی نفی اس میں بعض اوقات غلطی ہو جاتی ہے۔ صورۃً یا حقیقتہً جب نعمت موجود ہوتی ہے بالقوہ یا بالفعل رغبت محسوس نہیں ہوتی۔ فقدان کے بعد اس کا احساس ہوتا ہے لہذا رغبت کی نفی کے دعوی سے بچنا چاہئے۔ اور اگر ایسا احساس بھی ہو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ یہ دعا کرنا چاہئے کہ اے اللہ جتنی رغبت ہے وہ دین میں معین ہو مانع نہ ہو۔ کما روی عن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۲۶)

موت سے خوف دراصل حق تعالٰی کا خوف ہے

حال: ایک امر ناگزیر جس سے بالکل مفر نہیں یعنی موت اس کے ہول سے دل لرزتا ہے جب خیال کرتا ہوں۔ کیا کروں؟۔

تحقیق: مومن کا موت سے خوف کرنا درحقیقت حق تعالٰی سے خوف کرنا ہے کیونکہ مومن کو اگر یہ اطمینان ہو جاتا کہ موت کے بعد نجات ہو جاوے گی تو یقیناً موت سے ذرا توحش نہ ہوتا پس یہ خوف احتمال عقوبت سے ہے اس لئے محمود و مطلوب ہے البتہ اگر وہبی طور پر اس خوف پر شوق طبعی غالب ہو جاوے خواہ حالت حیات میں خواہ قریب موت تو پھر خوف نہیں رہتا مگر یہ حالت نہ مامور بہ ہے نہ لازم ہے لہذا اس کا فقدان موجب قلق نہ ہونا چاہئے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۳۰)

بوقت موت عذاب کا ڈر اس میں شان عظمت باری تعالٰی کی طرف توجہ دلانا ہے،

حال: عرض یہ ہے کہ وعظ سنت ابراہیم (رسالہ المبلغ ش ج ۷، بابت ماہ جمادی الاول ۵ ۱۳۵ھ صفحہ ۱۴ سطر ۱۳ تا ۱۷) میں یہ مضمون دیکھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قسم ہے اللہ کی اگر تم ان امور کو دیکھو جن کو میں دیکھتا ہوں اور
تم ان باتوں کی خبر ہو جاوے جن کی مجھ کو خبر ہے تو عمر بھر روتے پھرو اور ہنسنا بھول جاؤ
میں اسرافیل کو دیکھ رہا ہوں جو صور کو منہ میں لئے کھڑے ہیں اور حکم کے منتظر ہیں کہ
اب حکم ہو اور اس میں پھونک ماروں کہ سارا عالم درہم برہم ہو جائے۔ ایسی حالت میں مجھ کو
کیسے چین آئے اور میں کیسے بے فکر ہو بیٹھوں، سخت ہیبت قلب پر طاری ہے۔
موت ہر وقت سامنے ہے۔ اس مضمون کو دیکھنے سے قبل یہ تھا کہ اللہ تعالے ارحم الراحمین ہے
اگر ذرا ہم اس کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کریں تو پھر ہمارے لئے موت
اور برزخ و آخرت میں چین ہی چین ہے انشا اللہ تعالٰے ما یفعل اللہ بعذابکم الخ
اور اس مضمون کے دیکھنے کے بعد قریب مہینہ بھر سے یہ خیال دامنگیر ہے کہ جب حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر صحابہ کو ڈرائیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے ناقابل برداشت
اور زبردست عذاب الیم سے بوقت موت اور برزخ و آخرت میں باوجود شرط شکر و ایمان
پورا کرنے کے بھی کلفت و الم سے بچ جانے کا یقین نہیں بلکہ قوی خطرہ ہے۔

اللّٰھم احفظنا من کل بلاء الدنیا وعذاب الآخرہ

تحقیق: یہ معنی ہی سمجھنا غلط اور محض غلط ہیں۔ اس میں عذاب کا ذکر ہی
نہیں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا بعید بلکہ
ابعد بھی احتمال نہیں۔ اس حدیث کے امثال سے تو حق تعالٰے کی شان عظمت کی طرف
توجہ دلانا ہے جو کہ مطلوب ہے اور وہ اس توجہ کے ساتھ کہ ان اللہ لا یضیع
اجر المحسنین ای العاملین المخلصین جمع ہو سکتا ہے اب کیا اشکال
رہا۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

رضائے حق کو مقصود سمجھنا بڑی دولت ہے،

خط: یکے از اجازت یافتگان احوال بندہ یہ ہے کہ جو ارشادات حضور نے بندہ کے پرچہ کے جواب میں متعلق احوال و کیفیات کے فرمائے ہیں از حد تسلی ہوئی سو حضور کے ارشادات سے متنبہ ہو کر اپنے دل میں سوچا اور مطالعہ کیا اور ارشادات کو بغور دیکھا ہے۔ آخر اپنے ناقص فہم میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ برابر حالات و کیفیات مقصود اور ضروری سلوک نہیں اور نہ اس کا امر ہے۔ کیونکہ اختیاری نہیں ہیں موہوب ہیں۔ بمنظوری حق ہر ایک کو اپنی استعداد کے موافق وارد ہوتے ہیں اور یہ مثال ذہن میں آئی۔ جیسا کہ انسان پیدا ہوا اس کو روح اور حیات تو سب کو ایک جیسی ہے اور اپنا اختیاری کام خور و نوش ہر ایک کرتا ہے مگر حسن خوبی، قد و قامت شجاعت وغیرہ اپنی استعداد فطری کے موافق جو رب العالمین نے رکھی ہے وہی ہوتی ہے۔ اسی طرح علم، ہنر، حرفت وغیرہ انسان کو اپنے اختیاری ہونے پر سیکھنا ضروری ہے اور استاد بھی ایک ہوتا ہے۔ محنت بھی یکساں کرتا ہے مگر راسخہ علم، ہنر وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ اسی استعداد فطری کے موافق ہوتا ہے۔ اسی طرح سلوک میں بھی اختیار کے موافق شیخ کا دامن پکڑنا اور کام کرنا ضروری ہے اور شیخ کے حضور سے خالی ہرگز کوئی نہ رہے گا۔ مگر استعداد کے موافق کمالات میں فرق ضرور ہوگا اور چونکہ انسان کا اصل مقصود اس دنیا جہان میں عبدیت حاصل کرنا ہے حسن و خوبی قد و قامت مقصود نہیں مگر دنیا میں یہ چیزیں اچھی ضرور ہیں اگر حاصل ہو جائیں تو انعام ہے ورنہ عتاب نہیں، کیونکہ غیر اختیاری موہوب من اللہ ہیں۔ اسی طرح سلوک میں مقصود رضائے حق ہے جس کا مدار اطاعت پر ہے۔ دنیا میں جو بندہ اس پر کاربند ہے اس کو رضا حاصل ہے۔ اور حالات و کیفیات مثل حسن و خوبی کے لذیذ ہیں مگر وہ اس جہان میں فنا ہو جائیں گے۔ آگے ساتھ نہ دیں گے یہاں ہی حسن خوبی کی طرح ختم ہو جائیں گے اور طاعت کا ثمرہ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں بھی حاصل ہوگا۔ اب حضور کے متنبہ فرمانے سے دل مطمئن ہو گیا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور سب خواہشات کو دل سے نکال دیا ہے بجز رضائے حق کوئی مقصود نہیں رکھتا جس کے حصول کا طریقہ یہ سمجھا ہے کہ اطاعت اور اعتماد شیخ لازمی ہے اور شیخ کو اپنا خیر خواہ سمجھا جائے اور شیخ کے سامنے مُردہ بدست زندہ رہنا چاہئے۔ بس اسی پر دل کو جا لیا ہے دعا فرمادیں کہ اس پر میرا خاتمہ ہو۔

تحقیق: بیحد دل خوش ہوا۔ اللہ تعالٰے علم و فہم میں مزید برکت فرما دے۔ علم و فہم بڑی دولت ہے اور اوّل مشعلِ راہ ہے۔ دعائے عمل و استقامت و حسنِ خاتمہ کرتا ہوں۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص۵۵)

اعمال میں بے توجہی کا علاج

حال: ۔ میں حضور کی ہدایت کے موافق بعد نماز تہجد چھ تسبیح ذکر نفی و اثبات اور چھ تسبیح ذکر اسم ذات دو ضربی اور بعد نماز مغرب تین ہزار ذکر اسم ذات یک ضربی کرتا ہوں اور صبح کو قرآن شریف کی تلاوت بھی ایک گھنٹہ کم و بیش کر لیتا ہوں مگر ان سب اعمال میں نہایت بے توجہی رہتی ہے۔ اکثر جی گھبراتا ہے اور طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ چھوڑ یہ سب کچھ نہ کرو بالکل بے سود ہے، مگر خدا کا شکر ہے کہ مغلوب نہیں ہوتا بلکہ کام سب پورا کرتا ہوں گو بے توجہی ہوتی ہے۔

تحقیق: اس کا سبب مشخص ہونا چاہئے اگر ضعف دماغ ہے تو اس کی تدبیر ضروری ہے اور اگر ہجوم مشاغل و تعلقات، معاملات خانگی ہے تو اس کی تقلیل بقدر ممکن ضروری ہے اور جو ممکن نہ ہو تو پھر زبانی مشورہ ضروری ہے اور اگر طبیعت میں کیفیت شوقیہ کم ہے تو کتب سیر بزرگان کا خاص اہتمام سے مطالعہ کیا جائے مثل تذکرۃ الاولیاء و مقاصد الصالحین وغیرہ اور اگر ان میں سے کوئی سبب نہیں تو زبانی گفتگو کی ضرورت ہے۔

(تربیۃ حصہ پنجم ص ۲۱۳)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

غیر واجب کا ترک شیطانی نہیں

حال: بعد نماز عشا نام کو معدودے چند رکعت تہجد بھی پڑھ لیتا ہوں اگرچہ پچھلی شب میں اٹھتا ہوں مگر نماز و ذکر کی توفیق نہیں ہوتی دن کو اپنے نفس کو ملامت وغیرہ سب کچھ کرتا ہوں مگر کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ شیطان ونفس غالب ہو رہے ہیں۔

تحقیق: غیر واجب کا ترک کرنا نفس وشیطان کا غلبہ نہیں ہے۔ یہ علامت وندامت انشاء اللہ تعالیٰ ایک روز کام کرے گی۔ اگر اس وقت زیادہ نہ ہو تو چارپائی پر بیٹھ کر ایک دو تسبیح پڑھ لیا کیجئے۔ (تربیۃ حصہ اول ص ۲۱)

بوقت گرانیٔ طبع عبادت میں اجر زیادہ ملتا ہے

حال: مجھکو اس سفر کا شوق وولولہ طبعاً کبھی نہیں ہوا اور اب بھی نہیں معلوم ہوتا ہے عقلاً وایماناً طبیعت کو مجبور کر کے انشاء اللہ تہیہ کیا ہے اور ہے، اللہ تعالیٰ قوت وہمت عطا فرماوے طبیعت اب بھی ہچکچاتی ہے، حضور سے ایسی دعا وتوجہ کی التجا ہے کہ جو حضور کمترین کے واسطے مناسب سمجھیں۔

تحقیق: شوق بمعنی ولولہ نہ بالذات مطلوب ہے نہ شرائط قبول سے ہے، اخلاص کے ساتھ عمل ہونا کافی ہے گو ولولہ نہ ہو بلکہ گو طبعاً گرانی ہی ہو۔ حدیث اسباغ الوضوء علی المکارہ اس کی نقلی دلیل ہے جس سے مدعا مذکور سے زاید یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مکارہ سے اور اجر وفضل بڑھ جاتا ہے اور عقلی حقیقت اس کی یہ ہے کہ طاعات بعض کے لئے مثل غذا کے ہیں اور بعض کے لئے مثل دوا کے اور ظاہر ہے کہ دوا کا نافع ہونا اس کی رغبت پر موقوف نہیں نیز ایسی حالت میں اس کا استعمال اور زیادہ ہمت اور مجاہدہ ہے اور اس میں حکمتیں بھی ہوتی ہیں جیسے عجب سے حفاظت اور اپنے نقص کا مشاہدہ وغیرہا بس عبد کا مذہب یہ ہونا چاہئے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

بُدرد صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۸۱)

میلان طبع میں تغیر پیدا ہونا موجب غم نہیں

حال: یکے از منتہیان سہ مولائی اُورِکنی فانی غارق فی لجۃِ الشہوات والعصیان

حالت یہ ہے کہ پہلے تو غیر اللہ کی طرف میلان قلیل سے بھی نفرت اور غیرت آتی تھی کہ محبوب حقیقی کے ہوتے ہوئے غیر ہرگز قابل التفات نہیں اور اب ذراسی چیز بھی اپنی طرف مائل کرلیتی ہے حتیٰ کہ نظر شہوت وغیرہ سے بھی پاک نہیں بحمد اللہ تنبہ جلد ہوجاتا ہے، اور توبہ داستغفار معاً کرلیتا ہوں مگر نہ معلوم قلب اب غیر اللہ کی طرف اس قدر جلد کیوں مائل ہوجاتا ہے۔

تحقیق: ابتداء میں شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور انتہا میں انس کا شوق میں مانعیت طبعیہ ہے اور انس میں مانعیت عقلیہ مگر امتحان کا موقع یہی ہے پس میلان موجب غم نہیں اس پر عمل البتہ موجب غم ہے اس میں تساہل موجب غیرت ہے حدیث میں ہے وَاللّٰہُ یُغَارُ اَنْ یَزْنِیَ عَبْدُہٗ اَوْ اَمَتُہٗ اور حدیث میں ہے، وَالْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ پس ہمت سے کام لینا چاہئے (تربیت السالک حصہ پنجم ص ۱۲۱)

رفع تعارض در نکیر برانتقام و دعائے انتقام

سوال: امثل الاقوال ص ۸۰ حصہ دوم میں یہ عبارت ہے (فِیْ کَوْنِ اِرَادَۃِ الْاِنْتِقَامِ خِلَافُ الطَّرِیْقِ) کَانَ یَقُوْلُ مِنَ الشَّہْوَۃِ الْخَفِیَّۃِ لِلْوَلِیِّ اِرَادَۃُ النُّصْرَۃِ عَلٰی مَنْ ظَلَمَہٗ ترجمہ انتقام کا ارادہ

کرنا طریق کے خلاف ہے) فرمایا کہ دل میں یہ بھی ایک مخفی شہوت نفسانی ہے کہ وہ اس کا ارادہ کرے کہ مجھے ظالم پر نصرت حاصل ہو اور مناجات مقبول منزل دوم وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا الخ (ترجمہ اور ہمارا انتقام لے اس سے جو ہم پر ظلم کرے اور مدد دے ہمیں اس پر جو ہم سے دشمنی کرے) اس دعا کی ابتداء ص ۵۶ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ الخ سے ہے۔
بحوالہ حاکم و احمد عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ( ) یہ عبارت مناجات مقبول کے حاشیہ میں ہے اب عرض یہ ہے کہ بظاہر اس ملفوظ اور حدیث میں تعرض معلوم ہوتا ہے کیونکہ دعا بھی تو نصرت ہی کے ارادے سے کی جاتی ہے۔ حضرت والا براہ کرم تشریح فرما کر ممنون فرمائیں۔

تحقیق: جو ارادہ انتقام خلاف طریق ہے وہ عید کا ارادہ ہے جو منافی ہے حلم و کرم کے خصوص جبکہ اس انتقام میں حدود سے تجاوز ہونے کا بھی شبہ ہو جیسا کہ اکثر بوجہ ضعف قوت علمیہ و عملیہ کے واقع ہو جاتا ہے اور جس انتقام کی دعا ہے اس میں حق تعالٰی کا ارادہ ہو گا جو احتمالات مذکورہ سے مبرا ہے فَكَيْفَ يُقَاسُ اَحَدُهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى لِيَلْزَمَ التَّعَارُضُ۔ نیز اپنے انتقام کا محل شخص معین ہو گا جس میں نفسیات کا بھی احتمال ہے، اور انتقام الٰہی کی طلب میں محل متعین نہیں اور غیر متعین میں یہ احتمال نہیں۔ فَاَيْنَ هُمَا مِنَ الْاُخْرٰى خلاصہ جواب یہ ہے کہ خود انتقام لینے میں خلاف حکمت ہونے کا احتمال ہے اور حق تعالٰی کے انتقام میں یہ احتمال نہیں۔ لہذا پہلے انتقام کا ارادہ بھی ایک درجہ میں منکر ہے اور دوسرے انتقام کے ارادے کی طلب بالکل منکر نہیں۔ (بوادر و نوادر)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اپنی حالت کا نقص سمجھنا اور تاویل کو منکر جاننا یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے

حال: حضرت کچھ ایسی حالت ہے کہ باوجود تامّل و تفکر کے اکثر و بیشتر اپنی مزعومہ خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں عیوب نہیں دکھائی دیتے صد حسرت و تاسف کہ میرے عیوب مجھ پر منکشف نہیں ہوتے حالت یوم دلیل میں ادنیٰ خوبی بھی نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے اور عیب کا گویا کوئی پہلو بھی واضح نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو اضطرار و اختیار قصد و بے قصد کے لغو حیل سے نفس جلد سے جلد تاویل کرلیتا ہے۔

تحقیق: اس حالت کا نقص سمجھنا اور تاویل کو منکر جاننا یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ سیات کا ایک درجہ میں کفارہ ہوجاتا ہے اور اس کفارہ ہونے میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کے لئے اجمالاً و ابہاماً اعتقاد اپنے عیوب کا گوان کی تعیین نہ ہو اور اس کے ساتھ استغفار خصوص اس صیغے کے ساتھ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا عَلِمْتُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ اور اس اعتقاد کا استحضار و استغفار کا تکرار انشاء اللہ تعالیٰ امتثال مامور بہ کیلئے کافی ہوگا اور اس سے بصیرت کا فتح باب ہوجاویگا وعدہ ہے من عمل بما علم علمہ اللہ ما لم یعلم او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۰۲، النور محرم ۱۳۵۷)

خفیف فکر پر بھی وعدۂ اجر ہے

حال: یہ ناکارہ مشاغل و افکار کے ہجوم میں حیران و پریشان الحال والبال ہوں دن بھر دنیا کے دھندوں میں اور رات کو تھک کر خواب غفلت میں گرفتار کوئی مخلص نظر نہیں آتا کہ ہجوم مشاغل میں تخفیف ہو تو کچھ آخرت کے لئے بھی کرسکوں۔ مخدومی یہ ناکارہ بہت ہی محتاج دعا و توجہ ہے۔

تحقیق: دعا سے کیا عذر ہے مگر طلب دعا کے علاوہ یہ بھی وظیفہ عبودیت ہی ہے کہ ؎

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش　　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

کیا احادیث میں خفیف خفیف فکر و تشویش پر وعدہ اجر نہیں ایسی تشویش منقص لطف تو بیشک ہے مگر منقّص (کم کرنے والی) اجر تو نہیں ہے اب خود فیصلہ کرلیجئے کہ مقصود اعظم اجر ہے یا لطف۔

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۲۳)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دوامِ عمل کی حقیقت

حال: اول تو میں کرتا ہی کیا تھا مگر جو کچھ بھی ہوتا تھا آج کل بعض عوارض کی وجہ سے سب درہم برہم ہوگیا ابھی تک التزاماً پڑھنا نہیں ہوتا جب التزام کرتا ہوں عوارض و حوادث پیش آجاتے ہیں جس کی وجہ سے التزام کیا بالکل پڑھنا موقوف ہوجاتا ہے۔

تحقیق: یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے کہ کبھی ہو کبھی نہ ہو بالخصوص جب سبب اس کا عذر ہے دوسرے یہ کہ کامیابی اس پر موقوف نہیں کہ کبھی ناغہ ہی نہ ہو بس اس دھن میں لگا رہے گو ناغہ بھی ہو مگر اس دُھن کے درپے رہنے سے ایک روز مقصود حاصل ہوگا۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۳۶۵)

نماز و ذکر کو یکسوئی سے محروم رکھنا۔ اس میں بھی حکمت ہے

حال: (بعض واقعات کے ذکر کے بعد) ان حالات و افکار نے ذہن کو منتشر کر رکھا ہے معمولات میں بحمداللہ فرق نہیں آیا۔ مگر خطرات و خیالات کی یورش نے ذکر و نماز کی یکسوئی اور طمانیت میں فرق ڈال دیا ہے۔ الا تہجد کہ وہ ہجوم افکار سے بحمداللہ پاک ہے

تحقیق: ایسے واقعات و تشویشات میں بھی رحمت و حکمت ہے کہ ان سے انکسار و افتقار پیدا ہوتا ہے۔ (النور صفر ۱۳۵۲ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۴)

نماز و ذکر میں ہجوم خیالات غیر اختیاری ہیں

حال: (کچھ حالات لکھنے کے بعد) البتہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں ابھی تک معمولی کامیابی بھی معلوم نہیں ہوئی۔ نماز اور ذکر کے وقت خیالات کا بہت ہجوم رہتا ہے اس کے لئے دعا فرمائیں میں بہت تنگ ہوں۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تحقیق: قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَقَالَ الْعَارِفُ الشِّیْرَازِیْ فِیْ تَرْجَمَتِہٖ :

گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئے طبع
سخت می گیرد جہاں بر مرد ماں سخت کوش

عدم تکلف ہے اور کس دلیل سے؟ قرآن مجید سے زیادہ کس کا فیصلہ ہوگا۔ مقبولین کے کمال اور فضیلت میں یہ ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا (الاعراف) یہ نہیں فرمایا لَا یَمَسُّھُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ پھر اِذَا کے ساتھ فرمایا ہے جس سے اس مس کا تیقن وقوع معلوم ہوتا ہے۔ جب متقی اس سے خالی نہیں چہ جائے غیر متقین کا کیا ذکر۔ البتہ ایسے حالات میں تذکر ماموربہ ہے، جس کا مفہوم بہت عام ہے اور اختیار میں ہے اب کیا سوال رہا فقط (تربیت السالک جلد دوم ص ۲۳۰)

بے تدبیری بھی تدبیر ہے

حال: میں تو حضرت بس مجموعی طور سے اپنے آپ کو ایسے حال میں پا رہا ہوں کہ دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے ڈوب رہا ہوں اور خود ہاتھ پاؤں مار کر نکل جانے کی بھی کوئی تدبیر نظر نہیں آرہی ہے۔ دماغ بالکل معطل ہے۔

تحقیق:۔ بعد تفویض محض کے یہ بھی ایک نعمت اور ایک علم عظیم کا مقدمہ ہے کیونکہ اس سے مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ جب تدبیر موثر نہ ہو تو بے تدبیری ہی تدبیر ہے۔

(تربیت السالک جلد دوم ص ۲۷۷)

معمولات میں فرق پڑنے سے قلق طبعی مضر نہیں

حال: ایک عرصے سے بعض اسفار اور بعض رسائل و مضامین لکھنے کی وجہ سے معمولات کا نظام بگڑ رہا ہے۔ بہت ہمت باندھ کر پوری مقدار اور پابندی کرنا چاہتا ہوں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

مگر سستی یا تساہل کا غلبہ ہو کر خلل ہو جاتا ہے اسی کشمکش میں ایک عرصہ سے عرض نہیں کیا کہ نسخہ ہی استعمال نہ ہو تو حال کیا کہا جائے نماز۔ تلاوت ذکر دعا استغفار کسی کا بھی شوق پہلا سا نہیں رہا اسی وجہ سے معمولات میں کمی پڑی ہے۔

تحقیق: ایسے تغیرات و اسباب تغیرات سب کو پیش آتے ہیں اکابر بھی اس سے خالی نہیں جس کا تدارک اعادہ توجہ و عمل ہے اسی طرح قوت ضبط بڑھ جاتی ہے اور تمکین نصیب ہو جاتی ہے اس لئے بددل نہ ہونا چاہئے۔ قلق طبعی مضر نہیں ہے بلکہ معین ہے تجدید عمل کا۔ لیکن اختیاری قلق اور اس میں انہماک کے ساتھ اشتغال یہ مضر ہے۔ اس سے اعراض کر کے مستقبل کا انتظام درست کر لیا جاوے اگرچہ تکلف سے ہو، اور اگرچہ نشاط سے خالی ہو، چند روز میں پھر اکثر تو حالت دلخواہ ہو جاتی ہے اور نہ بھی ہو تب بھی مقصود حاصل ہے یعنی طاعت عاجلاً و اجر آجلاً (تربیت السالک جلد دوم ص ۳۶۹)

شکایت الی اللہ مذموم نہیں

حال: میں نے ایک رات تو اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ جنگ ہی شروع کر دی اور زور زور سے کہنے لگا بیشک ان بیماریوں میں بھی میرا ہی نفع ہے لیکن یہ نفع آپ بیماری کے بغیر بھی تو پہنچا سکتے ہیں آپ کی قدرت میں سب کچھ ہے آپ عادۃ اللہ کے خلاف بھی کر سکتے ہیں نہ آپ پر حاکم نہیں آپ اس پر حاکم ہیں غرض اسی طرح بکواس کئی منٹ تک کرتا رہا۔ پھر کچھ استغفار کیا مگر اس طرح کہ گویا جنگ میں کچھ حق بجانب ہوں۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ

تحقیق: وہ بے حجابانہ معروضات ادلال تھا جو ایک حال ہے اور مقام سے ادنیٰ اس اعتبار سے اس کو انسانی نقص کہا جاوے گا جس کا تدارک استغفار سے مقام عبدیت میں ضروری ہے جو بتوفیقہ تعالیٰ واقع بھی ہوا (تنبیہ) اس تحریر کے وقت معلوم نہیں حال سے یا خیال سے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام و حضرت یونس علیہ السلام کے بعض

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

واقعات اور بعض مقالات نے ذہن میں خطور کیا ہے جیسے :

قولہ تعالٰی لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ (الیٰ) فَاغْفِرْ لَنَا (الاعراف)

اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ (یوسف)

اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا - الی - اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء)

لیکن ایسے قیاس و تطبیق کو خطرناک سمجھ کر سکوت میں سلامتی سمجھیں اور اس معروض میں جو عطاء بلا واسطہ سبب خاص تجویز کیا گیا اس کا منشا ذہول ہے حکمت مختصہ بالسبب الخاص ہے گو وہ حکمت ہم سے مخفی ہو اور اگر اس حکمت میں بھی یہی وسوسہ ہو تو اس کا مرجع تقدیر کا راز ہے جس کی کنہہ ہماری استعداد علمی سے فوق ہے کہ وہ اس کا تحمل نہیں کر سکتی اس لئے اس کے ادراک سے طمع قطع کر دی گئی اور یہی عدم تحمل منشا ہے نہی عن الخوض فی المسئلہ کا جیسے کوئی حکیم شفیق قرص شمس میں نظر جانے سے منع کرے لا لنقص فی الشمس بل لنقص فی البصر واللہ اعلم (تربیت السالک جلد دوم ص ۳۷۰)

امراض روحانی کا علاج

حال : یہ تو امراض جسمانی کی حالت ہے، رہے امراض روحانی، ان کی حالت امراض جسمانی سے بدتر ہے امراض جسمانی کا اہتمام تو ہے امراض روحانی کے متعلق یہ بھی نہیں اگر اسی حالت میں خاتمہ ہو گیا تو خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ مجھے آپ کی دعا اور توجہ کی سخت ضرورت ہے، جس وقت یاد آجائے میرے لئے دعا فرما دیا کیجئے۔ جب میں اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو خوب روتا ہوں مگر کیا نتیجہ۔ ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھ لیتا ہوں اور بارہ سو مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دو مختلف مجلسوں میں عامیانہ طور پر پورا کر لیتا ہوں۔ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا نماز پڑھ لیتا ہوں مغرب کے بعد چار نفلیں زائد پڑھ لیتا ہوں۔ عشاء کے بعد چار نفلیں بہ نیت تہجد پڑھ لیتا ہوں۔ اس وقت کل یہ معمول ہے اطلاعاً معروض ہے۔

تحقیق : امراض روحانی کا ایک علاج اختیاری ہے اور اس میں اہتمام کی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ضرورت ہے، دوسرا علاج غیر اختیاری بھی ہے یعنی سقم یا ہم یا غم اگرچہ طاعات واجبہ میں کمّاً یا طاعات واجبہ میں کیفاً کچھ نقص یا خلل ہی واقع ہو جاوے تب بھی نفع اس پر مرتب ہوتا ہے اگرچہ کلفت کے غلبہ سے یا ادراک کی کمی سے اس وقت محسوس نہ ہو مگر ترتب تو اسی وقت اور احساس بعد میں ہوتا ہے اب اس کا غم نہ کیجئے اور اگر ازالۂ غم پر قدرت نہ ہو تو پھر یہ غم بھی خود علاج ہے باقی دعا میں اس جزو کو شامل کر دیا ہے۔ (تربیت السالک جلد دوم باب دہم ص۱۶۳)

باوجود اپنے کو حقیر جاننے کے جب کسی میں عیب نظر آتا ہے تو اپنے کو اچھا خیال کرنا۔ اس کا علاج

حال: حضرت میں اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھنا چاہتا ہوں لیکن جب کسی کے عیب کو دیکھتا ہوں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے اندر یہ عیب نہیں ہے تو میں اس سے اچھا ہوں۔

تحقیق: ایسے وقت میں دو امر کو ذہن میں حاضر کیا جاوے ایک یہ کہ شاید اس شخص کا یہ عیب ظاہری عیب واقعی نہ ہو کوئی تاویل یا کوئی عذر اس کے پاس ہو دوسرا یہ کہ اگر واقعی بھی عیب ہو مگر ممکن ہے کہ اس میں عند اللہ کوئی خوبی حالاً یا مالاً ایسی ہو جس سے وہ میرے سب کمالات اور محاسن پر غالب ہو جاوے۔ (تربیت السالک جلد دوم ص ۱۷۳)

نفس کے کسی مشتبہ رذیلہ کا خود علاج تجویز کرنا مبتدی کیلئے مفید نہ ہوگا

حال: تبلیغ دین اور حضرت کے مواعظ زیر مطالعہ ہیں میں سمجھتا تھا کہ کبر پر بفضلہٖ تعالیٰ غالب آچکا ہوں لیکن اس ہفتہ میں اپنے ہر فعل پر غور کے ساتھ رکھنے سے کئی مرتبہ مجھ کو اپنے اندر کبر و عجب کا احساس ہوا گو نفس نے ہر اس فعل کی جس پر مجھ کو عجب و کبر کا گمان ہوا تاویل پیش کرنے کی کوشش کی مثلاً

۱۔ ایک صاحب نے میرے دماغ و ذہانت کی مدح کی جس کو سن کر مجھ کو نہایت مسرت ہوئی اور مدح کو سچ سمجھا عقلی طور پر خوب ذہن نشین ہے کہ میرا کوئی کمال میرا ذاتی

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نہیں ہے۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے بلا استحقاق عطا فرمایا اور جب
چاہے واپس لے لے۔ مدح کو پسند سمجھنے کی بابت نفس نے یہ تاویل کی جب تم اس کو
اپنا کمال نہیں سمجھتے اور اللہ پاک کا انعام سمجھتے ہو تو اس خوبی کو خوبی نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی
ناشکری ہوگی۔

۲۔ ایک بار بازار سے آٹھ آنے کا گھی لانے میں عار محسوس ہوئی فوراً خیال ہوا کہ شرم
کی وجہ تکبر ہے۔ نفس نے تاویل کی تمہارے ملازم موجود ہیں میں معزز سرکاری عہدیدار ہوں
اگر کوئی دیکھے گا کہ آٹھ آنے کا گھی خرید رہا ہوں تو ذلت کی نگاہ سے دیکھے گا مگر میں نے اس
کو نفس کی تاویل سمجھا اور نفس کی تادیب کے لئے اس پر آمادہ ہو گیا کہ اب چار آنے کا گھی
خرید کر لاؤں گا تو پھر اس بات پر شرم آنے لگی کہ چار آنے کے گھی کے لئے اتنا بڑا برتن لیجاؤں
گا تو دوکاندار احمق سمجھے گا۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم آگیا جس کے اس وقت نہ ہونے سے
مجھے بازار جانا پڑ رہا تھا اس کے آنے پر جانا ملتوی کر دیا۔

۳۔ ایک بار میں نے اپنے ایک ماتحت کو اشارہ سے بلایا اس نے دیکھا مگر وہ اپنے کام
میں مشغول رہا۔ مجھے طبعی طور پر ناگوار ہوا لیکن میں نے اس کے مقتضا پر عمل نہیں کیا بعد میں
خیال آیا کہ ایسے مواقع پر تواضع کا برتاؤ کرنا سیاست اور انتظام میں مخل ہوگا لہٰذا میں نے
مصنوعی غصہ طاری کیا اور اس کے پاس جا کر تنبیہ کی میری اس تنبیہ میں ظاہراً تکبر کی شان
تھی لیکن قلب تکبر سے پاک تھا۔ حضور والا مطلع فرمادیں کہ ایسے مواقع پر جہاں تواضع کا برتاؤ
سیاست اور انتظام میں مخل ہوتا معلوم ہو۔ ظاہراً متکبروں کا سا برتاؤ کرنے کی شرعاً
رخصت ہے یا نہیں۔

تحقیق: خط حرفاً حرفاً پڑھا طلب اور اہتمام اور فکر سے دل خوش ہوا۔ دل سے
دعا نکلی سب کا جواب یہ ہے کہ مبتدی کو ایسی کاوش نافع تو اس لئے ہے کہ اس سے نظر بڑھتی ہے
مگر تحقیق کی فکر یا اس تحقیق پر اصلاح کو اس طرح مبنی کرنا کہ اگر نفس میں رذیلہ ثابت ہو جائے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تو اس کا تدارک کریں ورنہ مطمئن ہو جائیں یہ مضر ہے اس لئے کہ ایسی تحقیقات اکثر وجدانی ہوتی ہے کہ ان میں دونوں جانب دلائل و کلام کی بہت گنجائش ہوتی ہے اگر رذیلہ کو ثابت کیا جائے بعض اوقات غلو و تعمق ہو جاتا ہے۔ پھر ہر چیز میں ایسے ایسے سوالات پیدا ہونے لگتے ہیں کہ یہ ایک مستقل مشغلہ ہو جاتا ہے جو ضروری مقاصد سے مانع ہو جاتا ہے اور اگر مطمئن کر دیا جائے تو نفس کو یہی عادت ہو جاتی ہے اور فکر کی چیزوں سے بھی بے فکر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات خود مصلح کی رائے بھی مشتبہ ہو جاتی ہے اس وقت طالب کو زیادہ شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ لہذا یہ طریق بجائے نافع ہونے کے مضر ہو جاتا ہے اس لئے صحیح طریق یہ ہے کہ جس امر میں ذرا بھی مشتبہ ہو جاتے اس شبہ کو حقیقت سمجھ کر اس کا تدارک عملی یعنی نفس کی مخالفت کی جاوے اور اگر ہمت نہ ہو یا کسی امر صریح و بیّن طور سے خلاف مصلحت مشاہد ہو تو بجائے تدارک عملی کے استغفار اور جناب باری تعالیٰ سے دعا و التجائے اصلاح کی بکثرت کریں بس یہی معمول رکھا جاوے اور جس امر کے قبیح ہونے میں کوئی اشتباہ نہ ہو اور تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ اس میں ہمت کر کے نفس کی مقاومت و مخالفت کی جاوے اور رسمی و وہمی مصالح کی پرواہ نہ کی جانے والسلام۔ (ماخوذ بوادر النوادر ص ۹۵۱ - ۹۵۰)

اپنے کو کسی مقام خاص کا مستحق سمجھنا

حال: سالہا سال سے کوشش تکمیل اعمال اختیاری و تقویٰ میں مصروف ہوں لیکن کامیابی مفقود نامرادی پر قلق کرتا ہوں توبہ اور توبہ شکنی پر قلق و فکر تخلیہ قلب و حصول یکسوئی اور اس میں ناکامیابی ان اُدھیڑ بن میں زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے لیکن کوئی حالت ایسی پیدا نہیں ہوتی ہے جس سے صاف اندازہ ہو کہ یہ حالت حاصل ہو گئی۔

تحقیق: یہ تمام اوہام ہیں کَمَا مَرَّ (جیسا کہ اکثر ہوا ہے) بلکہ ایک گونہ اپنے کو ایک عالی درجہ کا مستحق سمجھنا ہے جیسے کوئی بہت ادنیٰ درجہ کا شخص کہے کہ اتنے روز

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہوگئے شاہی خدمت کرتے ہوئے مگر اب تک بادشاہ نے داماد نہیں بنایا کیا یہ گستاخی نہیں
ذب کہا گیا ہے ؎ آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ
برنتابد کوہ را یک برگ کاہ

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۷۵۱)

تفاوت نماز فرض و نفل

حال، نماز میں بمقابلہ فرض کے سنت میں اور بمقابلہ سنت کے نفل میں اطمینان
ول بشنگی زیادہ ہوتی ہے اور یہ امر اختیاری نہیں یہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے اس طرف
زجہ کی ضرورت ہے یا نہیں ؟

تحقیق: نمازوں کے انواع میں جو تفاوت لکھا ہے میرے نزدیک یہ امر طبعی ہے
طبیعت کی خصوصیت اس کا سبب ہے منشاء اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض نفوس کی خاصیت
ہے کہ لزوم ان پر گراں ہوتا ہے اور عدم لزوم کی صورت میں بوجہ بشاشت کے ان کا کام
سہل ہوتا ہے اور بعض طبیعتوں کی طبعی خاصیت ہے کہ لزوم میں ان کو آسانی ہوتی
ہے اور اختیار دیدینے میں تساہل ہوتا ہے اور دونوں بوجہ طبعی ہونے کے غیر مذموم
ہیں اگرچہ باعتبار اثر کے دوسرا مذاق اچھا معلوم ہوتا ہے بہر حال اس کی فکر میں نہ پڑے

حال: دوسری عرض یہ ہے کہ ہر رات عشا کے بعد جب سونے لگتا ہوں بلکہ تمام
ہوتے دل میں بہت شدت کے ساتھ یہ خواہش ہوتی ہے کہ یا اللہ تہجد کا وقت کب آئیگا
اور جب آخر شب کو حضرت کی برکت سے اور اللہ پاک کی مدد سے اُٹھ کر وضو و مسواک کرنے
لگتا ہوں تو دل میں بہت خوشی پیدا ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ بہت جلدی نماز شروع کردوں
اور جب نماز میں کچھ جہر سے قرأت شروع کرتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ ساری رات نماز پڑھوں
لیکن اس کے ساتھ ہی ذکر کے لئے دل میں ایک کشش ہوتی ہے تو گویا دل کو سمجھا بجھا کر نماز کو
ختم کرکے ذکر شروع کرتا ہوں۔ دن میں بھی یہ خیال رہتا ہے کہ تہجد کا وقت کب آوے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اس خوشی کے ہونے پر میرے اندر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تہجد اور ذکر میں جتنی خوشی ہوتی ہے فرضیات میں اتنی خوشی نہیں ہوتی۔ ہاں پہلے کی حالت کی نسبت آج کل فرضیات میں بھی کچھ لذت محسوس ہوتی ہے لیکن تہجد کی نسبت کم۔

تحقیق: فرض میں تو دوسری شق یعنی ترک کا اختیار ہی نہیں اور تہجد میں اس شق کا بھی اختیار ہے۔ باوجود اس کے فعل کی توفیق ہونا اس میں انعام حق کا زیادہ مشاہدہ ہے اس لئے اس میں زیادہ فرحت ہوتی ہے اور ایسی حالت مطلوب ہے گو دوسرے اعتبار سے توفیق فرض میں زیادہ انعام ہے تو کبھی ایک اعتبار کا اثر طبیعت پر غالب ہوتا ہے کبھی دوسرے کا اور یہ غیر اختیاری امر ہے۔ (البدائع)

عمل میں زیادہ کاوش کرنا غلطی ہے

سوال: ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض اوقات قلب بالکل خالی معلوم ہوتا ہے، بہت کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ نہیں ہوتا۔

جواب: فرمایا کہ کوشش میں مبالغہ کرنا غلطی ہے۔ سرسری توجہ کافی ہے ورنہ کاوش کا انجام اچھا نہیں ہے۔ طبیعت پر تعب ڈالنے سے پریشانی بڑھتی ہے اور کبھی مایوسی تک نوبت پہنچتی ہے کیونکہ ایسے امور (یعنی کیفیات وغیرہ) اختیار میں نہیں اور جو امور اختیار میں نہ ہوں ان کے پیچھے پڑنے کا انجام آخر میں تعطل ہوتا ہے، کیونکہ اگر بالفرض کامیابی نہ ہوئی تو شیطان راہ مارتا ہے، اغوا کرتا ہے کہ اتنا سر مارتے ہیں پھر بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، پھر کیا فائدہ بیکار محنت کرنے سے ؎

سخت می گیرد جہاں بر مرداں سخت کوش

اور یہ قلب کا خالی رہ جانا قبض کہلاتا ہے اور قبض، بسط سے بھی ارفع ہے اس واسطے کہ اپنی حقیقت قبض ہی میں معلوم ہوتی ہے، اگر بسط دائم رہے تو بہت سے اخلاق رذیلہ پیدا ہو جائیں، چنانچہ حق تعالیٰ رزق ظاہری کی بابت فرماتے ہیں کہ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض، یعنی اگر اللہ تعالیٰ رزق کو فراخ فرما دیتے اپنے بندوں کے لئے تو وہ شرارت کرتے، یہی حال رزق باطنی کا ہے کہ اگر احوال و کیفیات دائم رہیں تو بہت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سی باطنی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً کبر و عجب و طغیان وغیرہ۔ پس قبض میں بھی صدہا مصلحتیں ہیں۔ جو قلب خالی معلوم ہوتا ہے تو واقعی میں خالی نہیں ہوتا بلکہ بھرا ہوا ہوتا ہے لیکن جو چیز اس میں بھری ہوئی ہے وہ ایسی ہے کہ بظاہر محسوس نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات وہی ضروری ہوتی ہے، چنانچہ مشک (چمڑے کا تھیلہ) میں کبھی پانی بھرتے ہیں کبھی پھونک مار کر ہوا بھرتے ہیں اور اس کے ذریعہ تیرتے ہیں۔ اس وقت ہوا کا بھرنا ہی ضروری ہوتا ہے اس وقت اگر اس میں کوئی سوئی چبھو دے تو اس کے ڈوبنے کا مقدمہ ہے اور یہ جاننا مربی حقیقی کا کام ہے کہ کس وقت ہوا بھرنا مفید ہوگا اور کس وقت پانی بھرنا۔ بہرحال خواہ بسط ہو خواہ قبض مربی کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہئے، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم خالی ہیں، کام میں لگا رہے اور حالات سے مصلح کو اطلاع دیتا رہے ان شاء اللہ کامیابی یقینی ہے اس راہ میں حرمان ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ (کمالات اشرفیہ۔ ملفوظ نمبر ۱۰۱۴)

ریا کے خیال سے عمل ترک کرنا شیطانی خیال ہے

سوال: ایک مرید نے لکھا کہ بعض وقت یہ خیال آ کر کہ لوگ ریاکار کہیں گے یا اچھا کہیں گے تو نفس خوش ہوگا، نفل وغیرہ پڑھنے سے باز رہتا ہوں کیا یہ ناکارہ ہر طرح سے محروم ہی رہے گا۔

جواب: تحریر فرمایا کہ ریا کا خیال تو شیطانی خیال ہے باوجود اس خیال کے بھی کام کرنا چاہئے اور مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ محروم رہو گے۔ کیا مجھ کو اپنا ہی حال معلوم نہیں، پھر یہ کہ اپنی کوتاہی جب سبب محرومی کا ہو تو دوسرا کیا علاج کرے۔ معلم کا کام اتنا ہے کہ طالب کام کرے اور اطلاع حالات کی دیگر جو کچھ پوچھنا ہو تو اس سے پوچھے بدون اس کے یہ کوئی کھیر تو ہے نہیں کہ چٹا دی جائے۔ (کمالات اشرفیہ۔ ملفوظ نمبر ۱۰۹۶)

معمولات میں پابندی نہ ہو سکنا

حال: ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ سے وظائف و اوراد کی پابندی باوجود اہتمام کے نہیں ہوتی جس کی وجہ سے قلب از حد متاسف ہوتا ہے۔

جواب: ارشاد فرمایا آپ اس کے زیادہ درپے نہ ہوجئے کیونکہ یہ خود ایک مستقل شغل ہو جاویگا جو حجاب ہے باقی رہی کوتاہی تو استغفار اس کے تدارک کے لئے کافی ہے اور بعض مرتبہ اس کوتاہی اور عدم پابندی میں بھی مختلف مصلحتیں ہوتی ہیں طبیعتیں مختلف ہیں اور اللہ عزوجل ہر شخص کی طبیعت کو خوب پہچانتے ہیں۔ بعض طبیعتیں فطری طور پر ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں پابندی ہونے سے تین خرابیاں ہو جاتی ہیں اوّل تو عجب یعنی کہ ہم ہر وقت

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کام کرتے ہیں کبھی ناغہ نہیں ہوتا۔ دوم اگر ثمرات مرتب ہوں تو اپنے آپ کو ان کا مستحق سمجھنا یعنی یہ کہنا کہ کیوں نہ ہوں ہم تو اس کے مستحق ہی ہیں ہمیشہ اوراد و وظائف وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں۔ سوم عدم ثمرات پر اللہ تعالیٰ کا شاکی ہونا کہ ہم اتنی مشقت و محنت و ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں اور ہم کو ثمرے نہیں ملتے، تو اگر ایسی طبیعتوں میں پابندی نہ ہو تو بجائے عجب کے تواضع ہوتی ہے کہ ہم کس لائق ہیں کام تو پورا ہو ہی نہیں سکتا اور عجز و انکسار آجاتا ہے اور ثمرات کے مرتب ہونے پر اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتا بلکہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اور عدم ثمرات پر خدا تعالیٰ سے شاکی نہیں ہوتا اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے کیا ہی کیا ہے جو ثمرات ملیں بس یہ مصلحتیں ہیں کوتاہی میں۔ (اشرف المسائل)

خیالات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے

فرمایا کہ سالک کو خطرات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے نہ ان کی بنا پر اپنے کو مردود سمجھنا چاہئے کیونکہ ان خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے جیسے کوئی بری بری باتیں کسی کے کان میں کہے اور سننے والے کو اس کے روکنے پر قدرت نہ ہو، تو باوجود ناگوار ہونے کے اس کو مجبوراً بلا قصد و بلا اختیار سننا ہی پڑے گا یعنی وہ سامع ہوگا مستمع (سنانے والا) نہ ہوگا نہ متکلم ہوگا۔ لہٰذا اس کا کیا قصور بلکہ اس کو جو ناگواری کی وجہ سے اذیت ہو رہی ہے اس کا اسے اجر ملے گا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اپنے محبوب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے نہایت شوق کے ساتھ جھپٹا ہوا چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں اس کا دشمن ملا اور اس کو اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے اس کو سنا سنا کر بادشاہ کی شان میں بے ادبی کے کلمات بکنے لگا تو گو ناگوار تو بہت ہوگا لیکن عقل و طلب کا مقتضا یہی ہے کہ اس نالائق اور نمک حرام کی بیہودہ بکواس کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے ورنہ اگر ردّ و کد شروع کر دی تو حاضری دربار کا وقت گذر جانے کا اندیشہ ہے۔ بس اس کو چاہئے کہ صبر کئے ہوئے خاموشی کے ساتھ چلتا چلا جائے۔ پھر جب دربار میں رسائی ہو جائے گی تو اول تو وہ کم بخت آپ ہی پیچھا چھوڑ دے گا ورنہ کان پکڑ کر نکلوا دیا جائے گا چنانچہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ بعد وصول تمام خطرات فنا ہو جاتے ہیں۔ اگر بمقتضائے اسباب و مصالح خاصہ پھر بھی فنا نہ ہوں تب بھی کچھ غم نہ کرے کیونکہ خطرات غیر اختیاریہ پر مطلق مواخذہ نہیں، نہ وہ

صحبت میں البتہ اذیت وکلفت ضرور ہوتی ہے مگر اس پر بھی اجر ملتا ہے اور درجے بڑھتے ہیں۔ (ماخوذ اشرف السوانح حصہ اول)

ارادہ اور نیت کا بھی اجر ملتا ہے

حال: ایک صاحب نے لکھا کہ ارادوں کی بے بسی سے بعض وقت جی چاہتا ہے کہ بس کیا ہی نہ کروں لیکن اس پر بھی قدرت نہیں۔

تحقیق: ارادہ اور نیت پر بھی اجر ملتا ہے گو عمل سے خالی ہو، اس کو مفت کیوں ضائع کیا جائے عمل کی کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ لیکن استغفار کے بعد پھر کام میں لگ جانا چاہئے۔ ہر وقت کوتاہیوں کا مراقبہ مضر ہے۔ مایوسی و پست ہمتی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ توبہ و استغفار کے بعد معاصی کا ذہول قبول توبہ کی علامت ہے۔ اس زمانہ میں خاص کر رجا کا غلبہ ہی مفید ہے۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

اولاد کے لئے فکر معاش

حال: حضرت کل بعد مغرب بہت رقت ہوئی بہت دل گھبرایا حالانکہ بہت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لیکن ایکدم تمام جسم پسینہ میں نہا گیا اور یہ خیال آیا کہ مجھے اپنی اولاد کے معاملات سے اس قدر وابستگی ہو گئی ہے کہ دن رات اسی خیال میں مستغرق رہتا ہوں۔ نیز یہ خیال ہے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اپنے اعمال وافعال جو کچھ ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اول ان بچوں کے پاس ہونے کا قصہ درپیش تھا۔ اسی کے ساتھ ان کی ملازمت کا معاملہ شروع ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ایک مہینہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت سے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے غرضیکہ ہر وقت بچوں کا خیال دامنگیر رہتا ہے۔ رات کو جب کبھی آنکھ کھلی تو بچوں کے امتحان میں کامیابی کے لئے، یا ان کی نوکری کے لئے دعا کی۔ پلنگ پر جب لیٹا تو بچوں کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ پلنگ سے جب صبح کو اٹھا تو پہلا کام بچوں کی کامیابی کے لئے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

دعا کرنا۔ نماز کے بعد بچوں کی فلاح و بہبود کے علاوہ اور سب دعائیں کرنا چھوڑ دیں اس خیال سے بہت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ کہ خدانخواستہ اگر مرتے وقت بھی بچوں کا خیال رہا تو میں دین کا رہوں گا نہ دنیا کا۔ بالکل تباہ ہو جاؤں گا۔ سرکار توکل میرے اندر نہیں رہا۔ قلب میرا تاریک ہو گیا حالت میری بد سے بدتر ہو گئی۔ مجھے اپنی حالت دیکھ کر بہت غم اور رنج ہوتا ہے۔ حضور میری دست گیری فرماویں۔ خدا جانے میں کہاں جا رہا ہوں۔ میرے حق میں حضور دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے راہ راست پر لادے مجھے کچھ پڑھنے کے لئے تعلیم فرمادیں جس سے میرے قلب کی حالت درست ہو۔ مجھے اس وقت اپنی ذات سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ بُرا ہوں۔ بہت بُرا ہوں لیکن حضور کا غلام ہوں حضور اپنے اس خوار و ذلیل غلام کی طرف خاص توجہ فرماویں۔

جواب: یہ احساس اور فکر خود علامت ہے ایمان کامل کی اللہ تعالیٰ مزید تکمیل اور رسوخ عطا فرماویں اور توکل کے نقص کے شبہ میں بھی محض وہم ہے۔ توکل کامل کے درجات ہیں۔ کاملین کا سا نہ سہی مگر جو درجہ مامور بہ ہے (اور کوئی مامور بہ ناقص نہیں ہوتا) وہ بھی بفضلہ تعالیٰ حاصل ہے جس کی کھلی علامت ہر حالت میں دعا کرنا ہے، اگر کارساز پر نظر نہ ہوتی تو دعا ہی کیوں کی جاتی اور یہی نظر توکل مامور بہ ہے، اور اس کے آگے کے درجات زیادہ کمال کے ہیں۔ مگر یہ بھی ناقص نہیں۔ بالکل اطمینان رکھا جاوے رہا یہ شبہ کہ اولاد سے شدید تعلق ہے اور یہ کہ اگر آخر وقت میں اس کا استحضار رہا تو محض تباہی ہے یہ خوف علامت ایمان کی ہے اور اس خوف پر بشارت ہے حفاظت ایمان کی، کما فی قولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ اور ظاہر ہے کہ مغفرت موقوف ہے ایمان کے محفوظ رہنے پر تو خوف پر اس طرح بشارت ہے حفاظت ایمان کی۔ پھر تباہی کا وہم کیوں کیا جائے اور راز اس میں یہ ہے کہ اولاد کے مصالح و فلاح کا اہتمام طاعت ہے اور ان کا حق مامور بہ ہے،

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ہوا ہو یہ کہ استحضار سوئے خاتمہ کا سبب کیسے ہو سکتا ہے، البتہ ان کی ایسی محبت کہ جس میں دین کی بھی پروا نہ رہے اور اس محبت میں معصیت کا بھی بے تکلف ارتکاب کر لیا جائے یا احکام ضروریہ میں خلل ہونے لگے تو یہ ہے غیر اللہ کی محبت مذمومہ۔ یہ ضابطہ کا جواب ہے اور بالکل صحیح اور حقیقت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ عادت اللہ یہ ہے کہ مومن کے آخر وقت میں یہ جائز محبت بھی فنا کر دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کے غلبہ میں دم نکلتا ہے۔ (النور رمضان ۱۳۵۹ھ)

خلاف طبع امر کیلئے یہ سمجھنا کہ اپنے معاصی کا نتیجہ ہے

حال: (یکے از مجازین) عرصہ چھ سال کا ہوا احقر نے اپنی اصلاح کے متعلق ایک والا نامہ میں ضمناً یہ بھی عرض کیا تھا کہ احقر کی یہ آرزو ہے کہ اگر کوئی میرا مخالف اور دشمن میری مخالفت کرے تو میں اس سے کوئی رنج نہ رکھوں بلکہ اس کی مخالفت کو اپنے ہی افعال و حرکات کا نتیجہ سمجھوں تو احقر کے ان الفاظ کے (کہ مخالف کی مخالفت کو اپنے ہی کئے کا نتیجہ سمجھوں) جواب میں حضور والا نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ "اس کا استحضار اختیاری ہے تکرار استحضار سے اس میں رسوخ ہو جائے گا۔ سو عرض ہے کہ احقر برابر اس ارشاد پر عمل کر رہا ہے کہ جب کوئی واقعہ طبیعت کے خلاف پیش آتا ہے تو اس کو احقر اپنے ہی افعال و حرکات کا نتیجہ سمجھتا، مگر اب ایک عرصہ تک تو یہ سوچ لیا کرتا تھا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی، اس سے تسلی ہو جاتی تھی مگر اب اس مراقبہ کی (کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی) بالکل ہمت نہیں پڑتی کیونکہ فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ یہ واقعہ میرے افعال و حرکات کا نتیجہ ہے تو گویا تو نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا تو پھر اس موقع پر یہ مراقبہ کرنا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہیں بے ادبی نہ ہو۔ چنانچہ احقر اب یہ نہیں سوچتا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر پریشانی بہت بڑھ جاتی ہے اور پھر کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جو موجب تسلی ہو تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا جب احقر یہ سمجھ رہا ہو کہ یہ ناگوار واقعہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

خود میرے ہی غلط افعال وحرکات کا نتیجہ ہے تو اس وقت یہ مراقبہ کرنا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کیا یہ کچھ بے ادبی ہے تاکہ احقر ایسے موقع پر اس سوچنے سے کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی آئندہ بھی باز رہے۔ باقی عقیدہ تو یہی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے باقی شبہ جو بے ادبی کا ہوا ہے وہ ہر بار اس کے مستحضر کرنے میں ہوا۔

تحقیق:۔ اعتقاد میں دونوں کا جمع ہونا تو محلِ اشکال ہی نہیں جیسا خود سوال کے اخیر میں مذکور ہے البتہ ذوقاً جمع ہونا باعتبار بعض آثار محل اشکال ہے جس میں اس اشکال کے علاوہ بعض اوقات ایک دوسرے محذور کا لزوم بھی محتمل ہے یعنی محبوب حقیقی سے تقلیل محبت پس جہاں اس جمع کی ضرورت نہ ہو وہاں تو اسلم جمع اول ہی پر قناعت کرنا ہے لیکن جہاں ضرورت ہو جیسا یہاں بدون اس استحضار کے تسلی کا فقدان سوال میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں ضعفاء کے لئے اس جمع کی صورت یہ ہے کہ تسبب عن للمعاصی کا استحضار تو بلا واسطہ کیا جاوے اور تسبب عن مشیئۃ الحق کا استحضار بواسطہ تسبب اول کے کرے یعنی یوں سمجھے کہ یہ نتیجہ میرے معاصی کا ہے اور اس نتیجہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس لئے مرتب فرمایا ہے کہ میرے معاصی کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور مستقبل میں مجھ کو ہدایت ہو جائے پس اس طرح سے دونوں استحضار بلا کسی محذور کے جمع ہو جائیں گے۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۶۲ تا ۳۶۳۔ النور رمضان ۱۳۵۹ھ)

حفاظت مال کا عبادت ہونا

سوال:۔ عصر کے بعد بلاناغہ وِرد جو حضور نے تعلیم فرمادیا پڑھ لیتا تھا، رات کو بھی مطالعہ سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ کام کی کثرت سے کسی سے بات کرنی دشوار ہوتی تھی رمضان شریف میں بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ اگرچہ کسی قسم کی لیاقت اس ناکارہ

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

کہ اتنی عمر میں حاصل نہ ہوئی لیکن اتنی عمر اس مشغلہ میں حق تعالٰی نے صرف کرائی جیسی فارغ البالی فدوی کو حاصل تھی کہ اب زمانے میں کم لوگوں کو میسر ہے۔ اب بھائی مرحوم کے انتقال کے بعد سارا بار جائیداد وغیرہ کا میرے ذمہ پڑ گیا کہ جس سے سخت پریشانی ہے جو فدوی بیان نہیں کر سکتا میں اس کام سے بالکل ناواقف ہوں کبھی کیا ہی نہیں حساب سے محض ناواقفیت ہے اس وجہ سے سخت پریشانی کا سامنا ہے۔ دن رات فکر سے خالی نہیں گزرتا۔ فدوی کے یہاں ان پانچ ماہ میں چار موتیں ہو چکیں ان کے صدمہ سے دل اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا اور پھر اس کام کا فکر کہ تمام مشاغل چھوٹ گئے۔ اس وقت جو فدوی کی حالت ہے بس حق تعالٰی ہی مدد فرمائیں۔ اگر کسی وقت فرصت ملی تو اسم ذات غیر معین مقدار میں پڑھ لیتا ہوں۔ ابھی تک اوقات منضبط نہیں ہوئے اور کوئی چارہ کار سمجھ میں نہیں آیا۔ جو کچھ حضور کا حکم ہے فدوی حاضر ہے۔ موت ہر وقت پیش نظر رہتی ہے ان کے یتیم بچے ہیں ان کی تربیت کا بار بھی میرے ہی ذمے ہے جس سے بہت خوف ہے کہ کہیں ان کے حقوق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ آج کل جائیداد کے کام میں سخت دشواریاں ہیں خصوصاً مجھ بے وقوف و ناواقف کے واسطے۔ حضور دعا فرماویں کہ حق تعالٰی میری مدد فرمائیں اب جیسے میرے واسطے حکم ہو اس سے مطلع فرمایا جائے۔

جواب: اپنے مال کی حفاظت بھی عبادت ہے خصوص جبکہ دوسرا طریقہ معاش نہ ہو اور بدون انتظام معاش کے دل جمعی نہ ہو اور بدون دل جمعی کے طاعت نہ ہو۔ جب اس وقت عام طبائع ضعیفہ کی یہی حالت ہے نیز یتامیٰ کی نگرانی بھی عبادت ہے جبکہ ان کا کوئی نگران نہ ہو جب عبادت ہے تو عبادت سے کیا گھبرانا۔ رہی پریشانی، سو اس کا سبب ناواقفی ہے اور یہ عارضی ہے۔ اور عارضی بھی سریع الزوال پس ایسی سریع الزوال پریشانی جو سبب ہو جاوے جمعیت دائمہ کی قابل تحمل ہے اور اس عارض کے سبب جو ناغہ وغیرہ ہو جاوے قابل گوارائی ہے۔ پس جب تک کام تحمل [illegible] نہ آوے مزید اس میں دخل دیں۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور توجہ رکھیں اور ناواقفی کا تدارک کسی واقف خیرخواہ کو شریک کام کرلیں۔ جب کام قابو میں آجائے پھر مناسب انتظام کرکے تفرغ للعبادت کی صورت نکال لیں کہ اس وقت یہ آسان ہوگا اور ایسے تفرّغ کے میسر ہونے تک اَوراد میں اختصار کو گوارا کرلیں مگر مداومت کی کوشش کریں اور اہل اللہ کے ملفوظات اور حالات کا مطالعہ کبھی ناغہ نہ کریں خواہ روزانہ پانچ ہی منٹ کے لئے ہو۔ (تربیۃ النور ص ۲۴۳۔ تربیت السالک ص ۱۲۴۹)

نماز میں ذکرِ قلبی کے موجود ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں

حال: عرض ہے کہ بعض مرتبہ سرّی نماز میں امام کے پیچھے جب ہاتھ باندھ کر فارغ ہوتا ہوں تو قلب خود بخود ذکر کی طرف مائل ہوجاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب سے ذکر لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہ جاری ہے۔

تحقیق: محمود حالت ہے، اس میں تغیر کی ضرورت نہیں۔ البتہ زبان کو حرکت نہ ہو اور اگر بجائے دوسرے افکار کے سورۂ فاتحہ کے الفاظ کا تخیل ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر اس میں تکلف ہو تو پھر اس حالتِ موجودہ کا بھی مضائقہ نہیں۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۴۶ و النور۔ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ)

غیر اختیاری امور کا تدارک

حال: خادم کی یہ حالت ہے کہ سوائے نماز پنجگانہ کے اور کچھ کام نہیں ہوتا۔ نماز تہجد کو بھی آنکھ نہیں کھلتی اور اگر کھلتی ہے تو وہ سستی ہے کہ اٹھا نہیں جاتا مجھے اپنی حالت پر افسوس ہوتا ہے۔

تحقیق: افسوس علامت ہے محبت کی جو مطلوب ہے مگر افسوس کے بھی حدود ہیں جو چیز اختیاری ہو وہاں افسوس کے ساتھ اختیار سے بھی کام لینا چاہئے۔ مثلاً تہجد

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

اور اگر شب میں نہیں ہوتا تو بعد عشاء پڑھ لیا جاوے اور جو چیز اختیاری نہ ہو وہاں صبر و
استغفار و دعا کرنا چاہئے ۔ (ماخوذ تربیت السالک جلد دوم ص ۲۶۸)

آثارِ فنا

حال: آج کل کچھ دنوں سے اپنے تمام عیوب ہر وقت مستحضر رہنے لگے ہیں اپنے
تمام ظاہری اطوار و عادات و اعمال میں اور باطنی اعمال میں ہزاروں طرح کی برائیاں
نظر آتی ہیں۔ سوچتا ہوں تو جی گھبرا جاتا ہے کہ آخر کس طرح ان کی اصلاح ہوگی مجھ پر
بڑی بے حسی طاری ہے ۔ امور اختیاریہ میں حتی الامکان اہتمام رکھتا ہوں ۔ مگر
کچھ بنائے نہیں بنتا ۔ بڑا خوف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میری تو یہ حالت ہے اور لوگ
بڑے حسن ظن رکھتے ہیں اکثر اوقات اپنی تعریف بھی لوگوں کی زبان سے سنتا ہوں جس
سے بڑی وحشت ہوتی ہے کہ یا اللہ میرا انجام کیا ہوگا ۔ یہ بڑا دھوکا ہے اور خالص
ریاکاری ہے ۔ لوگ میری طرف سے کس قدر دھوکے میں ہیں ۔ حضرت والا مجھے اپنی اس
حالت پر طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان
کی آمیزش سے بالکل تباہ ہو جاؤں ۔ میں لوگوں سے حتی الامکان بہت ہی کم ملتا ہوں
اور نہ کسی سے ملنے کو جی چاہتا ہے ۔ مجھے کسی بات میں کوئی دلچسپی ہی معلوم نہیں ہوتی
زندگی بالکل بے کیف سی معلوم ہوتی ہے ۔ جب کسی تردّد خاطر وغیرہ سے معمولات ترک
ہو جاتے ہیں تو بہت دل گھبراتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ میں خسر الدنیا والآخرہ
کا مصداق ہو جاؤں حالانکہ عقلاً یہ سب امور قابل توجہ معلوم نہیں ہوتے مگر چونکہ آج کل
طبیعت پر ان کے اثرات کا غلبہ ہے اس لئے حضور والا سے عرض کر کے مؤدبانہ التماس ہے کہ
میری تسکین قلب و اصلاح حال کے لئے دعا فرمائیں ۔

تحقیق: دعا بھی کرتا ہوں اور بشارت بھی دیتا ہوں کہ یہ سب آثار فنا کے ہیں ۔
(تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۰۵-۳۰۴)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تنگی رزق کیلئے عوام کو وظیفہ جائز ہے

حال: چونکہ امداد المشتاق کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مالی حالت کی تنگی کے لئے فاتحہ شریف صبح کے فرض اور سنتوں کے درمیان اپنے اکابر اس عمل کو اپنے لوگوں کو ارشاد فرماتے ہیں اور بعض مواعظ سے معلوم ہوتا ہے دنیا کے حصول کے لئے وظائف پڑھنا پسند نہیں فرماتے ہیں کیا یہ پڑھنا خلوص اور رضا کے خلاف تو نہیں ہے۔

تحقیق: رضا ہر شخص کی جُدا جُدا ہے۔ عوام کی رضا کا جو درجہ ہے یہ اس کے خلاف نہیں۔ (النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ) تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۱۴)

لوگوں سے تکلیف پہنچنے پر چین نہ آنا معصیت نہیں

حال: خاکسار کو ایک مرض ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے کسی قسم کی تکلیف و نقصان پہنچا دے تو چین نہیں آتا ہے جب تک کہ اس سے انتقام نہ لوں۔

تحقیق: چین نہ آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جس کا تحمل مجاہدہ اور موجب اجر ہے تو چین نہ آنا مضر نہ ہوا بلکہ نافع ہوا۔ باقی کلفت کا علاج، یہ معلم دین کا منصب نہیں لیکن تبرعاً وہ لکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے یہی عادت ہو جائے گی۔ پھر اس درجہ کلفت نہ ہوگی۔ (النور صفر ۱۳۵۲ھ) تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۱۵)

حالات و کیفیات کا انتظار بیکار ہے

حال: حالات و کیفیات اگرچہ مقصود نہیں مگر دل میں ایک شوق ہے کہ دیکھوں وہ کیا چیز ہیں اور وہ کسی خاص مراقبہ یا شغل سے حاصل ہو سکتے ہیں یا موہوب ہیں اگر میرے حال کے مناسب ہو تو کچھ ارشاد فرمایا جاوے۔

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

تحقیق: جب مقصود نہیں تو تماشا ہی دیکھنے سے کیا فائدہ۔ باقی یہ کہ کیا چیزیں کم و بیش سب کو پیش آتے ہیں اور سب ہی کو ان کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ کمی بیشی و ضعف و قوت کا فرق ہے مثلاً کسی وقت قلب میں رقت ہوتی ہے کسی وقت بیقراری ہوتی ہے کبھی وقت ایسی محبت اٹھتی ہے کہ غیر محبوب سے دل برداشتہ ہوجاتا ہے۔ یہی ہیں وہ کیفیات، اور اکثر خلوت و اشغال پر مرتب ہوجاتی ہیں مگر لازم نہیں اور بکثرت محض ذکر و تذکرہ اولیاء سے بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۴۵ النور جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ)

عوارض نفسانی کا علاج

حال: ایک ماہ کا عرصہ ہوا کہ خادم کی دوکان کے سامنے ایک شخص ہم پیشہ تجار نے دوکان کھولی اور ہم سے حسد رکھنے لگا۔ نرخ میں کمی کر کے گاہکوں کو توڑنا چاہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے میرے قلب میں تشویش اور تفکر ہوگیا ہے اور جب ہمارا گاہک ان کے پاس جاتا ہے تو قلب دکھتا ہے اور مردہ دلی پیدا ہوتی ہے، طبیعت بے چین ہوگئی ہے۔ دل کو سمجھاتا ہوں کہ جو قسمت کا ہے وہی ملے گا۔ مگر دل ہے کہ گھبرا جاتا ہے طبیعت فکرمند اور منقبض رہتی ہے۔ یہاں تک کہ کھانے اور آرام میں کمی ہونے لگی اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہوں کہ یہ بات نہ رہے اور حضرت والا کی دعا کا محتاج ہوں اور اس کا علاج فرمادیں۔

تحقیق: علاج معصیت کا ہوتا ہے، یہ عوارض نفسانیہ غیر اختیاری ہونے کے سبب معصیت نہیں لہٰذا بجائے علاج دعا کرتا ہوں (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۵۱۔ النور رجب ۱۳۵۲ھ)

اتباع شریعت کی نیت سے ہونا چاہئے نہ کہ وارد کی نیت سے

تحقیق: وارد اگر شریعت کے موافق ہو تو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جائے نہ کہ اتباع وارد کی نیت سے۔ ناقصین کے لئے یہ سخت خطرے کی چیز ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۰۲۔ النور ربیع الاول ۱۳۵۳ھ)

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

صبر کی دعا، بلاء کی دعا ہے

حال ۱ ۔ حضرت عالی دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔

تحقیق :۔ راحت و عافیت کی دعا کرتا ہوں اور کرنا چاہیئے پھر خواہ وہ بصورت صبر ہی عطا ہو اور خود صبر کی دعا، بلا کی دعا ہے، چنانچہ یہ مضمون ایک حدیث میں آیا ہے رواہ الترمذی من حدیث معاذ قولہ صلّی اللہ علیہ وسلم لمن سمعہٗ یقول اللّٰھم انّی اسئلك الصبر فقال سئلتَ اللہ البلاء فسئلہ العافیہ کذا فی تخریج العراقی لاحادیث الاحیاء۔ اور نصوص میں جو دعائے صبر آئی ہے اس کا ایک محل تو یہ ہے کہ وہاں یا صبر علی البلاء مراد نہیں ہے۔ صبر علی الطاعۃ یا عن المعاصی ہے اور یا اگر صبر علی البلاء ہے تو مستقلاً مقصوداً نہیں ہے بلکہ یا تو عافیت کی دعا کے ساتھ اس کو جمع کیا گیا ہے پھر جو صورت اس کے لئے علم الٰہی میں مصلحت ہوگی اس کا وقوع ہو جاوے گا اور یا وہ مقدمہ ہے کسی مقصود کا خود اصل مقصود نہیں جیسے عسکر طالوت کی دعا۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (البقرۃ) یا سحرۂ فرعون کی دعا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (الاعراف) کہ ایک جگہ ثبات فی الجہاد وغلبۂ علی الکفار اور ایک جگہ ثبات علی الایمان و رضا و تفویض مقصود بالدعا ہے۔ اس کی تائید حدیث لاتتمنوا لقاء العدوّ فاذا لقیتموھم فاصبروا سے ہوتی ہے کہ جہاد جو کہ اعظم الطاعات ہے مگر اس کا وقوع احیاناً مستلزم ہے تضرر عن العدو کو اس لئے قصداً اس کی تمنا سے نہی ہو گئی کہ اس میں من وجہ تمنا ہے تضرر کی اور وقوع کے وقت صبر کا امر فرمایا گیا۔ اسی طرح صبر کی طلب بلا کی طلب ہے لیکن وقوع بلا کے وقت صبر کا امر ہے البتہ جو بلا وقوع کے بعد عادۃً مرتفع

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

نہ ہولی ہو جیسے کسی محبوب کی موت وہاں خود صبر شابہ مقصود مستقل کے ہو سکتا ہے گو اصلی مقصود وہاں بھی رضا، بالقضاء ہے مگر یہ سب متقارب ہیں اس لئے ایک کی مقصودیت کو دوسرے کی مقصودیت کہہ سکتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہاں عافیت بمعنی رفع بلا مقصود نہیں اس لئے صبر کو اس مقصود کا مقدمہ نہیں کہہ سکتے۔ (ماخوذ النور جمادی الاخریٰ ۱۳۵۰ھ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۵۹ - ۲۶۰)

امور دنیویہ کے فنا کا استحضار ان کی تمنا کا علاج ہے

حال:۔ مجھ میں ایک مرض بہت پرانا ہے جس کو کئی بار ارادہ کیا کہ اپنے عریضہ میں لکھوں مگر ابھی تک اس کی نوبت نہ آئی وہ مرض یہ ہے کہ میری طبیعت ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ جو چیز اور جو بات ہو وہ اعلیٰ درجہ کی ہو جس کو نہ کوئی کم ہی کہہ سکے اور نہ جس میں کوئی عیب نکال سکے کم از کم اس زمانے کا سب سے زیادہ بہادر میں ہی ہوتا۔ بیعت کا خیال ہوا تو ہر وقت یہ دھن تھی کہ ایسا پیر ملے جس کا کوئی ثانی نہ ہو اور جس میں کوئی عیب نکال نہ سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسا شیخ عطا فرمایا اور بفضلہ تعالیٰ میری طبیعت کو ایک اطمینان حاصل ہے۔ شاعری کا خیال آتا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ کم از کم اتنا ہو تا کہ ہندوستان میں اول گنا جاتا غرض یہ خبط لڑکپن سے ہے۔ کھیل میں بھی یہی کیفیت رہتی تھی جب کسی لڑکے کو اپنے سے اچھا کھیلتے پاتا تو رشک ہوتا۔ جس طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے، ہوتے ہی چلا جاتا ہے، حالانکہ بفضلہ تعالیٰ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ نہ اتنا علم ہی ہے کہ شاعر بن سکوں اور اتنا کیا علم تو بالکل ہی نہیں ہے۔ دل اتنا کمزور کہ اندھیرے میں ڈر لگتا ہے بہادری آہ ایک طرف غرض میں اپنے خیالات پر بہت ملامت کرتا ہوں شرمندہ ہوتا ہوں توبہ کرتا ہوں مگر پھر بھی یہ خیالات ہر وقت دماغ میں گھومتے رہتے ہیں اور طبیعت اس سے لطف لیتی ہے کہ اس جنگ میں شریک ہوا ہوتا۔ میں ہی سب سے زیادہ بہادری دکھاتا۔ سب کا

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

سرمار میں ہی ہوتا لیں فوج کو لڑاتا یا بجائے قانون گو ہونے کے کلکٹر ہوتا تو یہ انتظام کرتا۔ اس طرح لوگوں سے برتاؤ کرتا۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ اپنے میں قانون گو کی بھی لیاقت نہیں پاتا۔ اب اس کا علاج جو حضور تجویز فرما دیں اس پر عمل کروں۔

تحقیق: جس دنیوی چیز کی تمنا ہو اس کے فنا کا استحضار تاکہ اس کا ہیچ اور بے نتیجہ ہونا مستحضر ہو اور اگر وہ دین میں مضر ہے تو اس کے نتیجۂ بد کا بھی استحضار۔ اس مراقبہ کے بار بار استعمال کرنے سے یہ ہوس مضمحل ہو جائے گی اور اگر وہ امر دینی ہے تو اس کی تمنا محمود ہے اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ جس کو وہ نعمت عطا ہوئی ہے اس سے زائل ہونے کی تمنا نہ ہو۔ ورنہ وہ حسد اور حرام ہے۔ اگر خدا نا کردہ ایسا ہوتا ہو اس کے متعلق مستقل سوال کیا جاوے۔ باقی اعتدال کی دعا بھی کرتا ہوں۔ (ماخوذ النور رجب المرجب ۱۳۵۴ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۱۲-۲۱۵)

موجودہ نعمتوں پر شکر نہ کرنا بھی موجب سلب ہو سکتا ہے

حال: چند معمولی معمولات کے سوا کچھ بھی نہیں پڑھتا، اور وہ بھی نہایت بے کیفی کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ جو لوگ حضور والا سے وابستہ ہیں اور کام میں لگے ہوئے ہیں وہی کچھ حاصل کر رہے ہیں اور میں تو بالکل محروم ہوں۔ باوجود اس علم کے کہ عمل اختیاری ہے پھر بھی کچھ نہ کرنا بڑی شقاوت قلبی اور محرومیٔ قسمت ہے۔ ساری زندگی ریاکارانہ معلوم ہوتی ہے۔ تقریباً دو سال سے شرف قدم بوسی سے بھی محرومی ہے اور اس کو بہت بڑا خسران سمجھتا ہوں۔ زندگی میں کسی قسم کی دلچسپی اور مسرت محسوس نہیں ہوتی صحت بھی بہت کمزور ہے، اس کی وجہ سے جو کام کرنا چاہتا ہوں وہ بھی نہیں ہو سکتے۔ حضور والا سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مجبوریاں رفع فرما دیں، اور سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ اپنے مرضیات پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرما دیں

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

صبر و شکر کی توفیق نصیب فرما دیں اور خسارۂ آخرت سے محفوظ فرما دیں۔

جواب: کیا اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ظاہری و باطنی عطا ہوئی ہیں وہ استحقاق سے زائد نہیں ہیں کیا ان کا شکر واجب نہیں ہے جس کے متعلق خط میں ایک حرف بھی نہیں ہے، کیا وہ ان کے سلب پر قادر نہیں اور کیا وہ سلب مصیبت نہیں اور کیا اس مصیبت سے مرنا اللہ تعالیٰ ہی بچائے ہوئے نہیں۔ (تربیت السالک)

والدہ کیلئے طولِ حیات کی دُعا کرنا اجلِ مسمّٰی کے خلاف نہیں

حال: یہ کہ آج کل والدہ مدظلہا کی صحت اور اس کے ساتھ طولِ حیات کی دُعا ہر نماز کے بعد مانگتا ہوں مگر کل پرسوں سے اس خیال کا غلبہ ہو رہا ہے کہ خواہ مخواہ اجلِ مسمّٰی کا قانون تڑوانے پر اتنا اصرار کیوں۔

تحقیق: یہ علت تو تمام حوائج کی دعا میں مُشترک ہو سکتی ہے ہر حادث کے حدوث اور اس کی بقا کے لئے نصِ قطعی سے اجلِ مسمّٰی ہے تو کیا کوئی دُعا بھی نہ کی جائے یا اسی طرح اکل و شرب تمام تدابیر قوامِ بدن و نفس میں اجلِ مسمّٰی کی مزاحمت کا شبہ ہو سکتا ہے ولم ینقل عن احد العمل بمقتضاہ۔ غرض سب دعائیں متساوی الاقدام ہیں جن کی حقیقت یہ ہے کہ ہم کو قدر و علم نہیں اس لئے اپنے زعم میں جو مصلحت ہو اس کے مانگنے کی اجازت ہے اگر قدر اس کے خلاف ہوگی اس پر راضی رہنے کا حکم ہے۔ رہا اصرار تو اس کا تو حکم ہے ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء اور اس کا راز یہ ہے کہ اس سے اپنا ضعف و عجز و احتیاج و انکسار ظاہر ہوتا ہے جو عبدیت کا مقتضا ہے اور اسی لئے مطلوب ہے۔

حال: اسی طرح اور بہت سی چیزوں کے لئے دعا مانگتا رہتا ہوں۔ خیال ہوتا ہے کہ سب چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً" پر قناعت کیا کروں۔

تحقیق: قرآن مجید میں جو دعا وارد ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اس اجمال پر اکتفا کیا جاوے

{Telegram Channel} https://t.me/pasbanehaq1

ورنہ کتاب الدعوات میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل طویل ادعیہ وارد ہیں کیا بیکار ہیں بلکہ ایک صیغہ دُعا کا یہ بھی ہے اور اس پر اکتفا کرنا موہم ہے استغنا کو۔

حال: ہاں قبول دعا کا خیال ترک کر کے اگر ان کو صرف عبادت جان کر کروں تو اس میں نہ مستعدی کی امید ہوتی ہے نہ اس کی۔ تحقیق: یہ زاہدوں کا رنگ ہے اور عارفین کا وہ طریق ہے جو اوپر عرض کیا گیا ہے اگر یہ رنگ مطلوب ہوتا تو دعاؤں میں حاجاتِ جزئیہ کا نام کیوں ہوتا۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۸۴)

طبیعت میں تعطّل حالتِ قبض ہے

حال: طبیعت میں تعطّل کی کیفیت پھر پیدا ہو گئی کسی کام کو جی نہیں چاہتا۔ یہ خط بھی بمشکل لکھ رہا ہوں ہر وقت دل چاہتا ہے کہ کچھ نہ کروں۔ اعمال میں دل نہیں لگتا۔ جو عمل کرتا ہوں دل کو اس کے اثرات سے خالی پاتا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوپر اوپر ہو رہا ہے۔ ابھی تک معمولات میں فرق نہیں آیا دل لگے نہ لگے کئے جاتا ہوں۔ نفسانی خواہشات بھی گاہے گاہے غلبہ کرنا چاہتی ہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف ایک قسم کا دھیان پیدا ہو گیا تھا اب وہ بھی نہیں۔ تبلیغ دین۔ دیوان حافظ تربیت السالک دیکھتا ہوں۔ نہیں دل ہے کہ اڑا جاتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ یہ بد ذوقی دور ہو۔ سب اعمال ریا معلوم ہوتے ہیں۔

تحقیق: معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک طریق کی حقیقت کے استحضار سے ذہول ہوا ہے اس کی حقیقت ہے اہتمام اعمال اختیاریہ و عدم مبالاۃ احوال غیر اختیاریہ اب نقص و تنزل کی شرح کیجئے۔ اس کا حاصل اب دوسرے عنوان سے لکھتا ہوں۔ یہ حالت قبض کہلاتی ہے جو طریق کے لوازم عادیہ سے ہے، اور اس میں مصالح و حکم ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ کسی وقت میں خود ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق حکماء کا ارشاد ہے ؎

چوں کہ قبضے آیدت اے راہرو ۔۔۔ آں صلاح تست آتش دل مشو
چوں کہ قبض آمد تو در وے بسط بیں ۔۔۔ تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

(ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۱۹ و النور رجب ۱۳۵۸ھ)

اصلاح حال انکشاف پر موقوف نہیں

حال : (یکے از مجازین) حضرت والا کیا عرض کروں کہ میں کس پریشانی میں ہوں۔ حیا بھی آتی ہے۔ حضرت سلمہٗ کو بھی کیوں پریشان کروں۔ نہ میری یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مجھے ہوا کیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ پہلے اپنا حال گرم سرد۔ رطب و یابس دل کھول کر عرض کر دیتا تھا۔ اب اس سے بھی مجبور ہوں۔ اب تو بس یہی دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ، اپنے رحم و کرم سے حضرت سلمہٗ پر میری اس پریشانی کو انکشاف فرما دیں ورنہ میں بالکل اس کو نہیں سمجھا نہ یہ حال قابل تحریر ہے اگر یہی حال رہا تو آئندہ بھی مجھے امید نہیں کہ حضرت سلمہٗ کو کچھ اطلاع کر سکوں۔

تحقیق : انکشاف کی ضرورت ہی نہیں، نہ آپ پر نہ مجھ پر کیونکہ جو مقصود ہے انکشاف سے یعنی اصلاح حال۔ وہ اس انکشاف پر موقوف نہیں۔ اس تنگی زبان کی حالت میں بھی مصلح کے قلب پر وجداناً حالت واقعہ کا ایسا اثر پڑتا ہے کہ اس حالت میں دعا اجمالی مشورہ اصلاح حال کے لئے کافی ہو جاتا ہے چنانچہ دعا کے بعد اجمالی مشورہ بھی پیش کرتا ہوں

تا نگوید اُو بگو خاموش باش

بس اعمال کو مقصود سمجھا جاوے قیل و قال کو مقصود نہ سمجھا جاوے۔ ونعم ما قیل

گرچہ تفسیر زبان روشن گر است
لیک عشق بے زبان روشن تر است

(ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۲۰ و النور رجب ۱۳۵۸ھ)

نماز میں غیر نماز کا خیال ضرورتاً مضر نہیں

حال : حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ البتہ نماز میں بلا ضرورت غیر نماز کا خیال نہ

لانا چاہئے تو عرض یہ ہے کہ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے مشروع یا مباح امر کا خیال قصداً لائے اور اس کو قصداً باقی بھی رکھے تو کیا اس میں مواخذہ نہیں۔

تحقیق: نہیں۔

حال: اگر نہیں تو کیوں؟ آخر اس سے صلوٰۃ میں تو خلل آئے ہی گا اس لئے کہ غیر صلوٰۃ ہے اس سے حضرت والا مطلع فرمائیں۔

تحقیق: خلل کا ہر درجہ موجب مواخذہ نہیں۔ یہ خلل بمعنی نقص ثواب ہے جیسے تین بار تسبیح کہنے میں پانچ بار کہنے سے ثواب کم ہے بمعنی فساد یا کراہت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خیالات منکرہ و معاصی سے نماز میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اور معروفہ طاعات سے اگر وہ نماز ہی کے متعلق ہیں تو نور بڑھتا ہے اور اگر وہ غیر نماز ہے تو نور نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور جو نہ منکر ہو نہ معروف ہو بلکہ مباح تو ہو۔ اگر بضرورت ہو جس کی تفسیر عنقریب قول آئندہ میں آتی ہے تو اس کا بھی یہی اثر ہے اور اگر غیر ضروری ہے تو نور گھٹتا ہے مگر ظلمت پیدا نہیں ہوتی۔

حال: ایک اور گذارش ہے کہ ایسی وہ کونسی ضرورت ہے کہ جس کی وجہ سے نماز میں یہ خیال مشروع یا مباح لایا جا سکتا ہے۔

تحقیق: وہ ضرورت یہ ہے کہ اگر اس وقت اس کو موخر کیا جاوے تو کوئی ضرر یا حرج لاحق ہو جاوے گا یا کوئی ضروری منفعت فوت ہو جاوے گی (ماخوذ از تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۳۲ و النور محرم ۱۳۵۲ھ)

صرف مجملاً دعائے عافیتِ دارین کرنا خلافِ سنّت ہے،

حالِ: حضور والا کچھ عرصہ سے یہ خیال غالب ہے، کہ مختلف قسم کے بہت سے مقاصد کیلئے خود دعا کرنا یا دوسرے سے اپنے حق میں دُعا کرانا نافع نہیں ہے جتنا نافع مجملاً خود اپنے لئے صرف عافیتِ دارین کی دعا کرنا یا دوسرے سے دُعا کرانا ہے جبکہ ہر بات سے اصل مقصود عافیت ہی ہے اور بلا عافیت ہر حال میں مقصود فوت ہوتا ہے دریافت طلب یہ ہے کہ یہ خیال یا مذاق طبیعت غلط اور بُرا تو نہیں ہے۔

تحقیق: یہ مذاق خلافِ سنّت ہے کیونکہ احادیث میں کثرت سے ایسی جزئیات کا سوال وارد ہوا ہے۔ چنانچہ ہرم اور مغرم اور فقر اور ذلّت اور صمم وبکم وجنون وجذام اور سیئ الاسقام اور حُزن اور شماتت الاعداء اور فاقہ اور ہدم اور تردی ولدغ الحیۃ وجار سوء وجوع وبرص وبخل وبعیر ضئول وہم وغم وسبع وحرق وغرق وضرر سے استعاذہ آیا ہے اور تمتع بالسمع والبصر وصحت ووسعت رزق وغنا ونصر علی الاعداء ونظائرہا کا سوال آیا ہے۔ نیز ملح وشسع نعل کے سوال کا امر وارد ہے اگر اس مذاق کو صحیح مانا جاوے تو لازم آتا ہے کہ نصوص میں غیر افضل کی تعلیم دی گئی ہے وہذا کما تری۔ البتہ بعض حکمتیں جوامع ادعیہ میں بھی ہیں جن کی تفتیش کی حاجت نہیں ماثور کا اتباع کافی ہے بطور احتمال کے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جُزئیات میں اگر کوئی ضروری سوال متروک ہو جاوے کلیات سے اس کا تدارک ہو جاوے اور راز جزئیات کے سوال میں یہ ہے کہ دعا سے صرف مسئول کا حصول ہی مقصود نہیں جس میں اس مذاق کی گنجائش ہو سکے بلکہ اس کے ساتھ ایک دوسرا مقصود بھی ہے اور وہ اظہار ہے اپنے ضعف وعجز وافتقار وانکسار کا اور یہی وجہ ہے دعا کے فضائل عظیمہ کی ورنہ محض اس کا ذریعہ عطائے مسئول ہونا خصوص جب وہ مسئول حصول دنیا ہو، اگرچہ مباح ہو۔ ایسی فضیلت عظیمہ کا سبب نہیں ہو سکتا اور یہ دوسرا مقصود جزئیات کے سوال میں اوضح واقویٰ ہے، چنانچہ بہ نسبت اس اجمال کے کہ میرا پیٹ بھر دو وہ اس تفصیل سے

سوال کرتا کہ مجھکو چار روٹی دو اور ایک پیالہ سالن کا دو اور ایک آبخورہ پانی کا دیدو۔
عرفاً سائل کی زیادہ ذلّت وخشیت و دنائیت پر دال ہے اور جس قدر سائل اپنی ذلّت
زیادہ کرتا ہے اُسی قدر وہ ذلّت جالبِ ترحّم ہوتی ہے اور بعض حکمتوں سے جوامع ادعیہ
کی محبوبیت اس تحقیق کے منافی نہیں۔ ولکل مقال مقام۔ واللہ اعلم (تربیت السالک حصہ سوم ۷۵۴)

انتخاب از

صد پند اشرف

۱. ایک طالب نے کلام مجید کی تلاوت کے فضائل دیکھ کر چاہا کہ سوائے تلاوت کے اور سب وظائف و اوراد ترک کر دوں۔ تحریر فرمایا یہ بھی خبر ہے کہ کسی چیز کی طرف زیادہ کشش اسی وقت ہوتی ہے جب دوسری چیزیں بھی ہوں ورنہ اس سے طبیعت اکتا جاتی ہے۔ ع

گر نیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور

اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔

۲. ایک طالب علم نے لکھا کہ زبان پر ذکر اللہ ہے اور اندر خاک بھی اثر نہیں بفضلہ تعالیٰ اعمال میں تو فرق نہیں آتا مگر ظاہر ہوتا ہے کہ دل محبت سے خالی ہے۔ جواب تحریر فرمایا کہ کونسی محبت سے دل خالی ہے؟ اعتقادی وعقلی سے، یا انفعالی اور طبعی سے، اگر شق ثانی ہے تو مضر نہیں اور اگر شقِ اوّل ہے تو اس میں خالی ہونے کا افسوس نہیں ہوا کرتا۔ آپ کو افسوس کیوں ہے، یہ افسوس خود دلیل ہے کہ آپ اس سے خالی نہیں۔ یہ بھی لکھا تھا کہ یہ تو یقینی ہے کہ حالت جیسی چاہیئے ویسی بالکل نہیں ہے۔

جواب فرمایا کہ وہ دن ماتم کا ہوگا جس دن یہ سمجھو گے کہ جیسی حالت چاہیئے تھی ویسی ہوگئی کیونکہ اس درگاہ میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی حالت کے متعلق یہی فرمایا کرتے ہیں کہ جیسی چاہیئے ہیں ویسی نہیں ہے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ کا حال ہوتا ہے۔

ایک طالب نے لکھا کہ نماز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت

بیکار ہے میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ رہے احکام اس کی پابندی کی جاوے تو اس کے لئے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے الخ

جواب تحریر فرمایا کہ ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لئے نہیں ہوتے بلکہ مالک کا حق ہے مملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع و عنایت ہے۔

۳۔ ایک طالب نے لکھا کہ میں اپنے آپ کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا مگر باوجود اس کے نفس اس بات کو بالکل برداشت نہیں کرتا کہ ذلت ہو بس دل یوں چاہتا ہے کہ کوئی عزت بیشک نہ کرے بڑا قطعاً نہ سمجھے مگر کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ذلت ہو، میلے کپڑے پہننے سے بھی عار آتی ہے کہ دیکھنے والے ذلیل سمجھیں گے۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ شریعت میں یہی حکم ہے لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَہٗ جب تک غالب حالت نہ ہو یہی طریق ہے۔ مگر جب حال غالب ہو جاتا ہے تو ذلت کو عزت سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے۔ اگر نہ ہو تو تمنا نہ کرے، اور اگر ہو جائے تو ازالہ نہ کرے۔

۴۔ ایک طالب نے شکایت لکھی کہ نہ طاعات کی طرف طبعی رغبت ہے نہ معاصی سے طبعی نفرت، تحریر فرمایا کہ رغبت و نفرت طبعیہ غیر مطلوب ہے۔ رغبت و نفرت اعتقادی کافی ہے یہی مامور بہ ہے۔ اس کے مقتضا پر بار بار عمل کرنے سے طبعی رغبت و نفرت بھی ہو جاتی ہے، اگر نہ ہو تو بھی مضر نہیں۔

۵۔ ایک طالب نے لکھا کہ مختصر سے مختصر ذکر کا معمول رکھتا ہوں اس پر مداومت نہیں ہوتی۔ جماعت نماز میں بھی اکثر مسبوق ہونے کی نوبت آتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو آئندہ کے لئے احتیاط کا عزم کر لیتا ہوں مگر پھر جس دینی یا دنیوی مشغلہ میں ہوتا ہوں اس کو فوراً چھوڑ دینے اور جماعت اور تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرنے میں غفلت ہوتی ہے۔ جانتا ہوں کہ قصور اختیاری ہے اور استعمال اختیاری کی

رشش بھی کچھ کرتا ہوں مگر غفلت سب پر غالب آجاتی ہے۔
اس کا جواب تحریر فرمایا کہ اس کا سبب ضعف جسمانی ہے جس کا اثر عزم پر طبعاً ہوتا ہے جس میں ایک گونہ غیر اختیاریت کا بھی درجہ ہے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس کا احساس ہے اور اس کا قلق ہے۔ اس میں لگا رہنا چاہئے انشاء اللہ اسی کی برکت سے درجہ مطلوبہ بھی میسر ہو جاوے گا حقیقتاً یعنی وقوعاً یا حکماً یعنی اجراً و اثراً، یہ حالت ضعفاً کو بکثرت پیش آتی ہے۔

مکتوب ملقب بہ الیم فی الستم

۶۔ ایک طالب نے اپنے خط میں کوئی ایسا وظیفہ یا طریقہ پوچھا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ طاعات اور معاصی دونوں امور اختیاریہ ہیں، جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں، رہا طریقہ، سو طریقہ امور اختیاریہ کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں ہاں سہولت اختیار کے لئے ضرورت ہے مجاہدہ کی جس کی حقیقت ہے مخالفت (یعنی مقاومت) نفس اس کو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے تمام فن لکھدیا۔ آگے شیخ کے دو کام رہ جاتے ہیں، ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طرق مجاہدہ کی تجویز جو کہ ان امراض کا علاج ہے۔

۷۔ ایک طالب نے لکھا کہ جو باتیں اپنے اندر خلاف شرع رہیں ان کو بھی بُرا اور قابل ترک سمجھتا ہوں لیکن اپنے نفس سے اتنی نفرت اپنے دل میں نہیں پاتا جتنی اور لوگوں سے ان کی خلاف شرع باتوں پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ کبر کا ہوتا ہے۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔

نفرت میں تفاوت ہونا کبر نہیں۔ نفرت اعتقادی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور

عبداسی کا مامور ہے اور یہ تفاوت نفرت طبعی میں ہے جیسے انسان کو اپنے پائخانے سے نفرت کم ہوتی ہے ، اور دوسرے کے پائخانے سے زیادہ ہوتی ہے اور راز اس تفاوت کا تفاوت فی المحبت ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت غیر کے اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچے کے پائخانے سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جتنی غیر محبوب کے پائخانے سے سو اس کا کبر سے کوئی تعلق نہیں ۔ (تربیت السالک ص ۱۵۲)

۸ - ایک تنگدست طالب نے اپنے بہت سے وساوس واہیہ لکھکر علاج پوچھا جن میں یہ وسوسہ بھی لکھا کہ راحتِ دُنیا کا مدار اعمال صالحہ نہیں ہیں بلکہ آخرت کی راحت بھی فضل پر موقوف ہے ، پھر اعمال صالحہ ذکر و تہجد وغیرہ کی مشقت اگر نہ بھی ہو صرف ارکانِ اسلام پر قائم رہے تو کیا حرج ہے ۔ اور یہ بھی لکھا کہ دُعا مانگنے کو طبیعت نہیں چاہتی کہ اتنی مدت ہو گئی کوئی قبول بھی ہوئی ہو بس جو اللہ تعالےٰ چاہیں وہی ہوگا لیکن میں صرف مناجات مقبول کی منزل پڑھ لیتا ہوں ۔ اس طرح ایک ہفتہ سے ذکر میں بھی طبیعت نہیں لگتی ۔ محض تعداد پوری کر لیتا ہوں ۔ روزگار کا وظیفہ بھی پوچھا تھا ۔ ان سب باتوں کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا ۔

علاج کلی اور مفید تو یہی ہے کہ ان وساوس کو اعتقاداً بُرا سمجھا جاوے اور ان کے مقتضاء پر عمل نہ کیا جاوے ، یہ از خود رفع ہو جائیں گے اور اگر رفع بھی نہ ہوں تو کچھ مضر نہیں بلکہ یہ ایک گونہ مجاہدہ ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے لیکن اگر ان وساوس کی وجہ فساد ہی معلوم کرنے کا شوق ہو تو مجملاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ مقصود اعمال صالحہ سے راحتِ دُنیا نہیں ہے بلکہ راحتِ آخرت ہے اور اس کا مدار جو فضل و رحمت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اعمال کو دخل نہیں ، بلکہ معنی یہ ہیں کہ ملے گا تو عمل ہی سے لیکن جتنا ملے گا اتنا اثر اعمال میں نہیں وہ فضل و رحمت کا اثر ہے لیکن عمل ہی نہ کریگا وہ قانوناً اس فضل و رحمت سے بھی محروم رہے گا ۔ باقی طبیعت کا لگنا یہ شرط قبول

نہیں ہے۔ اگر دوا پینے میں طبیعت نہ لگے تب بھی اس کی خاصیت یعنی صحت مرتب ہوگی رہی دعاء وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر اس کے قبول ہونے کی وہ حقیقت ہے جو مریض کی اس درخواست کی منظوری کی حقیقت ہے کہ کسی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج شروع کر دیجئے اور وہ مسہل سے علاج شروع کر دے مگر مسہل اس کی حالت کے مناسب نہ تھا۔ اس لئے دوسرے طریق سے علاج شروع کر دیا۔ اس کو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ طبیب نے جب مسہل نہیں دیا تو مریض کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔ اس طرح اصل مطلوب دعا سے حق تعالیٰ کی توجہ خاص ہے اور عبد نے جو طریق معین اختیار کیا ہے یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا محض ایک طریق ہے، جیسے اس مقصود کے اور بھی طرق ہیں لہذا وہ جس طریق سے توجہ خاص فرمادیں۔ وہ اجابتِ دعا ہی ہے خواہ وہ عبد کا مجوزہ طریق ہو یا حق تعالیٰ کا مجوزہ طریق۔ یہ تو طاعات و حاجات میں کلام ہے باقی معاصی کا ارتکاب جو موصل الی النار ہو وہ ایسا ہے جیسے مریض کو بدپرہیزی سے لذت ملتی ہے اور اس سے صبر کرنے میں لذت فوت ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص یہ جانتا ہے کہ لذت مقصود نہیں صحت مطلوب ہے صبر کرے گا۔ اسی طرح جس شخص کو نجات آخرت مقصود ہے وہ راحتِ دُنیا کو مقصود نہ سمجھے گا۔ وہی سزا گناہ کی کسی کو یہاں ملتی ہے، کسی کو وہاں اور تجویز مناسب بلکہ واجب یہی ہے کہ طاعات میں حتی الامکان مشغول ہوں۔ معاصی سے مجتنب رہیں اور مقصود صرف رضائے حق کو سمجھیں، خواہ اس کا ظہور یہاں ہو یا وہاں، اور ایسی حالت میں روزگار کا وظیفہ پڑھنا وساوس میں اضافہ کرنا ہے۔

(اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۴۹-۱۴۰)

غلبۂ ہیبت کے وقت کا مراقبہ

۹۔ ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ اگر آپ کو آثار ہیبت اور سوءِ ظن بنفسہٖ کا زیادہ غلبہ ہوا کرے تو یہ سوچا کیجئے کہ بیش بریں نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالیٰ کے یہاں جس طرح کاملین کی نجات ہوگی اسی طرح تائبین کی بھی ہوگی۔ اگر صدر نشین نہ ہوں گے تو صفِ نعل ہی میں جگہ مل رہے گی۔ اگر اوّلیت نہ ہوگی تو جوتیاں لگنے کے بعد ہی سہی۔ بس یہ سمجھ کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ کی کثرت کرنی چاہئے۔ (اشرف المسائل)

۱۰۔ ایک طالب نے یہ لکھا کہ معصیتوں کا تقاضا عرصہ تک نفس کے مضمحل رہنے کے بعد اب پھر اسی شدت، جوش اور ہیجان کے ساتھ ہونے لگا، جس سے سخت حیران ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ اکثر اہلِ طریق کو یہی حالت پیش آتی ہے۔ کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ اس وقت جو نفس کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ مجاہدۂ ثانیہ کہلاتا ہے اور اس مجاہدے کا اثر انشاء اللہ تعالیٰ راسخ ہوگا اور شاذ و نادر کسی امرِ طبعی کا خفیف تقاضا یہ منافی رسوخ کا نہیں۔ اس تغیر و تبدل کی مثال حسیّات میں ایسی ہے جیسے شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کاذب کہتے ہیں ناواقف خوش ہوتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دفعتاً وہ نور زائل ہو جاتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں وہ قائم بلکہ ترقی پذیر ہوتا ہے۔

انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نفس کو روکنے میں سابق جیسی دشواری اور تنگی پیش نہیں آتی اس پر تحریر فرمایا کہ یہی علامت ہے کہ یہ عود الی الطبیعات ضعیف ہے ورنہ مقاومت دشوار ہو جاتی جیسے پہلے تھی۔

انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حیرانی یہ ہے کہ معمولات بجالانے میں نفس مخالفت نہیں کرتا البتہ معاصی کا تقاضا پیدا کرتا ہے نہ جانے یہ کیا مخفی چال ہے اور اس کی احقر کیا تدبیر کرے۔ احقر سابقہ ارشاد فرمودہ معالجات پر بدستور عمل کرتا ہے، تحریر فرمایا کہ بس یہی تدبیر ہے اسی سے انشاء اللہ تعالیٰ سب شکایتیں دُور ہو جاویں گی اور جب کبھی ایسا ہو یہی علاج ہے۔ فارغ ہونے کا قصد ہی نہ کیا جاوے۔ بُخار کے موسم میں بعض کو ہمیشہ موسمی بخار ہوتا ہے مگر علاج اس کا یہی ہے کہ بخار کا نسخہ پیا جائے اس کی سعی بیکار ہے کہ بخار ہی نہ آوے۔ (اشرف السوانح حصّہ دوم)

۱۱۔ ایک طالب نے حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوب کے حوالے سے لکھا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں "کہ باطنی امراض کا سردار ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ ماسوائے حق کو کلّی طور پر فراموش کردے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتّٰی کہ اگر تکلّف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئیں یہاں تک کہ ماسوائے حق کا خطور قلب پر ناممکن ہو جائے" میں جب اس معیار پر نظر کرتا ہوں تو اس سے اپنے کو کورا پاتا ہوں۔ الحمد للہ جذرِ قلب میں تو ماسواو کا گذر نہیں مگر حوالی قلب میں غیر کا خطور بھی ہے اور یاد بھی ہے۔

اس کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا:۔

اکثر اہلِ مقام پر بھی کسی وقت حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت مسائل کی تعبیر میں بھی جوش کا اثر ہوتا ہے۔ میرے نزدیک عنوان تیز ہے مگر معنون وہی ہے، جو نصوص سے مستفاد ہوتا ہے۔ میں اس کو ایک اور سہل عنوان سے تعبیر کرتا ہوں جو حضرت مجدّد صاحبؒ کے کلام کی قریب تفسیر ہے، اور مشہور تعبیر سے قدرے واضح ہے۔ وہ یہ ہے کہ گرفتاری سے مراد مطلق تعلق نہیں کیونکہ تعلق مغلوب مذموم نہیں

بلکہ ایسا تعلق مراد ہے کہ محل تعلق کے بعد یا فوت سے قلب پر ایسا اثر ہو کہ قلب کو ایسا بیچین کر دے کہ اسی کے تصور و حسرت میں اشتغال ہو جاوے اور اسی اشتغال سے طاعات میں قلت و ضعف آجاوے اور اگر یہ نوبت نہ پہنچے تو محض حزن کا اثر مانع نہیں ہے۔ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے حزن شدید کا کوئی انکار کر سکتا ہے اور کیا ان کی حالت کو کوئی مانع عن الحق کہہ سکتا ہے۔

انہی صاحب نے اس سے قبل یہ لکھا تھا کہ عرصہ سے اس کی طلب ہے کہ ذکر حق قلب میں ایسا پیوستہ ہو کہ بھولنے کی کوشش بھی کروں تو بھول نہ سکوں اور غیر کا خطور قلب میں ناممکن ہو جائے الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ یہ تو مجھکو بھی نصیب نہیں نہ جی چاہتا ہے کیونکہ اس صورت میں مختار نہ رہوں گا مضطر ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ بالا عریضہ لکھا جس کا جواب اوپر نقل کیا گیا۔

۱۲۔ ایک طالب نے لکھا کہ میرے اندر حب جاہ ہے، جی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کریں۔ تعریف سے ایک فرحت اور خوشی ہوتی ہے اگر کوئی مذمت کرے یا تعریف سے خاموش رہے تو نفس پر نہایت ناگوار گذرتا ہے الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ ہر علاج میں مجاہدے کی ضرورت ہے یعنی داعیۂ نفس کے ذم کا استحضار اور اس داعیہ کی عملی مخالفت۔ اس مرض کا علاج بھی مرکب ہے انہی دو جزو سے۔ اول اس رذیلہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں ان کا ذہن میں حاضر کرنا بلکہ زبان سے بھی ان کا تکرار کرنا۔ بلکہ ان مضامین سے اپنے نفس کو زبان سے خطاب کرنا، کہ تجھ کو ایسا عقاب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے عیوب کا استحضار اور نفس کو خطاب کہ اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہو جاوے تو کتنا ذلیل و حقیر سمجھیں تو یہی غنیمت سمجھ کہ لوگ نفرت و تحقیر نہیں کرتے نہ کہ ان سے توقع تعظیم و مدح کی رکھی جاوے اور

علی جزو یہ ہے کہ مداح کو زبان سے منع کر دیا جاوے اور اس میں ذرا اہتمام سے
کام لیا جاوے۔ سرسری لہجہ سے کہنا کافی نہیں اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کئے
جاتے ہیں ان کی تعظیم کی جاوے گو نفس کو گراں ہو اس پر عمل کر کے ایک ہفتہ کے بعد
پھر اطلاع دی جائے۔

۱۳۔ اسی طرح ایک طالب علم نے لکھا کہ میں کچھ عرصہ سے اپنے اندر ترفع کے آثار
پاتا ہوں جواب تحریر فرمایا کہ انسان صرف مکلّف اس کا ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کے مقتضیات
پر عمل نہ کرے، رہا یہ کہ اقتضایات ہی زائل یا ضعیف ہو جاویں اس کا نہ انسان مکلّف ہے
نہ یہ بسہولت میسّر ہو سکتا ہے۔

ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لئے اس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلّف ہیں،
آپ اس پر اکتفا کیجئے یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں، اور اس اعتقاد کے
لئے اپنے معائب کا استحضار معین ہوگا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آوے ان کی خوب
تکریم کیجئے اور تکلف سے ان سے سلام کیجئے۔ گو نفس کو ناگوار ہو، ناگواری غیر اختیاری
ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے، اس میں اخلاق موجب مواخذہ ہے
انشاء اللہ تعالیٰ اس سے خود منشائے فساد بھی ضعیف ہو جاوے گا۔ واللہ الموفق۔

۱۴۔ ایک طالب نے لکھا کہ رضا بالقضاء کے حصول کے لئے کوئی علاج تحریر فرمایا
جاوے اور اس کا معیار اور مقدار بھی کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کا مکلّف ہے
جواب تحریر فرمایا کہ رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے، اگر الم کا
احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اور
اول حال ہے جس کا عبد مکلّف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلّف ہے تدبیر
اس کی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت الٰہیہ کا واقعات خلاف طبع میں۔ اھ
(اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۵۲)

۱۵۔ ایک طالب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی کہ نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ اور تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندے کا حق تعالےٰ سے خاص قسم کا تعلق، یعنی اطاعت دائمیہ و ذکرِ غالب، اور حق تعالےٰ کا بندے سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسا عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے اور صاحب نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرت و نفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیا داروں کی کم، مگر یہ پہچان خصوص اس کا جزوِ اوّل عوام محجوبین کو کم ہوتی ہے با اہلِ طریق کو زیادہ ہوتی ہے۔

اور اس استفسار کا جواب کہ فاسق اور کافر بھی صاحب نسبت ہوتا ہے یا نہیں، یہ تحریر فرمایا کہ جب نسبت کے معنی معلوم ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتا۔ بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدے کا سمجھتے ہیں۔ یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے

۱۶۔ ایک ذی علم طالب نے صدق و اخلاص کے حقائق شرعیہ اور ان کے حصول کے لئے علاج اور معین دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا یہ صدق ہے اور اس طاعت میں غیر طاعت کا قصد نہ کرنا یہ اخلاص ہے، اور یہ موقوف ہے ما بہ الکمال کے جاننے پر اسی طرح غیر طاعت کے جاننے پر اس کے بعد صرف نیت اور عمل جزوِ اخیر رہ جاتا ہے۔ یہ دونوں اختیاری ہیں۔ طریق تحصیل تو اسی سے معلوم ہو گیا آگے رہا معین وہ استحضار ہے وعدہ و وعید کا اور مراقبہ نیت کا۔ مثال صدق کی نماز کو اسی طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آداب ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا علیٰ ہذا تمام طاعات میں جو درجۂ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے۔ مثال اخلاص کی نماز میں ریاء کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے۔ رضاء غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے اور اس کے متعلقات ظاہر ہیں۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

مقالاتِ حکمت
افادات
حضرت حکیم الامتؒ
قدس سرہٗ العزیز

مسائل السلوک

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز نے تقریباً ڈیڑھ ہزار آیات قرآنیہ سے مسائل سلوک مستنبط کئے ہیں اور اسی طرح تقریباً دو ہزار احادیث سے بھی استنباط کیا ہے ان میں سے بعض مضامین اس جگہ درج کئے جاتے ہیں تفصیل کیلئے کتاب مسائل السلوک، کتاب التکشف اور التشرف ملاحظہ کی جائیں۔ مؤلف

توحید کامل

قولہ تعالیٰ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔ (سورۂ الانعام)

یہ توحید کامل کی تعلیم پر دال ہے یعنی جمیع احوال شرعیہ و تکوینیہ میں استسلام اور تفویض کرنا عمل اور اطاعت سے بھی اور رضا بالقضا سے بھی۔

معرفت و حجاب

قولہ تعالیٰ: وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی (سورۂ توبہ)

ترجمہ: اور وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے

اس میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ لذت عبودیت سے محروم اور مشاہدہ جمال معبود سے محجوب ہیں محمد بن فضل کا قول ہے کہ جس شخص کو امر کی معرفت نہ ہوگی وہ امر کی طرف کسل کے ساتھ اٹھتا ہے اور جس شخص کو امر کی معرفت ہوگی وہ امر کی طرف اس کو غنیمت اور راحت سمجھ کر اٹھے گا۔

توحید افعال، صفات و ذات

قولہ تعالیٰ: وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ

ترجمہ: پورا کرو تم میرے عہد کو، پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو۔ (سورۂ البقرہ)

مراتب وفا میں نہایت وسعت ہے، پس ہماری جانب سے اول مرتبہ ادائے کلمہ شہادت ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے جان و مال کی حفاظت، اور آخیر مرتبہ ہماری طرف سے فنا ہے۔ یہاں تک کہ فنا کی طرف سے بھی فنا ہو جانا، اور حق تعالیٰ کی طرف سے صفات و اسماء کے انوار سے آراستہ کر دینا ہے۔ پس وفا کی تفسیر میں جو آثار مختلفہ آئے ہیں وہ باعتبار مراتب متوسطہ کے ہیں، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اول مرتبہ ہماری طرف سے توحید افعال ہے اور اوسط توحید صفات اور آخر توحید ذات اور حق تعالیٰ کی طرف سے وہ معارف و اخلاق ہیں جو ہر مرتبہ میں مناسب اس مرتبہ کے سالک پر فائز کئے جاتے ہیں

(ملاحظہ ہو ۵۳۴)

باطنی احوال کے حصول میں عجلت کی مذمت

قولہ تعالیٰ: كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا (البقرہ)

ترجمہ: جہاں ان کو ذرا بجلی کی چمک ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جہاں ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

یہی حال اس شخص کا ہے جو بسط میں طاعات بجا لاتا ہے اور قبض میں چھوڑ بیٹھتا ہے۔

منتہی کو بھی مکر شیطان سے غافل نہ رہنا چاہیئے

قولہ تعالیٰ: فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ

ترجمہ: پس لغزش دے دی آدم و حوا کو اس درخت کی وجہ سے شیطان نے۔

اس میں دلیل ہے کہ منتہی بھی مکر شیطان سے مامون نہیں چنانچہ آدم علیہ السلام

کے اس وقت کامل ہونے میں کوئی شک نہیں مگر باوجود اس کے ان میں اور دوسروں میں دو فرق ہیں ایک یہ کہ وہ کفر سے محفوظ تھے، دوسرے یہ کہ ان کی غلطی دوسروں کی معصیت کے مثل نہیں کیونکہ ان کو توبہ کے ایسے درجہ کی توفیق ہوئی کہ دوسروں کو نہیں ہوئی (سورۂ لقمٰن)

صدور لغزش پر اللہ تعالیٰ کا اپنے محبّین سے معاملہ

قولہٗ تعالیٰ: ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ (ترجمہ: پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی)

حق تعالیٰ کی عادت اپنے محبّین کے ساتھ جاری ہے کہ جب ان سے کوئی امر ان کے مقام کے منافی صادر ہو جاتا ہے تو ایک نوع کے حجاب سے ان کی تادیب کی جاتی ہے اور جب وہ اس کی تلخی چکھ چکتے ہیں تو ان پر کرم کی بارش فرمائی جاتی ہے۔ (کذا فی الروح ملخصاً) (سورۂ توبہ)

ذات وصفات میں اتّباع ظن کی مذمت

قولہٗ تعالیٰ: وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا (سورۂ توبہ)

ترجمہ :۔ اور ان میں اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔

اس سے علمائے رسوم بہت کم محفوظ ہیں۔ چنانچہ اکثر اہل ظاہر متکلمین کے دلائل (ذات وصفات کے متعلق) متعارض پائے جاتے ہیں (جو شان ہوتی ہے ظنّیات کی) پس جو شخص اس سے بچنا چاہے وہ سلف صالح کا اتّباع کرے اور فلسفیات میں مشغول نہ ہو جس سے بجز شک بڑھنے کے کوئی حاصل نہیں۔

خشوع حاصل کرنے کا سہل طریقہ

قولہٗ تعالیٰ: وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ (البقرہ)

ترجمہ: اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں وہ خاشعین، وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملنے والے ہیں، اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اسی کی طرف واپس جانیوالے ہیں۔ (سورۃ البقر)

یہ آیت دال ہے اس پر کہ خشوع سبب ہے سہولت صلوٰۃ کا اور اس پر بھی کہ لقاء و رجوع کا استحضار سبب ہے حصول خشوع کا۔ سو دیکھئے حق تعالےٰ نے کس طرح سے سہولت عبادت وحصول خشوع کا خوشگوار طریقہ بتا دیا۔

ذکر سے قلب کا اطمینان

قولہٗ تعالیٰ: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ (الرعد)

ترجمہ، خوب سمجھ لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

الروح میں ہے کہ اس اطمینان کا سبب ایک نور ہے جس کو اللہ تعالےٰ مومنین کے قلب پر فائز فرماتا ہے جس سے پریشانی اور وحشت جاتی رہتی ہے۔

شرعی احکامات کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے

قولہٗ تعالیٰ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۔ (سورۃ الحجر)

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

یقین کی تفسیر موت ہے۔ تو اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی مرتبہ سلوک میں ایسا ہے جس میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

عزلت کا شرط وصول ہونا

قولہ تعالیٰ: فَاْوٗا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ (سورۃ الکہف)

ترجمہ: تو تم چل کر غار میں پناہ لو۔ تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا۔

یعنی اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی رحمت و منفعت یعنی معرفت و تجلیات کو ظاہر اور مہیا فرما دیگا۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ غیر اللہ سے عزلت اور خلوت وصل حق کا موجب ہے بلکہ بغیر عزلت کے وصل نہیں ہوتا ہے۔

ترغیب صحبت فقراء و اہل اللہ

قولہ تعالےٰ: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

ترجمہ: اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں۔ (سورۃ الکہف)

اس آیت میں حکم ہے اُن فقراء کی صحبت کا جو اپنے مولا کی خدمت کے لئے انقطاع اختیار کر چکے ہیں، اور گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سے صحبت رکھتے تھے، اس صحبت کا فائدہ ان فقراء کو پہنچتا تھا۔ مگر دوسرے اس صحبت سے خود مستفید ہوں گے کیونکہ فقراء کی ایسی قوم ہے کہ ان کا جلیس محروم نہیں رہتا۔ صحبہم فھم القوم لا یشقی جلیسھم (حدیث)

مال و جاہ کی کثرت مقبولیت کی علامت نہیں

قولہ تعالیٰ: وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ اِلیٰ قَوْلِهٖ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (البقرہ)

ترجمہ: اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر اَبر کو اور پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں کھاؤ نفیس چیزوں کو جو ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا

لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ (سورۂ البقرہ)

اس میں دلیل ہے کہ باوجود معاصی کے نعمتوں کا جاری رہنا یہ استدراج اور خطرہ ہے اور بہت سے جاہل صوفی اس بارے میں دھوکے میں ہیں کہ وہ کثرت جاہ و مال کو مقبولیت کی علامت سمجھتے ہیں۔

سالک کو اپنے مقام کا دھوکا

قولہ تعالیٰ: وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (التوبہ)

ترجمہ: اور ان میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے عطا فرمادے تو ہم خوب خیرات کریں اور ہم خوب نیک نیک کام کیا کریں۔ (سورۂ توبہ)

یہ اشارہ ہے ان لوگوں کی طرف جن میں ذوق محبت تو ہے نہیں اور اپنے نفس کے لئے بعض مقامات کو حاصل سمجھ جاتے ہیں پھر امتحان کے موقع پر پورے نہیں اترتے۔

سالک کے عذر کے قبول و رد کا راز

قولہ تعالیٰ: وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ۔ (التوبہ)

ترجمہ: اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم آنے تک ملتوی ہے (سورۂ توبہ)

اس میں اس کی اصل ہے کہ بعض اوقات سالک کے معاملہ کو خوف و رجا کے درمیان معلق چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے عذر کو نہ صریحاً قبول کیا جاتا ہے کہ اس میں نصیحت کا اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور نہ صریحاً رد کیا جاتا ہے کہ اس سے اول توحش ہوتا ہے پھر مایوسی پھر بُعد۔ اور یہ سب اس کے لئے مضر ہیں اور اس معلق رکھنے میں اس کی بہت سی مصلحتیں ہیں۔

الہام کا ثبوت

قولہٗ تعالیٰ: وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (سورۂ الکہف)

ترجمہ: اور ہم نے اپنے پاس سے ان کو ایک خاص طور کا علم سکھایا تھا۔

یہ تعلیم ممکن ہے کہ بواسطہ وحی ہو یا بواسطہ الہام۔ اور یہ الہام انبیاء وغیر انبیاء سب کو ہوتا ہے اور یہ آیت اصل ہے اثبات علم لدنی میں اور اس علم لدنی کو علم حقیقت وعلم باطن بھی کہتے ہیں۔ گو ان واقعات جزئیہ مذکورہ فی القصہ کا علم اس نوع میں داخل نہیں لیکن خضر علیہ السلام کو علم لدنی بھی عطا کیا گیا ہے۔ نیز یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم دیا تھا۔ ایسی پوشیدہ چیزوں کا علم ہے جو عقل و شریعت اور حواس سے معلوم نہ ہوسکیں (بلکہ الہام سے معلوم ہوں)

اہل اللہ کے قلوب کو مضبوط کیا جانا

قولہٗ تعالیٰ: وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ الخ (سورۂ الکہف)

ترجمہ: اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور یہی حالت ہے سالک صادق الارادہ کی کہ اس کے قلب اور سر کو مضبوط کر دیا جاتا ہے پھر وہ بلا کی پرواہ نہیں کرتا اور مصیبتوں سے متغیر نہیں ہوتا اور سالک اللہ تعالیٰ اس کا خبر گیر اور کفایت کرنے والا ہو جاتا ہے اور سلوک کی وادیوں میں اس کو گذارتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے پاس اس کو قرار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی وعدہ فرمایا ہے اپنے رستہ میں چلنے والوں سے بقولہٖ تعالیٰ الذین جو لوگ ہمارے لئے کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے رستے بتلا دیں گے۔

حقوق واسطۂ نعمت کی دلیل

قولہ تعالیٰ: اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ

ترجمہ: یعنی تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر۔ (سورہ لقمٰن)

اس میں تصریح ہے کہ واسطہ فی النعمت کا شکر بھی مثل شکر منعم کے مطلوب ہے اور اس واسطہ میں والدین استاد اور پیر سب آ گئے۔ البتہ معارضہ شریعت کے وقت اتباع ان لوگوں کا جائز نہیں۔ بعد و اتبع سبیل من اناب الیّ لکن لا یجوز اتباع مثل ذالک لقولہٖ تعالیٰ۔ و اتبع سبیل من اناب الیّ۔

اہل دنیا کا توحید خالص سے انقباض

قولہ تعالیٰ: وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِذَا ھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ؁

ترجمہ: اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ (سورہ زمر)

اسی کے مشابہ بعض جہلا مدعی طریق کی حالت ہے کہ توحید خالص کے ذکر سے منقبض ہوتے ہیں اور اولیاء کے ساتھ استغاثہ کرنے والوں کی حکایات سے خوش ہوتے ہیں

احادیث سے اِستنباط

علوم وہبی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس روز تک اللہ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے علم کے چشمے اس کے قلب سے (جوش زن ہوکر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں (روایت کیا اس کو رزین نے)

عادت چلّہ

اکثر بزرگوں سے چلّہ نشینی کا اہتمام منقول ہے یہ حدیث اس کی اصل ہے۔ ف مسئلہ اثبات علم اسرار بزرگوں کے کلام میں منصوص ہے کہ اللہ تعالٰی کے بعض خاص بندوں کو بعض علوم وہبی عطا ہوتے ہیں جو نہ منقول ہیں نہ مکتسب ہیں کبھی اس کو علم وہبی سے تعبیر کرتے ہیں کبھی علم اسرار کہتے ہیں اور خود ان سے اس قسم کے دقائق وحقائق منقول بھی ہیں جو ان سے پہلے کسی کی زبان سے نہیں نکلے، یہ حدیث ایسے علوم کی تحقیق اور اعتبار کی اصل ہے۔

(التکشف ص ۴۴۴)

نماز میں وساوس کا علاج

قاسم بن محمد سے ایک شخص نے پوچھا کہ مجھکو نماز میں وہم اور شبہ بہت ہوجاتا ہے انہوں نے فرمایا کہ (کچھ پرواہ نہیں) اپنی نماز (اسی حالت سے) ختم کرلیا کرو کیونکہ یہ (کوشش کرنے سے)

ہرگز دفع نہ ہوگا یہاں تک کہ نماز سے فارغ بھی ہوجاؤ گے اور یوں ہی کہتے رہو گے کہ میں نے نماز پوری نہیں پڑھی (ضرور کچھ رہ گیا ہے، اس لئے پھر پڑھو گے مگر پھر بھی فارغ ہو کر یہی وسوسہ رہے گا تو کہاں تک اعادہ کرو گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ کچھ پرواہ نہ کرو) (روایت کیا اس کو مالک نے مشکوٰۃ)

علاج دفع وسوسہ

اس روایت میں یہ اور علاج ہے کہ اس کی پرواہ نہ کی جائے اور اس پر عمل اور اس کی طرف التفات نہ کرے یہ علاج تجربے سے اکسیر اعظم ثابت ہوا ہے اور حاشیہ میں لمعات و مرقات سے فان ابلیس میذھب الخ کی طرح تقریر کی ہے یعنی یہ وسوسہ اس وقت تک دفع نہ ہوگا جب تک کہ تم ایسا نہ کرو گے کہ نماز ختم کرلو اور (شیطان سے) یوں کہدو کہ ہاں ہم نے نماز پوری نہیں پڑھی نہ سہی اللہ تعالےٰ بڑا کریم ہے وہ اسی کو قبول کرلے گا یا معاف کردیگا ہم آپ کی خیر خواہی سے باز آئے ہم جانیں ہمارا خدا جانے۔ (التکشف ص ۴۰۴)

نماز میں حضور قلب

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر کھڑے ہو کر دو رکعت اس طرح پڑھے کہ اپنے دل اور چہرے سے اس کی طرف متوجہ رہے مگر اس کے لئے جنت واجب ہوجاے گی۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے مشکوٰۃ)

حدیث: مقبلاً علیھما بقلبہ میں غور کرنے سے یہ طریق معلوم ہوتا ہے کہ شرح اس کی یہ ہے کہ علیھما کی ضمیر ہے رکعتیں کی طرف اور رکعت مرکب ہے اقوال و افعال متعددہ سے تو اقبال علی الرکعتہ اقبال علی ہذہ الاجزا ہے۔ بس حاصل طریق کا یہ ہوا کہ جو قول و فعل نماز میں صادر ہو وہ توجہ اور قصد سے ہونا چاہیئے محض مشق اور یاد سے نہو

مثلاً زبان سے سبحٰنک اللھم کہا تو اس کی طرف مستقل توجہ ہوکہ میں زبان سے یہ کہہ رہا ہوں پھر وبحمدک کہا تو اسی طرح اس کی طرف بھی مستقل توجہ اور قصد ہو اسی طرح آخر نماز تک پس اس طرح کرنے سے برابر ساعات نماز میں توجہ الی الطاعۃ رہی اور ایک طرف جب توجہ ہوتی ہے تو دوسری طرف نہیں ہوتی پس لامحالہ اس سے غیر صلوٰۃ کی طرف متوجہ نہ ہوگی پس حضور کامل میسر ہوگا اور وجہ میں اشارہ اس طرح ہے کہ جوارح کے مشغول کردینے کو بھی اشتغال قلب میں دخل ہوتا ہے پس تکمیل حضور کے لئے کف جوارح بھی ضرور ہے ورنہ چہرہ پھیرنے سے بواسطہ نگاہ کے خیالات منتشر ہونگے (التکشف ص ۱۱۴)

ایثار در فضائل

روایت: عمرو بن میمون الاودی سے منقول ہے کہ حالت مرض میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور یوں کہو کہ عمر بن الخطاب اس امر کی اجازت چاہتے ہیں کہ (بعد وفات آپ کے حجرے میں) اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن کئے جائیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ یہ مقام میں نے تجویز تو اپنے لئے کر رکھا تھا مگر میں حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنے نفس پر ترجیح دیتی ہوں (اور دفن کی اجازت دیتی ہوں)

اکثر اہل ادب کی یہ بھی عادت مشاہدہ کی جاتی ہے کہ فضائل کے مواقع پر تادباً اپنے سے بڑوں کو مقدم رکھتے مثلاً کوئی بزرگ دوسری صف میں آکر کھڑے ہوگئے اور پہلی صف میں کوئی ان کا معتقد ومخلص کھڑا ہے تو وہ پیچھے ہٹ کر ان کو مقدم کردیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایثار سے اس کا استحسان معلوم ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ قربات میں ایثار نہ چاہئے کیونکہ یہ قربات سے بے رغبتی کا ملتزم ہے لیکن حصول برکات کے

ئے ایثار میں مضائقہ نہیں اور فعل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ایثار
ہات میں ثابت ہے نہ کہ قربات میں۔ علمائے محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اپنے سے
زرگ کا احترام کرنا یہ اس قربت سے بھی بڑھ کر قربت ہے۔ پس اعلیٰ درجہ کی قربت کو
ادنیٰ درجہ کی قربت پر ترجیح دینا یہ بے رغبتی قربت سے نہیں۔ البتہ جہاں یہ دوسری
ربت پہلی قربت سے افضل نہ ہو وہاں نہ چاہیئے۔ (التکشف)

نجات کے لئے عمل شرط ہے، بزرگوں کی نسبت کافی نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیۃ وانذر الخ
نازل ہوئی یعنی اپنے قریب والے خاندان کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے قریش کو پکارا (اور جمع کیا) اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے (حضرت فاطمہ
رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو) فرمایا اے فاطمہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ کیونکہ میں تم کو اللہ تعالےٰ
سے بچانے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا (روایت کیا اس کو مسلم نے مشکوٰۃ)

ف۔ بعضوں کو یہ ناز ہوتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد میں ہیں یا فلاں خاندان
میں بیعت ہیں اور اس بنا پر اصلاح عقائد و اعمال سے بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں۔ اس
دعوے اور ناز کی اس حدیث سے جڑ کٹتی ہے۔ (التکشف ص ۴۲۸)

اہلِ طریق سے توسل کرنا

امیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی دعا کیا کرتے تھے بتوسل فقراء
مہاجرین کے (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں مشکوٰۃ)

ف: مقبولانِ الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے، حدیث سے اس کا
اثبات ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی یہی حقیقت اور

غرض ہے۔ (التکشف ص ۶۴۴)

بزرگوں کو خوش کرنے کے لئے خدمت کرنا ریا نہیں

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم مجھکو گذشتہ شب میں دیکھتے تو بہت خوش ہوتے میں تمہارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا۔ واقعی میں تم کو داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا حصہ عطا ہوا ہے روایت کیا اس کو بخاری ومسلم وترمذی نے اور برقانی کی روایت میں مسلم سے اتنا اور زیادہ ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! واللہ مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ میرا قرآن سُن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اس کو خوب ہی بنا تا سنوارتا۔

ف: بزرگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اگر کوئی طاعت یا خدمت اچھی طرح کی جائے کہ مخلّی بالطبع ہو کر اس طرح نہ کرتا تو ظاہر میں اس میں شبہ ریا کا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ تطیب قلب اہل اللہ بلکہ قلب مسلم خود عبادت ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک عبادت کو دوسری عبادت کے واسطے اچھی طرح کرتا ہے اس لئے ہرگز یہ ریا نہیں ہے۔ حدیث میں اس کے استحسان پر صاف دلالت ہے اس نادان کو مدتوں یہ شبہ رہا کہ اکثر کسی کی فرمائش سے جو قرآن عمدہ طرح پڑھنے کی عادت ہے شاید یہ اچھا نہ ہو الحمدللہ کہ اس حدیث کا سرِ دقیق جس کی ابھی تقریر کی گئی ہے قلب میں فائز ہوا اور یہ شبہ بالکل دفع ہو گیا۔ پھر اس حدیث پر نظر پڑنے سے اس کی اور تائید ہو گئی اور حدیث میں دوبارہ غور کرنے سے مقبولانِ الٰہی کی بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ ان کی طلب رضا مثل رضائے حق تعالےٰ کے ہے، جبکہ دونوں میں تعارض نہ ہو اور راز اس میں یہی ہے کہ ان کی رضاء کو رضائے حق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے پس مطلوب بالذات طلب رضائے حق ہی ہے۔ (التکشف ص ۵۷۴)

اکابر کو بھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہئے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑی گرمی کے دن بقیع کی طرف چلے اور لوگ آپ کے پیچھے چلتے تھے۔ جب آپ نے جوتیوں کی آواز سنی تو آپ کے قلب پر یہ امر گراں گزرا پس آپ بیٹھ گئے یہاں تک کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تاکہ کوئی اثر بڑائی کا آپ کے قلب میں نہ واقع ہو جائے (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث میں غور کرنے سے ناقص تو ناقص کاملین کی بھی آنکھیں کھلتی ہیں اور ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو زعم کمال کے بعد اپنی نگرانی حال سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اکابر کو فارغ ہو کر بیٹھنا نہ چاہئے مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہئے اور یہی خیریت ہے قال اللہ تعالےٰ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون ونعم ماقیل ؎

غافل مرو کہ مرکب مردانِ زہد را
در سنگلاخ بادیہ پے ہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش
ناگہہ بیک خروش بہ منزل رسیدہ اند

اللّٰھم اعنا علی الاستقامۃ مع القبول والکرامۃ فی الدنیا ویوم القیٰمۃ وصلی اللہ تعالےٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

(التکشف ص ۶۹۵)

معارف مثنوی

خفتہ از احوالِ دنیا روز و شب | چوں قلم در پنجۂ تقلیب رب
آنکہ او پنجہ نہ بیند در رقم | فعل پندارد بہ جنبش از قلم

ف: ان اشعار میں توحید افعال کی طرف اشارہ ہے جس کا عنوان اس طرح مشہور ہے "لا فاعل الا اللہ" اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف کوئی فعل منسوب نہیں ساول تو یہ عقائد حقہ کے خلاف ہے پھر صدور قبائح کا جناب باری تعالیٰ سے ... میں لازم آتا ہے۔ پھر مشاہدہ اور وجدان بھی اس کی تکذیب کرتا ہے۔ پھر یہ کہ تمام شریعت کا اس میں ابطال لازم آتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ منتہا سب اسباب کا یا یوں کہیئے کہ خالق افعال کا بجز حق تعالےٰ کے کوئی نہیں۔ گو وسائط و ظاہری اسباب اور بھی ہیں۔ چونکہ عارف کو دوسرے فاعلین کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ان کی نفی کر دیتا ہے۔ سو واقع میں یہ نفی باعتبار قابل التفات ہونے کے یا التفات کرنے کے ہے یعنی کوئی فاعل قابل التفات کے یا ملتفت الیہ نہیں بجز اللہ تعالےٰ کے۔ اسی طرح توحید صفاتی و توحید ذاتی کو سمجھنا چاہئے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بجز ذات و صفات خداوندی کے کوئی صفت یا ذات موجود نہیں بلکہ عارف کو کسی اور کی ذات و صفات کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ اس مرتبہ میں وحدۃ کا حکم ہوتا ہے۔ سو یہ تینوں مراتب توحید وجودی کے فروع ہیں۔ فقط۔

ظاہرا ہیتی بیان پاکی ست
گنج نورست از طلسمش خاکی ست

جاننا چاہئے کہ اکثر صوفیائے کرام کے کلام میں بعض آیتوں کا خلاف ظاہر معانی پر محمول ہونا پایا جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر ناظرین کو دو غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ

زیں اعتقاد کر لیتے ہیں کہ قرآن شریف کی تفسیر یہی ہے اور علمائے ظاہر نے جو تفسیر کی
ہے وہ غلط ہے، حالانکہ یہ اعتقاد بالکل باطل اور شعار زنادقہ کا ہے اور اس سے
تمام شریعت ناقابل اعتبار اور منہدم ہو جاتی ہے، اور بعض لوگ ان حضرات پر طعن کرنے
لگے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید میں تحریف کر دی اور تفسیر بالرائے کرتے ہیں اس لئے
اس کی تحقیق ضروری ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر تو وہی ہے جو علمائے مفسرین نے لکھی ہے، لیکن
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مضمون مدلول و مقصود بالقرآن ہے اس کے مشابہ کوئی دوسرا مضمون
ہوتا ہے تو مدلول قرآنی سے ذہن اس مشابہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جیسا زید اور عمر میں مناسبت
ہو اور زید کا حال بیان کرتے ہوں اور عمر یاد آ جائے، اور اس انتقال ذہنی کی وجہ سے اس مضمون
مدلول قرآنی پر اس مضمون مشابہ کو قیاس کر کے اس کے لئے بھی وہی حکم جو مدلول قرآنی کے متعلق ہے ثابت
کرنے لگتے ہیں تو مقصود ان کا اس نص میں اس مضمون کا داخل کرنا نہیں ہوتا بلکہ محض قیاس و تمثیل کا
قصد ہوتا ہے مثلاً اسی آیت " طہر بیتی " کی تفسیر سے کہ تطہیر کعبہ ہے ذہن منتقل ہوا کہ انسان
میں بھی ایک چیز مشابہ کعبہ کے ہے اور وہ قلب ہے، کیونکہ جس طرح کعبہ پر انوار الٰہی نازل ہوتے
ہیں قلب پر بھی فائز ہوتے ہیں۔ اس سے یہ قیاس کیا کہ جس طرح تطہیر کعبہ ضروری ہے کیونکہ وہ
مورد تجلیات ہے اسی طرح چونکہ قلب بھی مورد تجلیات ہے اس لئے اس کی تطہیر بھی ضروری
ہے اور ورود تجلیات علتِ مشترکہ ہے۔ اس کو علم اعتبار کہتے ہیں جس کی اجازت فاعتبروا
یا اولی الابصار میں موجود ہے اور جمیع فقہاء مجتہدین احکام میں اس کا استعمال کرتے ہیں
پس اگر اس معنی مقیس کو کوئی شخص مجازاً مدلول نص کہدے بایں معنی کہ قیاس مظہر ہے نہ مثبت
تو اس میں کوئی بات قابل مواخذہ نہیں۔ امر محقق اس باب میں یہ ہے کہ امام غزالیؒ نے بعض
تصانیف میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور بعض نے جو ان توجیہات کی تصحیح کے لئے یہ تکلف کیا
ہے کہ ہر آیت کا ایک ظہر اور ایک بطن ہوتا ہے پس علمائے ظاہر نے جو کہا ہے وہ ظہر ہے۔

اور صوفیا نے جو فرمایا ہے وہ بطن ہے۔ یہ تکلیف نہایت بعید ہے، کیونکہ ظہر و بطن دونوں کا اس آیت کے وجوہ محتملہ سے تو ہونا ضرور ہے اور ایسے نکات و اعتبارات یقیناً آیت میں محتمل نہیں ہوتے جیسا کہ ماہرین قواعد شرعیہ و عربیہ پر مخفی نہیں۔ اس لئے ان کو بطن قرآن کہنا نہایت امر مستنکر ہے بلکہ بطن سے مراد، وہ معانی دقیقہ و مستنبطات غامضہ ہیں جن کو حضرات مجتہدین سمجھتے ہیں جس کی تفصیل اہل اصول نے وجوہ دلالات میں لکھی ہے اور ان بطون میں مراتب مختلف ہیں بعض وہ ہیں جن کو عوام نہیں سمجھتے۔ علمائے متوسطین سمجھ جاتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کو علمائے راسخین و مجتہدین سمجھتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کو صرف انبیاء علیہم السلام سمجھتے ہیں وہکذا فوق کل ذی علم علیم۔ فقط

ماچو نائیم و نوا در ماز تست

ماچو کوہیم و صدا در ماز تست

ف : مقصود مراقبہ توحید کی تعلیم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اور تمام مخلوقات کے جمیع افعال و حرکات و سکنات و تغیرات میں حق جل شانہٗ کے موثرہ خالق ہونے کا ہر وقت استحضار رکھے اور ہر چند یہ امر داخل عقائد ہے مگر اعتقاد میں تصدیق اجمالی کافی ہے اور ہر مراقبہ میں استحضار اور بہر ہر جزو پر تفصیلی توجہ زائد ہے۔ کیفیت اضمحلال خلق کی اس کی بدولت پیدا ہوتی ہے اور شعب توحید سے یہ ایک شعبہ ہے مگر محققان حال نے مطلقاً اہل زماں کو مراقبہ توحید سے منع کیا ہے کیونکہ مسئلہ نازک ہے اور فہم ناقص ہے اس لئے لغزش کا اندیشہ ہے۔ کذا قال مرشدیؒ اور یہ احقر عرض کرتا ہے کہ علاوہ نقصان فہم و قلت علم کے عشق و محبت الٰہی میں بھی کمی ہے ایسی حالت میں جب ہر شے کو مستند الی الحق سمجھے گا اور وسائط و اسباب سے مطلق نظر اٹھ جاوے گی اور قلت محبت الٰہی سے بعض اوقات میں رضا و تسلیم میں کمی ہوگی تو وہ تنگی اور کدورت نعوذ باللہ حق جل و علا شانہٗ کی طرف سے ہوگی اس وجہ سے جب تک علم و فہم و عشق سب کامل نہ ہوں یہ مراقبہ ممنوع ہوگا۔ فقہی قاعدہ بھی ہے کہ جس مستحب میں مفاسد کا اندیشہ ہو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ فقط

(مزید استفادہ کے لئے ملاحظہ ہو کلید مثنوی۔ التکشف)

عرفانِ حافظ

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
کہ عشق آسان نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

ساقی شراب پلانے والا مراد محبوب حقیقی۔ کاس، پیالۂ شراب، مراد جذب عشقی (اور) دیجئے، اور (اس دَور میں) وہ پیالہ مجھ کو بھی دیجئے (یعنی مجھ کو اپنی طرف منجذب کیجئے) کیونکہ (راہ) عشق (کا سلوک) اوّل اوّل آسان معلوم ہوا تھا (چونکہ اس کے عقبات نہ دیکھی تھیں) لیکن (سلوک کے وقت) بڑی بڑی مشکلیں واقع ہوئیں (جن سے راہ قطع ہونا دشوار ہو گیا۔ سو آپ کے جذب سے یہ سب مشکلیں سہل ہو جائیں گی۔)

ف: اس شعر میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ سلوک محض بلا جذب کے وصول الی المقصود میں کافی نہیں ہوتا اور سلوک و جذب کے معنی۔ کوئی شخص ہوش و بیہوشی نہ سمجھ جائے بلکہ سلوک کہتے ہیں مقامات یعنی اخلاق باطنہ کی اصلاح کو مع پابندیٔ اعمال ظاہرہ کے، اس سے نسبت باطنی کے حاصل ہو جانے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن نسبت باطنی بالفعل حاصل ہو جانا یہ باختیار سالک نہیں ہے۔ محض فضل الٰہی پر موقوف ہے، پس وہ فیض غیبی و عنایت حق جس سے یہ نسبت حاصل ہو جائے جذب کہلاتا ہے، اور اسی نسبت کو وصول الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ غرض سلوک اختیاری ہے اور جذب غیر اختیاری۔ خوب سمجھ لو۔ اسی مضمون کو کسی نے اس طرح تعبیر کیا ہے ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا
کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

---

۵ بُبوئے نافہ کاخر صبا زاں طُرہ بکشائد
زتابِ جعد مشکینش چہ خوں افتادہ در دلہا

(بوئے۔ امید۔ طرہ کھلے ہوئے بال۔ جعد۔ گندھے ہوئے بال)

معنی:۔ بامید اس نافہ (یعنی خوشبو) کے جس کو آخر (کبھی نہ کبھی تو) بادِ صبا اس طرہ سے کھولے (اور پھیلائے) گی (اس امید پر) محبوب کے جعد مشکیں کے پیچ وتاب کی وجہ سے کیسے کیسے خون قلوب میں پڑ رہے ہیں۔ (اور عشاق ان کی اسی خوشبو کی امید پر کہ وہ بھی اک گونہ قرب ووصال ہے جھیل رہے ہیں)

ف: بلسان اشارہ جعد سے مراد واردات سالک کا بند ہونا جس کو قبض کہتے ہیں اور نافہ سے مراد ان واردات کا نازل ہونا جس کو بسط کہتے ہیں اور ان واردات کو مرتبہ قبض جعد سے اور مرتبہ بسط سے طُرّہ سے تعبیر کرنا نہایت لطافت ورعایت شاعرانہ بھی ہے اور صبا سے مراد فیض مرشد ہے جو واسطہ ہے ایصال واردات وبرکات الٰہیہ کا۔ پس اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ قبض میں سالک کو ناامید ودل شکستہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ایک ظاہر مصلحت جو ہر قبض میں مشترک ہے یہ ہے کہ قبض سے سالک کو ایک خاص انکسار اور شکستگی اور اپنے کو محض ہیچ اور ناچیز اور ذلیل واحقر سمجھنا اور عجب وپندار کمال قطعاً نظر اور التفات سے اُٹھ جانا۔ یہ امور بلا مجاہدہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ سو یہ خود کتنی بڑی دولت ہے اسی لئے بعض محققین کا قول ہے کہ قبض ارفع ہے بسط سے، یعنی اس وجہ خاص سے، پس اس حالت میں ناامید اور پریشاں نہ ہو بلکہ اس پر صبر کرے اور راضی رہے اور امید رکھے کہ جب میرے لئے مصلحت ہوگی بسط ہو جائیگا کہ وہ بھی قرب کی ایک خاص صورت ہے جیسا کہ قبض بھی من وجہ قرب ہے اور نسبت الصبا میں اشارہ ہے کہ قبض میں مرشد کی طرف رجوع کرے کیونکہ قبض کے علل وآثار ومصالح وطرق بسط یا اس قبض کا عین بسط یعنی حکمت میں مثل بسط ہونا یہ سب مراتب

رہے مل ہوتے ہیں نیز اس سے لازم آگیا کہ سالک قبض میں اپنی رائے پر ہرگز عمل نہ کرے
ورنہ بہت سے اس میں صورۃً ہلاک ہو چکے ہیں۔ قبض کے باب میں یہ مضمون مولانا روم کے کلام
میں زیادہ مصرح ہے ؎

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو ۔۔۔ آں صلاح تست آیس دل مشو
چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں ۔۔۔ تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بیخبر نہ بود ز رسم و راہِ منزلہا

(مے۔ شراب۔ مراد وہ امر مباح جو طریقت کے خلاف معلوم ہو اور قابل احتراز ہو،
باوجود مباح شرعی ہونے کے طریقۃً محترزعنہ ہونے کے وصف کے سبب شراب سے
تشبیہ دیدی) مطلب یہ ہے کہ مئے میں سجادہ رنگین کرنا (گو بہت امر منکر ہے لیکن) اگر تجھکو
پیر مغاں (یعنی مرشد) بتلادے تو عمل کر لینا۔ کیونکہ جو شخص راہ چلا ہوا ہے اور راہ دیکھے ہوئے ہے)
وہ منازل کے طرق اور آثار سے بیخبر نہیں ہوتا (طرق۔ رستہ اور رسم۔ جو راہ پر نشان بنے ہوتے ہیں
جن کو دیکھکر راستہ چلتے ہیں)

ف:۔ اسی طرح اگر مرشد مسترشد کو کوئی ایسا امر بتادے جو شرعاً تو جائز تھا لیکن بظاہر طریقت
کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے تو سالک کو چاہئے کہ اس کو مضر سلوک نہ سمجھے بلکہ اس پر
عمل کرے کہ وہ واقعی میں مضر نہ ہوگا بلکہ مفید ہوگا کیونکہ شیخ کو اس کے نشیب وفراز کا زیادہ
تجربہ ہے۔ تفہیم کے لئے ایک مثال فرض کرتا ہوں۔ مثلاً کسی سالک کو قبض ہوا اور شیخ نے اپنی
بصیرت و تجربے سے پہچان لیا کہ تکثیر اشغال اور ضعف و ملال طبیعت کا اس کا سبب ہوا ہے۔
شیخ نے امر فرمایا کہ برائے چندے شغل بالکل چھوڑ دو اور طبیعت کو راحت پہنچاؤ اور احباب میں
بیٹھکر مزاح اور خوشگوار باتوں سے فرحت حاصل کرو اور اکثر حصہ شب کا سوؤ اور خوب لذیذ
کھانے کھاؤ تو بظاہر یہ امور خلاف طریقت معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں عین طریقت ہیں۔

کیونکہ علت قبض کا اس میں علاج بالضد ہے کہ ملال و ضعف کا علاج نشاط و تقویت ہے پس اس علاج سے بسط ہو جائیگا اور ذکر و شغل اطمینان سے ہوگا تو در حقیقت شیخ نے شغل ترک نہیں کرایا بلکہ شغل کے دوام کا سامان کیا ہے۔

تنبیہ:۔ یاد رکھو کہ بے سجادہ رنگیں کن میں تشبیہ المفرد بالمرکب ہے اجزائے مرکب کے جدا جدا مشبہ بہ نہیں، اور مغان لغت میں آتش پرستوں کو کہتے ہیں چونکہ اہل فارس اصل میں آتش پرست تھے، اس لئے فارسی زبان میں وہی محاورے آئیں گے، لیکن مراد محض معنی مجازی ہوں گے، اور سالک جو شیخ کو کہدیا ہے اس کے معنی "آنکہ سلوک میکند" نہیں بلکہ "آنکہ سلوک کردہ و فارغ شدہ باشد" ہیں اور احقر نے جو تفسیر سجادہ رنگیں کن کی کی ہے قرینہ اس کا ظاہر ہے کہ جس فن کا یہ مضمون ہے اسی فن کے اعتبار سے جو منکر ہو وہ متعین الارادہ ہے، لغوی معنی لینا بالکل فن سے خارج ہو جاتا ہے۔

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

(منزل جاناں۔ مقام و حال باطن۔ جرس۔ اثر ارشاد عرفاء اور شوق قلب، مراد یہ کہ) مجھکو کسی مقام یا حال باطنی میں امن و عیش (یعنی استقرار و سکون) کیونکہ حاصل ہو جبکہ ہر وقت قلب میں جو عارفین کے (اس ارشاد کا اثر ہے (کہ سالک کو کہیں توقف نہ کرنا چاہیئے اور شوق قلب بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہاں محمل لادو اور سفر کرو۔

ف:۔ اس میں تعلیم ہے کہ کسی خاص حالت باطنی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر دم طالب مزید ہو عمل و سعی سے بھی توبہ اور ارادے سے بھی اور دعاء و التجا سے بھی رومی نے بھی اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہے ست
ہر چہ بر وئے میرسی بر وے مایست

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں ہائل
کجا دانند حالِ ما سبک ساران ساحلہا

(اس میں بیان ہے حیرت کا، اور شکایت ہے مع اک گونہ عذر معترضین اور ملامت گروں کے) یعنی ہماری حالت (حیرت میں) ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ورطہ ہولناک میں کشتی آگئی ہو تو ہمارے (اس) حال کی ان لوگوں کو کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارے پر کھڑے ہیں (جنھوں نے دریا میں قدم بھی نہیں رکھا)
ف: مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ حال کسی عقبۂ باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ جائے تو اس کے افعال و اقوال پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں، مگر یہ اعتراض دلیل خود اس کی ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گذری۔ پس ان کے ناواقف ہونے کا اور مبتلائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر نہ ہونے کو بتلانا مقصود ہے اور جو لوگ واقف اور عارف ہیں وہ اس پر رحم کرتے ہیں اور اس کی دست گیری کرتے ہیں۔ تنبیہ: اس میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے۔

۵ ہمہ کارم زِ خود کامی بہ بدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(خود کامی استعجال وصل) یعنی جلد کامیاب ہو جانے کے تقاضے کی بدولت میرے کام کا انجام یہ ہوا کہ سب میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدبیریں پوچھنے لگا جس میں اظہار راز محبت کرنا پڑا۔ سب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لئے مجمع کیا جائے (جیسے میں نے مجمع کر کے راز فاش کر دیا)
ف: اس میں یہ بتلا دیا کہ سالک کو استعجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت و طمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل کی تخصیص بھی نہیں رکھتا ہر کس و ناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اس کا مخفی حال معلوم ہو جاتا ہے، اور

مخفی حال کا اظہار بجز اپنے مرشد کے کسی سے کرنا مذموم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہرجائی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ و مشقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی اور شیخ کی عنایت و لطف بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس لئے پریشانی اور بڑھتی ہے۔ غرض ظاہراً و باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز تقاضا اور جلدی نہ کرے اور غیر مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔

۵ حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ
متیٰ ما تلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

(اگر تم محبوب حقیقی کے دربار میں) حضوری (اور قرب و قبول) چاہتے ہو تو اس سے غائب (یعنی دل سے غائب) مت ہو۔ (بلکہ اس کی طرف متوجہ رہو) اور جب ملاقات کرو اپنے محبوب سے (یعنی اس کے طرق لقاء میں کہ عبارت ہے عبادت سے مشغول ہو) تو دنیا چھوڑ دیا کرو (یعنی قصداً دنیا و مافیہا کی طرف اس وقت التفات نہ کیا کرو)

ف:۔ اس میں تعلیم ہے ذکر و عبادت پر دوام کرنے کی اور اس ذکر و عبادت کے نفع کی شرط کی کہ اس وقت قصداً غیر اللہ کو مستحضر نہ کرے کہ نفع اس سے فوت ہو جاتا ہے اور بلا قصد اگر آوے تو اصلاً مضر نہیں اور پھر ذکر کی طرف متوجہ ہو جانے سے وہ آیا ہوا خیال از خود دفع ہو جاتا ہے۔ قصداً دفع کرنے کی ضرورت نہیں اور دفع بھی نہیں ہوتا اور اگر توجہ ذکر سے بھی دفع نہ ہو تو اصلاً پرواہ نہ کرے کیونکہ امر غیر مضر قابل اہتمام نہیں ہوتا۔ ورنہ اس کے درپے ہو جانے سے پھر وہ پورا وبال جان ہو جاتا ہے۔ فقط

نوٹ:۔ (مزید استفادہ کے لئے ملاحظہ ہو التکشف)

بعض مسائلِ طریقت

لطائف ستّہ کی تحقیق

فرمایا قلب صنوبری تو خاص قطعۂ لحم کا نام ہے، اور اس کے مقابلے میں قلب حقیقی ہے وہ ایک لطیفہ ہے، اس کے انوار سے قلب صنوبری منور ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے لطائف کو خاص خاص مقامات سے ایک خصوصیت ہوتی ہے، جیسے سر کو سینہ سے اور خفی کو ما بین الحاجبین سے اور اخفی کو دماغ سے، اور وہ تعلق یہی ہے کہ مذکورہ عضا پر ان کے انوار و برکات ظاہر ہوتے ہیں، اور لطائف کی تعلیم کا نقشبندیوں کے یہاں خاص اہتمام ہے اور چشتی اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب حجاب ہیں، ذکر کے وقت ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے بلکہ توجہ اولاً بجانب مذکور مصروف کرنا چاہیئے۔ اگر اس میں تکلف ہو تو ثانیاً ذکر کی جانب ملتفت ہوں، اگر وہ بھی نہ جمے تو ثالثاً صرف قلب کی طرف توجہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب اس میں صاف مضغۂ قلب کی تصریح ہے، گو اس کے ضمن میں طبعاً لطیفۂ قلب کی طرف بھی توجہ آگئی پھر دوسرے لطائف کی کیا حاجت رہی کہ پہلے یہ کرو اور پھر یہ کرو، پھر مجموعے کو ملاؤ اور مسلم ہے کہ النفس لا تتوجہ الیٰ شیئین فی اٰن واحد بس نہ اسی لطیفہ میں کمال توجہ ہوتی ہے، نہ دوسرے لطیفہ میں ہوتی ہے، اور مشق شدہ لطیفہ میں جب کم توجہی محسوس کرتے ہیں پھر نئے لطیفہ کو چھوڑ کر اس پہلے میں لگتے ہیں۔ غرض یہی شغل قصاری المقصود ہو جاتا ہے اس لئے ان کو حجاب کہا گیا، اور ایک اصطلاح دوائر ہے۔ مقامات کا نام دوائر رکھا ہے۔ کیفیات

باطنیہ کے نام کو دوائر سے تعبیر کرتے ہیں. مثلاً دائرۂ محبت وغیرہ اور ان دوائر کے مراقبہ کی تعلیم کرتے ہیں، اور ایک اصطلاح حقائق ہے جیسے حقیقت صلوٰۃ اور حقیقتِ کعبہ وغیرہ اس کا تصور کرایا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت رہ ان سب کو حجابات فرماتے تھے۔

ہمارا مذہب لطائف کے بارے میں یہ ہے کہ نہ انکار میکنم و نہ ایں کار میکنم خلاصہ یہ کہ طرق ذکر کے مختلف ہیں۔ ایک بالحجاب ایک بغیر الحجاب اور لطائف سے طریقہ وصول الی اللہ بالحجاب ہے۔ پس جب بے حجاب کام نکلے تو حجاب کی کیا ضرورت، اسی وجہ سے لطائف کا طریق ہمارے یہاں معمول نہیں۔ ان حجابات و وسائط کی کیا حاجت، میں تو سب کو اسم ذات بتاتا ہوں۔ آج تک کسی کو تصور شیخ یا شغل لطائف و دیگر اقسام کے اذکار و اشغال باستثنا بعض فی بعض الاحوال نہیں بتائے اور الحمد للہ اسی سے سب کو مقصود حاصل ہوا۔ گو کبھی تغیر احوال سے کمی زیادتی یا ترک کرنا پڑا لیکن اور حجابات سے کام نہیں لیا۔ ع

اوّل ما آخر ہر منتہیٰ است

حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کا بہت ہی مختصر سلوک ہے، آپ اس فن کے مجتہد تھے۔ اور فقہاء کا اجتہاد تو ختم ہو گیا مگر صوفیاء اور اطباء کا اجتہاد باقی ہے ہر زمانے میں اس فن کا ایک مجتہد ہوتا ہے۔ ہمارے حضرتؒ اپنے زمانے کے مجتہد تھے۔ اسی طرح حضرت مجدد صاحبؒ اپنے زمانے میں تھے اس زمانے کے لوگوں کی خصوصیات بعض طرق کو مقتضی ہوں گی۔ اسی واسطے حضرت مجدد صاحبؒ نے ان کا اثبات فرمایا اور اس وقت وہ مقتضیات بدل گئے۔ احکام و طرق بھی بدل گئے۔ اس لئے نہ ان حضرات پر انکار نہ حضرت حاجی صاحبؒ پر۔ جیسے طریق معالجہ میں متقدمین و متاخرین کا مسلک مختلف ہے شیخ کو بھی مثل طبیب کے مجتہد ہونا چاہیے۔ اس میں تقلید سے کام لینا ناواقفی پر دلالت کرتا ہے۔ طبیب جیسا مریض کے لئے مناسب سمجھے ویسا علاج کرے، خواہ مریض روحانی ہو یا جسمانی۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے سلوک کا مدار جمعیت قلب و اطمینان خاطر پر تھا تشتت و تفرق سے بہت اجتناب فرماتے تھے۔ ۶

ماضی و مستقبل پردۂ خداست

اس لئے شغل لطائف کے تشتت سے بھی بچاتے تھے کہ شیخ کامل سلوک کو بغیر حجابات کے قطع کراتا ہے۔ باقی جلدی اور دیر کا مدار مناسبت و خصوصیت استعداد پر ہے، اسی لئے جس مرید کو شیخ سے مناسبت نہ ہو وہ اس کی طرف رجوع نہ کرے کسی اور مناسب شخص کو تلاش کرے۔ (ملفوظات حضرت اختر ملفوظ ۱۱۴ ملحضاً۔ اشرف المسائل)

مشاہدے کی حقیقت

فرمایا مشاہدے کے یہ معنی ہیں کہ توجہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف مرتبۂ صفات میں یعنی بواسطہ صفات کے مع استحضار توجہ کے دائماً، اور ایک درجہ حضور کا اس سے آگے ہے۔ اس کو معاینہ کہا جاتا ہے وہ توجہ کرنا ہے ذات حق کی طرف بلاواسطہ صفات کے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کو صفات کا علم نہیں ہوتا۔ صفات کا علم تو ہوتا ہے اور پہلے وہ بھی صفات کے واسطہ سے متوجہ بحق ہوتا تھا لیکن اب اس کی توجہ کے لئے واسطہ صفات کی ضرورت نہیں رہی، بلکہ بلاواسطہ ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ گو یہ توجہ اجمالی ہی ہو، مبہم ہی ہو، من وجہ ہی ہو۔ لیکن ملتفت الیہ بالذات اس وقت عین ذات ہوتی ہے۔ صفات ملتفت الیہ نہیں ہوتیں اور درجۂ مشاہدہ میں ملتفت الیہ بالذات صفات تھیں اور ذات ملتفت الیہ بواسطہ تھی گو مقصود اس وقت بھی توجہ فی الذات ہی ہوتی ہے، مگر چونکہ اس شخص کو بلاواسطہ صفات کے ذات کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اس لئے التفات اولیٰ صفات ہی کی طرف ہوتا ہے۔ پس قصد کے لحاظ سے تو مشاہدے میں بھی ذات مقصود بالذات ہے، اور صفات مقصود بالعرض مگر التفات کے لحاظ سے صفات ملتفت الیہ بالذات ہیں اور ذات ملتفت الیہ بالعرض توضیح کے لئے

ایک مثال میں اس فرق کو سمجھئے۔ مثلاً ایک شخص محبوب کے پاس حاضر ہے لیکن محبوب کے اور اس کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس وقت مقصود تو اس کو بھی ذات محبوب کی طرف توجہ ہے لیکن حجاب کی وجہ سے یہ عین ذات کی طرف بلا واسطہ توجہ نہیں کر سکتا، بلکہ محبوب کی صفات حسن و جمال کو ذہن میں حاضر کر کے لذت لیتا اور ان کو توجہ الی المحبوب کا واسطہ بناتا ہے۔ اور ایک شخص محبوب کے پاس اس طرح حاضر ہے کہ درمیان میں کوئی حجاب نہیں۔ اس کی توجہ اولاً ذات کی طرف ہوگی۔ گو طبعاً صفات کی طرف بھی التفات ہوگا تو پہلے شخص کا ملتفت الیہ بالذات صفات تھیں۔ اور ذات ملتفت الیہ بالعرض وہ تو صاحب مشاہدہ ہے، اور دوسرے شخص کا ملتفت الیہ بالذات عین ذات ہے اور صفات ملتفت الیہ بالعرض۔ یہ صاحب معائنہ ہے۔ باقی قرب دونوں کو حاصل ہے۔ صاحب معائنہ کو بھی اور صاحب مشاہدہ کو بھی۔ گو کیفیت قرب میں تفاوت ہو اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ صاحب معائنہ کے لئے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا سب حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں، یہ بات نہیں حجاب اس کے لئے بھی باقی ہے لیکن یہ حجاب التفات اولی الی الذات سے مانع نہیں۔ گو یہ التفات اجمالی ہی ہو، مبہم ہی ہو۔ مگر اولاً بالذات ذات ہی کی طرف ہے، اور صاحب مشاہدہ کے درمیان جو حجابات ہیں وہ ذات کی طرف التفات اولی ہی سے مانع ہیں۔ یہ فرق ہے دونوں میں۔ اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ معائنہ میں صفات کی نفی نہیں بلکہ ان کی طرف التفات کی نفی ہے۔ (وعظ تحصیل المرام ص۱)

لذتِ روحانیہ و لذتِ نفسانیہ میں فرق

میں لذتِ روحانیہ اور لذت نفسانیہ میں فرق بتلاتا ہوں تاکہ ذاکرین دھوکے سے بچتے رہیں اور حظوظ نفس کے طالب نہ ہوں۔ یاد رکھو، ذکر و شغل اور نماز وغیرہ سے جو روح کو کیفیات حاصل ہوتی ہیں وہ نہایت لطیف ہوتی ہیں کہ لطافت کی وجہ سے ان کو کیفیت کہنا بھی مشکل ہے۔ وہ غلبہ کے ساتھ وارد نہیں ہوتیں اور ان کی علامت یہ ہے کہ یوماً فیوماً ان میں ترقی ہوتی رہتی ہے، اور کیفیات نفسانیہ کا

درود غلبہ سے ہوتا ہے۔ جن میں بعض دفعہ حدود شرعیہ سے بھی انسان نکل جاتا ہے
گو یہ اس میں مجبور و معذور ہو مگر یہ کیفیات مطلوب و مقصود نہیں اور نہ ان کے لئے
بقا ہے۔ بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ غلبہ جاتا رہتا ہے۔ کیفیت روحانیہ اور لذت
روحانیہ کی حقیقت وہ ہے جس کو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بیان فرمایا ہے جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک
نماز میں رکھی گئی ہے) اس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے جس کو یہ ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ مگر
اس کی علامت یہ ہے کہ نماز سکون اور اطمینان سے ادا کرے، جلدی نہ کرے، اور کوئی چیز
اس کو نماز سے مشغول نہ کرے، یعنی نماز سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہو۔ اور بدون نماز کے
قلب کو چین نہ ملے۔ وقت آتے ہی نماز کے لئے دل بے چین ہو جائے۔ اسی کو خلوص
اور احسان کہتے ہیں۔ یہ ہیں کیفیات روحانیہ بخلاف ان کیفیات کے جو سالکین کو
وسط میں پیش آتی ہیں جیسے محویت اور استغراق وغیرہ، ان کا بعض اوقات ایسا غلبہ
ہوتا ہے کہ حدود سے بھی نکل جاتا ہے۔ سو یہ کیفیات مقصود نہیں اور جس کو خلوص حاصل
ہو جو کہ کیفیت روحانیہ ہے گو اس کو کتنے ہی وساوس آتے ہوں۔ اس حالت میں بھی۔
اس کا طالب لذت و محویت ہونا ایسا ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ
پائے بوسی اندراں دم شد گناہ (اشرف المسائل)

اخلاق رذیلہ کا امالہ

وجود اخلاق رذیلہ مذموم نہیں ہے۔ ہاں عمل بمقتضی الاخلاق الرذیلہ مذموم و منہی عنہ
ہے۔ مثلاً وجود غصہ کا مذموم نہیں لیکن اس کو بے محل صرف کرنا ناجائز ہے۔
مجاہدے سے پہلے بے موقع غصہ میں چلا آتا تھا اب موقع پر چلا آتا ہے، نہ یہ کہ بے موقع
کبھی غصہ آتا بھی نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔
لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا تو اخلاق رذیلہ کے ازالہ پر قدرت نہیں

ہاں ان کو بے محل صرف نہ کرنے پر قدرت ہے۔ اس لئے صرف اسی کی تکلیف دی گئی ہے۔ جب یہ بات ہے تو ان اخلاق رذیلہ کے ابھرنے اور ان سے متاثر ہو جانے سے غمگین اور ناامید ہو جانا محض بے وجہ ہے (اطاعت الاحکام ص۵۲)

اکثر لوگ اخلاق رذیلہ کو زائل کرتے ہیں اور پھر اخلاق محمودہ پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ ازالہ بالکلیہ نہیں چاہئے۔ کیونکہ جب اس خلق کی ضرورت ہوگی، تو کیا کرے گا (مثلاً شہوت) بلکہ تعدیل چاہئے (مقالات حکمت حصہ ہفتم ملفوظ ص۴۴)

صفات ذمیمہ اپنے محل و مصرف پر ہوں تو بری نہیں۔ اور اگر بے محل ہوں تو بُری ہیں۔ مثلاً بخل اگر کسی اچھی جگہ کیا جاوے تو بُرا ہے اور اگر کسی بُری جگہ کیا جاوے تو بُرا نہیں مثلاً فواحشات میں چندہ دینے سے بخل کیا (مقالات حکمت حصہ ہشتم ملفوظ ص۱۴)

رذائل کا ازالہ نہ کرو، صرف امالہ کافی ہے۔ غرض ازالہ کی فکر ضروری نہیں اضمحلال بھی کافی ہے مگر اضمحلال کے لئے اس کی مشق ضروری ہے۔ اور مشق ہوتی ہے کثرت تکرار سے یہ نہوا الحائك اذا صلى يومًا انتظر الوحی کہ دو دن مخالفت نفس کرکے اپنے کو کامل سمجھنے لگے کثرت تکرار میں جو خاصیت ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دن انشاءاللہ یہ رذیلہ کمزور ہو جائے گا۔ بعض حکماء اس نکتہ کو نہیں سمجھے وہ کہتے ہیں کہ عادات نہیں بدلا کرتیں اس لئے مجاہدہ فضول ہے مگر وہ یہ نہیں سمجھے کہ عادت کے خلاف عادت ہو جانے سے پہلی عادات ایسی کمزور ہو جاتی ہیں کہ گویا تھی ہی نہیں اور اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ مشائخ طریق کے یہاں رات دن ایسی نظائر مشاہدے میں آتی ہیں کہ مجاہدات و کثرت مخالفت سے اخلاق رذیلہ گو معدوم نہیں مگر کالعدم ضرور ہو جاتے ہیں اور یہ طریقہ ایسا آسان ہے جو ہر شخص کے اختیار میں ہے کہ اپنے قصد و اختیار سے رذائل کی مخالفت نفس کیا کرے (وعظ الارضاء الحق)

فرمایا کہ اخلاق ذمیمہ کے علاج میں صرف ذکر شغل کافی ہونے کے لئے میرے دل میں ایک نئی بات آئی ہے۔ جو اس سے پہلے ذہن میں نہ آئی تھی۔ وہ یہ کہ چونکہ ذکر اللہ سے قلب میں ایک قسم کا نور و انشراح و انبساط پیدا ہوتا ہے اور معصیت

سرزد ہوتی ہے تو وہ نور جو ذکر سے حاصل ہوا تھا مبدل بہ ظلمت و کدورت ہو جاتا ہے اور جو حظ اس کو پہلے حاصل تھا وہ زائل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو فوراً اس معصیت پر تنبیہ ہو جاتا ہے اور اس سے متنفر ہو جاتا ہے رفتہ رفتہ تمام معاصی سے نفرت ہو جاتی ہے اور اسی طرح صرف ذکر و شغل ہی اخلاق ذمیمہ کے علاج کے لئے کافی ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ تنبیہ کی طرف بھی توجہ ہو اور تنبیہ کے بعد اصلاح کی طرف بھی (مجادلت معدلت حصہ ہشتم ملفوظ نمبر ۱۵)

فرمایا محققین نے تصریح کی ہے کہ اخلاق ذمیمہ میں سے ریا سب کے بعد جاتا ہے، اور اخلاص سب اخلاق حمیدہ کے بعد میسر ہوتا ہے۔ ریا ایک ایسا مرض ہے کہ مرائی (ریاکار) مخلوق سے تو کیا خالق سے بھی نہیں چوکتا۔ مثلاً جلوت میں اتفاقاً اس سے نماز کی تطویل میں ریا ہوتی۔ پھر خلوت میں اس عیب پر تنبیہ ہوا، تو اب آپ نے کیا کیا کہ خلوت میں بھی خالق کے سامنے اس لئے تطویل کی کہ اگر پھر جلوت میں تطویل کروں تو اللہ تعالیٰ اس وقت کی تطویل صلوٰۃ پر الزام نہ دیں۔ (نعوذ باللہ من الریاء الخفی والجلی۔ جامع) (اشرف المسائل)

کبر کی علامات اور ان کا علاج

حال: اور بموجب اصل (یعنی قاعدہ) حضرت والا کے میں اپنا ایک مرض پیش خدمت کرتا ہوں جو بندہ نے اوپر بھی عرض کیا یعنی کبر۔ اس کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب نظر آوے اور بندہ اس کا مرتکب نہ ہو تو دل میں اپنے آپ کو اچھا سمجھنے کا خطرہ گذرتا ہے۔

تحقیق: اس خطرے کو محبوب سمجھتے ہو یا اس خطرے سے نفرت و کراہت کرتے ہو۔

حال۔ (۲) اور اگر اس شخص کو اس گناہ سے منع کرتا ہوں تو تیز زبان سے منع کرتا ہوں تاکہ یہ شخص یہ سمجھے کہ یہ تو بڑا گناہ سے پاک ہے جبھی تو تیزی سے منع کرتا ہے۔

تحقیق: یہ تیزی فعل اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔

حالہ (۳) اور بعض وقت ان کو دیکھنے سے نفرت معلوم ہوتی ہے خصوصًا بد دین اور دُنیا کا زیادہ شوق رکھنے والا، فضول باتیں بنانے والا مکار شخص۔

تحقیق۔ نفرت طبعی یا اعتقادی اور مع احتمال و استحضار اپنے عیوب کے یا بدون اس احتمال و استحضار کے۔

حالہ (۴) اور ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ عام لوگ جو نماز وغیرہ شریعت کے احکام کے پابند ہیں اور عام طور پر گناہوں میں مبتلا ہیں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں

تحقیق: اس میں بھی وہی سوال ہے جو نمبر بالا میں ہے۔

حالہ (۵) اور ان کے ساتھ اپنے سے بڑا اور اچھا سمجھ کر نرمی اور تعظیم کا برتاؤ نہیں کرتا ہوں۔

تحقیق: یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔

حال (۶) اور ایک علامت اپنے کو اچھا سمجھنے کی یہ پاتا ہوں کہ اگر کوئی میری تعریف کرے اور کہے کہ تم مجھ سے اچھے ہو تو اس وقت اس کی بات رد کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ نہیں صاحب آپ کو کیا پتہ میرے اندر بڑے بڑے عیب ہیں، آپ مجھ سے بہت اچھے ہیں۔ میں بہت خراب ہوں، آپ کے پیر کی خاک کے برابر ہوں۔ لیکن دل کی حالت اس قول کے مطابق نہیں پاتا بلکہ بعض وقت معلوم ہوتا ہے کہ فقط زبان ہی سے کہہ رہا ہوں اور اس شخص کو محض دھوکا دے رہا ہوں۔

تحقیق، اس احتمال کے ہوتے ہوئے اسلم یہ ہے کہ بالکل خاموش رہو اور اگر ممکن ہو تو اور کسی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دو تاکہ وہ تذکرہ منقطع ہو جاوے۔

حال (۷) بندہ نے ان امراض سے بچنے کی بہت کوشش کی مگر افسوس یہ ہے کہ کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت والا کی خدمت اقدس میں عرض ہے کہ ان امراض کا علاج ارشاد فرماویں

تحقیق: ایک ایک چیز کا فیصلہ کرتے جاؤ علمًا بھی عملًا بھی۔ یعنی اول ایک چیز کو پیش کر کے اس کے متعلق تعلیم حاصل کر کے اور اس پر عمل کر کے جب رسوخ ہو جانے دوسری چیز کے ساتھ بھی برتاؤ کرے۔

حالِ(۸): اور دعا بھی فرمادیں کہ بندہ کو تمام رذائل سے نجات ہو جائے۔
تحقیق: دعا کرتا ہوں۔
حال(۹): اور دیگر بندہ نے یہ طے کرلیا ہے کہ جہاں سے اپنے امراض نفس واضح ہوتے ان کا علاج بھی وہیں سے حاصل ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ میں اپنے آپ کو حضرت والا کے بالکل سپرد کرتا ہوں اور جو کچھ حضرت والا طریقہ اصلاح اور علاج تجویز فرمادیں گے انشاء اللہ تعالےٰ اس پر بخوشی عمل کروں گا۔
تحقیق: اللہ تعالےٰ مدد فرماوے۔
نوٹ تمہیدی: انہوں نے ایک خط میں لکھا تھا کہ جو شخص میرا وعظ سن کر بشاشت ظاہر نہ کرے اس سے ناگواری ہوتی ہے یہ مذموم تو نہیں اس پر پوچھا گیا کہ اگر ایسا شخص وعظ کی درخواست کرے تو وعظ کہدو گے یا انکار کردو گے اس کے جواب میں یہ خط آیا۔
حال(۱۰): درخواست وعظ کے بعد طبعاً تو گرانی رہے گی لیکن عقلاً موجب اجر سمجھ کر اس کی خواہش پوری کردوں گا۔
تحقیق: بس تو ملامت نہیں۔
حال(۱۱): دوسری بات میں شبہ یہ ہے کہ یہ ایسی حالت تو نہیں جیسے عمدہ لباس پہن کر انسان اپنے آپ کو دیکھنے لگے۔
تحقیق: دونوں میں فرق ہے ایسا لباس ضروری نہیں اور ایسا وعظ ضروری ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم صـ۱۱۹)

دیگر

حال: اس وقت ایک اور مرض پیش کرتا ہوں۔ تکبر۔ حضرت کے مواعظ اور مضامین کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے اس مرض میں بھی بہت کمی آچکی ہے عقلی طور پر اپنے آپ کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا اور نہ کسی دوسرے کو ذلیل سمجھتا ہوں حتیٰ کہ جن لوگوں کے کبائر کا غلبہ ہے

اور فسق و فجور عیاں نظر آتا ہے ان کے متعلق بھی نفس کو یہ کہکر سمجھاتا ہوں کہ اگر ایک دو عیب کسی شخص کے معلوم ہو گئے تو تو اس کو کیونکر ذلیل سمجھتا ہے جبکہ تجھ میں ہزار ہا عیب موجود ہیں اور آج تک ہزار ہا گناہ کر چکا ہے اتنا ہی تو فرق ہے کہ تیرا پردہ ڈھکا ہوا ہے اور اس کا کھل گیا اس نصیحت سے قلب سے تکبر دور ہو جاتا ہے۔

تحقیق: لیھنك العلم والعمل (یہ علم و عمل مبارک ہو۔)

حال: البتہ ایک جزو بیان کے قابل یہ ہے کہ جب مکان پر ہوتا ہوں اور کوئی کاشتکار یا چمار بھنگی وغیرہ کوئی آتا ہے بشرطیکہ غیر مسلم ہو (مسلمان کو تو ہر ایک کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں) تو اس کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہوں اور اگر وہ برابر بیٹھے تو ناگوار ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی کسی کافر کا احترام دل میں پیدا نہیں ہوتا اگرچہ یہ بغض فی اللہ میں شاید داخل ہو مگر جب اپنے نفس کی بڑائی ہوتی ہو اور دوسرے کو اپنے نفس کے مقابلہ میں کمتر سمجھا جاتا ہو تو شاید تکبر کے حدود میں داخل شمار کیا جائے اس لئے عرض ہے کہ اگر یہ مرض ہو تو اس کا علاج تجویز فرما دیں

تحقیق: احتمال مرض یہ بھی مقدمہ ہے شفاء کا۔ کما قیل ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد   اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلم غیر متقی اور کافر کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں کیا جاتا سو یہ مساوات دین میں مطلوب بھی نہیں۔ قال تعالٰی افمن کان مومنا کمن کان فاسقا (اے کافرا کما ھو مصطلح القراٰن وایضًا یدل علیہ جزاءہ المذکور فیما بعد والذین فسقوا فماْویھم النار کلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا وقیل لھم ذوقوا عذاب النار الذی کنتم بہ تکذبون) لا یستوون الاٰیۃ اور حاصل اس عدم مساوات کا یہ ہے کہ حالاً و عملاً بدون ضرورت شدیدہ و بدون خوف الضرر۔ اس کا اکرام نہ کیا جاوے اور ماٰلاً و احتمالاً اس کے بعد دطرد

کا جزم نہ کیا جائے۔ کما قال الرومی ؎

ہیچ کافر را بخواری منگرید — کہ مسلماں بودنش باشد امید

یہاں تفاوت عملی یہ مبنی ہے مصالح پر و باختلافہا یختلف اور راز اس تفاوت کا یہ ہے کہ کافر کے حسنات سب حبط ہیں لہذا فی الحال شرعاً اس کا کوئی اثر معتد بہ نہیں اور مسلم غیر متقی کا حسن فی الحال بھی موثر ہے۔ اس بناء پر عمل میں تفاوت لازم ہے اور عمل میں شرعاً اس تفاوت کے موثر ہونے کی دلیل قطعی مسئلہ جہاد ہے کما ہو ظاہر امید ہے کہ اس سے سب اشکالات رفع ہوگئے ہوں گے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص۲۰۲)

نفس کے میلان معصیت کی وجہ

نفس جو تقویٰ کی طرف مائل اور معصیت سے نفور نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ کی لذت اور معصیت کی کدورت سے واقف نہیں، اس کو یہ خبر ہی نہیں کہ تقویٰ کے اندر کیا لذت اور نور ہے اور معصیت کے اندر کیا کدورت اور ظلمت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ ہمیشہ معصیت ہی میں رہا ہے اس لئے نور تقویٰ سے آگاہ ہی نہیں، اور جبکہ نور تقویٰ سے آگاہ ہی نہیں تو بقاعدہ الاشیاء تتبین بضدھا۔ معصیت کی ظلمت کا بھی احساس نہیں۔ پس ضرورت اس کی ہے کہ اس کو اس نور اور ظلمت یا یوں کہو کہ اس لذت اور کدورت سے واقف بنایا جائے۔ جب اس کو تقویٰ کی لذت حاصل ہوگی تو معصیت میں کدورت محسوس ہوگی۔ پس لامحالہ تقویٰ کی حرص اور معصیت سے نفرت پیدا ہوگی۔ (وعظ الصیام ص۱۸۴)

ہر وقت نفس کا جائزہ لیتے رہنا ضروری ہے

شیخ کی تصدیق کے بعد بھی اس کی ضرورت رہتی ہے کہ نفس کا امتحان کرتا رہے بے فکر و مطمئن نہ رہے کیونکہ مجاہدہ وغیرہ سے نفس شائستہ تو ہو جاتا ہے مگر شائستہ ہو جانے

کے یہ معنی نہیں کہ کبھی شرارت ہی نہ کرے۔ آخر شائستہ گھوڑا بھی تو شوخی و شرارت کیا کرتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ زیادہ شرارت نہیں کرتا اور کبھی کرتا ہے تو ذرا سے اشارے سے سیدھا ہو جاتا ہے مگر اشارہ بھی تو جب ہی کرو گے جب اس کی نگہداشت سے غافل نہ ہو اور اگر بے فکر ہو کر بیٹھ گئے تو ممکن ہے کہ کبھی نفس شرارت کرے اور تم اس کو دبانے کی کوشش نہ کرو تو اس وقت یقیناً وہ تم کو پٹک دے گا جیسے سوار غافل اور بے فکر ہو کر شائستہ گھوڑے پر سوار ہو تو اس حالت میں اگر کبھی اس نے شوخی کی تو سوار ضرور زمین پر گرے گا۔ اس مثال سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مجاہدہ بھی بیکار نہیں، کیونکہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ نفس کی شرارت پہلے سے کم ہو جاتی ہے اور اگر کبھی شرارت کرتا ہے تو ذرا سے اشارے میں سیدھا ہو جاتا ہے، اور پہلے اشارہ تو کیا سخت مقاومت سے بھی قابو میں نہ آتا تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجاہدہ کے بعد بھی نگہداشت کی ضرورت ہے۔ بے فکری جائز نہیں۔ (وعظ ارضاء الحق حصہ اول ص۱۱)

طریقہ اصلاحِ نفس

حال: پچھلے خط میں میں نے عرض کیا تھا کہ خصائل رذیلہ کا مادہ دل میں موجود ہے لیکن اس کے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا۔ حضور والا نے استفسار فرمایا ہے کہ "پھر اور کیا چاہئے" جواب میں عرض ہے کہ میں جانتا ہوں کہ رذائل کا ازالہ کلیتاً محال ہے اور ان کے مقتضیات پر عمل نہ کرنا کافی ہے۔ بفضلہ اس کی توفیق اپنے میں پاتا ہوں گو قوی نہیں اللہ پاک توفیق میں زیادتی فرمادے۔ باقی میرا یہ کہنا کہ رذائل کے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا، میرے اپنے محسوسات کی بنا پر ہے، ایک عامی کی محسوسات ہی کیا۔ غالباً بہت سے اخلاق ذمیمہ میں مبتلا ہوں گا لیکن مجھ کو ان کا احساس نہیں۔

تحقیق: احساس ہونا چاہئے ورنہ اس کا علاج کیسے پوچھا جاوے گا خصوص جبکہ مصلح کے مشاہدے سے بھی دور ہو۔ ایسی حالت میں مصلح کے احساس کی بھی کوئی صورت نہیں۔ اور ایسا

کم ہوتا ہے کہ مصلح کو کسی واقعہ سے اطلاع دی اور اس نے اس واقعہ سے کسی خصلت کا استنباط
صحیح کر لیا سو یہ کافی علاج کے لئے کافی نہیں لہذا خود طالب کو احساس کرنا چاہئے جس کی تدبیر یہ
ہے کہ ایسے رسائل کا مطالعہ کیا جاوے جیسے تبلیغ دین یا میرے مواعظ۔

حال: دوسرا استفسار حضور والا کا یہ ہے کہ تزکیۂ نفس کی تفسیر کیا ہے جواب میں
عرض ہے کہ تزکیۂ نفس کی تفسیر یہ ہے کہ قلب کو ان اخلاق ذمیمہ مثلاً حسد۔ کینہ۔ تکبر۔ غصہ۔ خود
پسندی۔ ریا۔ کذب۔ حُبِ جاہ۔ حُبِ مال وغیرہ سے پاک کرے جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں
اور ان اخلاق حمیدہ مثلاً محبت۔ خشیت۔ رجاء۔ صبر۔ شکر۔ اخلاص۔ صدق۔ توکل۔ رضا بر
قضا وغیرہ سے قلب کو آراستہ کرے جو حق تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہیں۔

تحقیق: ٹھیک ہے۔

حال: تیسرا استفسار حضور والا کا یہ ہے کہ "حصول اخلاص میں مصلح کو کیا دخل ہے"
جواب میں عرض ہے کہ اخلاص امر اختیاری ہے، اور امر اختیاری کے حصول کا طریقہ استعمال اختیار
اور مجاہدہ ہے لیکن ممکن ہے کہ مرض ریا جو اخلاص کی ضد ہے اس صورت سے ظہور کرے کہ
طالب اصلاح خود احساس نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں وہ مصلح کا محتاج ہوگا جو بعض اوقات
ایسے امراض کی تشخیص اور طریق مجاہدہ تجویز کرتا ہے جو ان امراض کا علاج ہے۔ نیز مجھ کو
بزرگوں کی دعا کے برکات اور توجہ کے فیض کا انکار نہیں ہے لیکن یہ دونوں امور غیر اختیاریہ
ہیں۔ میں نے حضور والا سے اصلاح کی درخواست کرتے وقت اپنی اصلاح کے لئے ان ذرائع
سے امید وابستہ نہیں کی ہے تا کہ بعد کو توحش اور مایوسی کا سامنا نہ ہو۔

تحقیق: سب اجزاء مضمون کے بالکل صحیح۔ تسلی بخش اور امید افزا ہیں۔

حال: آخر میں حضور والا نے منہیات سے بیزاری کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ
بیزاری علمی یا اعتقادی یا حالی کونسی مراد ہے۔ جواب میں عرض ہے کہ صرف اعتقادی اور علمی
درجہ مراد ہے حالی امر غیر اختیاری ہے اور امور غیر اختیاریہ حصول رضا کے طرق نہیں ہو سکتے۔

تحقیق: بالکل صحیح۔ اب وقت آ گیا ہے کہ کیفما اتفق مجھ سے ایک ایک چیز کے

متعلق پوچھا جائے اور میں جو عرض کروں اس پر عمل کر کے پھر مجھ کو اطلاع کی جاوے۔ اسی طرح جب ایک چیز کے متعلق علمی تحقیق اور عملی رسوخ کا فیصلہ ہو جاوے، پھر دوسری چیز کا اسی طرح سلسلہ شروع کیا جاوے اور ہر خط کے ساتھ اس سے پہلا خط بالالتزام رکھا جاوے"

(تربیت السالک حصہ دوم)

مجاہدہ دائمی کی ضرورت

بعض سالکین جو اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ چند روز مجاہدہ حسب قاعدہ طریق کر کے پھر اپنے کو فارغ سمجھ لیتے ہیں اور آئندہ کے مجاہدے سے بےفکر ہو جاتے ہیں جس کی ابتدا انہماک فی المباحات سے ہوتی ہے کہ اول وہ مباحات میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ مکروہات میں انہماک ہونے لگتا ہے۔ پھر محرمات کا بھی ارتکاب ہونے لگتا ہے، اور چونکہ اس شخص کو ایک وقت تک حق تعالےٰ سے تعلق خاص رہ چکا ہے جو پہلے مجاہدے کا اثر تھا، تو اب اس کی حالت زیادہ بری ہوتی ہے، اس میں نکس (مردودیت) کا اندیشہ ہے اور اس کی ایسی مثال ہو جاتی ہے جیسے کوئی عاشق مزاج شناس ہو کر محبوب کو ستانے لگے، جو شخص مزاج شناس ہی نہیں ہو اس کی حرکات اس درجہ موجب عتاب نہیں ہوتیں، جیسے مزاج شناس کی حرکات موجب عتاب ہوتی ہیں۔ پس عارف جب مکروہات و محرمات کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس پر غیر عارف سے زیادہ قہر و عتاب ہوتا ہے، اور یہی نکس ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ) اس لئے سالکین کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ مجاہدے کی ضرورت دائمی ہے۔ یہ چند روز کا کام نہیں۔ بلکہ عمر بھر کا کام ہے۔ دیکھئے جس طرح بیماری میں دوا اور پرہیز کی ضرورت ہے، بیماری سے صحت کے بعد بھی تو پرہیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ صحت کے بعد پرہیز کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ بیماری میں تو معدہ خراب ہوتا ہے، منہ کا مزا بدلا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے مریض کو انواع و اقسام غذا کی خواہش خود بھی بہت کم ہوتی ہے، اور اگر اس نے بد پرہیزی کی بھی تو بہت جلد ضرر کا احساس ہو جاتا ہے اور صحت کے بعد اک گونہ قوت آجاتی

۴۔ بدپرہیزی سے مضا ضرر کا احساس نہیں ہوتا۔ نیز اشتہا بھی ہر چیز کی ہوتی ہے۔ تو اس
وقت سنبھال کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ بعض دفعہ صحت کے بعد بھی پھر مرض کا عود ہوتا ہے
اطباء نے لکھا ہے کہ عود مرض ابتداء مرض سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اسی طرح عارفین
نے فرمایا ہے کہ ابتدائی مجاہدے کے بعد، جب نفس اصلاح پذیر ہو جائے تو اس وقت مجاہدے
کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ ابتداء مجاہدے میں تو بدپرہیزی کے ضرر کا احساس
جلد ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ اس وقت قوائے نفسانیہ میں قوت ہوتی ہے اس لئے نفسانی خواہش
کا تقاضا شدت کے ساتھ ہوتا ہے، تو نفسانی خواہش پر تنبہ بھی جلد ہو جاتا ہے اور مجاہدے
سے فارغ ہونے کے بعد چونکہ تقاضائے نفس کمزور ہو جاتا ہے اس لئے ہوائے نفس کا احساس
دیر میں ہوتا ہے۔ اب آپ کی سمجھ میں آگیا کہ فراغ من المجاہدہ کے بعد مجاہدے کی ضرورت پہلے
سے زیادہ ہے کیونکہ اس وقت ہوائے نفس کا احساس دیر میں ہوتا ہے، تو بعض دفعہ اس لئے
استرسال (ڈھیل) ہوتا رہتا ہے اور استرسال کے بعد جب ہوائے نفس کا احساس ہوتا ہے تو بعض دفعہ
نفس کو روکنے پر قدرت نہیں پاتا کیونکہ اس شخص کی قوتِ کف کمزور ہو چکی ہے۔ اسی لئے میں کہا کرتا
ہوں کہ شہوتِ شیخ (بوڑھے) شہوتِ شباب (جوان) سے اشد ہے کیونکہ جوان کا نفس زندہ ہے، اس کو شہوت
کا احساس بھی جلد ہو جاتا ہے اور احساس کے بعد اس میں قوت کف (ضبط) بھی زیادہ ہے، وہ اپنے کو جلد
ہوائے نفسانی سے روک سکتا ہے اور شیخ کا نفس چونکہ مر چکا ہے اس لئے اس کو ہوائے
نفس کا احساس جلد نہیں ہوتا، بلکہ بہت دیر میں ہوتا ہے، تو اس حالت میں استرسال نفس
زیادہ ہوتا ہے، پھر اس ڈھیل کے بعد شیخ کو ہوائے نفس کا جس وقت احساس ہوتا ہے
تو اب وہ ضبط پر قادر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ جس طرح اس کی قوت شہوت کمزور ہے اسی طرح
قوتِ ضبط بھی کمزور ہے۔ اب وہ لاکھ کوشش کرے کہ کسی طرح نفس کو سوئے نظر سے
روک لے مگر قدرت نہیں ہوتی، اور جوان کی جس طرح شہوت کامل اور زندہ ہے اسی طرح
اس کی قوتِ ضبط بھی کامل اور زندہ ہے۔ اسی طرح جوان کو بوڑھے سے زیادہ عفت پر

قدرت ہے، اور اس کی عفّت شیخ کی عفت سے کامل بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ نہ اس کو زیادہ استرسال ہوتا ہے اور نہ استرسال کے بعد ضبط دشوار رہتا ہے۔ پس بوڑھوں کو مجاہدے سے بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ ان کو جوانوں سے زیادہ پرہیز کی ضرورت ہے۔ پس سالکین کان کھول کر سن لیں کہ مجاہدے کی ضرورت چند روزہ نہیں ہے بلکہ اس کی ضرورت دائمی ہے چند روزہ مجاہدے کے بعد اگر تم نے بدپرہیزی شروع کی تو یاد رکھو اس کے بعد عود مرض اس شدت کے ساتھ ہوگا کہ ہلاکت کے قریب پہنچا دے گا۔ پھر بہت کم ہیں جو اس ورطہ سے نجات پائیں۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش | تادمِ آخر دمے فارغ مباش
تا دمِ آخر دمے آخر بود | کہ عنایت با تو صاحب سر بود

یعنی اخیر دم تک اس راہ میں تراش و خراش ہی رہنی چاہئے پس جب سلامتی کے ساتھ موت آجائے گی اُس وقت مجاہدے سے فراغت نصیب ہوگی۔ اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ جب مجاہدے کے بعد بھی مجاہدے کی ضرورت ہے تو پھر صاحبِ مجاہدہ اور غیر صاحبِ مجاہدہ میں کیا فرق ہوا۔ اس کا جواب اوپر کی تقریر میں آچکا ہے، یعنی دونوں میں وہی فرق ہے جو بیمار کے پرہیز میں، اور بیماری سے صحت پانے والے کے پرہیز میں فرق ہے کہ پرہیز کی ضرورت بیمار کو بھی ہے اور صحت پانے والے کو بھی مگر ظاہر ہے کہ بیمار کو سخت ضرورت ہے اور اس کا پرہیز بھی سخت ہوتا ہے اور صحت پانے کے بعد گو قدرے پرہیز کی ضرورت رہتی ہے مگر اب اتنا پرہیز نہیں ہوتا جتنا بیماری کی حالت میں تھا۔ تو کیا یہ فرق تھوڑا ہے کہ غیر صاحب مجاہدہ بیمار ہے اور صاحب مجاہدہ تندرست ہے۔ بیمار ہر وقت خطرے میں ہے اور تندرست خطرے سے نکل چکا ہے۔ البتہ تندرستی کے بعد جس طرح حکیم کہدیا کرتا ہے کہ اب تم کو ہر چیز سے تو پرہیز کی ضرورت نہیں، صرف فلاں فلاں اشیاء سے پرہیز رکھنا کیونکہ وہ تمہاری طبیعت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح صاحب مجاہدہ

یہاں کہا جاتا ہے کہ تم کو بالکل بے فکر نہ ہونا چاہیئے بلکہ تھوڑا بہت پرہیز اب بھی کرنا چاہیئے جو کچھ دشوار پرہیز نہیں ہے بلکہ معمولی اور سہل ہے (ایضاً ص تا ص ۱۲ ملخصاً)
(اشرف المسائل)

قبول ذکر کی علامت

بس ایک بار اللہ کہکر جب دوبارہ اس نام کی توفیق ہوئی تو سمجھ لو کہ پہلا قبول ہوگیا اور یہی دوسرا ذکر اللہ تعالےٰ کی طرف سے جواب ہے۔ علیٰ ہذا تمہارے دل میں جو سوز و درد ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاصد ہے۔ اگر ان کو تعلق نہ ہوتا تو اپنا قاصد تیرے پاس نہ بھیجتے، کیونکہ ان کا قاصد ہر شخص کے پاس نہیں جایا کرتا۔ بلکہ جہاں وہ بھیجنا چاہتے ہیں وہیں جاتا ہے اور یہ کیا ضرور ہے کہ قاصد عربی ہی بولتا آدے۔ یہ سوز و درد بھی قاصد ہے، یہ وہ سکینہ ہے جس کے متعلق ارشاد ہے هو الذی انزل السکینة فی قلوب المومنین۔ اور ذکر کے وقت یہ سکینہ ضرور نازل ہوتا ہے۔ یقیناً ذکر سے پہلے قلب کی جو حالت تھی ذکر کے بعد وہ حالت نہ ہوگی بلکہ کچھ اور حالت ہوگی۔ یہ اسی سکینہ کا اثر ہے جس سے ذکر کے بعد دل میں کبھی ایک ٹھنڈک سی معلوم ہوتی ہے کبھی درد و سوزش محسوس ہوتی ہے۔ یہ سب خدائی قاصد ہیں ان کو بیکار نہ سمجھو اسی کو فرماتے ہیں ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست　　　　دیں نیاز و سوز و دردت پیک ماست
(شرح مثنوی)

دوام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسی حالت پر دوام ہو جائے کہ کبھی کام کر لیا اور کبھی ناغہ ہو گیا۔ تم لسٹم پسٹم ہی کام کئے جاؤ۔ انشاء اللہ ایک دن تم پر ضرور رحم ہوگا۔
(خیر الحیات و خیر الممات ص ۵۹)

ذاکر مریض کو چاہیئے کہ جب تک کامل طور پر صحت و قوت نہ ہو جائے معمولات شروع نہ کرے البتہ بلا کسی قید کے زبان سے یا قلب سے جو ذکر سہل معلوم ہو اس کا خیال رکھے (ایضاً ص ۵۱)

ایک وقت معین پر ذکر کرنے میں زیادہ نفع ہے، بہ نسبت متفرق اوقات کے۔
(تربیت السالک حصہ دوم ص)

ذکر کرنے میں اگر تکان معلوم ہو تو ذکر کم کردے اور تقویت مزاج کی بمشورہ کسی طبیب کے تدبیر کرے۔ (ایضاً ص)

نماز اور ذکر میں اگر کوئی فکر محمود پیدا ہو جاوے تو اس کی طرف بقصد توجہ نہ کرے اس وقت جس کام میں ہے لگا رہے۔ (ایضاً ص۵۷)

رات کو کم کھانا کھانا اور سویرے کھانا اور پانی کم پینا اور سوتے وقت سورۂ کہف کی آخری آیتیں ان الذین آمنوا سے آخر سورہ تک ایک بار پڑھنا، آخر رات میں اٹھنے کے لئے بیحد مفید ہے۔ (ایضاً ص)

ثمرۂ اصلی ذکر و شغل کا قرب و رضائے حق ہے، واردات غیبیہ یا ذوق و شوق ثمرۂ اصلی نہیں بلکہ یہ بھی محض ایک ذریعہ ہے تربیت کا اور وہ بھی بعض کے لئے غیبی طور پر اور دوسرا طریقہ تربیت کا، صرف ہمت سے کام لینا ہے۔ بلا مواجید کے۔ (اصول الوجود ص۲۳)

طریق اس استقامت علی الذکر کا کثرت ذکر ہے و بس (ایضاً ص۲۳)

ذکر کی کثرت تو مطلوب ہے ہی لیکن اس کا دوام اس سے زیادہ مطلوب ہے اور چونکہ وہ عادتاً موقوف ہے صحت پر، اس لئے وہ بھی مطلوب ہے گو لغیرہٖ سہی۔
(تربیت السالک حصہ سوم ص۲۴)

ذکر میں لگا رہنا اور کوتاہی پر استغفار کرنا کہ ایک درجہ میں ذکر ہی کے قائم مقام ہے اور علامت ترقی کی ہے۔ (اشرف المسائل)

ذکر میں اگر لذت نہ آوے تو پریشان نہ ہو جس روز لذت آجاوے اس کو غذا سمجھے اور جس روز لذت نہ آوے اس کو دوا سمجھے۔ (اشرف المسائل)

دعا میں واحد کے صیغے میں الحاح زیادہ اور صیغہ جمع میں شرکت کا ثواب ہے غلبۂ کیفیت کا اعتبار ہے

حال: ایک اور بات لائق گذارش یہ ہے کہ جب اپنے لئے کوئی خاص دعا مانگتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ دعائیں اکثر جمع متکلم کے صیغہ میں منقول ہیں جن کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو شریک رکھے مگر دوسروں کو شریک کر کے وہ خود غرضی والا الحاح نہیں پیدا ہوتا۔

تحقیق: دعائیں دونوں صیغوں سے منقول ہیں۔ واحد کے صیغہ میں الحاح کی علت زیادہ ہے اور جمع کے صیغہ میں دوسروں کو شریک کر لینے سے اقربیت للاجابۃ کی علت زیادہ ہے، جس وقت جس کیفیت کا غلبہ ہو اس کا اتباع کر لیا جاوے اور میرا ذوق یہ ہے کہ اول ہر دعا میں منقول کا اتباع کرے کہ اقرب الی الادب ہے پھر اس دعا کی تکرار میں ذوق وقتی کا اتباع کرے کہ دونوں مجتمع ہو جاویں۔
(النور۔ رجب سنہ ۱۳۵۷ھ)

دعا میں کہنا کہ اپنے اولیاء کے صدقہ، اس میں شبہ غیر منقول ہونے کا، اور اس کا جواب

حال: نیز بعض دعاؤں میں یہ کہہ لیا کرتا ہوں کہ اپنے اولیاء و اتقیاء (ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم) کے صدقہ اور اپنے رسول رحمۃ للعٰلمین کی رحمت کے طفیل ایسا کر دیجئے مگر ادھر یہ وسوسہ ہونے لگا ہے کہ یہ طریقہ ماثور و منقول نہیں اپنی طرف سے کیوں بڑھاتا ہوں۔

تحقیق: اول تو منقول بھی ہے مگر کہیں کہیں تو اصل ہونے کے لئے اتنا کافی ہے
اللّٰھم انی اسئلك بحق السائلین علیك و امثالھا روایات میں وارد ہے
اور اگر منقول بھی نہ مانا جائے تو منع بھی منقول نہیں بلکہ قواعد عامہ سے زیادت کا
اذن ایسے مواقع میں منقول ہے۔ جیسے تلبیہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے زیادت
منقول ہے اور جیسے فقہا نے تشہد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک
کے ساتھ سیدنا بڑھانے کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب کہا ہے۔ اس میں اُس میں
کیا فرق ہے۔ اس کے علاوہ دعا میں خود الحاح و مسکنت کا مقصود ہونا بلا کسی منازع
کے ثابت ہے اور ایسے زیادات سے اس مقصود کی تقویت ظاہر ہے، پس یہ دلیل کلی
بھی حکم جواز کے لئے کافی ہے البتہ اگر ذوقاً اتباع ان مصالح پر غالب ہو تو اس کے
لئے افضل عدم زیادت ہے۔ وللناس فیما یعشقون مذاھب۔ واللہ اعلم۔

اشرف علی۔ یکم شعبان ۵۶ھ (النور۔ رجب ۵۷ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص۲۲۴)

مسرتِ عقلی علامتِ ایمان ہے

حال: حضرت والا ارشاد نبوی اذا سرتك حسنتك وساء تك
سیئتك فانت مؤمن کے متعلق شبہ یہ ہوا کہ مسرت دو قسم پر ہے طبعی عقلی طبعی
تو اکثر مفقود ہوتی ہے عقلی بھی گاہ بگاہ بلکہ بسا اوقات۔ اس لئے کہ مسرت عقلی اس طرح
ہوگی کہ ادائیگی حسنہ ذریعہ ہے ثواب اخروی کا۔ اور وہ قابل مسرت ہے یا اس طرح کہ
ادائیگی حسنہ علامت ہے تعمیل حکم حق تعالیٰ کی۔ یہ بھی قابل مسرت ہے۔ مگر ہر حسنہ کے ادا
کرنے کے بعد قلب محسوس کرتا ہے کہ اس حسنہ کے حقوق و آداب ادا نہیں ہو سکے کبھی
اخلاص نہیں کبھی پوری توجہ نہیں۔ کبھی ظاہری آداب مکمل نہیں۔ جب کئی ایک نقائص
عیوب مدرک ہیں تو نقائص غیر مدرک پتہ نہیں کتنے ہوں گے۔ الغرض ایسی صورت

پس وہ حسنہ میرے سے حسنہ ہی نہیں بلکہ محض صورت حسنہ ہے کہ اس پر مسرت کا جو منشأ
ثواب اخروی یا تعمیل ارشاد تھا وہ بھی متحقق نہ ہوا۔ اوروں کی تو خبر نہیں میری اپنی حالت
تو یہی ہے ایسی حالت میں ایمان مطلوب (کامل) کا بھی ٹھکانا نہیں۔

تحقیق: کامل کی قید کہاں سے لگائی، کیا حدیث میں ہے یا کوئی اور دلیل ہے۔
جب یہ قید بلا دلیل ہے تو ایمان سے مراد مطلقاً ایمان ہوا اور حسنہ اگر کامل نہیں تو ناقص تو ہے
پس ناقص حسنہ پر مسرت ناقص تو ہوگی مگر مطلق ایمان کی وہ بھی علامت ہے اور اس پر بھی
جزا کا وعدہ ہے لقولہ تعالٰے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہٗ۔ اب کیا
اشکال رہا۔ خلاصہ یہ ہے جیسی حسنہ ویسی ہی مسرت، اور ویسا ہی ایمان ان (کان)
کاملاً فکامل وان ناقصا فناقصٌ۔ اور یہ سب کلام باعتبار نظر کے ہے
ورنہ نظر غائر میں حسنۂ ناقصہ پر بھی مسرت کامل ہوگی اور وہ علامت بھی ایمان کامل
کی ہوگی۔ کیونکہ بناء مسرت کی حقیقت میں یہ ہے کہ باوجود میرے نااہل ہونے کے
اللہ تعالٰے نے مجھ کو یہ نعمت دی کہ حسنہ کی توفیق ہوئی گو وہ ناقص ہی ہے مگر اس کا نقص
باعتبار اپنے نقص کے ہے لیکن من اللہ ہونے کے اعتبار سے تو ناقص نہیں
بڑی عملی نعمت ہے۔ دوسری نعمت اعتقادی ہے کہ میں نے حسنہ کو حسنہ سمجھا، تو یہ
نعمت مرکب ہوئی دو نعمتوں سے اور حق تعالٰے کی توفیق پر مسرور ہونا اور اسی طرح اعتقاد
کے صحیح ہونے پر دونوں علامت ہیں ایمان کامل کی بلکہ اگر حسنہ کامل بھی ہو تب بھی اس کو
ناقص سمجھنا کما ھو مقتضٰی قولہ تعالٰے والذین یؤتون ما اٰتوا
وقلوبھم وجلۃ انھم الٰی ربھم راجعون۔ علٰی ما ورد فی الحدیث
من تفسیرہ بقولہ علیہ السلام ولٰکن ھم الذین یصومون
ویتصدقون ویخافون ان لا یقبل منھم الحدیث۔ ایمان کامل
کی علامت ہے بہرحال مطلق حسنہ کا صدور ناقصۃ کانت او کاملۃً علامت

ہے ایمان کامل کی لیس حسنہ کا ناقص ہونا بھی نہ مسرت کے منافی ہے نہ ایمان کامل کے، گو عمل کامل کے منافی ہو۔ واللہ اعلم (النور، شعبان، ۱۳۵۷ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص۴۴۶)

گذشتہ دنیوی ناکامیابی یاد آکر دل کا بُرا رہنا مذموم نہیں

حال: بعض اوقات گذشتہ عمر کی ناکامیابی یاد آکر دل پر بُرا اثر پڑتا ہے، مثلاً فلاں وقت فلاں ملازمت کے لئے کوشش کی دعائیں بھی کیں پوری نہ ہوئیں، یا مثلاً فلاں جگہ سے نفع کی امید تھی مگر باوجود کوشش کرنے کے یا دعا کرنے کے نہ حاصل ہوا۔ اسی طرح مثلاً فلاں جگہ نکاح کی سعی کی دعائیں کیں پوری نہ ہوئیں۔ جب یہ خیال بندھتا ہے تو یکے بعد دیگرے ساری عمر کی ناکامیاں اور تکالیف کا ایک مضمون مستحضر ہو جاتا ہے اس سے دل پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اعمال و معمولات کی چونکہ عادت ہے اس واسطے وہ جس طرح کے بھی ہوں، ہو جاتے ہیں۔ بالفرض اگر عادت نہ ہو تو ان خیالات کے ہوتے ہوئے نماز و ذکر وغیرہ محال ہے ان سے پریشانی رہتی ہے اور ہر وقت دل برا رہتا ہے۔ مختلف کتب کے مطالعہ یا قرآن مجید یا دیگر طریقوں سے یہ خیال دفع نہیں ہوتا بلکہ کچھ دیر کے لئے سکون ہو کر پھر زیادہ عود کرتے ہیں۔ تقریباً دو ہفتہ سے ان میں مبتلا ہوں ان کے لئے اگر کوئی تدبیر ہو تو مجھے اس سے مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

تحقیق: تدبیر تو ازالہ مذموم کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ازالہ محمود کے لئے۔ کیا یہ حالت مذموم ہے۔ معلوم ہوتا ہے نہ نصوص میں غور کیا نہ اقوال اہل خصوص میں ورنہ معلوم ہو جاتا کہ دنیا کی ناکامیابی خود شعار ہے مقبولین کا اور تواتر کامیابی خصوصاً معاصی کے ساتھ شعار ہے مخذولین کا۔ کیا حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے واقعات قرآن مجید میں نہیں پڑھے، سورۂ بقر کی آیت ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ الآیۃ اور سورۂ احزاب کی آیت اذ جاءوکم من فوقکم ومن اسفل منکم

دامثالہا پڑھیے اور سمجھیے، کامیابی دُنیوی سے مقبولیت پر استدلال کا کفار کا طریقہ ہونا سورۂ فجر میں منصوص ہے فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہٗ الخ مولانا رومی کے ارشاد کو دیکھیے ؎

زاں بلاہا کانبیاء برداشتند | سر بہ چرخ ہفتمیں افراشتند
گر مرادت را مذاق شکر است | بے مرادی نے مراد دلبر است

ایسی بدیہی بات میں کہاں تک تطویل کروں، باقی دعا ہر حال میں کرنا سنت اور وظیفۂ عبدیت ہے۔ دعا کی برکت سے فہم اور رضا و تحمل سب نصیب ہو جاتے ہیں، میں بھی دعا کرتا ہوں۔ (النور محرم ۱۳۵۲ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص۴۲۹)

جو کثرت کلام ناشی ہے انبساط اور انقباض عن الخلق سے خود نعمت مستقلہ ہے

حال: اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ بہت بکّی اور رکھو اسی مشہور رہا ہوں مگر اب ایک مدت سے یہ حال ہو گیا ہے کہ جس طرح پہلے بے تکلف چپ رہتا تھا اب بے تکلف بولتا ہوں ذہن کند اور زبان گنگ معلوم ہوتی ہے اولاً تو کسی سے ملنا جلنا ہی بہت کم رہ گیا ہے خصوصاً تنہا ملنے سے بہت گھبراتا ہوں کہ سننے کے ساتھ بولنا بھی پڑے گا۔ ورنہ بداخلاق بددماغ وغیرہ نہ لجانے کیا سمجھا جاؤں یہ خیال اس پر آیا کہ اور تو اور اب کئی مرتبہ دل چاہا کہ کسی عنوان سے حضرت کی غیر معمولی شفقتوں کا کچھ شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ مگر نہ کوئی عنوان سمجھ میں آیا نہ زبان کھل سکی۔ ظاہر ہے کہ حضرت تو اس کا خیال بھی نہ فرماتے ہوں گے مگر مجھ کو اپنی اور ہر طرح کی نااہلیوں کے ساتھ اس مزید نالائقی پر مزید شرمندگی ہوتی ہے سوچتا ہوں تو بلا مبالغہ حضرت کی مجلس میں قدم رکھنے کا میں کسی طرح اہل نہیں ہوں۔ پھر بھی ان شفقتوں سے نوازا جاتا ہوں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح پردہ پوشی فرما کر بخش دیں۔

تحقیق: کثرت کلام ناشی ہوتی ہے انبساط سے اور انبساط ناشی ہوتا ہے اُنس سے اور اسی طرح مسبب کے اضداد سبب کے اضداد سے اور انقباض عن الخلق خود نعمت مستقلہ ہے، پھر اگر انس مع الحق ہو تو نورٌ علیٰ نور، اور اگر اُنس مع الحق بھی کامل نہ ہو تو نور (مفضی) الیٰ نور یعنی وہ انقباض مفضی الی الانس مع الحق ہو جاتا ہے اور احیاناً اسباب طبعیہ بھی اس اُنس و توحش کے موجب ہو جاتے ہیں مثلاً ضعف طبیعت و کسل یا کوئی فکر و تشویش اور نشاط و فرح و مساعدت احوال نفسانیہ، سو یہ نوع فی نفسہٖ نہ کمال ہے نہ نقص، مگر آثار کے اعتبار سے قلتِ کلام اکثر نافع ہوتا ہے اور کثرت کلام محتاج معاونت کہ حدود سے تجاوز نہ ہو جاوے، بہر حال قابل اہتمام و مطلوب ہر حال میں حدود ہیں خواہ کسی کیفیت کے ساتھ ہوں کہ کیفیات اسی مطلوب کی مطلوبیت اور غیر مطلوب کی عدم مطلوبیت کے بارے میں ارشاد ہے ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست　　تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

اور اس تقریر سے اس حدیث کا بھی حل ہو گیا قال صلی اللہ علیہ وسلم الحیاء والعی شعبتان من الایمان والبذاء والبیان شعبتان من النفاق رواہ الترمذی عن ابی امامۃ لان اصل اقتضاء الایمان الانقباض عن الخلق واصل اقتضاء النفاق الانس مع الخلق اور اخیر کا مضمون اس نعمت کا کاشف ہے کہ اپنے کو نعمتوں کا مستحق نہیں سمجھا گیا کہ فنا مطلوب کا ایک خاص درجہ اور نعمت ہے مگر اس کے ساتھ ہی نعمت کو نعمت سمجھنا اور عقلاً اس پر فرح مامور بہ ہے، نہ اس حیثیت سے کہ وہ ہماری طرف منسوب ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ منعم کی طرف منسوب ہے۔ والاول محمل قولہ تعالیٰ لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین والثانی محمل قولہ تعالیٰ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا۔

(النور رجب ۱۳۵۸ھ تربیت السالک حصہ دوم ص ۶۲)

رسوخ کے انتظار کی ضرورت نہیں اگر قصد مقاومت میں کامیابی ہو

حال: الحمدللہ۔ علاج کبر سے بہت فائدہ ہے۔

تحقیق: الحمدللہ

حال: تو اب اس کے رسوخ کا انتظار کروں یا اب دوسرے مرض اور علاج کو پیش کروں۔

تحقیق: اگر وقت پر ایسا استحضار ہو جائے کہ مقاومت کا قصد کر لیا جاوے، اور اس قصد میں اکثر کامیابی ہوتی ہو تو رسوخ کا انتظار ضروری نہیں ورنہ اسی حالت مذکور کا انتظار مناسب ہے۔

حال: آج کل معمولات کے شوق اور حضور قلب میں بہت کمی ہے اس لئے دعا کا طالب ہوں۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔ باقی شوق کی کمی پر قلق نہ چاہئے کہ یہ امر غیر اختیاری ہے، اگر طبعی قلق بھی ہو۔ اس عقلی مقدمہ کے استحضار سے اس کے اثر کو ضعیف کر دینا چاہئے، اور حضور قلب کا جو درجہ مکلّف بہ ہے یعنی احضار بالاختیار خواہ حضور کسی درجہ کا بھی اس پر مرتب ہو جاوے اس کی تجدید وقت پر کر لی جاوے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۹)

حصولِ فنا کا طریقہ

صوفیا کے نزدیک فنا کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے ارادات اپنی خواہشیں اور ہوائے نفسانی بالکل ترک کر دے اس واسطے کہ حیات کے آثار میں سے یہی چیزیں تو ہیں حیّ اور غیر حیّ میں صرف یہی فرق ہے کہ حیّ حسّاس متحرک بالارادہ ہے۔ سو جب اپنا ارادہ دوسرے کے تابع کر دیا تو گو لغتہً وہ صاحب ارادہ ہے مگر اس معنیٰ کر کے

غیر متحرک بالارادہ ہے کہ اس کو حرکت جب ہوگی جب دوسرے کا ارادہ دیکھ لے گا۔ تو اب وہ متحرک بالارادہ نہیں رہا مثلاً ہمارا ارادہ دوڑنے کا ہوا۔ سوچا کہ حق تعالیٰ کا ارادہ تشریعیہ ہمارے دوڑنے کے متعلق ہے یا نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارادہ دو قسم کا ہے۔ ایک تشریعیہ دوسرے تکوینیہ۔ تکوینیہ تو وہ ہے کہ اس سے کسی وقت اور کوئی شے خالی نہیں خیر و شر سب اسی کی ایماء سے ہوتا ہے تو اس مرتبہ میں تو کوئی بھی صاحب ارادہ نہیں، مگر اس سے یہاں اس لئے بحث نہیں کہ اس کا تابع ہونا امر اضطراری ہے۔ اختیاری مطلوب و کمال نہیں اور ایک ارادہ تشریعیہ ہے کہ عبد سے اس کے موافق بھی فعل ہو سکتا ہے اور خلاف بھی۔ اس ارادہ تشریعیہ کا اتباع کرنا کمال اور مطلوب ہے، مثلاً ہم نے جس وقت اٹھنے کا ارادہ کیا تو ہم نے شریعت سے پوچھا اور معلوم ہوا کہ ارادہ تشریعیہ اس کے متعلق ہے۔ تب اٹھیں گے۔ اسی طرح کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہا تو شریعت سے پوچھا ھل یجوز ام لا (جائز ہے یا ناجائز) جواب ملا لا یجوز (ناجائز)۔ فوراً آنکھ نیچی کر لی۔ تو جب اپنا ارادہ کیا، مگر اس پر عمل بغیر اجازت کے نہیں ہوا تو وہ متحرک بالارادہ کیا ہوا۔ تو ثابت ہو گیا کہ متحرک بالارادہ نہیں ہے۔ رہا حساس سو غلبۂ اطاعت شریعت سے جس میں ارادہ کا فنا مذکور ہوا ہے۔ جس میں بھی ایک انقلاب ہوتا ہے جس سے حس سابق کالباطل و کالزائل ہو جاتی ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ ہر چند کہ اصل میں اعمال تابع علوم کے ہوتے ہیں لیکن بعد رسوخ ملکہ کے علوم تابع اعمال کے ہو جاتے ہیں یعنی اعمال کے تمرن سے ادراکات میں بھی ایک انقلاب عظیم واقع ہو جاتا ہے مثلاً پہلے نماز پڑھنا مشکل معلوم ہوتا تھا آج آسان معلوم ہوتا ہے تو یہ تفاوت ادراک میں ہوا، اور حس کے اندر تفاوت ہونے کا یہ مطلب ہے یہ نہیں کہ سوئی چبھے اور معلوم نہ ہو، پس ارادہ اور حس دونوں اس طرح سے فنا ہو گئے۔ اس واسطے وہ حساس متحرک بالارادہ نہ رہا پس یہ شخص گو حساً حیّ ہے مگر حکماً میت ہے۔ (وعظ روح الجمعہ دالتج ص ۲۱)

طریق باطن میں اشتباہ و تلبیس

طریق باطن میں اشتباہ اور تلبیس بیحد ہے۔ اخلاق حمیدہ اور اخلاق رذیلہ دونوں دوش بدوش چلتے ہیں۔ ظاہر میں تحدث بالنعمت اور دعوے کی صورت یکساں ہوتی ہے۔ تواضع و ناشکری میں خلط ہے، سیاست اور تحکم کی صورت یکساں ہوتی ہے لطافت اور تن آرائی میں خلط ہے، انتظام اور بخل کی صورت یکساں ہے۔ غیرت غضب ایک صورت سے ظاہر ہوتے ہیں استغناء اور تکبر میں بظاہر فرق نہیں معلوم ہوتا۔ وغیرہ وغیرہ اس لئے بعض دفعہ سالک پریشان ہوکر کہتا ہے ؎

صد ہزار دام و دانہ است اے خدا ما چو مرغانِ حریص بے نوا
دمبدم پا بستۂ دام نویم گر ہمہ شہباز و سیمرغ شویم
میرہانی ہر دمے ما را و باز سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

مگر یہ نہیں ہے کہ واقع میں بھی فرق نہیں۔ یا ایسا دقیق فرق ہے جس کو غور سے بھی نہ سمجھ سکے بلکہ دونوں میں قوی فاصل موجود ہے مگر اس فرق کے ادراک کے لئے اہتمام و فکر کی ضرورت ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہمعناں درمیاں شاں ست برزخ لایبغیان

بحرِ تلخ سے اخلاق رذیلہ مراد ہیں اور بحرِ شیریں سے اخلاق حمیدہ، مولینا فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں ایک فاصل قوی ایسا موجود ہے جس کی وجہ سے ایک کی مجال نہیں کہ دوسرے میں مختلط ہو سکے۔ مگر صاحب واقعہ کو بعض دفعہ اس فاصل کا ادراک نہیں ہوتا۔ اس لئے اس طریق میں خلط و اشتباہ بہت واقع ہو جاتا ہے۔ اور صاحب واقعہ کو بھی یہ اشتباہ قلت اہتمام کی وجہ سے ہوتا ہے اور اہتمام و فکر کے بعد اس کو بھی اشتباہ نہیں ہوتا کیونکہ اہتمام پر حق تعالٰی کا وعدہ ہے۔

رہبری کا چنانچہ ارشاد ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا مجاہدے کی حقیقت اہتمام ہی ہے جس پر حق تعالیٰ خود رہبری کا وعدہ فرمارہے ہیں تو اب ان کی دستگیری کے بعد کون چیز مانع ہوسکتی ہے کوئی نہیں بس یہ مسئلہ تو مسلم ہے کہ اہتمام و مجاہدہ کے بعد خلط نہیں ہوسکتا مگر ہم میں تو اہتمام ہی کی کمی ہے اس لئے ہم کو اخلاق رذیلہ و حمیدہ میں خلط ہو جاتا ہے۔ ہمارا تحدث بالنعمت ریا و عجب سے مخلوط ہماری تواضع ناشکری سے مشتبہ ہمارا استغناء و توکل تکبر سے ملتبس ہے۔ (الاسعاد والابعاد ص۱۱)

کامیابی کے لئے طلب شرط ہے

آدمی کو چاہئے کہ طلب میں مشغول رہے اور کام کئے جائے اور حصول مقصود میں تعجیل نہ کرے۔ ہاں پہلے یہ تحقیق کرلے کہ میں رستہ پر بھی چل رہا ہوں یا نہیں جب یہ معلوم ہو جائے کہ رستہ پر چل رہا ہوں تو بس پھر اطمینان کے ساتھ چلتا رہے کبھی نہ کبھی مقصود تک پہنچ ہی جائے گا، اور اگر راستہ ہی غلط ہے تو جتنا چلے گا اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ اس لئے اس کی تحقیق ضروری ہے اور راستہ پر پڑ جانے کے بعد پھر یہ کوشش نہ کرے کہ وصول جلد ہی ہو جاوے۔ اگر دنیا میں بھی وصول نہ ہوا تو ان شاء اللہ مرنے کے بعد تکمیل ہو جاوے گی۔ ہاں یہ شرط ہے کہ برابر طلب میں لگا رہے دوام طلب کو ہاتھ سے نہ دے اور اگر کبھی کبھی معمول ناغہ ہو جاتا ہو۔ تو اس سے بھی نہ گھبرائے بلکہ ناغہ کے بعد پھر کام میں لگ جائے۔ یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے کہ کبھی ہوا اور کبھی نہ ہوا۔ کبھی کبھی ناغہ ہو جانے کو دوام کے خلاف نہ سمجھو اور اس سے گھبرا کر طلب سے ہمت نہ ہارو۔ دیکھو جو شخص دس مرتبہ روزانہ وظیفہ پڑھتا ہے تو اس وقت سے دوسرے وقت تک کتنے گھنٹے ذکر سے خالی گذر جاتے ہیں یہ بھی تو ناغہ ہے مگر پھر بھی اس

کو دوام کہا جاتا ہے تو اسی طرح ایک صورت دوام کی یہ بھی ہے کہ درمیان میں بجائے گھنٹوں کے ایّام کا ناغہ ہو جائے۔ مولٰننا فرماتے ہیں ؎

دوست دارد دوست این آشفتگی کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

بس بالکل نہ ہونے سے ناغہ کے ساتھ کام میں لگا رہنا بھی مفید ہے۔ پس جس طرح ہو سکے طلب کو نہ چھوڑو انشا اللہ کسی وقت کامیاب ہو جاؤ گے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دم آخر دمے فارغ مباش

تا دم آخر دمے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

وصول جب ہوتا ہے دفعۃً ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک بار خدا کا نام دل سے اس طرح نکلتا ہے جو سالک کو واصل کر دیتا ہے، اس لئے جتنا ہو سکے اس کو بیکار نہ سمجھو چاہے قاعدے سے ہو یا بے قاعدہ ناغہ سے ہو یا بلا ناغہ کرتے رہو۔ اسی طرح ایک دن عنایت ہو جاوے گی۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں ؎

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہنچے وہاں گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

(وعظ زکوٰۃ النفس)

غلامی کے تین حق ہیں

ان میں سے ایک تو اطاعت ہے مگر اطاعت کے وہ معنی نہیں جو محض اہل قشر ظاہر پرست سمجھتے ہیں یعنی محض ضابطہ کی اطاعت بلکہ حقیقی اطاعت ہونا چاہئے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ نوکر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو یورپین مذاق کا ہے کہ کھانا پکا دیا اور چل دیا۔ اگر آقا نے کبھی کہا بھی کہ بھئی ذرا پنکھا بھی جھل دو۔ تو کہا صاحب یہ میرے فرائض میں سے نہیں ہے۔ اور ایک نوکر ایشیائی مذاق کا ہے کہ کھانا بھی پکا دیا

اور کھلا بھی دیا اور پنکھا بھی جھل رہا ہے اور اس سے فارغ ہو کے بیٹھ گیا۔ آقا کے پاؤں دبانے لگا آپ کہتے بھی ہیں کہ بس بھائی جاؤ یہ کام تمہارے ذمے نہیں ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں گو ذمہ نہ ہو مگر مجھے تو آپ کی خدمت سے راحت ہوتی ہے۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ آپ زیادہ کس نوکر کی قدر کریں گے۔ اسی طرح خدا کے بندے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہوں نے وقت پر اطاعت کر لی پھر کچھ بھی مطلب نہیں رہا۔ نہ خدا سے محبت ہے نہ ادب ہے، کوئی گناہ صغیرہ ہو گیا تو کہتے ہیں یہ تو صغیرہ ہے، اور نماز روزے کے بعد چلتے پھرتے نظر آئے۔ نہ خدا کی یاد ہے نہ اشتیاق ہے۔ یہ ویسی اطاعت ہے جیسے یورپین مذاق کے نوکر آپ کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ آپ اس نوکر سے منقبض کیوں ہوتے ہیں جو کھانا پکا کر چل دیتا ہے اور تھوڑی دیر پنکھا بھی نہیں جھلتا اسی لئے تو کہ اتنے احسانات کے بعد بھی مجھے قلبی تعلق نہیں ہوا کہ ٹکا سا جواب دیدیا تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے نوکر سے دو حقوق کے طالب ہیں ایک خدمت، دوسرا تعلق قلبی۔ تو کیا خدا کا حق اتنا بھی آپ پر نہیں جتنا آپ اپنا حق نوکر پر سمجھتے ہیں۔

(اسرار العبادات ص۳۶)

ہمیں یہ حقوق سمجھ کر فرائض کے علاوہ اور بھی کچھ کرنا چاہیئے۔ چہ جائیکہ جن کاموں کو ضابطہ میں اور فہرست میں لکھدیا ہو ان کو تو سب سے پہلے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حق تعالےٰ سے محبت کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا یہ تو ضابطے ہی میں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں تک فرماتے ہیں، لا یومن احدکم حتٰی اکون احب الیہ من مالہ وولدہ والناس اجمعین اور فرماتے ہیں من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما یعنی جب تک میں ہر ایک کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ مال سے بھی اولاد سے بھی اور تمام لوگوں سے بھی، اس وقت

تک تم میں کوئی مومن نہ ہوگا اور ایسا ہی درجہ محبت کا اللہ تعالے کے ساتھ بھی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی۔ تو نری محبت کافی نہ ہوئی۔ بلکہ سب محبتوں سے بڑھ کر یہ محبت فرض ہوئی۔ یہ دوسرا حق ہے منجملہ تین حقوق کے اور تیسرا حق ادب اور تعظیم ہے۔ چنانچہ حق تعالے نے اپنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو بھی فرض فرمایا ہے لتومنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ۔ مرجع ان ضمائر کا واحد ہے۔ الغرض خدا و رسول دونوں کا یہی ایک حق فرض ہوا۔ یعنی ادب و تعظیم اور اس مضمون سے تمام حدیثیں بھری ہوئی ہیں بلکہ غور کیجئے تو خود اسی آیت میں بھی ان حقوق کا ذکر ہے۔ کیونکہ اطاعت تو اس کا مرادف ہی ہے۔ اب اس کی حقیقت دیکھو کیا ہے۔ سو اطاعت ماخوذ ہے طوع سے اور طوع کے معنی ہیں خوشی سو اطاعت کے معنی ہوئے خوشی سے کہنا ماننا اور یہ بدون محبت و عظمت کے عادتاً ممکن نہیں۔ پس اطاعت کے ضمن میں محبت اور عظمت بھی فرض ہوگئی (ایضاً صہ ۳۵)

اپنے دل میں حق تعالے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرلو اور عظمت حاصل کرلو۔ یہ دافع شبہات ماضیہ ہونے کے ساتھ قاطع شبہات مستقبلہ بھی ہے کیونکہ محبت یا عظمت کے بعد محبوب اور معظم کے کسی حکم میں شبہ ہی پیدا نہیں ہوتا (خیر الحیات و خیر الممات صہ ۱۷۔ اشرف المسائل صہ ۱۳۳)

عبادت میں غلو منع ہے

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی راتوں کو سوتے نہ تھے اور دن میں کھاتے نہ تھے۔ رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے، تو حضور نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ ان لنفسک علیک حقاً ولعینک حقاً ولاھلک علیک

حقاً قم و نم و صم و افطر ھذا من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی (تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ رات کو کچھ وقت نماز میں کھڑے ہو کر سو رہو۔ دن میں کبھی روزہ رکھو اور کبھی بے روزہ رہو۔ یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے وہ مجھ سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا) اگر مشقت میں ہر حالت میں فضیلت و ثواب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو مشقت سے کیوں منع فرمایا۔ ظاہر میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضور نے ان صحابی کو تکثیر عمل سے منع فرمایا یہ غلط ہے بلکہ آپ نے تقلیل عمل سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس تکثیر کا انجام تقلیل ہی ہے۔ تکثیر عمل کا یہ طریقہ ہے کہ عمل مواظبت و مداومت کے ساتھ کیا جائے حدیث میں ہے خیر العمل ما دیم علیہ وان قل (بہتر عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے اگرچہ تھوڑا ہو) اور اعتدال ہی میں نباہ ہو سکتا ہے۔ اپنے کو مشقت میں ڈال کر ہم نباہ نہیں کر سکتے۔ صاحبو! اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتدال کو نہ سمجھ سکو تو جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین ہیں ان ہی کے اعتدال کا اتباع کرو انشاء اللہ سوائے اصل نفل کے اور زیادہ فرق نہ ہوگا بس خواہ مخواہ اپنے کو مشقت میں نہ ڈالو کیونکہ ہر مشقت مجاہدہ اور ثواب نہیں ہے۔ (اشرف المسائل)

قبض شدید مقام عبدیت کے حصول کا بہت بڑا معین ہے

اصطلاح صوفیاء میں ابتلائے شدید کو ہیبت سے تعبیر کرتے ہیں جو قبض کی اعلیٰ ترین قسم ہے جس کا طریان کاملین ہی پر ہوتا ہے ایسے شدید قبض میں ثابت قدم رہنے کے بعد سالک بعون اللہ تعالیٰ مقام عبدیت میں (جو اعلیٰ ترین مقام سلوک ہے) نہایت متمکن اور راسخ القدم ہو جاتا ہے کیونکہ متصرف حقیقی کے تصرفات عظیمہ کو خود اپنے اندر مشاہدہ کر لینے کے بعد اس کو اپنا ہیچ در ہیچ اور لاشئے محض ہونا روز روشن کی طرح مشاہد ہو جاتا ہے اور اس

شاہدہ عجز کی بدولت وہ بفضلہٖ تعالیٰ نزول کامل سے (جو ترقیات باطنہ کی انتہائی منزل ہے)
مشرف و ممتاز اور سربلند و سرفراز ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ تغیرات احوال قلب کا اس کو خوب
اچھی طرح اور ذاتی طور پر تجربہ ہو چکا ہوتا ہے اس لئے عدم غلبۂ ہیبت کی حالت
میں بھی وہ عظمت و جلال خداوندی اور شوکت و ہیبت قضا و قدر الٰہی سے ہمیشہ
ترساں و لرزاں ہی رہتا ہے اور اچھی سے اچھی باطنی حالت کو بھی اپنے اندر محسوس
کرتے ہوتے اس کو کبھی عجب و ناز کا واہمہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ بر بنائے تجربہ سابق
وہ اس حالت کو حدوثاً محض موہبت خدا اور بقاءً ہر وقت زیر تصرف رب العلام
یقین کئے ہوئے ہوتا ہے۔ غرض استحضار عظمت حق اس کا حال دائمی اور غایت
ادب و احترام حضرت ذوالجلال والاکرام اس کا اقتضائے طبعی اور
تفویض کامل وفنائے تام شعار زندگی ہو جاتا ہے یا بطور حاصل یوں کہئے
کہ عبدیت محضہ اس کی صفت لازمہ اور بندگی و سرافگندگی اس
کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

(انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

سُلطان الاذکار

جب ذکر کرنے والا ذکر میں ایسا کمال حاصل کرے کہ اس کی قلبی حرکت کا
احساس اس کے دل کی زبان سے ہو سکے تو وہ حرکت قلبی تمام جسم میں پھیل جاتی ہے
اور اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ پہلے کوئی عضو ایسی حرکت کرنے لگتا ہے کہ جو قلب کے
لئے مخصوص ہے اور اس کے بعد کبھی کبھی ہاتھ اور پاؤں۔ کبھی سر بلا تحریک حرکت کرنے
لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کو تمام دنیا متحرک نظر آنے لگتی ہے۔ ذکر کا نور جب حرکت
کرتا ہے تو تمام جسم میں پھیل جاتا ہے اور تھوڑی مدت میں تمام جسم کو گھیر لیتا ہے اور اس

ذکر کی وجہ سے اس پر مختلف انکشافات ہوتے ہیں اور عجیب عجیب قسم کے واقعات رونما ہوتے ہیں وہ کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے اور کبھی متحیر اور پریشان ہو جاتا ہے۔

ذاکر کو چاہیئے کہ ایسی حالت میں کسی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ ذکر و فکر میں مشغول رہے اگر اللہ تعالےٰ کا فضل شامل ہوا تو کبھی اپنے تمام جسم کو ذاکر پائے گا اور تمام اعضاؑ قلب کے ہمسر ہو جائیں گے۔ اس ذکر میں ذاکر تمام اعضاء کا ذکر سنتا ہے۔

ایک فرقہ کا یہ خیال ہے کہ ذکر کی کثرت کی صورت میں ذاکر خود اور دوسرے بھی ذکر کی آواز سنتے ہیں۔ یہ بات بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے کیونکہ ہر ذاکر بھی ذکر کی آواز نہیں سن سکتا بلکہ اسی ذاکر میں سننے کی طاقت ہے جو سالک ہو۔ اس ذکر کو اصطلاح میں سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ (ضیاء القلوب)

البیعۃ فی حد البیعۃ

سوال: جو لوگ کہ پیری مریدی کو فرض عین بتاتے ہیں اور آیت وابتغوا الیہ الوسیلۃ کو پیش کرتے ہیں آیا پیری مریدی کا اصل کیا ہے فرض عین ہے یا کہ واجب ہے یا کہ سنت موکدہ ہے یا کہ مستحب ہے اور جو لوگ آیت مذکور کو پیش کر کے فرض عین اور واجب بتاتے ہیں ان پر شرعاً کیا حکم ہے۔

تحقیق: بیعت کی ایک حقیقت ہے ایک صورت حقیقت اس کی ایک عقد ہے درمیان مرشد و مسترشد کے۔ مرشد کی طرف سے تعلیم کا اور مسترشد کی طرف سے اتباع کا۔ پھر اگر مرشد اور مسترشد کے درمیان نبی اور امتی کا تعلق ہے تو نبی کی طرف سے تبلیغ اور امتی کی طرف سے ایمان جس میں سب احکام کا التزام ہے۔ اس حقیقت کی تحقیق کے لئے کافی ہے اور یہی محل ہے اس قول کا اگر ثابت ہو، من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان۔ مگر کوئی مسلمان اس کا مصداق نہیں اور یہ بیعت

فرض ہے اور اس کے بعد بھی اگر کسی خاص حکم کا یا احکام کا عہد لیا جا دے وہ
اس عہد مذکور کی تجدید ہے۔ کما فی حدیث عبادہ بن الصامت قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحولہ عصابۃ من اصحابہ بایعونی
الیٰ قولہ فبایعناہ علیٰ ذٰلک متفق علیہ (مشکوٰۃ کتاب الایمان) اور
اگر مرشد و مسترشد دونوں امتی ہیں جیسا عہد نبوت کے بعد اور یہی وہ بیعت
ہے جس کا لقب اس وقت پیری مریدی ہے تو وہ بھی مثل صورت ثانیہ
کے تقویت ہے عہد اسلامی کی اور یہ اتباع ہے اس سنت کا جس کو اوپر
بتجدید عہد کہا گیا ہے اور چونکہ اس کے فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ ہونے
کی کوئی دلیل نہیں بلکہ حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی حیثیت سے
منقول ہے لہذا یہ بیعت مستحب ہو گی اور جس نے اس کے فرض یا واجب ہونے
پر آیت مذکور سے استدلال کیا ہے محض بے دلیل اور تفسیر بالرائے ہے۔ صحیح
تفسیر وابتغوا الیہ القرب بالطاعات ہے۔ اسی طرح جب
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر مداومت ثابت نہیں ہزاروں مومن اس
خاص طریقے پر اس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں ہوتے
اس لئے اس کو سنت موکدہ بھی نہیں کہیں گے۔ یہ سب تفصیل اس کی حقیقت میں
ہے اور ایک اس کی صورت ہے یعنی معاہدے کے وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا
یا کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دے دینا تو یہ عمل مباح ہے لیکن مامور بہ کے کسی درجہ میں
نہیں حتیٰ کہ اس کے استحباب کا بھی حکم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے جو منقول ہے وہ بطور عبادت اور دین کے نہیں بلکہ بطور عادت کے ہے
کیونکہ عرب میں معاہدے کے وقت یہ رسم تھی۔ چنانچہ اسی عادت کی بنا پر
اس کو صفقہ بھی کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ یہ بیعت معتادہ صوفیہ حقیقت کے

اعتبار سے مستحب سے زیادہ نہیں اور اس کی خاص ہیئت مباح سے زیادہ نہیں لہٰذا اس کا درجہ علماً یا عملاً بڑھانا مثلاً اس کو شرط نجات قرار دینا یا تارک پر طعن کرنا یہ سب غلو فی الدین اور اعتداء حدود ہے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر بھی بطریق متعارف کسی سے بیعت نہ ہو اور خود علم دین حاصل کر کے یا علماء سے تحقیق کر کے اخلاص کے ساتھ احکام پر عمل کرتا رہے وہ ناجی اور مقبول اور مقرب ہے، البتہ تجربہ سے یہ کلیاً یا اکثریتاً مشاہد ہو گیا ہے کہ جو درجہ عمل اور اصلاح کا مطلوب ہے وہ بدون اتباع و تربیت کسی کامل بزرگ کے بلاخطر اطمینان کے ساتھ عادتاً حاصل نہیں ہوتا۔ مگر اس اتباع کے لئے بھی صرف التزام کافی ہے، بیعت متعارف شرط نہیں ولیکن ہذا آخر الکلام واللہ اعلم (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

سب مصائب گناہ کا نتیجہ نہیں ہوتے

حال :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل تیسرے پہر ایک عریضہ ارسال خدمت ہو چکا ہے جواب کے لئے لفافہ نہیں رکھا تھا امید تھی کہ دو چار دن میں پاؤں سفر کے لائق ہو جائے گا کہ مغرب کے بعد ہی پھر چوٹ میں چوٹ لگی۔ یہ چوتھا پانچواں چکر ہے جس دن سامان سفر باندھا دوسرے ہی دن ایک ہی جگہ دو چوٹیں پیہم کھائیں پھر تین دن بعد تاریخ سفر کی تو پھر روانگی سے ایک دن قبل ہی اس چوٹ پر چوٹ کھائی۔ اب تاریخ غیر متعین تھی لیکن ارادہ بہ حال جلد از جلد تھا کہ گذشتہ مغرب کے بعد اتنی سخت چوٹ لگی کہ قریباً پہلی حالت عود کر آئی۔ پہلے دین و دنیا کے ارادوں کی طرح حضرت کی خدمت میں حاضری کا ارادہ بھی پورا ہو جاتا تھا۔ اب غالباً یہ تیسرا موقع ہے کہ جب ذرا طویل حاضری کی نیت کی تو کچھ نہ کچھ اس قسم کی صورت پیدا ہوئی۔ اس مرتبہ پہلے

سب گھر کے ساتھ حاضری کا تہیہ کیا، اس میں خلل پڑا۔ پرواہ نہ کی۔ پھر خیال ہوا کہ کوئی ملازم ساتھ ہو تو اچھا ہے وہ بھی نہ ملا۔ اچھا نہ ملے تنہا جاؤں گا۔ تو اب پتہ چلا کہ جن پیروں سے جانے کا دعویٰ تھا وہ بھی اپنے کب ہیں۔ دل تو اس کے بعد بھی حاضری کے لئے بیتاب ہے لیکن اب کس زبان سے کچھ عرض کروں۔ حضرت اتفاق تو کوئی چیز نہیں پھر یہ کیا ہے؟ بار کھاتا جاتا ہوں لیکن نہ دماغ سوچنا چھوڑتا ہے نہ دل ارادہ کرنا۔ اب یہ خیال مسلط ہے کہ ساری سزا کذب و جاہ کی ہے۔ گھر بنانے کی خواہش ہوئی تو کوٹھی بنائی اس کی ایسی سزا ملی کہ اب کوٹھڑی کی تمنا ہے۔ مصنف بننے کا شوق ہوا تو اس میں مقام لعنیا نہ کی نمائش تھی۔ یہ سودا سر سے نکلا، دین کی راہ میں بظاہر قدم رکھا تو اس میں نظر نیچے نہیں پڑتی۔ یہ تو وہی نفس دانا معلوم ہوتا ہے جس نے محض بھیس بدل لیا ہے

والسلام مع الاکرام

تحقیق: پہلے خط کا جواب بھی لکھ کر رکھ لیا تھا کہ آنے کے وقت دیدوں گا، اس میں یہ دوسرا خط آ گیا جس پر بے ساختہ حدیث نعم العدلان ونعم العلاوۃ یاد آ گئی اور گو وہ حدیث قول مشہور پر تعدد بلاء کے ساتھ مقید نہیں۔ ہر بلاء پر یہ تعدد آلاء موعود ہے مگر مطلق تعدد کے علاقہ سے یاد آ گئی۔ یہ حدیث تو حافظے میں تھی پھر اس کے ساتھ اس باب میں مواعید کے نصوص مناسب حال کتب حدیث دیکھ کر لکھنے کو جی چاہا چنانچہ نمونے کے طور پر منقول ہیں۔ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ اتیتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یوعك فمسسته بیدی فقلت انك توعك وعکا شدیدا قال اجل انّی اوعك کما یوعك الرجلان منکم قلت ذلك بان لك اجرین قال اجل (للشیخین) وعن انس رفعه ان عظم الجزاء مع عظم البلاء وان اللہ تعالیٰ اذا احب قوما ابتلاھم فمن رضی فله الرضا ومن سخط فله السخط (للترمذی) عن محمد بن

خالد السلمی عن ابیہ عن جدہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان العبد اذا سبقت لہ من اللہ تعالٰی منزلۃ لم یبلغہا ابتلاہ اللہ فی جسدہ او فی مالہ او فی ولدہ ثم صبرہ علی ذلک حتی یبلغہ المنزلۃ التی سبقت لہ من اللہ تعالٰی (لابی داؤد) عن مصعب ابن سعد عن ابیہ قلت یا رسول اللہ ای الناس اشد بلاء قال الانبیاء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علی حسب دینہ فان کان فی دینہ صلبا اشتد بلاءہٗ الحدیث (للترمذی) عن عمرو بن مرۃ قال ان مما انزل اللہ تعالٰی لیبتلی العبد وھو یحب یسمع تضرعہ (للاوسط بلین) کلہا من جمع الفوائد۔ مگر یہ سب عقل کا فتوٰی ہے باقی طبیعت پر جو طبعی اثر ہوا اور آپ پر بھی ہونا مستبعد نہیں وہ یہ ہے۔

ارق علی ارق ومثلی یارق وجوی یزید وعبرۃ تترقرق

اور یہ طبعی اثر بھی بیکار نہیں اس عقلی فتوے کی جو بنا ہے صبر و تفویض وہ اسی طبعی اثر کا ثمرہ ہے کیونکہ یہ موقوف ہے الم اور وجع پر نیز دعا بھی اسی کا اثر ہے چنانچہ میں دل سے آپ کی صحت و قوت و تیسر ملاقات کی دعا کرتا رہوں اور آپ بھی دعا میں کمی نہ کیجئے باقی یہ احتمال کہ یہ کسی گناہ کی پاداش ہے یہ بھی ایمان ہی سے بواسطہ خشیت ناشی ہے جس کا مقتضٰی یہ ہے کہ دعا کے ساتھ استغفار کی بھی کثرت کی جاوے پھر تو یہ سب نورٌ علٰی نور کا مصداق ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۹۹)

تکالیف کا تحمل نہ ہونا ضعفِ ایمان کی دلیل نہیں

حال: حضرت بیمار۔ آزار۔ دنیا میں کون نہیں ہوتا۔ اپنے جاننے والوں میں بہتوں کا حال اپنے سے بدتر پاتا ہوں۔

تحقیق: یہ اعتقاد اور اس کا استحضار ایک مراقبہ ہے جو ایک نعمت ہے۔

حال: پھر ایسے کتنے ہوتے ہیں جن کو معمولی تدبیر و علاج تک کی مقدرت نہیں ہوتی۔

تحقیق: یہ دوسرا مراقبہ ہے جو دوسری نعمت ہے۔

حال: ساتھ ہی یہ بھی ایمان ہے کہ مومن کے کانٹا چبھنا بھی ضائع نہیں جاتا۔

تحقیق: یہ ایک تیسرا مراقبہ ان دونوں سے اعظم ہے، ان مراقبات کے عطا ہونے ہوئے اگر تحمل میں جس کا ذکر آگے فرمایا گیا ہے کچھ نقصان بلکہ بالکلیہ فقدان بھی ہو مضر نہیں یہ مجموعہ اس نقص کا کافی تدارک ہے بخصوص جبکہ یہ مراقبات اعمال اختیاریہ ہوں اور وہ نقص طبعی و اضطراری ہو۔

حال: مگر خدا جانے حضرت میری کمزوری و بزدلی کس حد تک پہنچ گئی ہے کہ جسمانی تکلیف کا تحمل روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ شاید سالہا سال کے سلسلۂ علالت نے تمام ہمت کر دیا ہے ادھر الحمد للہ کہ دو سال سے بہت اچھا تھا خصوصًا دمہ کے دوروں سے بالکل ہی محفوظ رہا اور طبیعت میں ذرا نشاط رہنے لگا تھا کہ اس بار کے حادثے کے بعد اب کچھ دمہ کے آثار بھی پھر عود کر رہے ہیں جس سے اور دل خوف زدہ ہو رہا ہے۔ کاش ایمان ہی اتنا قوی ہوتا کہ صبر و رضا ہی کا اجر حاصل کر سکتا مگر اُلٹے کبھی کبھی شکایت کے وساوس آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم و مغفرت فرمادے۔

تحقیق: کیا خدا ناکردہ یہ ضعف تحمل ایمان کے قوی نہ ہونے کی علامت ہے۔ اس وقت ایک حدیث ترمذی کی بے ساختہ ذہن میں آگئی جس کو جمع الفوائد فضل الشہادۃ والشہداء سے نقل کرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کی ایک تقسیم فرمائی ہے اس میں قسم ثانی کے باب میں ارشاد ہے قال ورجل جید الایمان لقی العدو فکانما ضرب جلدہ بشوك طلح من الجبن اتاہ سہم غرب فقتلہ الحدیث۔ اس میں جودت ایمان اور جبن کو مجتمع فرمایا ہے جس میں صاف دلالت ہے کہ عدم تحمل اور قوت ایمان جمع ہو سکتا ہے البتہ اس قسم کے شہید کو درجۂ ثانیہ میں اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس سے فعل اختیاری یعنی قتال کا بوجہ جبن کے صدور نہیں ہوا اور جہاں فعل اختیاری کا صدور بھی ہو وہاں درجہ بھی کم نہ ہوگا۔ سو یہ آپ کے اختیار میں ہے الحمد للہ اس اختیار سے کام بھی لیا جا رہا ہے یعنی معترضانہ شکایت کا ارتکاب نہیں کیا جاتا اور خود عاجزانہ شکایت بھی خلاف قوت ایمان نہیں۔ کما قال یعقوب علیہ السلام انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ بعد قولہ یا اسفٰی علیٰ یوسف اور وسوسہ تو کوئی معتد بہ وجود ہی نہیں رکھتا۔ فزال بحمد للہ کل اشکال۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص۔۔)

حصول خشوع کے لئے اہتمام میں غلو تکلیف مالایطاق ہے

حال : تراویح میں قرآن شریف سنانے میں خشوع وخضوع نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ ہر رکعت کو جب کھڑا ہوتا ہوں تو خیال کرتا ہوں کہ جناب حق تعالٰے کی طرف مجز دنیا نکیساتھ توجہ رکھوں گا مگر جب قرآن شریف شروع کرتا ہوں تو اس خیال میں ذاءت ختم ہو جاتی ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں اور رکوع وسجود میں بہت افسوس ہوتا ہے۔ حضرت والا دعا فرمادیں کہ میری یہ تمنا پوری ہو اور اگر ان کو یہی منظور ہے تو اس میں خوش ہوں۔

تحقیق : خشوع سکون کا نام ہے اور یہ خیال کہ کہیں بھول نہ جاؤں حرکت ہے جو سکون کی ضد ہے اور کوئی شے اپنی ضد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی اور یہ خیال طبعاً لازم ہے اس لئے حصول خشوع اس حالت میں عادتاً متعذر ہے تو اس کا اہتمام ہی تکلیف مالایطاق ہے لیکن یہ خشوع نہ ہونا مضر اور قابلِ افسوس اس لئے نہیں کہ جو مقصود ہے خشوع سے کہ غیر مقصود کی طرف توجہ نہ ہو وہ حاصل ہے پس گویا خشوع اگر صورتاً نہیں مگر معناً حاصل ہے کیونکہ یہ خیال تکمیل ہے، طاعت کی اور طاعت مقصود ہے پس یہ توجہ الی المقصود ہے چنانچہ بعض احادیث فضل خشوع میں لم یحدث فیہما نفسہ بشیئٍ من الدنیا اور بعض میں اِلَّا بِخَیرٍ وارد ہے اس کی توضیح رسالہ تشرف اول کتاب الصلوٰۃ میں قابل مطالعہ ہے۔ ہاں طبعاً ناگواری یہ نظر ہے استغفار عن الغین کی۔

تذکیر نعمت : یہ تحقیق منجملہ فن عظیمہ الٰہیہ ہے جس میں کسب کا دخل نہیں اس کی بے قدری نہ کی جاوے میں بھی اسی میں مبتلا تھا حق تعالٰے نے حقیقت منکشف فرمائی آگے اپنی ہمت ہے۔ فقط (النور ص ۵۳۴ - تربیت السالک ص ۲۱۲)

عِلم ذات کا داعیہ علم ایمان ہے اور اُس کی تمنا عین مطلوب ہے

حال۔ والانامہ نے لکھنؤ میں سعادت بخشی تھی جس سے متعارف اسم ذات کے ذکر کے منصوص ہونے کا شبہ رفع ہو گیا۔

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اس سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کی تھی کہ عرصہ سے کچھ علم ذات کا داعیہ بڑھ گیا ہے، رویت تو اس عالم میں ہے ہی نہیں۔ پھر کیا کسی اور طرح کسی درجہ میں ایمان کے علاوہ ذات کا کوئی علم اس زندگی میں نصیب ہو سکتا ہے۔

تحقیق: وہ علم ایمان ہی ہے اُس علم میں ترقی اور قوتِ ایمان ہی کی قوت اور ترقی ہے اُسی کے مراتب کے تفاوت سے عوام اور خواص اور راخص الخواص کے ایمان میں تفاوت ہوتا ہے۔ اسی قوت کو نصوص میں ازدیادِ ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان ہی مراتب کا نام علم الیقین وعینُ الیقین وحقّ الیقین ہے۔

حال: اور اس قسم کے داعیہ کا غلبہ کچھ مضر تو نہیں۔

تحقیق: بعد وضوح حقیقت کے اس کا سوال اس کی تمنا عین مطلوب ہے۔

حال: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لذۃ النظر الی وجھك اور شوقا الی لقاءك کا جو سوال فرمایا تو اس کا مطلب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں صرف شوق لقا حاصل ہو سکتا ہے اور نظر الی الوجہ تو حاصل ہی ہے۔ مطلوب صرف لذۃ النظر ہے

تحقیق: ماشاء اللہ خوب صحیح دلالت سمجھ میں آئی۔ اس کے قبل میرا ذہن بھی اس تفسیر کے ساتھ اس طرف گیا تھا۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ علی ھذا التنبیہ۔

حال: لیکن حضرت اپنے اندر شوق لقا تو کسی درجہ میں پاتا ہوں جس کو داعیہ علم ذات سے اوپر تعبیر کیا ہے لیکن اینما تولوا فثم وجہ اللہ کی صریح نص کے باوجود

جب چاہتا ہوں کہ نظر الی الوجہ میں کچھ ذوق ولذت پیدا ہو تو بالکل نہیں پیدا ہوتی بلکہ ایسی چیزیں جو طبعاً مکروہ ہوتی ہیں ان پر وجہ اللہ کے اعتبار سے نظر کرنے میں طبیعت رُکتی ہے۔

تحقیق: غالباً آپ کے نزدیک وجہ کی تفسیر کا حاصل مظاہر و مناظر ہیں تو اس کے لئے دلیل کی حاجت ہے۔ ولا دلیل۔ سلف سے دو تفسیریں منقول ہیں۔ ایک جہت یعنی قبلہ اور اضافت الی اللہ باعتبار رضا کے ہے یعنی تم جس مکان میں ہو کر بھی تولی الی الکعبہ کرو وہ جہت مرضی حق ہے۔ دوسری تفسیر وجہ سے مراد ذات کما فی قولہ تعالیٰ کل شیئ ھالك الا وجھہ ای ذاتہ پھر ذات سے مراد علم کما یدل علیہ ما بعدہ۔ ان اللہ واسع علیم اور مناظر و مظاہر کے ساتھ تفسیر یہ ذوقی وتصوفی اشارہ کے درجہ میں ہو سکتی ہے جس کا حاصل تفسیر الوجہ بالذات باعتبار تجلیہ فی المظاھر ہے روح المعانی میں اس کو باب اشارہ میں اس عبارت سے ذکر بھی کیا ہے فای جھۃ یتوجہ المرء من الظاھر والباطن فثم وجہ اللہ المتجلی بالہاء ۱۲ بجمیع الصفات المتجلی بما شاء منزھا عن الجہات وقد قال قائل القوم

ع وما الوجہ الا واحد غیر انہ اذا انت عددت المرایا تعددا
بالجیم ۱۲

اب سوال مذکور فی المکتوب اس پر مبنی ہوگا جس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ تفسیر غیر ثابت ہے پس حدیث میں اس کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ بر تقدیر تسلیم مناظر و مظاہر کی طرف نظر کرنا بھی موجب لذت ہے، گو ذاتِ مظہر کے اعتبار سے موجب لذت نہیں لیکن باعتبار اس کی مظہریت کے موجب لذت ہے، مگر یہ اس وقت موجب لذت ہے جب اس نسبت کے استحضار اور ذات کی محبت کا غلبہ طبعی ہو جائے پھر مناظر و مظاہر سب اس لذت کے اسباب ہو جاویں گے بلا تفاوت بین الحسن و

غیرالحسن جیسے محبوب کا میلا کپڑا پہلے مکروہ معلوم ہوتا ہے مگر جب اس تلبس کا علم ہوگیا اس میں لذّت پیدا ہوگئی خصوص حالت لبس فقہاء نے اس کے احساس کے بعد یہ فتویٰ دیا النظر الی ملاءۃ الاجنبیۃ حرام اور اگر اس تفسیر کو تکلف سمجھا جاوے اور حدیث میں تفسیر منقول عن العلماء لی جاوے یعنی نظر سے مراد علم فی الدنیا کا درجہ۔ تو اس وقت آپ کا سوال بالاستقلال اس طرح متوجہ ہوگا کہ علم میں بھی تو لذّت نہیں پائی جاتی۔ اس کا جواب اس طرح ہوگا کہ نفس لذّت کی نفی کا حکم عدم تامل کے سبب سے ہے ورنہ حق تعالےٰ کی یاد میں کہ علم کی ایک فرد ہے کس مومن کو لطف نہیں آتا خصوص جب اس کے صفات و کمالات کا تذکرہ بھی ہو کہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا اور اگر اس نفی کے حکم کو صحیح بھی مان لیا جاوے تب بھی کوئی محذور نہیں نہ نقص ایمان کا شبہ ہو سکتا ہے۔ ایک کمال کی کمی ہے جس کے لئے سوال کی تعلیم فرمادی گئی ہے۔ جب اور جتنی نصیب ہو جاوے۔

(النور۔ رمضان ۱۳۵۵ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص۶۸)

تشبیہ اور تنزیہہ میں فرق

حال: صوفیانہ تفسیر یا اعتبار سے کچھ بالطبع ذوق معلوم ہوتا ہے اکثر حضرات صوفیاء کے اعتبارات وارشادات دل پر اُتر جاتے ہیں۔ وجہ سے یہ حضرات شاید ظاہر وجود مراد لیتے ہیں اور سارے خارجی مظاہر اسی ظاہری وجود کے مظاہر ہیں اس لئے جی چاہتا تھا کہ جب اللہ تعالےٰ اسی اعتبار سے گویا سامنے ہی موجود ہیں تو کیوں نہ اسی راہ سے حضوری حاصل کرنے کی کوشش کی جاتے۔ کہ اسی سے کچھ نسبت ومحبت نصیب ہو سکے۔ آنا کو یہ حضرات باطن وجود کہتے ہیں اور اسی سے قرب واقربیت وغیرہ کی تشریح کرتے ہیں۔ دل کو تو وہ بات بھی نہیں لگتی مگر اس میں ایک ہیبت معلوم ہوتی ہے اور بہت خطرے کی چیز بھی معلوم ہوتی ہے۔ گو

الحمد للہ کہ جہاں تک عبد و رب کی غیریت کا تعلق ہے اس میں کبھی وسوسہ نہیں ہوتا مگر حضرت اس میں شک نہیں کہ صحابہؓ کی اور سیدھی راہ رہی محبت وا یمان کی معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق: جو چیز ذوقاً زیادہ دلچسپ معلوم ہوتی ہے وہ تشبیہ کا رنگ ہے اور ظواہر نصوص اور صحابہؓ کا مسلک تنزیہہ کا غلبہ ہے۔ اول بیحد خطرناک ہے، اور بعض اوقات بہت سے مفاسد کو آغوش میں لے لیتا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لذت بھی باقی نہیں رہتی۔ پھر تنزیہہ کی طرف آکر گذشتہ حالت پر متاسف ہوتا ہے اور ثانی بے خطر اور ثابت یعنی اسلم بھی اَدوم بھی، اور جن نصوص سے تشبیہ کا ایہام ہوتا ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ابہام کا اعتقاد ہے پس ایہام بالتحتانیہ کا علاج ابہام بالموحدہ ہے۔

حال: جی یہ کہتا ہے کہ حضرت دعا فرمائیں تو ان شاء اللہ اس نعمت سے محروم نہ رہوں گا اپنی دعا بھی ان شاء اللہ مرتے دم تک جاری رہے گی۔

تحقیق: دُعا کا وظیفہ عبد کا فرض اصلی ہے مگر مع اس کے انضمام کے خواہ ذِکراً خواہ فکراً اللھم خولی و اخترلی (تربیت السالک حصہ دوم ص۴)

تشبیہ کا مسلک بیحد خطرناک ہے بخلاف تنزیہہ کے ولیکن تنزیہہ محض بھی تشفی بخش نہیں۔ اس کے متعلق تحقیق عجیب!

سوال: مخدوم محترم ادام اللہ فیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگرچہ حضرت نے محض اپنی شفقت سے اجازت دے رکھی ہے کہ جو کچھ بھی چاہوں بے تکلف خدمت میں عرض کر سکتا ہوں تاہم ایک امر کا عرصہ سے شدید غلبہ اور خیال ہونے کے باوجود عرض کرنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ اس مرتبہ عریضہ میں غیر معمولی تاخیر کی بھی ایک وجہ یہی رہی کہ ایک

طرف طبیعت کا تقاضا تھا کہ اب کھل کے عرض ہی کر ڈالوں اور دوسری طرف ہمت کا برابر تقدم و تاخر لیکن گذشتہ عریضہ اور اس کے جواب گرامی میں چونکہ ایک حد تک راہ کھل چکی ہے اس لئے اب اس خلش کو پیش ہی کر دیتا ہوں۔

حضرت نے یہ بالکل ہی بجا ارشاد فرمایا کہ تشبیہ کا مسلک بیحد خطرناک ہے اور خود میرا بھی مدت تک اصلی مذاق و رحجان تنزیہہ ہی کا رہا لیکن اب عرصہ سے تنزیہہ محض سے بالکل تشفی نہیں ہو رہی ہے اور کسی طرح نہ دل اس کو قبول کرنا چاہتا ہے نہ دماغ۔ کہ حق و خلق میں وجوداً دوئی بُعد یا انفصال ہو سکتا ہے لیکن با ایں ہمہ الحمدللہ دوسری طرف یہ بھی قطعاً غلط نا قابل فہم بلکہ سفاہت پاتا ہوں کہ کسی طرح بھی عبد معاذ اللہ رب یا رب عبد ہو سکے۔ اور وحدت وجود کے ساتھ کثرت موجودات میں کوئی قباحت ہی نہیں یا بلکہ یہی عقل و نقل سب کے موافق معلوم ہوتا ہے۔ اقربیت و معیت وغیرہ کے تمام اعتبارات کے باوصف غیریت اتنی اٹل معلوم ہوتی ہے کہ عینیت کے مفسدہ کا الحمدللہ کبھی خطرہ و احتمال تک قلب پر نہیں آتا بلکہ ایک لحاظ سے غلبہ تنزیہہ و تسبیح کا رہتا ہے حتیٰ کہ عینیت کا رحجان رکھنے والوں کی حماقت پر سخت غصہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ مجھ کو تو وہ انکار حق کے لئے نفس کی ایک دسیسہ کاری نظر آتی ہے۔ یہ بھی عرض خدمت ہے کہ اس مسئلہ سے فی الجملہ دلچسپی کے باوجود پڑھا پڑھاتا زیادہ ایسی چیزوں کو نہیں ہوں۔ البتہ کلام مجید ہی کی تلاوت یا اس پر اگر کچھ تدبر و تفکر کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے، تو اس طرف کے بھی ذہن میں کچھ اعتبارات آ جاتے ہیں۔

تحقیق: مکرمی زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ عربی مثل ہے اذا جاءت الالفۃ رفعت الکلفۃ۔ عارف شیرازی کا ارشاد ہے ؎

ما حال دل را با یار گفتیم ۔۔۔ نتواں نہفتن درد از طبیباں

اس کے تحت میں یہ سب محمود ہے۔ اب جواب عرض کرتا ہوں۔ حادث بعد الحدوث کو

ثانیاً وہ قدیم کا واسطہ بنانا دو تعلق سے ہوتا ہے۔ ایک تعلق صانع و مصنوع کا۔ اس تعلق سے واسطہ بنانا منصوص اور مامور بہ ہے۔ آیات ان فی خلق السمٰوٰت والارض الی قولہ لآیٰت لقوم یعقلون (البقرۃ) وان فی خلق السمٰوٰت والارض الی قولہ ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا (آل عمران)، وافلا ینظرون الی الابل الی قولہ کیف سطحت (غاشیہ) وغیرہا سب اسی توسیط پر دال ہیں اور دوسرا تعلق ظاہریت و مظہریت مصطلحہ کا زائد علی التعلق الاول جس میں اس وقت کلام ہے سو یہ تعلق اور اس کی خصوصیات خود ذوقی و کشفی ہیں فکذا توسیطہ تعلق اول کی مثال کاتب و مکتوب کا تعلق ہے اور تعلق ثانی کی مثال شمس و ارض کا تنویری تعلق ہے، پھر اس تعلق ثانی کے توسیط کے دو درجے ہیں ایک تصور و تخیل کا دوسرا تصدیق و اعتقاد کا۔ دوسرا درجہ تو ظاہر ہے کہ اختیاری ہی ہوگا اور پہلا درجہ دو طرح کا ہے ایک استحضار فی الذہن قصد و اختیار سے، دوسرا حضور فی الذہن بدون قصد و اختیار کے، یہ کل تین درجے ہوئے۔ سو چونکہ خود یہ تعلق اور اس کی خصوصیات کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور ذوق و کشف حجت نہیں اس لئے تین درجات مذکورہ میں اول کے دو درجے، یعنی اعتقاد و استحضار بالاختیار تحت نہی و نکیر ولا تقف ما لیس لک بہ علم۔ وان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا الآیۃ میں داخل ہوں گے اور تیسرا درجہ یعنی تصور و حضور فی الذہن بالاضطرار معفو عنہ ہوگا لقولہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا اور اول کے دو درجے دلائل شرعیہ مذکورہ سے منکر ہونے کے علاوہ خود قواعد طریق سے بھی منکر ہیں۔ ان نکارت کا راز یہ ہے کہ تمام اہل ملل حقہ جن میں حضرات صوفیا بھی داخل ہیں اس پر متفق ہیں کہ یہ دوسرا تعلق یعنی ظاہریت و مظہریت مصطلحہ کا خود حادث بعد العدم السابق ہے اور

قبل حدوث یہ تعلق معدوم محض تھا سو اس تعلق کی قید سے جو استحضار ہوگا خواہ قصداً یا تصدیقاً وہ مقید کا ہوگا اور مقید بوجہ حدوث قید کے حادث ہوگا تو یہ استحضار قصداً حادث کا استحضار ہوا جو غیرت محبت کے بالکل منافی ہے اس لئے خود وہ اہل ذوق بھی اس حکم کو ضبط نہ کر سکے کہ کل ماخطر ببالك فهو هالك واللّٰہ اجل واعلیٰ من ذٰلك۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی نور آفتاب کا مشاہدہ اس تعلق کے واسطہ سے کرے جو اس کو ارض سے حاصل ہے اور اس تعلق کے سبب خود دھوپ میں اجرام کے اختلاف ہئیات سے مختلف اشکال پیدا ہو گئے مثل تدویر و تثلیث و تربیع تو ان حصص مختلفۃ الہیئۃ کے ذریعہ سے مشاہدہ نور کا قصد کرنا ظاہر ہے کہ مستلزم ہوگا ان حصص کے قصد مشاہدہ کو۔ باقی اضطرار پر کوئی ملامت نہیں مگر یہ درجہ کمال سے متنزل ہے، گو ضعیف کے لئے بالعرض اس طرح نافع ہو جاوے کہ درجہ کمال تک اس کے لئے موصل ہو جاوے۔ جیسے دوا غیر مقصود ہے مگر علیل کے لئے غذائے مقصود کی استعداد پیدا کرنے کی وجہ سے گوارا بلکہ تجویز کرلی جاوے۔ مولانا متعدد تمثیلات کے بعد اسی کو ارشاد فرماتے ہیں ؎

اے بروں از وہم و قال و قیل من ۔۔۔ خاک بر فرق من و تمثیل من

وفیہ اظہار للامر الاصلی ؎

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ۔۔۔ ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

وفیہ اظہار للامر العارضی اور تعلق اول کی توسیط میں ان وسائط کی ایسی مثال ہوگی جیسے عینک لگا کر کسی چیز کا مشاہدہ کرنا کہ عینک محض معین ہوگی۔ مشاہدہ شے مذکور کی اور مشاہدہ کے وقت بعض اوقات عینک کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں مسئلہ کے سب پہلوؤں پر کافی اور ضروری کلام ہو گیا ہے اگر کچھ جزو متروک ہو گیا ہو ظاہر فرما دیں باقی کسی مامور بہ سے تشفی ہونا نہ ہونا یا دل و

دماغ سے اس کا ملصق نہ ہونا یہ قابل التفات نہیں۔ امتثال مقصود ہے نہ کہ کیفیات و احوال. باقی اس جزو کو تیسیر اللخطب مکرر یاد دلاتا ہوں کہ اضطرار پر نکیر نہیں۔
(از بیت السالک حصہ دوم صہ ۲۷)

حال. عرصہ ہوا کہ خدمت والا میں خلق وحق کے تعلق کو سمجھنے کے لئے کچھ معروضات پیش کئے تھے جس کے جواب میں حضرت نے مسلک تنزیہہ کی جو تفہیم فرمائی تھی اس سے اطمینان ہو گیا تھا کہ سلامتی بلاشک اسی راہ میں ہے. پھر ایک اور عریضہ اسی سلسلہ میں تھا جو مع جواب والا شوال کے النور میں شائع فرما دیا گیا تھا لیکن اب بھی اس ضمن میں ایک بڑی خلش باقی ہے. یہ تو بالکل صحیح ہے کہ قرآن مجید میں معرفت یا مشاہدہ حق کی تعلیم بہت زیادہ صانع و مصنوع ہی کے تعلق سے فرمائی گئی ہے. خلق اشیاء کی بظاہر تین صورتیں نظر آتی ہیں (۱) جیسے بیج سے درخت یا انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے (۲) جیسے کوئی صناع کسی مادہ میں کوئی تصرف کر کے کسی شے کو بناتا ہے مگر خود مادہ اس صناع کا مخلوق نہیں ہوتا (۳) پہلے خود مادہ کو عدم محض یا لاشئ سے خلق کر کے پھر اس سے مختلف اشیاء مخلوق ہوں حق تعالے کے لئے بالعموم تیسری ہی صورت کا خیال ہوتا ہے۔

تحقیق: کسی دلیل سے یا بدون دلیل۔ دلیل کیا ہے اور بدون دلیل لا تقف ما لیس لك به علم کا معارضہ ہے. خصوص جب دوسری صورتیں بھی عقلاً ممکن و محتمل ہیں اور نصوص قطعاً کسی کے ساتھ غیر ناطق خصوص جبکہ یہ بھی محتمل ہو، کہ مختلف صورتیں اشیاء کی تخلیق کی ہوں۔

حال: مگر اس میں ایک طرف تو عقلاً لاشئ سے شئے کا وجود بالکل ناقابل تصور معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق: کیا ہمارے تصور کی صعوبت امتناع یا نفی کی دلیل ہے۔

حال: دوسری طرف ام خلقوا من غیر شیء کی نص میں اس کی نفی

متبادر ہوتی ہے ۔

تحقیق : صحیح تفسیر یا محتمل یا سوائے تفسیر کا ذہن میں حاضر نہ ہونا اس تبادر کا منشا ہے چنانچہ مفسرین نے من غیر شیء کی تفسیر کی ہے من غیر خالق

حال :۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مادہ اور اس کی مصنوعات کا وجود گو مخلوق حق ہوتا ہے لیکن اپنا وجود مستقلاً خالق سے جداگانہ رکھتی ہیں جو وحدت وجود اور اللہ تعالیٰ کی اس ہمہ جائی کے منافی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے ۔

تحقیق خود اس عقیدہ ہمہ جائی ہی کی کوئی دلیل نہیں ۔ جب وہ مطلق حیز سے منزہ ہے تو متعدد احیاز سے اس کا تحیز تو امکان سے ابعد ہے گو اس محاورہ میں توسع ہے کیونکہ مراد اس سے عدم تقید بالحیز ہے اور یہ محض تعبیر ہے اور وحدت وجود تعدد وجودات مضمحلہ کا نافی نہیں ۔

حال : ایک چوتھی صورت خلق اشیا کی وہ ہو سکتی ہے جس طرح ہم خود نفس میں اپنے خیالات و تصورات کو پیدا کرتے ہیں خصوصاً خواب کی صورت میں تو ہمارا ذہن ہو بہو بیداری کی دنیا کو پیدا کر لیتا ہے یا خود ہی اپنے معلومات و خیالات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ۔ زیادہ قدرت والی ذات نہ صرف بیداری میں اسی طرح سارا عالم پیدا کر سکتی ہے بلکہ ہمارے خواب سے بڑھ کر یہ قادر ذات اپنی تصوری مخلوقات انسان و حیوان وغیرہا کو ایسا بنا سکتی ہے کہ وہ خود کو اپنی اپنی جگہ مستقلاً ذی حس و ادراک مخلوق پائیں خلق اشیا کی یہ صورت نہ صرف عقلاً زیادہ قابل قبول معلوم ہوتی ہے بلکہ نقلاً بھی بہت سے عقائد و نصوص کی تصحیح سہل و اقرب ہو جاتی ہے اس لئے کہ خالق و مخلوق کے اس تعلق کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم خود اپنے معلومات یا صور علمیہ کی صورتوں سے تجلی و ظہور فرماتا ہے ۔ اس میں نہ خالق و مخلوق کا عین ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ معلوم عین عالم نہیں ہو سکتا نہ اس طرح غیریت ماننا پڑتا ہے کہ خالق کہیں ہو اور مخلوق کہیں ۔ نہ اس میں

لاشئ سے شئ یا عدم سے وجود کا لزوم ہوتا ہے۔ جدید فلسفہ اور سائنس کے رجحانات کے بھی یہ صورت اقرب ہے۔

تحقیق: ان اشکالات کا حل تو کچھ اسی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ دوسری صورتوں میں بھی یہ اشکالات حل ہو سکتے ہیں۔ رہا سہولت حل، سو یہ سہولت قیاس الغائب علی الشاہد سے ناشی ہے۔ یہ قیاس ہی بلا دلیل ہے خصوص جبکہ کسی دلیل کے بھی خلاف ہو اور دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ تصور کے بعد ان صور کا محل کیا ہوگا ذات یا خارج۔ اول شق میں ذات محل حوادث ہوگی جو مستلزم ہے حدوث کو۔ اور دوسری شق میں وہ صور علمیہ نہ ہونگی۔ دوسری صورتوں میں اور اس میں کیا فرق ہوگا۔

حال: کن فیکونی تخلیق بھی اس سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ نفس نے کسی شئ کا ارادہ کیا نہیں کہ وہ خلق ہوگئی۔ اقربیت۔ احاطت۔ معیت وغیرہا میں تاویل و توجیہ کرنا نہیں پڑتی۔ عالم سے بڑھ کر معلوم کے اقرب۔ اس کو محیط اور اس کے ساتھ کون ہو سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اولیت و آخریت ظاہریت و باطنیت کا تعلق سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ معلوم من حیث المعلوم اول و آخر ظاہر و باطن سب عالم ہی ہوتا ہے، پھر وھو بکل شیئٍ علیم کو اگر ھو الاول و الآخر والظاھر والباطن کے دعوی کی دلیل کا اشارہ قرار دیا جاوے تو خلق اشیاء کی یہ صورت منصوص ہو جاتی ہے کہ وہ ہر شے کا اول و آخر۔ ظاہر و باطن اس لئے ہے کہ وہ ہر شے کا علیم ہے یعنی شئے کی ماہیت اس کا معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق: یہ سب تخمینات و خرافات ہیں جن کی حقیقت ابھی عرض کی گئی ہے، اس لئے لوٹ پھر کے اسی قلعہ میں پناہ لینا پڑتی ہے جس کا حاصل ہے عدم خوض اور تفویض اور اقرار بالعجز عن الادراک جو ان آیات میں منصوص ہے۔ قولہ تعالیٰ فلا تضربوا للہ الامثل۔ قولہ تعالیٰ اشھدوا خلقھم۔ قولہ

علیہ السلام تفکروا فی کل شیء ولا تفکروا فی ذات اللہ تعالیٰ۔
ابو الشیخ فی العظمۃ عن ابن عباس (کذا فی الجامع الصغیر) واجمع
العارفون علیٰ ان کل ما خطر ببالک فہو ہالک واللہ اجل واعلیٰ
من ذٰلک۔ وقال العارف الرومی ؎

نکتہ ہا چوں تیغ پولاد است تیز — چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا — کز بریدن تیغ را نبود حیا

پھر بعد تحریر بالا بے ساختہ نہایت قوت و انشراح کے ساتھ اس مسئلہ کی روح و لب
قلب پر وارد ہوئی جس کے بعد کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ وہ کلام ان الظن
لا یغنی من الحق شیئًا کا مصادم ہوگا وہ یہ کہ یہ تعلق مبحوث عنہ ایک نسبت
ہے جس کے منتسبین ایک حق ایک خلق ہے اور ضروری عقلی قطعی ہے کہ نسبت کا
ادراک بالکنہ موقوف ہے منتسبین کے ادراک بالکنہ پر اور خود خلق کا ادراک
بالکنہ گو ممتنع بالکنہ نہیں مگر حسب تصریح حکمائے محققین شیخ بوعلی سینا وغیرہ
غیر واقع ہے اور حق کا ادراک بالکنہ باتفاق عقل و نقل ابدالآباد کے لئے ممتنع
ہے پس نسبت کا ادراک بالکنہ بھی ممتنع ہوگا۔ پس اس کی طمع بھی عبث بلکہ
مضر ہوگی۔ گو کلام کرنے والوں کے لئے کچھ تاویل کر لی جاوے گو اس تاویل کا درجہ
اس سے زیادہ نہ ہوگا۔ ؎

علی اننی راض بان احمل الھویٰ
واخلص منہ لا علی ولا لیا

فقط احقر اشرف علی عفی عنہ

(تربیت السالک حصہ دوم ص)

ملفوظات

تصوّف کا حاصل کرنا فرض ہے، اس کا ثبوت

حضرت رح سے سوال کیا گیا، کیا تصوّف حاصل کرنا فرض ہے؟ حضرت رح نے فرمایا کہ ہاں ہر مسلمان کے لئے فرض ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ کہ اللہ سے حق ڈرنے کا ڈرو۔ اسی کا دوسرا اصطلاحی نام تصوّف ہے۔ یہ صیغہ امر کا ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس پر بعض نے شبہ کیا ہے کہ یہ تو منسوخ ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو صحابہؓ پر سخت گذری اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ڈرنے کا کون ڈر سکتا ہے یہ تو طاقت سے باہر ہے اس پر آیت نازل ہوئی فاتقوا اللہ ما استطعتم مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت پہلی کے لئے ناسخ ہے۔ حضرت رح نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ اس سے منسوخ ہونا حسب اصطلاح اہل اصول لازم نہیں آتا کیونکہ سلف اصطلاح میں لفظ نسخ طلاق مطلق تغیر پر آتا ہے گو وہ بیان تفسیری ہو۔ چنانچہ یہاں بھی یہی ہے کہ ظاہرا اتقوا اللہ حق تقاتہٖ سے فوراً استفاد ہوتا تھا اور یہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر شاق ہوا اس کی تفسیر کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی۔ یعنی حسب استطاعت اس کا اہتمام رکھو۔ فی الفور تحصیل درجۂ کمال مامور بہ نہیں۔

(مقالات حکمت حصہ سوم صفحہ ۵)

علم دین ہی معلّم اخلاق ہے

حضرت حکیم الاُمت نے فرمایا میں دعویٰ کرتا ہوں کہ بدون علم دین کے فضائل اخلاق وسیر چشمی و بلند نظری عالی دماغی تہذیب اعتدال افعال و انتظام اَقوال میسر ہونا ممکن نہیں، چنانچہ بے علم امراء میں ان اخلاق کا نام نہیں ہوتا لیکن مال کی بدولت خوشامدیوں کا اجتماع رہتا ہے اس لئے ان کے عیوب پر پردہ پڑا رہتا ہے سب سے بڑی اور آخری بات یہ ہے کہ مولوی سے مراد عالم باعمل ہے جس کا نام چاہے آپ درویش رکھ لیجئے جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ مولویوں میں داخل ہی نہیں ۔ہم صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے ۔مصر و بیروت میں بہت سے عیسائی و یہودی عربی داں ہیں (حتیٰ کہ علوم اسلامیہ کے بڑے بڑے واقف ہیں ۔مصر و بیروت کے علاوہ خود یورپ میں ہیں) تو کیا ہم ان کو مقتدائے دین کہنے لگیں گے، العیاذ باللہ ۔ (الافادات یومیہ)

علم دین کے ساتھ اَخلاق کی تعلیم

فرمایا کہ تعلیم اخلاق کو درس سے خارج کر دینے کی مضرتیں اس قدر کثیر ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا ۔خلاصہ یہ کہ علماء کی اس فن سے بے خبری کی بدولت جھوٹے مکار پیر بن گئے جو خلقت و دُنیا کو ذبح کر رہے ہیں اس لئے چاہئے کہ اخلاق کی کتابوں کو درس میں داخل کریں (اور صرف درس اخلاق ہی کافی نہیں) بعد فراغ التزاماً طلباء محققین اہل اللہ کی خدمت میں حسب گنجائش قیام کریں اور ان سے عملاً آداب و اخلاق سیکھیں اور ان کی صحبت سے برکت حاصل کریں اور چندے ان کی خدمت میں آمد و رفت رکھیں جس سے نسبت باطنہ ایک گونہ راسخ ہو جائے تب خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ میں لیں ان شاء اللہ عموماً عوام اہل اسلام ان سے وابستہ ہو کر جھوٹوں کو چھوڑ دیں گے اور مضمون قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا آنکھوں سے نظر آ جائے گا ۔ (الافادات الیومیہ)

ایک حدیث جامع ایمان و اعمال

اللہ تعالیٰ کلام پاک میں ہر سورت میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں کہ جو سب کی جامع ہوتی ہے اور جس پر عمل کرنے سے تمام احکام مذکورہ میں سہولت ہو جاتی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا۔

ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فقل لی قولا احفظہ واخذ بہ (اوکما قال)

کہ یا رسول اللہ احکام اسلام میرے لئے بہت بہت زیادہ ہو گئے ہیں کوئی ایسی بات بتلا دیجئے جس کو یاد کر لوں اور اس کے موافق عمل کرتا رہوں۔ آپ نے فرمایا قل اٰمنت باللہ ثم استقم بس کہو کہ اللہ پر ایمان لایا پھر استقامت کے ساتھ رہو حضور نے ساری شریعت ابتدا سے انتہا تک اس ایک جملہ میں بھر دی۔ اٰمنت باللہ میں اجمالاً تمام اعتقادیات کو بیان فرما دیا اور ثم استقم میں اعمال کے اندر استقامت کی تعلیم دی جس میں روزہ نماز حج زکوٰۃ معاملات و معاشرات سب آ گئے (الافادات یومیہ)

ایمان ظاہر و باطن

تشریع میں سب سے زیادہ ضروری ایمان ہے اس میں اسی قدر سہولت ہے کہ عمر بھر میں ایک بار کلمہ شریف کا اعتقاد کر لینا اور زبان سے کہہ لینا کافی ہے۔ تکرار، استحضار و اظہار کی نجات مطلقہ کے لئے ضرورت نہیں، صرف اتنا ضروری ہے کہ ایک مرتبہ دل سے

ان کا اعتقاد و اظہار کر کے کسی وقت اس کی ضد کا اعتقاد و اظہار نہ ہو۔ باقی ہر وقت اس کا اعتقاد و اظہار مکمل ایمان تو ہے جس سے درجات میں ترقی ہو گی (مگر) نجات مطلقہ کا موقوف علیہ نہیں۔ اگر کسی کو عمر بھر میں ایکبار بھی زبان سے اس کے اظہار کی قدرت نہ ہو

تو دل میں تصدیق کر لینا ہی کافی ہے۔ ہاں اگر قدرت ہو تو عدم اظہار میں اختلاف ہے۔
کہ اس وقت محض تصدیق قلبی عند اللہ ایمان معتبر ہے یا نہیں۔ مذہب منصور اور صحیح قول
یہ ہے کہ عند اللہ ایمان بھی معتبر ہے مگر باوجود قدرت کے عدم اظہار معصیت ہے جس
کا گناہ ہوگا اور عند الناس یہ شخص احکام ظاہرہ میں کافر ہوگا کیونکہ ہم کو بدون اظہار
کے ایمان کا علم نہیں ہو سکتا اور علم ہو بھی جائے تو چونکہ اس نے باوجود قدرت کے ایمان
ظاہر نہیں کیا اس لئے ہم اس کو احکام دین میں مومن نہیں کہہ سکتے نہ اس کے جنازے
کی نماز پڑھیں گے نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے مگر عند اللہ یہ شخص مومن ہے گو
عاصی بھی ہے (جمال الجلیل)

حقیقتِ ایمان

ارشاد فرمایا کہ اول یہ مقدمہ سمجھ لو کہ ایمان ہر وقت فرض ہے اور مومن ہر وقت مومن ہے
اس کی کوئی ساعت ایمان سے خالی نہیں حالانکہ ایمان کی حقیقت تصدیق بالقلب ہے اب اگر دوام
ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اس تصدیق کا ہر وقت استحضار رہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ہر وقت استحضار نہیں
ہوتا معلوم ہوا کہ دوام کے کوئی اور معنی بھی ہیں پس سمجھو کہ دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ایک بار
تصدیق کا استحضار کر کے پھر اس کی ضد کا استحضار نہ ہو۔ جب تک ضد کا استحضار نہ ہوگا۔
اس وقت تک اس استحضار کو باقی سمجھا جائے گا اور یہ شخص ہر ساعت میں مومن ہے، یہ تو
شرعی مثال ہے جس سے دوام کے یہ معنی معلوم ہوئے اور محسوسات میں بھی اس کی چند مثالیں ہیں
مثلاً مشی (چلنا) فعل اختیاری ہے مگر کیا ہر قدم پر قصد جدید ہوتا ہے ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہو
تو مشی (چلنا) دشوار ہو جائے لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ ابتداء میں جو ایکبار قصد کیا ہے وہی اخیر
تک مستمر (جاری) ہے۔ (حقیقت تصوف و تقویٰ ص ۸۵)

حقیقتِ عبدیت

فرمایا حقیقت یہ ہے کہ عبدیت اسی میں زیادہ ہے کہ اپنی مشیت و اختیار کو تسلیم کر کے اس کو مشیتِ حق کے تابع سمجھے۔ اس میں عبدیت کچھ زیادہ نہیں کہ اپنی مشیت و اختیار کی بالکل نفی کردے اور جبر کا قائل ہو جائے۔ کمال تو یہ ہے کہ اپنے اختیار کا مشاہدہ کر رہا ہے اور پھر اس کو ضعیف سمجھ رہا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کے سامنے رعیت کا ایک معمولی آدمی اپنے آپ کو بے اختیار سمجھے یہ زیادہ کمال نہیں۔ ہاں اگر کوئی نواب اپنے آپ کو کسی قدر با اختیار سمجھتے ہوئے بھی اپنے اختیار کو بادشاہ کے اختیار کے تابع بنادے یہ کمال عبدیت ہے اسی سے اہل سنت کا مذہب عبدیت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ ان کے عقیدے میں عبدیت اہل جبر سے زیادہ ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

اتباع رسول

ارشاد فرمایا کہ کامل اور مکمل وہی ہے جو قدم بقدم ہو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہو مثل ظاہر پیغمبر کے۔ اور باطن ہو مثل باطن پیغمبر کے۔ یعنی ہر امر میں اور ہر حال میں پیغمبر ہی اس کے قبلہ و کعبہ ہوں اس کے ظاہر کا قبلہ حضور کا ظاہر ہو اور اس کے باطن کا قبلہ حضور کا باطن ہو۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے دیکھئے تو سہی نماز کی صحت کے لئے قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے۔ ہاں قبلہ سے تھوڑا فرق ہو تو خیر مضائقہ نہیں نماز صحیح ہو جائے گی چاہے رکعتیں بھی زیادہ نہ پڑھے اور چاہے قراءت میں بھی کچھ تقلیل ہو، مگر ہو قبلہ رُخ، تب ہی نماز کی صحت متحقق ہو گی اور اگر مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، تو چاہے رکعتوں کی تعداد بھی زیادہ ہو اور قراءت میں بھی تطویل ہو لیکن نماز صحیح نہ ہو گی (وعظ حقیقت تصوف و تقویٰ)

تعلق مع اللہ ہی دوائے غم و مصائب ہے

ارشاد۔ توبہ و استغفار کرو اور ہر روز پانچسو مرتبہ کم از کم لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ کا وظیفہ مقرر کرلو۔ ایک ہفتہ میں سب مصیبت دور ہو جائے گی کیونکہ حدیث میں آیا ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کنز من کنوز الجنۃ وھو دواءٌ لتسعین داءً ایسرھا الھم۔ غرضیکہ حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو اس کے سوا سب سے نظر قطع کرو۔ کیونکہ راحت و کلفت سب اس کے ہاتھ میں ہے اس کو راضی کرو انشاءاللہ وہ تمام مصائب کا انتظام فرمادیں گے امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالٰہ مع اللّٰہ قلیلا ما تذکرون (انفاس عیسیٰ)

غیرت و حیا

فرمایا۔ غیرت ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی سینکڑوں گناہوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے۔ غیرت قریب سب گناہوں کے لئے محافظ ہے۔ بہت سے ایسے ایسے باریک گناہ ہیں جن کو عقل بھی نہیں سوچ سکتی۔ لیکن جس میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے ان کی طبیعت میں خود بخود وہ کھٹک جاتے ہیں پھر سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ تو کھلا ہوا گناہ تھا عقل کہاں تک سوچ سکتی ہے جب ہی تو ایمان کے شعبوں میں سے افضل اور ادنیٰ کا ذکر کرکے حیا کا خاص طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ حالانکہ ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اور شعبے بھی تو غیر مذکور تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا اور غیرت بڑا بھاری شعبہ ہے ایمان کا۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

سالک کو ثمرات کی ہوس نہ چاہیئے

فرمایا سالک کو کسی چیز کی ہوس نہ چاہیئے کوئی ذوق و شوق کا متمنی ہے کوئی رقت قلب کی خواہش کرتا ہے۔ کسی کو کشف و کرامت کی تمنا ہے۔ کوئی جنت کو مقصود سمجھ کر اس کا طالب ہے حالانکہ کسی چیز کی بھی طلب و ہوس نہ کرنا چاہیئے کیونکہ عبدیت کے معنیٰ ہیں مالک کے سامنے سر جھکا دینے کے اور جو حکم ہو اس پر بسر و چشم قبول کر کے عمل کر لینے کے۔ پھر عبد ہو کر کسی چیز کی ہوس کرنا کہ مجھے یہ ملے وہ ملے۔ یہ ہوس حقیقت میں فرمائش ہے مالک پر اور یہ کیونکر جائز ہوگا اگر کوئی شبہ کرے کہ حدیث شریف میں آیا ہے، اللھم انی اسئلك رضاك والجنة۔ یہاں پر جنت کا سوال کیا گیا ہے جواب یہ ہے کہ اس سوال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوال کرے کہ فلاں صاحب سے کہاں ملاقات ہوگی کہا جائے کہ باغ میں۔ اس پر وہ شخص باغ میں جانے کا آرزومند ہے تو حقیقت میں وہ باغ مقصود بالذات نہ ہوگا بلکہ مقصود وہ صاحب ہیں مگر چونکہ وہ باغ میں ملیں گے، اس لئے اس کی تمنا ہوئی ہے کہ وہ اس مقام پر رہتے ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں مقصود رضا ہے جس کو جنت پر مقدم فرمایا ہے مگر چونکہ اس کا حصول جنت میں ہوگا لہٰذا جنت کا سوال بھی کیا گیا۔ حق سبحانہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں ورضوان من اللہ اکبر۔ یہاں پر رضا کو جنت سے اکبر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی چیز یہی ہے۔ پھر یہ نکتہ بیان کیا کہ اس اکبر کی تحصیل کے لئے ذریعہ بھی اکبر ہی ہونا چاہیئے۔ سو فرماتے ہیں ولذکر اللہ اکبر معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے تمام اعمال پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔

(اشرف المسائل)

جاہ عند الخلق و جاہ عند الحق

فرمایا حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جیسے جاہ عند الخلق

مذموم ہے محققین کے نزدیک جاہ عند الحق بھی اسی درجہ میں ہے۔ حاصل ان کا یہ ہے کہ جیسے نیک کام اس لئے کرنا کہ میں خلق کے نزدیک بزرگ اور بڑا بن جاؤں، یہ بُرا ہے اسی طرح طاعت اس لئے اختیار کرنا کہ میں خالق کی نظر میں صاحب جاہ بنوں، یہ بھی اہل بصیرت کے نزدیک امر منکر ہے، بُرا ہے۔ اس لئے کہ کبریائی تو خاصہ خاص باری تعالیٰ کا ہے۔ حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے جاہ کے کسی مرتبے کی بھی ہوس زیبا نہیں۔
(ترجیح المفسدہ علی المصلحۃ منشا۔ اشرف المسائل)

تلقین کی صلاحیت کا اندازہ

فرمایا کہ اگر کسی مرید کو شیخ نے اجازت تلقین کی نہ دی ہو، اور وہ اپنے اندر تلقین کی قوت پائے تو اس کو جائز ہے کہ وہ بغیر اجازت بھی دوسرے کو تعلیم دے۔ پس تعلیم اور بیعت لینے میں اجازت تو شرط نہیں لیکن کسی کا مرید ہونا شرط ہے۔ کسی نے پوچھا کہ وہ قوت کیوں کر دریافت ہوسکتی ہے۔ فرمایا کہ خود بخود معلوم ہوجاتی ہے جیسے جو شخص بالغ ہوتا ہے اس کو کسی کی شہادت دینے کی ضرورت نہیں رہتی، تو اگر کسی کو معلوم نہ ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ ابھی وہ قوت نہیں پیدا ہوئی۔ ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید میں یہ قوت نشو ونما پا رہی ہے لیکن ابھی بالکل ظاہر نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے مرید کو اس پر اطلاع نہیں ہوئی اور شیخ کو ادراک ہوگیا اور اس لئے اجازت دیدی۔ ایک وقت وہ بھی ہوگا کہ قوت بالکل ظاہر ہوجائے گی اور اس کو بھی ادراک ہونے لگے گا۔

(مقالات حکمت حصہ چہارم)

کیفیت باطنی مقصود نہیں دوام عمل مقصود ہے

فرمایا۔ جو لوگ اہلِ حق ہیں وہ فرائض تو ترک نہیں کرتے مگر حصول کیفیات کے بعد ذکر و نوافل و تلاوت قرآن وغیرہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں مقصود تو حاصل ہی ہے۔ پھر اتنی مشقت کی کیا ضرورت ہے کہ چھ ہزار دفعہ ذکر اسم ذات کریں یا تہجد کے لئے اٹھیں۔ اب تو ملکہ یادداشت حاصل ہو گیا ہے۔ اب تو ہمارا سونا بھی ذکر ہے۔ سو جب تک یہ کیفیت ہے اس وقت تک عمل ہی نہیں کرتے اور جب کیفیت نہ رہی اب پھر ذکر و شغل اور تہجد وغیرہ شروع کر دیتے ہیں۔ غرض ان لوگوں کے دل میں عجیب عجیب موجیں اٹھتی ہیں۔ کوئی تو کیفیت کے نہ ہونے سے عمل میں کمی کرتا ہے، اور کوئی اس کے ہونے سے عمل میں کوتاہی کرتا ہے اور نہ ہو تو پھر کوشش کرتا ہے۔ یہ شخص بھی کیفیت ہی کو مقصود سمجھتا ہے، چونکہ وہ عمل ہی سے پیدا ہوئی تھی اس لئے سلب کیفیت یا قلت کیفیت کے وقت عمل کا اہتمام کرتا ہے یہ بھی غلطی پر ہے۔ بس راستہ پر وہ شخص ہے جو عمل ہی کو مقصود سمجھتا ہے اور کیفیت ہو یا نہ ہو ہر حال میں عمل پر دوام رکھتا ہے۔

(وعظ تقلیل المنام۔ اشرف المسائل)

سالک و غیر سالک کی حالت میں فرق

دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو عوام جنہوں نے اس طریق میں قدم ہی نہیں رکھا۔ اور طلب کی شان ہی ان میں پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی تو یہ حالت ہے کہ جس وقت ان کا قلب پاک و صاف ہوا اللہ کا نام لے لیا ان کو تو اس کی کچھ پرواہ ہی نہیں اس لئے استحضار معیت ان کو طاعت سے مانع نہیں ہوتا۔ اور ایک وہ لوگ ہیں جو اس راہ کو قطع کر رہے ہیں اور کچھ ذوق ان کو حاصل ہو گیا ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جو

ان کے قلب کی تعلق مع اللہ کی وجہ سے کیفیت ہے اس میں کسی غفلت ومعصیت کی وجہ سے اگر ذرا بھی فرق آجائے توان کو بیحد غم ہوتا ہے اور خود ذکر وطاعت سے بھی ہمت پست ہو جاتی ہے اور آئندہ کو ذکر وطاعت کی جرأت نہیں ہوتی، نہ اس وجہ سے کہ اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہٗ سے ان کو غفلت ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم کس مُنہ سے نام لیں سو یہ حالت بظاہر اچھی نہیں اس لئے کہ مانع ذکر ہے، لیکن یہ بھی بعض حالات میں رحمت ہے اِس لئے کہ اس کا اثر بعض دفعہ یہ ہوگا کہ پھر ان سے وہ معصیت کبھی نہ ہوگی سو اس حالت کا طریان تو رحمت ہے لیکن اتنی بات قابل تنبیہ ہے کہ اس حالت کے مقتضاء یعنی ترک ذکر پر عمل ہرگز نہ کرے. بلکہ ایسی حالت والے کو یہ ضروری ہے کہ ذکر سے ایک دم کو غافل نہ ہو اور ہمت نہ ہارے، اگرچہ سینکڑوں گناہ ہوتے رہیں، مگر ذکر نہ چھوڑے کیونکہ جو ظلمت مانع ہوئی تھی ذکر سے وہ زائل اس ذکر ہی سے ہوگی اور کوئی اس کا مزیل نہیں ہے کہ اس کو زائل کر کے پھر ذکر میں لگے. اگر ذکر میں لگے رہو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک روز اس بلا سے بھی خلاصی ہو جائیگی (اشرف المکالمہ[۱۵۴])

وصُول کا آسان طریقہ

فرمایا کہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا میں جاھدوا سے مراد غور وفکر. دعا والتجا سعی وکوشش حق تعالیٰ کے سامنے الحاح وزاری. تواضع وخاکساری یہ چیزیں پیدا کرو. رونا چلانا شروع کرو. نخوت وتکبر کو دماغ سے نکال کر پھینک دو. اس کے بعد وصول میں دیر نہیں ہوتی. بجز اس حالت کے پیدا کئے ہوئے کامیابی مشکل ہے.

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ   جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

محققین کی نظر میں ہر چیز آئینہ جمال الٰہی بن جاتی ہے

فرمایا محققین اور منتہین کی یہ شان ہوتی ہے کہ ان کے لئے ہر چیز آئینۂ جمال خداوندی بن جاتی ہے جہاں زیادہ غصہ کا موقع ہوتا ہے زیادہ غصہ کرتا ہے جہاں رنج کا موقع ہوتا ہے زیادہ رنج کرتا ہے غرض وہ جہاں جیسا محل ہوتا ہے ویسا بن جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس مضمون کا جو حدیث میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، (ترجمہ) میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے! اس کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اس کے آلہ بن جاتے ہیں۔ بلکہ جیسے آلہ و ذی آلہ میں اختلاف نہیں ہوتا اسی طرح وہ بالکل امر حق کے تابع بن جاتا ہے اور اس کا کوئی قول و فعل امر حق کے مخالف نہیں ہوتا۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ ۳۵)

انعاماتِ الٰہیہ کا صحیح استعمال

فرمایا کہ خدا اگر کسی کو بے فکری سے کھانے کو دے تو یہ نعمت ہے۔ لیکن اس میں ایک مضرت بھی ہے کہ کبر۔ ناز و عُجب۔ غرور اور غفلت۔ غریبوں کی تحقیر۔ کمزوروں پر ظلم اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا علاج اور تدارک یہ ہے کہ تدبر و تفکر سے کام لے اور سوچے کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا ہے ورنہ میں بالکل نااہل تھا۔ مجھ میں کوئی کمال بھی نہیں تھا بلکہ اپنے گناہوں پر نظر کر کے سوچے کہ میں تو سزا کا مستحق تھا اور اگر بالفرض مجھ میں کوئی کمال بھی تھا تو مجھ سے بہت زیادہ کمال رکھنے والے پریشان حال پھرتے ہیں پھر اس کا فضل ہی تو ہے جو اس نے مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا اب میں ناز کس بات پر کروں۔ ؎

اگر روزی بدانش برفزودے ز ناداں تنگ تر روزی نہ بودے

یعنی رزق کا مدار عقل پر نہیں یا لیاقت سے رزق کا ملنا قارون کا عقیدہ ہے۔ (کمالات اشرفیہ۔ ملفوظ نمبر ۱۱۵۲)

دنیوی ثروت کے ساتھ بھی زہد جمع ہوسکتا ہے

فرمایا کہ مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد و توکل ہوسکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائے اور ضرورت سے زیادہ درپے نہ ہو، پس یہ زہد ہے، اور اگر بغیر طلب و انہماک کے ضرورت سے زیادہ سامان حق تعالیٰ عطا فرمادیں تو یہ بھی زہد کے خلاف نہیں اور توکل یہ ہے کہ اسباب کو موثر نہ سمجھے نہ ان پر اعتماد کرے بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے اور ہر چیز کو ان ہی کی عطا سمجھے، اس کے لئے ترکِ اسباب اور ترک ملازمت ضروری نہیں۔ (کمالات اشرفیہ)

طلبِ جاہ حماقت ہے

فرمایا کہ محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو، کیونکہ یہ کمال محض وہمی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کے ساتھ خود قائم نہیں بلکہ دوسروں کے خیال کے ساتھ قائم ہے، چونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے، وہ جب چاہے اپنا خیال بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے، مگر طالب جاہ خوش ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔ پس ایک نقص تو جاہ میں یہ ہے کہ وہ سراسر دوسرے کے تابع ہے۔ یعنی وہ ایسا کمال نہیں جو اپنے قبضہ کا ہو، دوسرا نقص یہ ہے کہ اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ محض وہمی ہے یعنی بڑائی اور عزت، کیونکہ بڑائی اور عزت سے نہ گھر میں روپیہ آتا ہے نہ جائداد بڑھتی ہے محض دل خوش کرلو۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ ۴۹۲)

علم کے بہ نسبت عمل زیادہ قابلِ اہتمام ہے

فرمایا کہ صوفیاء علم کے اہتمام سے زیادہ عمل کا اہتمام کرتے ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں امت میں تمہارے متعلق ان چیزوں سے زیادہ اندیشہ نہیں کرتا جن کا تم کو علم نہیں کیونکہ علم کی کمی میں کوتاہی ہو جاتی ہے وہ بے باکی کی دلیل نہیں اس لئے جرم خفیف ہے لیکن یہ دیکھو کہ جن چیزوں کا تم کو علم ہے ان میں تم کیسا عمل کرتے ہو اس حدیث کی تشریح میں حضرت قشیریؒ نے تشریح کی ہے کہ جتنی نظر عالم کی دقیق و حدید ہو گی مواخذہ بھی اتنا ہی شدید ہو گا۔ لہذا کسی عالم کو فرح و ناز مناسب نہیں بلکہ خشیت و ہیبت سے اس کی تعدیل مناسب ہے اس وقت وہ البتہ فرح و نیاز کا مستحق ہے۔

(کمالات اشرفیہ ملفوظ ۴۳۵)

مصائب مجاہدہ غیر اختیاری ہیں

فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتے ہیں اور مجاہدۂ اختیاریہ سے اس کو قاصر اور عاجز دیکھتے ہیں تو ایسے اسباب غیب سے پیدا فرما دیتے ہیں جس سے اس کے امراض نفسانیہ، حبِ جاہ وغیرہ کا علاج ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس پر کوئی مرض مسلط ہو جاتا ہے، یا کوئی دشمن مسلط ہو جاتا ہے جو اس کو ایذائیں خصوصاً بدنامی کی ایذا پہنچاتا ہے جس کی روایات کو اگر کوئی غلط سمجھتا ہے تو دوسرا صحیح سمجھتا ہے اور اس طرح سے وہ رسوا ہو جاتا ہے جو اول اول نفس کو بیحد ناگوار ہوتا ہے مگر جب وہ صبر و رضا اختیار کرتا ہے تو پھر تو اس میں ایسی قوت تحمل پیدا ہو جاتی ہے کہ نہایت ہمت کے ساتھ یہ کہنے لگتا ہے ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را — خاک بر سر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی است نزدِ عاقلاں — مانمی خواہیم ننگ و نام را

پھر اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کے موافق اللہ تعالیٰ اس کو قبول عام وعزت نصیب فرماتے ہیں جس میں اس کو ناز نہیں ہوتا جس قدر رفعت بڑھتی جاتی ہے نیاز میں ترقی ہوتی جاتی ہے، بس جاہِ عظیم میسر ہوتی ہے اور جاہ پسندی فنا ہو جاتی ہے۔

عُسر کو یُسر میں خاص دخل ہے کیونکہ عُسر سے نفس پامال ہوتا ہے اور عارف کو اس وقت اپنا عجز و فنا کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ نیز صبر جمیل اور رضا بالقضا حاصل ہوتا ہے۔ یہ سب یسر و فرح کا سبب بن جاتے ہیں اس کے ساتھ جب وہ حدیث ملائی جاوے کہ انبیاء پر تکالیف و شدائد اس لئے زیادہ آتے ہیں تاکہ ان کے درجات بلند ہوں پھر تو عُسر کے سبب یُسر میں کوئی بھی اشکال نہ رہے گا۔ اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لیجئے کہ عُسر یُسر باطنی کا سبب تو ہوتا ہی ہے۔ کیونکہ درجات بڑھتے ہیں مگر اکثر یُسر ظاہری کا سبب بھی بن جاتا ہے۔
(کمالات اشرفیہ)

مصائب کا راز

فرمایا کہ جس طرح والدین بچے کے دنبل کا آپریشن کراتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قلوب کا آپریشن کرتے ہیں جبکہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کی ظلمت سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں تو مصیبت اور بلا کے نشتروں سے دلوں کا خراب مادہ نکالا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ بس یہاں بھی بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی۔ مگر انجام دونوں کا راحت ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت قریب ہے۔ کہ پندرہ بیس دن ہی میں دنبل میں نشتر دینے کے بعد صحت ہو جاتی ہے اور یہاں بعید ہے کہ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا جبکہ مصائب کا ثواب ملے گا (کمالات اشرفیہ۔ ملفوظ نمبر ۱۱۵۶)

معصیت بڑی مہلک چیز ہے

تحقیق: معصیت کمبخت نہایت ہی بُری اور مہلک چیز ہے اس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے وہ ذلت اور وہ گھڑی بندے کے لئے نہایت ہی مبغوض اور منحوس ہے جس میں یہ اپنے خدا کا نافرمان ہوتا ہے اگر حس ہو تو فوراً معصیت کرنے کے بعد قلب پر ظلمت محسوس ہوتی ہے۔ بعض نافرمانیوں کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے عمل کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے۔ بڑے خوف کی بات ہے، اور معصیت میں ایک اور خاصیت بھی ہے کہ اس کے محکوم اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہوتے وہ شوخی کرنے لگا فرمایا آج ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے یہ ہماری نافرمانی کرتا ہے ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد بحکم تو ہیچ
ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید — ترسد ازوے جن و انس و ہر کہ دید

اور ایک خاصیت معصیت کی سب سے اشد ہے وہ یہ کہ کبھی بے فکری اور بے خیالی سے صغیرہ گناہ سے کبیرہ گناہ صادر ہو جاتا ہے اور وہ سبب کفر کا بن جاتا ہے اس لئے انسان کبھی گناہ کرکے بے فکر نہ ہو توبہ استغفار کرتا رہے مگر یہ بھی نہیں کہ اسی کو مشغلہ بنالے اور اسی مراقبہ میں رہا کرے بلکہ ایک بار خوب اچھی طرح باقاعدہ توبہ کرے اور اپنے کام میں مشغول رہے۔ اس کے بعد پھر جب کبھی خیال آجائے تو اللّٰھم اغفرلی اللّٰھم اغفرلی کہہ کے مطمئن ہو جائے۔ (انفاس عیسٰی حصہ دوم صـ)

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہی دافع پریشانی ہے

تحقیق: اگر انسان وحی کو عقل پر ترجیح دے تو سمجھ میں آجائے کہ پریشانی کا

سبب ہمیشہ معصیت ہی ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا کی نافرمانی ہے اگر خدا کو راضی کرنے کی سعی کی جاوے تو اس بدتری اور پریشانی سے نجات ہو سکتی ہے ورنہ کوئی اور چیز اس سے نجات نہیں دلا سکتی اس لئے خدا کو راضی کرنے کی فکر ہونا چاہئے۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

ناکامیوں پر عدم سکون کا علاج

فرمایا۔ تدبیر تو ازالہ مذموم کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ازالہ محمود کے لئے۔ اگر نصوص میں اور اقوال اہل خصوص میں غور کیا جاوے تو معلوم ہو جاوے کہ دنیا کی ناکامی خود شعار ہے مقبولین کا اور تواتر کامیابی خصوصاً معاصی کے ساتھ شعار ہے۔ مخذولین کا سورۂ بقرہ کی آیۃ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ الآیۃ اور سورہ احزاب کی آیت اذجاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم کامیابی دُنیوی سے مقبولیت پر استدلال کفار کا طریقہ ہونا سورۂ فجر میں منصوص ہے فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ الخ

مولانا رومیؒ کا ارشاد ہے ؎

زاں بلاہا کانبیا برداشتند — سر بچرخ ہفتمیں افراشتند

گر مرادت راانداق شکر است — بے مرادی نے مراد دلبر است

باقی دعا بہر حال میں کرنا سنت اور وظیفۂ عبدیت ہے دعا کی برکت سے فہم رضا و تحمل نصیب ہو جاتے ہیں۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

عشق کی حقیقت تفویض ہے

فرمایا کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں تشریعاً بھی اور تکویناً بھی اور ہر حال میں راضی رہے۔ یہ حقیقت ہے تفویض کی

جس کی ابتداء شیخ کے ہاتھ میں اپنے کو سپرد کر دینے سے ہوتی ہے۔ اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ تفویض جب خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے، تو شیخ کے ہاتھ میں تفویض کرنا غیر اللہ کو اللہ کا حق دینا ہے، جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ تفویض اس تفویض مطلوب کا مقدمہ ہے اس لئے تفویض الی الشیخ تفویض الیٰ غیر الحق نہیں ہے۔ (اشرف المسائل)

نماز میں حضورِ قلب کی ترکیب

فرمایا کہ مطلوب سالک دو قسم کے ہیں بعض غیر اختیاری ہیں اور بعض اختیاری اور غیر اختیاری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو شرعاً بھی مطلوب ہیں اور ایک وہ جو شرعاً مطلوب نہیں، یہ کل تین قسمیں ہوئیں پس ان میں سے امور اختیاریہ کا تو یہ حکم ہے کہ ان کو عمل کر کے حاصل کرو، اور غیر اختیاری امور جو شرعاً غیر مطلوب ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ ان کی طلب دل سے نکال دو، ان کے درپے نہ ہو اور جو غیر اختیاری شرعاً مطلوب ہیں ان کے لئے دعا کرو۔ مثلاً احضار قلب نماز میں مامور بہ ہے اور یہ اختیاری ہے، اس کو تو عمل سے حاصل کرو۔ یاد رکھئے میں نے احضار قلب کہا ہے اس سے حضور قلب نہ سمجھئے گا۔ وہ اختیاری نہیں اور نہ اس کا مکلف کیا گیا ہے بلکہ حکم اس کا ہے کہ تم اپنی طرف سے قلب کو حاضر رکھنے کی کوشش کرو۔ اس احضار قلب کی حقیقت ان لوگوں سے پوچھو جو عمل کرتے ہیں۔ ان سے نہ پوچھو جو ہر کام کو بدون عمل ہی کے دشوار کہہ دیتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اس کی حقیقت یہ فرمائی کہ نماز فعل مرکب ہے، جس کے مختلف اجزاء ہیں۔ قیام و قعود اور رکوع و سجود اور قراءت و اذکار وغیرہ پس احضار قلب یہ ہے کہ اس کے اعمال و اقوال کو حفظ سے ادا نہ کرو بلکہ ارادہ اور توجہ سے ادا کرو، کہ اب زبان سے یہ نکال رہا ہوں، اب یہ لفظ کہہ رہا ہوں اور اب رکوع میں جا تا ہوں، اب سجدہ کر رہا ہوں۔ ہر ہر فعل اور ہر ہر لفظ پر جدید ارادہ

کرو۔ اس طرح احضار قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا کے اس ارشاد کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے من صلی رکعتین مقبلاً علیھما بقلبہٖ اس میں ضمیر علیھما کا مرجع رکعتیں یعنی صلوٰۃ ہے، حاصل یہ ہوا کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے اور وہ مرکب ہے تو اس پر توجہ واقبال وہی ہے جو مولانا نے بیان فرمایا یہ تو امر اختیاری ہے اس کو تو ہمت وعمل سے حاصل کرنا چاہئے، اور ایک ہے حضور قلب یہ اختیاری نہیں یعنی اس کا وہ درجہ اختیاری نہیں جس کی سالکین کو طمع ہے۔ ورنہ جو درجہ حضور کا مطاوع احضار ہے وہ تو اختیاری ہے اس حضور زائد کے لئے صرف دعا کرنا چاہئے مجاہدہ وغیرہ اس کی تدبیر نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ان کے لئے صرف دعا آئی ہے اللھم انی اسئلک شوقاً الی لقائک۔ سو مجاہدہ وغیرہ حصول شوق کی غرض سے نہ کرو۔ نہ شیخ سے اس کے حصول کی تدبیر پوچھو۔ نہ اس سے یہ شکایت کرو کہ ہمارے اندر شوق پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے محض دعا کرو۔

(اشرف المسائل)

کاملین پر بھی غلبۂ حال ہوتا ہے

فرمایا۔ صاحب مقام ہو جانے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سالک تغیرات احوال سے بالکل ہی خالی ہو جاتا ہے کیونکہ تغیرات عارضی تو بر بنائے مصالح لوازم سلوک سے ہیں جو رسوخ کامل اور تمکین تام کے حصول کے بعد بھی سالکین کے احوال میں گاہ گاہ واقع ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں اشتداد وامتداد واعتداد نہیں ہوتا۔ جیسے صحت کاملہ کے حاصل اور اعتدال مزاج قائم ہو جانے کے بعد بھی موسم کے بدلنے یا دیگر اسباب خارجی سے احیاناً کبھی زکام بھی ہو جاتا ہے کبھی طبیعت کسلمند ہو جاتی ہے کبھی بخار ہو جاتا ہے۔ مگر اس قسم کی عارضی شکایات صحت طبیہ کے منافی نہیں ہوتیں۔ غرض اعتبار غالب حالت کا ہے۔ اگر سالک میں آثار مقام غالب ہیں

تو وہ صاحب مقام ہے گو احیاناً اس میں آثار حال کا بھی ظہور ہو اور اگر آثار حال غالب ہیں
تو وہ صاحب حال ہے گو احیاناً اس میں آثار مقام بھی پائے جائیں غرض کاملین پر بھی کبھی کبھی غلبۂ
حال ہو جاتا ہے لیکن وہ منافی کمال نہیں ہوتا بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر بھی کبھی کبھی ان
حضرات کی شان کے موافق غلبۂ حال طاری ہوا ہے لیکن صاحب مقام پر جو غلبۂ حال ہوتا ہے
اس میں وہ حدود سے خارج نہیں ہوتا۔ بخلاف صاحب حال کے کہ وہ کبھی حدود سے خارج
ہو جاتا ہے مگر اس کو گناہ نہیں ہوتا کیونکہ بوجہ مغلوبیت وہ اس وقت مرفوع القلم ہوتا ہے
(انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

انسان اسی قدر عمل کا مکلف ہے جس قدر اس کے امکان میں ھے

فرمایا۔ کہ حدیث میں ہے کہ "تو مومن کو اس حال میں پائے گا کہ جو عمل اس کی طاقت
میں ہو اس میں کوشش کرتا ہے اور جو اپنی طاقت میں نہ ہو اس پر افسوس کرتا ہے" اس سے
دو امر ثابت ہوئے ایک تو یہ کہ امور اختیاریہ میں طاقت اور ہمت اور کوشش سے کام لینا
چاہئے۔ دوسرے یہ کہ امور غیر اختیاریہ میں اپنے کو تعب میں نہ ڈالنا چاہئے اس کے فوت
ہونے پر حزن کافی ہے۔ مگر اس حزن کے درجات ہیں۔ ایک حزن معتدل جو اس عمل کے
محبوب ہونے سے اور اپنے عاجز ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے یہ تو محمود ہے کہ عمل حسن کی
محبت لوازم ایمان سے ہے اور اپنے عجز کا مشاہدہ عبدیت کا شعبہ ہے۔ دوسرا درجہ حزن
مفرط ہے جس سے قلب میں پریشانی پیدا ہو کر اس کا غلبہ اور ہمت میں ضعف ہو جاوے
یہ مذموم ہے کہ مخل ہے عمل میں جو کہ مقصود تھا۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ ۴۸۴)

لغو باتوں کا تدارک

فرمایا کہ جب زبان کو ذرا بھی وسعت دی جاتی ہے تو گناہ میں ضرور مبتلا ہو جاتی

ہے۔ اس کی ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں ختم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کر لیا کرو۔ اس کی ضرورت حدیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جس مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی یہ اور کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہ کہہ لیا کریں سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہ کلمات جامع ہیں۔ ذکر اللہ اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو علماء نے لکھا بھی ہے کہ یہ کفارۂ مجلس ہے۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ نمبر ۱۲۲۱)

اپنے گناہوں پر توبہ کو بیکار سمجھنا حماقت ہے

فرمایا کہ بندہ اگر اس وجہ سے توبہ نہ کرے کہ میرے گناہ اس قدر ہیں یا اس درجہ کے ہیں کہ توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہ بھی حماقت اور شیطان کا جال ہے کیونکہ گو یہ صورۃً شرمندگی ہے لیکن حقیقت میں یہ کبر ہے کہ اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ گویا اس نے حق تعالیٰ کا کچھ ایسا نقصان کر دیا ہے کہ اب اس کو وہ معاف نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو یہ برتاؤ بالکل مساوات کا سا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کاملہ کے سامنے تمہاری اور تمہارے افعال کی ہستی ہی کیا ہے۔ سارا عالم بھی نافرمان ہو جاوے تو ان کا ذرہ برابر بھی کچھ نقصان نہیں ہو سکتا۔ نہ ان کو عفو و کرم سے مانع ہو سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک مچھر بیل کے سینگ پر جا بیٹھا جب وہاں سے اڑنے لگا تو بیل سے معذرت چاہی کہ معاف کیجئے گا کہ آپ کو میرے بیٹھنے سے بہت تکلیف ہوتی ہوگی۔ بیل نے کہا ارے بھائی مجھ کو تو خبر بھی نہیں ہوتی تو کب بیٹھا کب اٹھا۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ ۲۴۵)

نفس و شیطان کے خطرات میں فرق

فرمایا کہ نفس و شیطان کے گناہ کرانے میں اکثر فرق یہ ہے کہ اگر بار بار ایک ہی گناہ کا تقاضا ہو تو یہ نفس کی جانب سے ہے اور اگر ایک دفعہ ایک گناہ کا تقاضا ہو پھر اس سے رُک جانے کے بعد دوسرے کا تو یہ شیطان کی جانب سے ہے. کیونکہ شیطان کو تو مقصود صرف گناہ کرانا ہے چاہے کوئی بھی گناہ ہو۔ اور خود شیطان کو اس میں کوئی حظ نہیں کہ کسی معین گناہ پر اصرار ہو. بخلاف نفس کے اس کو اس میں حظ ہوتا ہے. اس سلسلہ میں فرمایا کہ نفس مہیج ہے. شیطان صرف مشورہ دیتا ہے جیسا کہ دَعَوْتُکُمْ سے پتہ چلتا ہے، اور اس میں بھی اصل داعی نفس ہے، کیونکہ شیطان کو بھی اسی نفس نے گمراہ کیا اور فرمایا علاج کلی یہ ہے کہ معاصی کا نفس میں جو تقاضا ہوتا ہے اس تقاضے پر عمل نہ کرے. اصل علاج تو یہ ہے باقی ذکر اس میں معین ہوتا ہے. کیونکہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے تو حق تعالیٰ دست گیری فرماتے ہیں۔ اس دست گیری سے سہولت ہو جاتی ہے. یہ صورت ہوتی ہے اعانت کی لیکن خالی ذکر سے کچھ نہیں ہوتا. پھر اصل علاج میں شیخ کی ضرورت ہوتی ہے پھر شیخ کے معاملہ میں طالب کے ذمہ دو چیزیں ضروری ہیں، ایک اتباع دوسری اطلاع.

(کمالات اشرفیہ)

درود ایسی طاعت ہے جو کبھی رَد نہیں ہوتی

ارشاد۔ درود شریف ایسی طاعت ہے جو کبھی رَد نہیں ہوتی کیونکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درخواست (رحمت) ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور محبوب کے لئے جو درخواست کی جاتی ہے وہ رَد نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ہم بادشاہ سے شاہزادے کے متعلق ایسی بات کی سفارش کریں جو بادشاہ خود اس کیلئے کرنے والا ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی سفارش کیوں رَد ہوگی۔ (انفاس عیسیٰ)

رخصت و عزیمت پر عمل

فرمایا کہ میں بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو بہ نسبت عزائم پر عمل کرنے کے افضل سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص عزائم پر عمل کرتا ہے اس کو ہمیشہ اپنے عمل پر نظر ہوتی ہے اور جو کچھ عطا ہوتا ہے اس کو بمقابلہ اپنے عمل کے کم سمجھتا ہے اس کے دل میں شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو اتنے دن سے ایسی مشقت زہد و تقویٰ کی اٹھا رہا ہوں اور اتنا عرصہ ذکر و شغل کرتے ہوگیا اور اب تک کچھ نصیب نہیں ہوا۔ یہ کس قدر گناہ کا خیال ہے، برخلاف اس کے جو بعض دفعہ رخصتوں پر عمل رکھتا ہے اس کو اپنے عمل پر نظر کبھی نہیں ہوسکتی۔ اس کو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے اس کو بمقابل اپنے عمل کے زیادہ سمجھتا ہے اور در صورت عدم وُرود کیفیات وغیرہ کے بھی اس کو شکایت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں عمل ہی کیا کرتا ہوں جو ثمرات کا مستحق ہوں۔ بہر حال رخصت پر عمل کرنے والے کی نظر میں ہمیشہ حق تعالےٰ کی عطاؤں کا پلّہ بمقابلہ اس کے اعمال کے بھاری رہتا ہے جس سے اس کو طبعاً حق تعالےٰ کے ساتھ محبت پیدا ہوجاتی ہے یہ کس قدر بڑی نعمت ہے۔ بعض لوگوں کو عزیمت ہی پر عمل کرنے کا شوق ہوتا ہے یہ کوئی کمال نہیں۔ رخصتِ شرعیہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے باوجود ضرورت کے بھی کام نہ لینا خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ حدیث شریف میں ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّوْتٰی رُخَصَہٗ کَمَا یُحِبُّ اَنْ یُّوْتٰی عَزَائِمَہٗ۔ یعنی حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کی رخصتوں پر بھی ویسا ہی عمل کیا جاوے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی عزیمتوں پر عمل کیا جاوے۔ (اشرف السوانح)

حیاتِ طیّبہ کا راز

فرمایا۔ یہ بات کان کھول کر دینداروں ہی کو نہیں دنیاداروں کو بھی سن لینا چاہیے اور سمجھ لینی چاہئے جیسا اپنے اور پرائے سب کے تجربات سے واضح کیا جا چکا کہ قلب کی راحت

یا دل کے سکھ چین کا راز مادی ساز و سامان یا فضولیات کی بہتات میں نہیں بلکہ ضروریات زندگی پر قناعت ہی میں پوشیدہ ہے اور ساتھ ہی اگر ایمان وعمل صالح یا دینداری کی زندگی بھی نصیب ہو تو حیٰوۃِ طیبہ کی موعودہ زندگی کا تجربہ اسی دنیا میں ہو جاتا ہے جس کا جی چاہے آزما کر دیکھ لے۔ (الافاضات الیومیہ)

اپنے انجام کی کسی کو خبر نہیں

فرمایا کبھی کسی آدمی کو بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کہ میری حالت اخیر تک مامون رہے گی۔ اپنی حالت پر کیا ناز کرے کسی کو کیا حقیر سمجھے، اس لئے کہ کیا خبر ہے کسی کو کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ بعض وقت فساق و فجار میں بھی خود فسق و فجور کے زمانے میں ایسی بات ہوتی ہے کہ وہ بیڑا پار کر دیتی ہے۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل علٰی شانہ کے ساتھ تعلق اور محبت یہ بھی ایک عمل مخفی ہے جس کی بدولت یہ شخص قتیل محبت ہونے کی وجہ سے شہداء میں سے ہے۔ تو کیا کسی کو حقیر و ذلیل سمجھا جا سکتا ہے، اسی کو فرماتے ہیں ؎

گناہِ آئینہ عفو و رحمت است اے شیخ
مبیں بچشمِ حقارت گناہ گاراں را

فرمایا کام کرنا چاہئے اور اس پر آمادہ رہنا چاہئے کہ کچھ نفع ہو یا نہ ہو اور عمل بھی خواہ کبھی ہو اور کبھی نہ ہو اس کی طرف نظر ہی نہ کرے کام شروع کر دے، اور ایک بات کام کی اس وقت ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ ماضی کی کوتاہی کو بھلا دینا چاہئے۔ یہ بھی ایک بڑی غلطی ہے کہ ماضی پر مستقبل کو قیاس کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسی کوتاہی ہوگی۔ اس سے بھی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ نیز اگر کام کرنے کے زمانے میں کوئی لغزش ہو جائے، یا کسی نامناسب بات یا فعل کا صدور ہو جائے تو اس کا بھی مراقبہ کرنے نہ بیٹھ جائے بس دل سے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کہہ کر آگے چلے۔ ورنہ پھر یہ مراقبہ بھی اپنا ہی مطالعہ ہوگا۔

اس طرف کا مشاہدہ تو پھر بھی نہ ہوا۔ ایک ضروری بات اور بھی ہے کہ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خواہ قلیل ہی کی توفیق ہو اور ہمیشہ کے لئے بھی توفیق کی امید نہ ہو، اس کو بھی غنیمت سمجھے۔ مثلاً یہ خیال کرے کہ آج کی دو رکعت بھی کیوں چھوڑیں۔ شاید یہی نجات کا سبب ہو جائیں۔ سو اس طریق سے کام کر کے دیکھو کیا سے کیا ہوتا ہے۔

(اشرف السوانح ۲)

اعمال پر جزا

فرمایا کہ ہمارے اعمال کی جزا محض عطا و انعام ہیں۔ ہمیں تو ہر وقت ان کی رحمت اور ان کے فضل کی ضرورت ہے جو کچھ ملے گا وہ محض انعام ہے گو نام کو جزائے اعمال ہے۔ مگر ہمارے اعمال ہی کیا جس پر جزا کا استحقاق ہو بلکہ خود ان کو اعمال میں شمار کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہی ہے ورنہ ہمارے اعمال تو حسنات کہنے کے بھی قابل نہیں بلکہ وہ اپنے فضل سے ان کو حسنات بنا دیں گے چنانچہ بعض اہل لطائف نے اولٰئِکَ یبدل اللہ سیئاتھم حسنات کی بھی یہی تفسیر کی ہے۔ پھر ایک بڑی رحمت یہ ہے کہ ہمارے اعمال محدود اور جزا غیر محدود اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ وہ جزا برائے نام ہے ورنہ محض عطا ہی ہے اس کی دلیل خود قرآن میں ہے جزآءً مِن ربك عطآءً حسابًا۔ اس تقریر سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ اگر وہ جزا ہے تو عطا کیسی اور اگر عطا ہے تو پھر حساب کیسا: جواب یہ ہے کہ جزاء صورۃً ہے اور عطا حقیقتہً، اور حساب جزا یا عطا کے لئے نہیں بلکہ خود اہل عطا میں تفاوت کے لئے حساب ہو گا باقی جو عطا ہو گا وہ بغیر حساب ہی ہو گا۔ (انفاس عیسیٰ)

بندے کا کام صرف اللہ تعالےٰ کو راضی کرنا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو بحمد اللہ اپنے بزرگوں کی برکت سے اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی معتقد رہے گا یا غیر معتقد ہو جائے گا جو جس کا جی چاہے کرے۔ اگر سارا عالم بھی ایک طرف ہو جائے مجھ کو بفضل خدا اس کی پرواہ نہیں پرواہ کی تو صرف ایک ہی چیز ہے وہ رضائے حق ہے۔ اگر یہ حاصل ہے تو سارا عالم اس کے سامنے گرد ہے۔ مسلمانوں کے لئے صرف یہی ایک چیز ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے راضی کرنے میں لگا رہے اگر وہ راضی ہیں تو اس نے سب کچھ پا لیا اور حاصل کر لیا اور اگر یہ نہیں تو اگر تمام دنیا و مافیہا بھی اس کو مل جائے تو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔ (اشرف السوانح)

حرفِ آخر

مفید یا غیر مفید کام کا مراقبہ

ایک ضروری مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا جاوے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں یا کرنے والے ہیں، یہ آخرت میں مُضر ہے یا مفید۔ اس مراقبہ کے لئے کوئی وقت معیّن نہیں، بلکہ یہ ایسا مراقبہ ہے کہ ہر وقت اس کا وقت ہے۔ چلتے پھرتے بھی اس کو سوچتے رہو اور کھاتے پیتے بھی اور باتیں کرتے ہوئے بھی، اور رنج و غصّہ میں بھی۔ کوئی حرکت اور کوئی سکون اس مراقبہ سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ اس کے بعد

انشاء اللہ تعالیٰ اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض صادر ہوا بھی تو آپ اس وقت بیدار گنہگار ہوں گے، سرکش و غافل گنہگار نہ ہوں گے، اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے کہ انسان کو گناہ کے وقت تنبہ ہو جائے کہ میں نے یہ کام گناہ کا کیا۔ اس سے دل پر ایک چرکہ لگتا ہے جس کے بعد فوراً توبہ و استغفار کو دل چاہتا ہے (وعظ الاسعاد والابعاد)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اَتْمَمْتُ كِتَابِىْ هٰذَا بِكَلِمَاتِ الصَّالِحِيْنَ فَاجْعَلْهُ كِتَابًا نَافِعًا لِلْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الطَّالِبِيْنَ وَالسَّالِكِيْنَ وَاجْعَلْهُ ذَخِيْرَةً لِّىْ فِى الْاٰخِرَةِ يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ بِحَقِّ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَرَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ط

عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیٔ نوراللہ مرقدہٗ خلیفہ مجاز حضرت
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصوف کے موضوع پر
اسوۂ رسول اکرمؐ کے بعد ایک دوسری کامیاب کتاب

بصائرِ حکیم الامتؒ

(انتہائی مختصر مگر جامع پروگرام کے تحت)

- اس کتاب میں موصوف نے اپنے پیرومرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی تعلیمات پر مبنی حقیقتِ تصوف وسلوک اور اس کے متعلق ازالۂ اوہام وشکوک کی نہایت تفصیل کے ساتھ قابل قدر وضاحت فرمائی ہے۔
- مسائل طریقت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں بچا جس پر سیر حاصل بحث نہ کی گئی ہو۔
- تمام روحانی معارف وحقائق اور ان کے نازک دقیق نکات کی بڑی دل نشین انداز میں عقدہ کشائی کی گئی ہے۔
- الغرض یہ کتاب تہذیب اخلاق وتزکیۂ نفس اور حصول مع اللہ کا ایک بینظیر خزینہ اور آئینہ ہے۔
- خاص طور پر سالکانِ راہ طریقت کے لئے تو یہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔

عام لوگوں کی سہولت کے پیش نظر ادارہ اس کتاب کو دوماہی پروگرام کے تحت قسط وار شائع کر رہا ہے۔ ہر قسط $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$ سائز کے تقریباً ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہوگی۔ قیمت ممبران کے لئے دس روپے۔ ڈاک خرچ بذمہٗ ادارہ صرف ایک خط لکھ کر ممبر بنیئے۔ ممبری کے لئے کوئی فیس نہیں ہے۔

نوٹ ۱:- جو حضرات یہ کتاب مکمل مجلد حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اپریل کے پہلے ہفتے میں صرف ایک خط لکھ کر کتاب طلب کر سکتے ہیں۔ قیمت مکمل مجلد

مآثر حکیم الامت

ارشادات وافادات حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی

نوراللہ مرقدہٗ

خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

* یہ تذکرہ ہے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج، شانِ تربیت اور اندازِ زندگانی کا۔
* اس میں انتخاب ہے حکیم الامتؒ کے ان ملفوظات کا جس کی نظیر کتبِ تصوف میں کم ملے گی۔
* ایک ایسا خزانہ جس کی قدر و قیمت کا پتہ مطالعہ کے بعد ہوتا ہے۔
* ایسے وقت پر کام آنیوالی کتاب جبکہ بہت سے رہبر بھی کام نہ آسکیں۔
* ایک ایسی تصنیف جسکے مطالعہ سے دین کا راستہ آسان اور دلکش نظر آنے لگے۔
* جس کو پڑھ کر نیکی کی اُمنگ، طاعات کا شوق اور اتباعِ سُنّت کا ولولہ بیدار ہو۔

—— اور —— ایک معرکہ آرا رسالہ "افادات عارفیہ" بھی شاملِ کتاب کر کے اس کی افادیت میں چار چاند لگا دیئے گئے ہیں۔

ملنے کا پتہ

ناشر سلمان عثمانی اینڈ کمپنی دیوبند